فیلقوس کا جانشین، ارسطو کا شاگرد، کم سن فاتح عالم، فوق الانسان قوتوں سے مُتّصف

سکندرِ اعظم

مصنف : ہیرلڈ لیم

مترجم : غلام رسول مہر

سکندرِ اعظم

فیلقوس کا جانشین، ارسطو کا شاگرد، کم سن فاتح عالم،
فوق الانسان قوتوں سے مُتصّف

ہیرلڈ لیم (Harold Lamb)

ترجمہ: غلام رسول مہر

گوھر پبلیکیشنز
سید پلازہ فسٹ فلور A-3، چیٹرجی روڈ، اردو بازار لاہور
فون: 042-37027720 موبائل: 0345-4327063

Marfat.com

خیالات کی جنگ میں کتابیں ہتھیار کا کام کرتی ہیں۔
دنیا پر کتابیں ہی حکومت کرتی رہی ہیں۔

Mob: 0345-4327063
Ph : 042-37027720

ناشر:

حفیظ گوہر

"جملہ حقوق محفوظ ہیں"

نام کتاب	....	سکندرِ اعظم
مصنف	....	ہیرلڈلیم
ترجمہ	....	غلام رسول مہر
سرورق	....	محمد احسن گل
کمپوزنگ	....	ہجویری کمپوزر اینڈ ڈیزائنرز
تعداد	....	1000
قیمت	....	450روپے

حفیظ گوہر نے بھٹو پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
گوہر پبلی کیشنز اُردو بازار لاہور سے شائع کی۔

Marfat.com

ترتیب

	دیباچہ	5
پہلا باب	سورج کے رتھ کی گزرگاہ	7
دوسرا باب	ہیئت زمین کا معما	42
تیسرا باب	ڈیما ستھنیز اور قتل گاہ کا ئی رونیا	85
چوتھا باب	پہاڑ اور تھیبیز	106
پانچواں باب	ٹرائے کا راستہ	124
چھٹا باب	غنیم کی سرحد میں داخل	139
ساتواں باب	پہلا گرما اور پہلا سرما	149
آٹھواں باب	جنگ اسوس	162
نواں باب	خاتونانِ دمشق	179
دسواں باب	سمندر کے دروازے	193
گیارہواں باب	رودِ مشرق	209
بارہواں باب	ملکہ وحوش	225
تیرہواں باب	پرسی پولس	241
چودہواں باب	عقاب، آفتاب اور سلطنت	258
پندرہواں باب	عیش وعشرت کی تباہ کاری	270

Marfat.com

سولھواں باب دریائے بحر اور دریائے ریگ 290
ستارھواں باب روشنک 304
اٹھارھواں باب ہاتھی اور آخری دریا 323
انیسواں باب مغرب کی جانب مراجعت 344
بیسواں باب دولت کا تیزاب 362
اکیسواں باب فوج کا خاتمہ 373
بائیسواں باب بابل کے پانی 381
تیئسواں باب سکندر کے بعد 387
ضروری گزارش 419
حوالہ جات 421

Marfat.com

دیباچہ

ہیرلڈلیم، جن کی کتاب کا اردو ترجمہ خوانندگان کرام کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے دورِ حاضر کے مشہور اہلِ قلم میں شمار ہوتے ہیں اوران کی متعدد تصانیف علمی حلقوں میں خاصی شہرت پا چکی ہیں۔ پیشِ نظر کتاب بھی اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کی مالک ہے مثلاً:

1- سکندر کے متعلق جتنی تفصیلات و جزئیات اس میں آ گئی ہیں وہ شاید ہی کسی دوسری کتاب میں یکجا مل سکیں۔

2- سکندر کے بارے میں اب تک عام تصور یہی رہا کہ وہ عہدِ قدیم کا سب سے بڑا فاتح اور سب سے بڑا سپہ سالار تھا۔ مصنف نے اس کی جونئی خصوصیات واضح کی ہیں ان میں سے دو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اوّل یہ کہ اس نے علم و اکتشاف کی نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں، دوم یہ کہ عوام کی داخلی آزادی کو بحال رکھتے ہوئے ایک عالمگیر وفاق کا خواب دیکھا اور زندگی کی مختصر سی مہلت اس خواب کی تعبیر کیلئے وقف کر دی۔ آپ کتاب پڑھ چکیں گے تو یقین ہے کہ سکندر کی فتوحات اور یگانہ سپہ گری کے مقابلے میں مذکورہ بالا دو خصوصیات زیادہ فائق و برتر نظر آئیں گی۔ اس وجہ سے اس کی عظمت کا درجہ زیادہ بلند و برتر ہو جاتا ہے۔

3- کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے جو کچھ بیان کیا ہے اسے روایت کے بجائے مشاہدے کا درجہ دینے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہیں رکھا۔ سکندر کی وفات پر کچھ کم

Marfat.com

دو ہزار تین سو سال گزر چکے ہیں مصنف خواندہ کتاب کو اس طویل مدت کے دھندلکے میں سے گزار کر اس عہد میں لے جاتا ہے جس میں سکندر سرگرمِ عمل تھا۔ اور ہر واقعے کا مشاہدہ اسی حالت میں کراتا ہے جس طرح پیش آیا ہوگا۔

ان وجوہ سے کتاب نے جو اہمیت حاصل کر لی ہے وہ کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔ مصنف کا ایک مخصوص طریقہ یہ ہے کہ وہ اوائل کتاب میں ہی بعض ایسے مباحث شروع کر دیتا ہے جو نظر بہ ظاہر اصل موضوع سے سراسر بے تعلق معلوم ہوتے ہیں لیکن کتاب کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے پڑھنے والے کو خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ وہ مباحث حقیقتاً بے تعلق نہ تھے۔ اگرچہ مصنف نے ان کے سلسلے میں جو پیمانہ اختیار کیا اس کے بارے میں اختلافِ رائے کی کتنی ہی گنجائش ہو۔

مصنف نے کتاب میں یونانی افسانوں کی تلمیحات بہ افراط استعمال کیں۔ ظاہر ہے کہ ان تلمیحات کے متعلق ضروری تصریحات کے بغیر عام اردو خواہ اصحاب مطالبِ کتاب سے پوری طرح محظوظ نہ ہو سکتے تھے۔ میں نے اس امر کا خاص خیال رکھا کہ ساتھ ساتھ تلمیحات کی مختصر سی کیفیت بیان کرتا جاؤں۔ تاکہ کوئی حصہ غیر واضح نہ رہے نیز تاریخی تلمیحات کے متعلق اجمالاً حواشی تحریر کر دیئے ہیں اور جو اسماء غیر معروف تھے انہیں انگریزی میں بھی لکھ دیا تاکہ تلفظ میں غلطی کا امکان زائل ہو جائے۔

غرض کتاب کی ضخامت میں اضافہ کیے بغیر ترجمے کو مفید و دلچسپ بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ ترجمے میں حتی الامکان مصنف کے اسلوب و بیان کی پابندی کی گئی ہے لیکن جہاں انگریزی اسلوب بجنسہٖ اپنی اصل صورت میں اردو کا لباس اختیار نہ کر سکتا تھا وہاں فقروں کو توڑا بھی گیا ہے۔ تاہم میرا خیال ہے کہ پوری کتاب میں ایسے مواقع بہت کم آئے ہوں گے بنا بریں اگر اسے لفظی ترجمہ قرار دینے کی جسارت کروں تو غالباً یہ گزارش بے جا نہ ہوگی۔

غلام رسول مہر

Marfat.com

پہلا باب

سورج کے رتھ کی گزرگاہ

ہم پہلے پہل اس کا ذکر سنتے ہیں کہ وہ تنہا تھا۔ مطلب یہ نہیں کہ اسے تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ آدمی تو ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کاموں کے سرانجام کو اس کی آرزوؤں میں مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور جن افکار میں وہ ڈوبا رہتا تھا ان میں کوئی اس کا شریک و رفیق نہ تھا۔

اس کی نظروں میں سب سے زیادہ قدر و قیمت ''ایلیڈ[1] یا داستان ٹرائے'' کے ایک نسخے کو حاصل تھی۔ وہ رات کے وقت اسے بالالتزام، پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ کتاب کے مختلف حصے حفظ ہوگئے۔ مطالعے کے بعد رات کے باقی اوقات میں کتاب اس کی چوبی باکین کے نیچے رہتی۔ ایکی لیز[2] اس کے دل دماغ پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ ایک اتالیق نے اسے ایکی لیز کے نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔ تمام دوسرے اوقات کی طرح سونے کا وقت بھی مقرر تھا۔ اور اس سے پیشتر شمع اس کے پاس سے اٹھالی جاتی۔ ساتھ ہی وہ عالم خیال میں اپنے محبوب کتابی مشاہیر کی صحبت اختیار کر لیتا۔ ان کے ساتھ سمندر عبور کرتا اور سرزمینِ مشرق کے اجنبی ساحل پر لنگر انداز ہوتا۔ چرمی کاغذ پر لکھی ہوئی یہ کتاب ایک ایسی نعمت تھی جسے وہ صرف اپنے لئے مخصوص رکھنے کا خواہاں نہ تھا۔ اس میں نہ اسے اپنے عزیز لیونی دس[3] کو شریک کرنے کی ضرورت تھی نہ رفیقوں اور اتالیقوں کو اور نہ تھیسیز[4] کے آزمودہ کار ماہرِ حربیات کو۔ یہی لوگ تھے جو اس کی رفاقت اور تعلیم و تربیت کے لئے

Marfat.com

مقرر تھے۔

جو اتالیق اسے یونانی زبان کی تعلیم دیتے تھے یا خطابت و منطق کی مشق کراتے تھے، انہیں اس کی ماں نے منتخب کیا تھا۔ ان میں سے لیونی دس کو تقدم حاصل تھا۔ وہ تمام اتالیقوں کا افسر تھا۔ اس کے ساتھ ماں کی طرف سے عزیز داری بھی تھی اور وہ بڑا سخت گیر اور متشدد آدمی تھا۔

مختلف اتالیقوں نے دن بھر کے اوقات باہم تقسیم کر رکھے تھے۔ ان کے مطابق تعلیم و تربیت کے فرائض انجام پاتے۔ صبح کی روشنی نمودار ہونے سے پیشتر اسے اٹھا دیا جاتا۔ پہلے مقررہ لمبان میں ایک پیادہ غلام کے ساتھ دوڑنا پڑتا۔ پھر ناشتہ نصیب ہوتا۔ دوڑ کے مقام پر پہنچتا تو اتالیق پکار کر کہتا: ''طلوعِ آفتاب سے پہلے دوڑ لگا لی جائے تو ناشتہ مزا دے جاتا ہے۔ ہلکا ناشتہ کیا جائے تو کھانا اچھا کھایا جاتا ہے۔''

دوڑ ایک ہزار قدم کی تھی اور قبرستان پر پہنچ کر ختم ہوتی تھی۔ اس میں گھٹنے جھکے رہتے، دوڑتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے پہاڑی لوگ چھلانگیں لگاتے ہیں، موڑ پر پہنچتا تو سامنے زیارت گاہ کے سنگ مرمر پر یہ الفاظ جلی حروف میں کندہ نظر آتے ''میں اب لافانی دیوتا بن چکا ہوں، اب میرے لئے فنا نہیں۔''

یہ مینار ایک نشان تھا جہاں سے واپسی پر شہر پہنچنے کیلئے چڑھائی میں دوڑنا پڑتا۔ لڑکا بڑے شوق سے دوڑ پوری کرتا۔ اگر سورج کی کوئی کرن ٹیلے کی پیشانی پر نمودار ہو جاتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ سورج کا رتھ دور افتادہ سمندر کے اصطبل سے نکل کر حرکت میں آ چکا ہے اور اس نے آسمان کا مقررہ سفر شروع کر دیا ہے۔ جب بادل پہاڑوں پر چھا جاتے تو لڑکے کو ایسا معلوم ہوتا کہ جو گھوڑے سورج کا رتھ کھینچ لئے جاتے ہیں ان کے سر بادلوں کے اوپر اچھلتے ہیں۔ دوڑ شاہی محل کے درختوں کی سب سے بیرونی قطار کے پاس ختم ہوتی۔ یہ مقام قریب آتا تو لڑکا لمبے ڈگ بھرتا ہوا غلام کو پیچھے چھوڑ جاتا۔ اسے قطعاً گوارا نہ تھا کہ کوئی اس سے آگے نکل جائے اور غلام آگے نکلنے کی جسارت بھی نہ کر سکتا تھا۔

Marfat.com

محل میں پہنچتا تو سیدھا قربان گاہ کی آگ کے پاس چلا جاتا اور اٹھتی ہوئی خوشبوؤں کے دھوئیں سے اپنے ہاتھ پاک کرتا۔ اس وقت اسے ایسا محسوس ہوتا کہ ابھی تک دوڑنے والے سورج کا خیر مقدم کر رہا ہے۔ سورج مشرق میں ان بلندیوں پر اڑا چلا جاتا تھا جہاں دیوتا رہتے تھے۔ دیوتاؤں کے آس پاس نہ اندھیرے کو بار مل سکتا تھا اور نہ نیند کو۔

دوڑ بے میں خوشبو اٹھاتا اور مٹھیاں بھر بھر کر بے پروایانہ آگ پر ڈالتا جاتا تا کہ دھواں بلند ہو اور آگ کی حرارت سے اس کا سرد جسم گرم ہو جائے۔ ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ کہتا جاتا ''مقدس باپ کی تقدیس ہو۔ اس کے بیٹے کی تقدیس ہو جو سینگوں والے سانپ سے پیدا ہوا...... دعا ہے وہ ہمارے نگران رہیں اور ہماری حفاظت کریں۔''

یہ الفاظ تاریکی میں زبان پر آتے تو محض خالی بولی سمجھے جاتے۔ بڑھتی ہوئی روشنی نے ان میں خاص معنویت پیدا کر تھی۔ اس لئے کہ وہ محسن اور مربّی مخاطب تھے اور وہ عظیم الشان روحیں مخاطب تھیں جو بہت دور تھیں۔ متحمل و بردبار اور نگران و ہوشیار۔

دیوتاؤں کی ضیا بخش رفاقت کے بارے اس کے تصورات کی یہ صورت تھی۔ دیوتا کون تھے؟ زیوس[5] اور تیز پرواز افراوڈائٹ[6] جس سے ایکی لیز نے نصیحتوں کی روشنی پائی تھی۔

وہ دہکتی ہوئی قربان گاہ میں خوشبو کے انبار لگاتا تو لیونی دس اس کا بازو چھو کر روکھے پھیکے انداز میں کہتا: ''پسا ہوا لوبان ریت نہیں جسے مٹھیاں بھر بھر کر ڈالتے جا رہے ہو۔''

ایسے موقعوں پر لڑکے کو محسوس ہوتا کہ اس کا دم گھٹ رہا ہے، سانس رکتا ہوا معلوم ہوتا دماغ پر تناؤ کی کیفیت طاری ہو جاتی اور زبان نہ کھول سکتا۔ بلاشبہ لوبان اور خوشبوئیں عربستان سے آئی تھیں جو بہت دور تھا لیکن وہ سوچتا کہ مجھے قربان گاہ میں قربانی کی غرض سے بھیجا گیا ہے یہ کیونکر ممکن ہے کہ قیمتی خوشبوؤں کی ایک چٹکی لے کر چڑھاوے کی محض رسم پوری کر دوں اور سمجھ لوں کہ یہ خوشبو مناسب وقت تک باقی رہے گی۔ اس کے دل میں احساس پیدا ہوتا تھا کہ یا تو خوشبو کا پورا ذخیرہ چڑھاوے میں صرف کر دے یا سرے سے چڑھاوے کا خیال ہی دل میں نہ لائے لیکن وہ اس احساس کو اپنے لیونی دس پر ظاہر نہ

Marfat.com

کر سکتا تھا۔

ماں کے رشتہ داروں سے بات چیت آسان نہ تھی۔ وہ بتا دیتے کہ فلاں کام کرو اور فلاں نہ کرو اور لڑکے کیلئے پابندی لازم تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ باپ نے گھڑ دوڑ کیلئے جو گھوڑے پال رکھے ہیں، انہیں کیوں نئے راستے پر دوڑانے کی اجازت نہیں دیتا۔ باپ کہتا ہے کہ مقدونیہ کے باشندے پہاڑی ہیں اور انہیں پہاڑوں پر چڑھنے میں مہارت حاصل کرنی چاہئے۔ لیونی دس اسے باریک پسی ہوئی یا دودھ میں ابلی ہوئی جواری نہ کھانے دیتا اور کہتا کہ ریچھ کی انتڑیاں یا جنگلی سور کی ہڈیوں کا گودا کھاؤ۔ اس غذا سے تم میں بہت طاقت پیدا ہوگی جس کی تمہیں ضرورت ہے۔

صبح کے وقت قربانی کی رسم ادا ہو چکتی تو لیونی دس لڑکے کے کمرے میں جا کر جگہ جگہ دیکھ بھال کرتا کہیں اس کی ماں نے چوری چھپے شہد کی مکھیاں یا دودھ کا پیالہ تو نہیں رکھ دیا اور وہ اکثر اس قسم کی حرکتیں کرتی رہتی تھی۔ ماں کے تمام عزیز اور رشتہ دار لڑکے کی تربیت کے سلسلے میں جن امور کو اپنا فرض سمجھتے انہیں پورا کرنے میں بڑے ہی سخت تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ لڑکا زیادہ سے زیادہ جفاکش اور سخت کوش بن جائے اس لئے کہ بادشاہی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد اسے ادائے فرض کے سلسلے میں بڑی حوصلہ مندی کی ضرورت تھی۔

لڑکے کو یقین نہ تھا کہ وہ لوگ دیوتاؤں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ابتداء میں زمین ایک مسطح اور ہموار پیالے کی طرح آسمان کے نیچے لٹکی ہوئی تھی اور اس پر انتہائی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس پر زندگی کا کوئی نشان نہ تھا۔ پھر نور نمودار ہوا، روشنی پھیلی۔ اس سے پیشتر صرف وقت کارفرما تھا۔

اور روشنی مشرق میں مقدس باپ زیوس کے پاس تھی۔ مشرق ہی کی بلندی سے سورج کا رتھ اپنے محور پر چلتا ہوا ضیا کرتا تھا۔ یہیں سے پہلے پہل پرومی تھوس نے آگ چرائی اور اسے سزا کے طور پر زنجیروں میں جکڑ کر ان پہاڑوں پر بیٹھا دیا گیا جو مشرقی سمت میں حد فاصل کا کام دے رہے تھے۔ باقی رہی مغربی سمت تو لڑکے کو صرف اتنا معلوم تھا کہ ادھر

Marfat.com

سمندر پر شفق کے سائے کے سوا کچھ نہیں۔ سورج کا رتھ جب ادھر پہنچتا تو سمندر کا پانی اس کی آگ بجھا دیتا ہے۔ وہیں موت کے بعد انسانوں کی روحیں چلی جاتیں۔ وہ سایوں کی غلام بن جاتیں اور نور سے محروم ہو جاتیں۔

ایک روز اس نے سنا کہ لیونی دس یونانی زبان کے اتالیق لسی مچس [8] سے کہہ رہا تھا:

سکندر کتاب کا کیڑا ہے۔ وہ قربان گاہ میں خدمت گزاری کا خواہاں معلوم ہوتا ہے اور حقائق سے دور بھاگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرح مردِ میدان نہیں بن سکتا۔

سکندر کتابوں سے اس لئے چمٹا رہتا تھا کہ وہ جب ان کے مطالعے میں غرق ہو جاتا تو کوئی اسے یہ بتانے کیلئے سر پر موجود نہ ہوتا کہ اب تمہیں یہ کرنا یا یہ سننا چاہئے۔ اس کے رفیق ہر وقت ساتھ رہتے۔ وہ ہنستے، خوشیاں مناتے، اپنے راز سناتے .... اور بے تابی کے بازوؤں سے ڈرتے ہوئے دور سمندروں میں جزیوں کے اندر پہنچ جاتے۔

ایک روز سکندر نے اچانک لیونی دس سے سوال کیا: ''کیا ابا جان کے کچھ دوست بھی ہیں؟'' لیونی دس پر حیرت طاری ہوگئی۔ وہ بولا: ''تمہارے ابا جان بادشاہ ہیں۔''...... پھر رک گیا۔ اسے احساس تھا کہ لڑکے کے سوال کا مطلب کیا ہے۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا فیلقوس شاہ مقدونیہ کو نادنوش کی مجلسوں میں شریک ہونے والے ساتھیوں کے علاوہ کچھ ایسے رفیق بھی ملے ہیں جو اس کے خیالات و افکار میں حصہ دار ہوں اور کمزوریوں کے باوجود اس سے محبت کرتے ہوں۔ [9] لیونی دس نے سوال پر غور کیا۔ پھر انتہائی دیانت داری مگر احتیاط سے جواب دیا: ''اس کے دوستوں میں پارمینیو ہے، اینٹی پیٹر [10] ہے۔ ہاں ایتھنز کا دیماوس [11] بھی تو ہے۔'' غرض اس نے دو جرنیلوں اور ایک مدبر کا نام لے دیا۔''

لڑکا فوراً بول اٹھا: ''میرے کون کون دوست ہیں؟ تین کے نام لو۔''

اس سوال کے جواب میں لیونی دس بے توقف بولا: ''بطلیموس [12]، نیارکس [13]، ہارپالوس [14] میں ایسے ایک درجن آدمی گنا سکتا ہوں۔''

سکندر سوچ میں پڑ گیا۔ ایک درجن؟ اتنے ہی اس کے ساتھ تھے جنہیں اس کی ماں

Marfat.com

نے چن کر مختلف اتالیقوں کے اسباق میں شامل کر دیا تھا۔ ان کی عمریں بارہ سے چودہ سال تک تھیں۔ بطلیموس سکندر سے ایک سال بڑا تھا۔ وہ تعلیم میں بھی ہوشیار تھا اور لطیفہ بازی میں بھی۔ اس کی ماں آرسی نوئی[15] یونان کی ایک بازاری عورت تھی جو اپنے بال مشرقی انداز میں رنگا کرتی تھی۔ اگرچہ آرسی نوئی نے کبھی اقرار نہ کیا، لیکن بطلیموس کو یقین تھا کہ وہ خود فیلقوس کا بیٹا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دل میں اپنے آپ کو سکندر سے بڑا نہیں تو اس کے برابر ضرور سمجھتا تھا لیکن لوس کا درجہ سکندر سے نیچا رکھا گیا تھا۔ اس لئے کہ اس کی ماں کو فیلقوس کی بیوی تسلیم نہ کیا گیا تھا۔

نیارکس پہاڑوں سے بہت دور جزیرہ کریٹ میں پیدا ہوا تھا۔ وہ جہازوں پر سوار ہو کر جزیرہ جزیرہ پھرتا رہا۔ اگرچہ اس بارے میں باتیں کرنے کا عادی نہ تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ نیارکس بہت کم بات کرتا تھا۔ بے شک وہ ہمجولیوں کے ساتھ پھرتا لیکن اس کا بادامی چہرہ بالکل بے کیف تھا اور جو کچھ وہ کرنا چاہتے چپ چاپ اس سے اتفاق کر لیتا۔ سکندر نیارکس کو بہت اچھا سمجھتا تھا اس لئے کہ وہ کبھی کسی بات پر جھگڑا نہ کرتا اور دونوں کے درمیان سکوت و خاموشی کی خلیج حائل تھی۔ بارپالوس کے ساتھ سکندر کو کسی بھی نوع کا اشتراک نہ تھا۔ وہ دہقان کا بیٹا تھا اور مطالعے سے ہمیشہ تنگ رہتا۔ بارپالوس کو سکندر کی ماں نے اس وجہ سے رفاقت کیلئے چنا تھا کہ اس کے بیٹے کو ہر نمونے کے لوگوں سے شناسائی حاصل ہو جائے۔

سکندر نے ذرا خفگی کے لہجے میں لیونی دس سے کہا: ''میں نے تین دوستوں کے نام پوچھے تھے، نہ کہ رفیقوں کے۔'' لیونی دس نے اسے تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا ''آدمی کو اپنے دوست خود بنانا چاہئیں۔'' پھر ذرا دیر کیلئے رکا اور بولا: ''تمہیں اس وقت تک یہ حقیقت معلوم ہونی چاہیے تھی۔''

تنہائی کے بعد خوف کا درجہ تھا۔ اس کے بارے میں سکندر بات چیت نہ کرتا تھا۔ جب خوف کا تصور پیدا ہوتا تو اسے تھیسیز کے آزمودہ کار سپاہی کا خیال آجاتا جس کے چہرے پر زخم کا ایک نشان آنکھ سے نیچے تک چلا گیا تھا اور اس نشان نے اس کے چہرے کو پچکی ہوئی

Marfat.com

بھی سے مشابہ بنا دیا تھا۔ فیلقوس نے اپنے لڑکپن کا زمانہ بطور یرغمال تھیسیز ہی میں گزارا تھا۔ اس زمانے میں اس نے صف بند سپاہیوں کے قواعد سیکھی تھی اور وہیں سے وہ اس آزمودہ کار سپاہی کو ساتھ لایا تھا۔ سکندر کو خوب یاد تھا کہ فیلقوس اسے لایا تھا تو بیٹے سے کیا کہا تھا: ''اگر تم کبھی جنگ کرو تو جن لوگوں کو جنگ میں کمال حاصل ہے ان سے طریقے ضرور سیکھ لینا۔''

فیلقوس کی جو آنکھ سلامت تھی، مذکورہ بالا الفاظ ہوئے اس سے ایسے انداز میں اشارہ کیا تھا کہ واضح نہ ہو سکا خطاب خاموش آزمودہ کار سپاہی سے تھا یا خاموش بیٹے سے۔

سپاہی زیادہ جسیم اور تنومند نہ تھا لیکن اس کے گٹھے ہوئے پٹھے بٹی ہوئی زنجیروں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ وہ بارہ فٹ لمبا نیزا اپنے زخم خوردہ ہاتھ میں پکڑ کر بے تکلیف سر کے اردگرد گھماتا اور تیس قدم پر پھینک دیتا لیکن وہ سکندر کو نیزہ پھینکنے کی نہیں بلکہ تلوار چلانے کی مشق کرتا۔ مشق کی تلواریں بہت ہلکی ہوتیں۔ ان کے لوہے کو صیقل کے ذریعے سے چمکا دیا جاتا۔ جب یہ تلواریں دھات کی کسی چیز سے ٹکراتیں تو ان میں سے چھن کی آواز پیدا ہوتی۔ مشق کے بعد روزانہ سپاہی تلواروں کو خوب صاف کر لیتا اور وہ کہتا رہتا اگر تم تلوار کو ہمیشہ عصا یا شکاری چاقو کی طرح ہاتھ میں رکھو گے تو اس کے عادی ہو جاؤ گے۔ ضرورت کے وقت بے تکلف استعمال بھی کر سکو گے اور نتیجے سے بے پروا ہو کر اس سے ضرب بھی لگا سکو گے۔

سکندر کو بوڑھے سپاہی کے ان الفاظ پر اکثر غصہ آتا۔ وہ سمجھتا کہ زبان سے ایسی گفتگو کی حیثیت وہی ہے، جیسے جو کا کاشتکار فلسفے پر خطبے دینے لگے۔ اسے بارہا خیال آتا کہ شاید سپاہی سمجھتا ہے میں تلوار کے استعمال سے ڈر رہا ہوں۔ خصوصاً اس وقت جب بطلیموس سے سابقہ مقابلہ پڑتا ہے، وہ جب بھاری چربی ڈھال اپنے بائیں ہاتھ میں تھام کر کھڑا ہوتا تو اس کی ہتھیلیاں پسینے سے نم آلود ہو جاتیں اور پیٹ پر بے حسی کی سردی چھا جاتی حالانکہ وہ جب شکار کیلئے نکلتا یا نیزہ نشان پر پھینکتا تو اس کے دل میں رغبت و شوق کی حرارت موجزن رہتی۔

Marfat.com

بطلیموس یقیناً سکندر کے مقابلے میں جسم کا ہلکا پھلکا اور زیادہ ہوشیار تھا۔ دوڑ، کسرت اور سواری نے سکندر کے بدن میں صلابت پیدا کر دی تھی اور اس میں پھرتی نہ رہی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا ہوتا تو سر ایک طرف ذرا سا جھکا رہتا۔ اس کی نیلگوں آنکھیں حریف پر جمی ہوتیں اور الجھے ہوئے سنہری بال پیچھے کی طرف باندھ دیئے جاتے تاکہ آنکھوں کے سامنے نہ آ جائیں۔ اس کی جلد ماں کی جلد کی طرح نازک تھی اور چہرے پر سرخی کی لہریں دوڑ رہی تھیں لیکن جسم سورج کی تمازت کے باعث بادامی رنگ کا ہو گیا تھا۔ ماں کی طرح وہ خوبصورت بھی تھا۔

لیکن بطلیموس بڑی چالاکی اور احتیاط سے لڑتا۔ چوبی ڈھال پر کامیاب ضربیں لگانے میں بہ سہولت سکندر پر سبقت لے جاتا۔ صاف ظاہر ہوتا کہ تیغ زنی میں اس کا درجہ یقیناً اونچا ہے۔ جب سپاہی موقع پر نگرانی کیلئے موجود نہ ہوتا تو سکندر کو ضرر پہنچانے میں بھی تامل نہ کرتا۔ مثلاً کبھی تلوار کی نوک ران پر یا سر کی ایک سمت میں اس طرح لگا دیتا کہ خون نکل آتا اور نگران کار کو مشق روکنی پڑتی۔ اس وقت بطلیموس ایک انداز میں مسکرا پڑتا گویا وہ اس نمائشی جنگ سے بیزار ہے۔

ایک مرتبہ سکندر اور بطلیموس مشق کر رہے تھے اور نگران کار نے انہیں روکنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ سکندر کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کا جسم بے طاقت سا ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے بوجھ کو ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں کی طرف منتقل کرنے سے بھی عاجز ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا جس کی وجہ سے نصف بینائی زائل ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اس نے یہ کیفیت ختم کر دینے کی کوشش کی۔ کچھ مدت تک اسے بطلیموس کی شکل سرخ رنگ کی نظر آتی رہی۔ پھر یکایک وہ کیفیت زائل ہو گئی۔ تلوار اس کے جسم میں ہلکی محسوس ہونے لگی۔ وہ اسے تیزی سے حرکت دینے لگا اور اس نے پھرتی سے آگے یا پیچھے ہونا شروع کر دیا۔ اب بطلیموس کی ناکامی کا دور شروع ہوا۔ اس کی ڈھال ٹوٹ گئی اور تلوار کی حرکت سے بے چارگی ٹپکنے لگی۔

Marfat.com

اس کے برعکس سکندر پر وہی گرمجوشی طاری ہوگئی جو شکاری میں اس وقت پیدا ہوتی تھی جب اس کا گھوڑا ہرن کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ اس اثناء میں نگران کی زبان سے صدا بلند ہوتی کہ رک جاؤ اور اس کا نیزہ دونوں تلواروں کے درمیان حائل ہو گیا۔ بطلیموس کے خاصے زخم لگ چکے تھے، وہ سسکیاں بھر رہا تھا اور اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ نگران کار نے سکندر کا دایاں بازو تھام لیا اور آہستہ آہستہ اسے ساتھ لے کر اکھاڑے سے نکل گیا۔ جب اس کا جوش سرد پڑ گیا تو نگران نے کہا "اگر تم اس شعلہ مزاجی پر قابو پانا نہ سیکھو گے تو لمبی عمر نہ پاؤ گے۔"

فیلقوس کے پاس نگران نے یہ رپورٹ پیش کی کہ اس پر غیر معمولی تیزی ہے اور وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ہے لیکن اسے پسینہ بہت آتا ہے۔ گویا اس کی حالت وہی ہے جو دوڑ کے گھوڑوں کی ہوتی ہے جب انہیں رتھ میں جوتنے کیلئے ساز سے آراستہ کیا جاتا ہے تو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جنگی اسلحہ جس طرح استعمال کرنا چاہیئے اس طرح استعمال کرنا اسے شاید کبھی نہ آئے۔

فیلقوس یہ سنتے ہی بولا: "یہ اوصاف اسے ماں سے ورثے میں ملے ہیں۔"

موسم بہار میں سیل آجاتے تھے سکندر کو دریا میں سے تیر کر گزرنے کے وقت بھی اسی قسم کا خوف لاحق ہو جاتا تھا۔ نیارکس کو سیل کا خیال بھی نہ ہوتا تھا وہ بے تکلف پانی میں گھس جاتا اور حسنِ تدبیر سے یوں باہر نکل جاتا جیسے کوئی گندم کی فصل میں سے گزر جاتا ہے۔ تیز لہریں اسے کہیں سے کہیں لے جاتیں لیکن وہ پار پہنچ جاتا۔ سکندر دریا میں گھستا تو پانی سے کشاکش شروع ہو جاتی۔ جدوجہد میں اس کا سانس پھول جاتا ناچار اسے لوٹنا پڑتا۔ اسے ایسا معلوم ہوتا کہ نیارکس میں کوئی خاص صلاحیت یا قوت ہے جس سے میں محروم ہوں مگر نیارکس نے اپنی اس مخصوص صلاحیت پر کبھی فخر نہ کیا۔ وہ ہمیشہ کہتا: "دریائی چوہا اس سے بھی بہتر طریق پر پار پہنچ سکتا ہے۔"

ایک مرتبہ بطلیموس نے طعن آمیز انداز میں سکندر سے کہا: "دوڑ میں تمہیں حیرت انگیز کمال حاصل ہے۔ اگر میراتھان[16] کی دوڑ میں اس لئے شریک نہیں ہو سکتے کہ نوعمر ہو تو

Marfat.com

کیوں نہ اگلے سال پیتھو[17] کے کھیلوں میں شریک ہو جاؤ۔''

سکندر کے دل میں ہزاروں تماشائیوں کا نقشہ تازہ ہو گیا جو کھیلیں دیکھنے کیلئے جمع ہوتے تھے اور چنے ہوئے دوڑنے والے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کیلئے انتہائی جدوجہد کیا کرتے تھے۔ اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

بطلیموس نے ایک کچوکا لگانے کی غرض سے کہا: ''کیا تمہیں یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ اوّل نمبر پر نہ آسکو گے؟ ہاں بھائی شہزادے کیلئے ناکامی بری چیز ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟''

سکندر نے جواب دیا: ''میں دوڑ میں شریک ہونے کیلئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ مقابلہ شہزادوں سے ہو۔'' بطلیموس مسکرا کر رہ گیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

محل کے نوکر چاکر کہتے تھے کہ پانی سکندر کیلئے ہمیشہ خطرناک رہے گا۔ جو روح سمندروں کی گہرائی میں رہتی ہے وہ شہزادے کی دشمن ہے اور کوئی قربانی اس دشمنی کو زائل کرنے میں کارگر نہیں ہو سکتی۔ نیارکس کی تربیت ہی سمندر کی آغوش میں ہوئی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ روحوں کو مانو یا نہ مانو لیکن پہاڑ سیل سمندر کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔

معلوم نہ ہو سکا کہ سکندر کو اپنے باپ کے شہر پیلا[18] سے کیوں نفرت تھی۔ اس شہر کے اردگرد کوئی فصیل نہ تھی۔ اس لئے کہ فیلقوس نے اعلان کر دیا تھا۔ پیلا کو کسی فصیل کی ضرورت نہیں۔ یہ چھوٹا سا شہر تھا۔ تمام مکان سنگ خارا کے تھے اور ان کی وضع قطع سپاہیوں کی بارکوں جیسی تھی۔ شہر کے اندر باغات بھی نہ تھے۔ وسیع بازاروں کی جگہ اس میں چکر کھاتی بڑی گلیاں تھیں جن میں جابجا زینے بنے ہوئے تھے تاکہ لوگ اوپر نیچے جا سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شہر پہاڑ کے دامن میں بنایا گیا تھا اور اس میں قدم قدم پر نشیب و فراز تھے۔ سکندر کے دل میں شاید اس وجہ سے نفرت پیدا ہو گئی کہ اسے پیلا سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی اور وہ اس شہر کو اپنے لئے قید خانہ سمجھتا تھا۔ پھر اس میں نئی نئی عمارتیں بنانے کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ یہ حالت دیکھ کر دل میں اثر پڑتا کہ شہر زلزلے سے تباہ ہو چکا ہے اور اسے ازسرِ نو تعمیر کیا جا رہا ہے۔ تمام نئے مکانوں کے سامنے سائبان بنا دیئے گئے تھے جنہیں یونانی انداز میں

Marfat.com

خوش وضع ستون سہارا دیتے تھے۔ بایں ہمہ پیلا بدوضع شہر تھا اور جنوبی یونان کے مشہور شہروں کے مقابلے میں بالکل بالشتیا معلوم ہوتا تھا۔

فیلقوس پہلے ایک پہاڑی مقام میں رہتا تھا جس کا نام آئی گائی [19] تھا۔ پھر اس نے ایک خوبصورت جھیل کے کنارے پیلا تعمیر کرالیا اور کنبے کو یہاں لے آیا۔ جھیل کے علاوہ پیلا سے سمندر کا کنارہ ابھی نزدیک تھا۔ فیلقوس کہا کرتا تھا کہ اگر ہمارے پاس جہاز نہیں تو نہ سہی کم سے کم ہم اپنے شہر کو منتقل کر کے شاہراہ سے قریب تو لا سکتے ہیں۔ زندگی بھر میں یہی ایک موقع ہے جس پر فیلقوس کی بیوی تعرض معترز رہی۔

پیلا میں سب سے زیادہ خوبصورت مقام گھڑ دوڑ کا میدان تھا جو فیلقوس نے جھیل کے پاس گھوڑوں کی دوڑ کیلئے خاص اہتمام سے بنوایا تھا۔ سکندر کی ماں نے پہلی مرتبہ یہ میدان دیکھا تو پکار اٹھی ہمارے پاس بڑے اچھے اصطبل ہیں۔ سکندر کی ماں اکثر ڈیفی کے مندر اور کارنتھ [20] کی منڈیوں میں جاتی رہتی۔ اس وجہ سے بھی پیلا سکندر کی نظروں میں خاص وقعت نہ پاسکا۔ اس کی ماں اکثر کہتی کہ پیلا کو فیلقوس نے اپنے نقشے کے مطابق بنوایا ہے۔ اس نے ارادہ کررکھا ہے کہ اپنی وفات پر بیٹے کیلئے تعمیر کی کوئی گنجائش نہ چھوڑے گا اور اسے نقشے بنانے کا اتنا ہی سلیقہ ہے جتنا کہ گھوڑوں کے گلہ بان کو ہوسکتا ہے۔

شاید سکندر کو اس وجہ سے پیلا پسند نہ تھا کہ اس میں دبی ہوئی مزاحمت محسوس ہوتی تھی۔ فیلقوس اگرچہ اکثر اپنی فوجوں کے ساتھ پیلا سے باہر رہتا تاہم وہاں اس کا حکم چلتا۔ اسے پسند نہ تھا کہ پیلا میں کوئی بھی کام اس سے مشورہ لئے بغیر انجام پائے۔

اگرچہ یہ شہر ایک تنگ اونچی وادی میں واقع تھا لیکن بڑی شاہراہ سے قریب تھا۔ قبرستان کے پاس جو ٹیلا تھا، اس پر کھڑے ہوکر دیکھنے سے سمندر کی سیاہی مائل جھلک صاف نظر آتی تھی اور ساحل بحر کے ساتھ ساتھ ایک سفید خط بھی دکھائی دیتا تھا۔ یہ شاہراہ اعظم تھی جو ایران کے بادشاہ زرکسیز [21] نے ایک صدی پیشتر بنوائی تھی جب وہ ایشیا سے چل کر یونان کو فتح کرنے آیا تھا۔ فیلقوس کو اس شاہراہ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ تمام مشرق کی

Marfat.com

جانب وہی بہترین شاہراہ تھی۔

اسی شاہراہ سے ایک مرتبہ مشرق کے آدمیوں کا ایک جلوس آیا۔ وہ لوگ آہستہ آہستہ گردوغبار سے اٹی ہوئی سڑک کے ذریعے سے پیلا پہنچے اور خود ان کی اڑائی ہوئی گرد نے اردگرد پردہ سا تان رکھا تھا بایں ہمہ چمکیلے ارغوانی چغے اور زرتار لباس پردۂ غبار میں بھی دمک رہے تھے۔ سکندر نے شان وشکوہ کا ایسا منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ نیارکس نے سورج کی تب وتاب سے بچنے کیلئے آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کرتے ہوئے کہا "یہ ایشیا سے آئے ہیں اور جنہوں نے مرصع مکٹ پہن رکھے ہیں، وہ مجوسیوں کے موبد ہیں۔" بطلیموس بولا: "انہوں نے خوب زرق برق اور بھڑکیلے لباس پہنے ہوئے ہیں۔"

سکندر کی نظر گھوڑوں پر جمی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ انہیں دیکھ کر مسحور ہو گیا تھا۔ بعض گھوڑے قدوقامت میں اتنے بلند تھے کہ اس کی نظر سے ویسے گھوڑے کبھی نہ گزرے تھے۔ چلنے میں ان کی پشتیں اس طرح ہلتی تھیں گویا وہ پہاڑ کو اپنے اوپر سے ہٹا کر نیچے پھینک رہے تھے۔ بعض بڑے سبک رفتار تھے اور چھوٹے چھوٹے خوبصورت سر مسلسل اوپر اٹھے رہتے تھے۔ سکندر نے ایسے گھوڑے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ یونان میں سب سے اچھے گھوڑے تھسلی کے تھے لیکن سکندر کے نزدیک ایرانیوں کے گھوڑوں کو تھسلی کے بہترین گھوڑوں پر بھی سبقت حاصل تھی۔

اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ اجنبی شہنشاہ ایشیا کے سفیر ہیں۔ یونان کے لوگ ایشیائیوں کو ایرانی کہتے تھے۔ محل میں داخلے کیلئے جو زینے بنے ہوئے تھے سکندر وہیں جم کر کھڑا ہو گیا۔ وہ گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ ان مشرقیوں کے ساز وسامان کا بغور معائنہ کرے لیکن اسے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں ان کی توجہ خود اس کی طرف منعطف نہ ہو جائے۔

بطلیموس بولا: فیلقوس معمول کے مطابق اپنے تمام رفیقوں کے ہمراہ باہر گیا ہوا ہے اب یہاں کپتان سے اونچے درجے کا کوئی شخص نہیں جو مہمانوں کی پیشوائی کا اعزاز حاصل کر سکے۔

اس اثناء میں سفیر گھوڑوں سے اتر چکے تھے اور سائے میں کھڑے اپنا سامان پہنچنے کا

Marfat.com

انتظار کررہے تھے۔ ساتھ ساتھ پیلا کی بے قاعدہ اور غیر مربوط گلیوں کے نظارے سے بھی لطف اندوز ہورہے تھے۔ یکا یک ایک کنیز تیزی سے سکندر کے پاس آئی۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا، بولی "آپ کی والدہ ماجلدہ علیا حضرت اولمپیاس نے سلام کہا ہے اور فرماتی ہیں کہ آپ ان سفیروں کا استقبال کریں اور ان کے قیام کیلئے مناسب مقام کا بندبست فرماویں۔"

سکندر یہ پیغام سنتے ہی ہجوم میں سے کتراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کا حلق خشک تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ استقبال کیلئے کون سے لفظ استعمال کرے۔ ماں برابر اپنی مرضی کے مطابق اس سے کام لیتی تھی۔ فیلقوس تو محض اس امر پر قناعت کرلیتا کہ بچے کو تمسخر آمیز انداز میں دیکھتا رہے۔ گویا وہ مشکوک نسل کا بچھیرا تھا لیکن ماں فیلقوس سے زیادہ جبر و تحکم استعمال کرتی تھی۔

سکندر نے معمولی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک پرانی اونی قمیص اور سواری کی ڈھیلی ڈھالی پتلون۔ سفیروں نے اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب اس نے شراب منگوائی تو سفیروں نے بے پروایانہ پینے سے انکار کردیا اور کہا کہ ہمیں سادہ پانی بلوادیجئے۔

موبدوں نے سفید ریشم کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ ان کے رنگ پکے، چہرے پتلے اور ہلکے اور ان سے سرگرمی کے آثار نمایاں تھے۔ جب انہوں نے زریں اشیاء اور ریشمی پارچات جن میں موتی ٹکے ہوئے تھے دیکھنے شروع کیے تو آہستہ آہستہ مگر تیزی سے باتیں کررہے تھے۔ یہ چیزیں یقیناً تحائف کے طور پر لائی گئی ہوں گی۔ سکندر نے دیکھا کہ بطلیموس قہقہہ مار کر ہنس رہا ہے۔ خود سکندر کو اس ایرانی گھوڑے نے مسحور کررکھا تھا جس کی پشت پر چمڑے اور نمدے کا ایک مربع ٹکڑا بندھا ہوا تھا اور اس میں سے دونوں جانب تسمے لٹکے رہے تھے۔ ان تسموں کے سرے پر کنڈلی والا پھندا سا بنا ہوا تھا22 سفیروں کی جماعت میں سے جو شخص یونانی زبان جانتا تھا وہ بولا کہ یہ پاؤں رکھنے کیلئے ہیں۔

سکندر فوراً گھوڑے کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ گھوڑا پیچھے ہٹا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سکندر کی حرکت نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس نے اچک کر گھوڑے کی باگ تھام لی اور اس کی لمبی

Marfat.com

محرابی گردن کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہا۔ پھر جب اس نے رکاب میں پاؤں رکھا تو گھوڑا رام ہو گیا۔ سفیروں کا ایک ملازم بے باک اور شوخ لڑکے کو گھوڑے سے اتارنے کیلئے آگے بڑھا لیکن ہجوم میں سے ایک ترجمان نے آگے بڑھ کر نرم لہجے میں مہمانوں کو بتایا "یہ شاہ مقدونیہ کا اکلوتا فرزند ہے باقی یا تو گدھے ہیں یا ناجائز اولادیں۔"

اب سفیر پانی پی رہے تھے۔ ساتھ ساتھ سکندر کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اور گھوڑوں کے متعلق اس کے سوال کا جواب بھی دیتے جاتے تھے۔ بڑے گھوڑے کو قابو میں لے آنے کے بعد وہ خوف و دہشت سے آزاد ہو چکا تھا۔

مہمانوں نے بتایا کہ اس نسل کے گھوڑوں پر ہم غروب و طلوع کے درمیان پان پانسو سٹیڈیم[23] فاصلہ طے کر لیتے ہیں...... کوئی ساٹھ ہزار قدم...... غروب سے طلوع تک اس لئے کہا کہ ان کے وطن میں دھوپ تیز ہوتی تھی اور عموماً رات کی تاریکی میں سفر کرنے کے عادی تھے۔ یہ بھی بتایا کہ ایشیا کی سڑکیں پیلا کی گلیوں سے بہت وسیع ہیں راستوں پر جگہ جگہ ایسے مرکز بنے ہوئے ہیں جہاں گھوڑوں کی قطاریں موجود رہتی ہیں تاکہ سواریاں بدلتی رہیں اور سفر کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

یہ بیان سکندر کے حیرت و استعجاب کیلئے مہمیز کا کام دے گیا۔ اب وہ سوال پر سوال کرنے لگا۔ مثلاً یہ کہ آپ لوگ کتنا فاصلہ طے کر کے آئے ہیں۔ سمندر سے کیوں کر پار ہوئے؟ آپ کے بادشاہ کا نام اور لقب کیا ہے؟ آخری سوال کے جواب میں ایک موبد بولا: ہمارے بادشاہ کا نام نامی ارتخششت[24] ہے۔ وہ شہنشاہ بزرگ ہے۔ روئے زمین کے تمام ممالک پر اسے فرمانفرمائی حاصل ہے۔

یہ جواب سنتے ہی سکندر نے پوچھا: بھلا وہ کون کون سے ملک ہیں جن پر آپ کا بادشاہ فرمانروا ہے؟ وہ طلوعِ آفتاب کے مقام کی طرف کتنی دور تک پھیلے ہوئے ہیں؟

سفیروں میں سے کوئی بھی اس کا جواب نہ دے سکا۔ کسی نے بھی شہنشاہِ ایران کی سلطنت کے طول و عرض میں چکر نہ لگایا تھا۔ وہ صرف اتنا جانتے تھے کہ اس سلطنت میں

Marfat.com

تیئس قومیں آباد ہیں۔ ایک شخص نے سن رکھا تھا کہ اگر کوئی سوار ڈاک کی سڑکوں پر مغرب سے مشرق کی طرف سفر شروع کرتے برابر چلتا جائے اور کہیں نہ ٹھہرے تو ایک سو دن سلطنت کی انتہائی مشرق سرحد پر پہنچ جائے گا۔

سکندر نے پوچھا: ''مقدونیہ ہی سے سفر میں آپ کے کتنے دن صرف ہوئے؟''

جواب ملا: ''صرف تین دن۔''

سکندر سفیروں کے خیر مقدم کو بالکل فراموش کر چکا تھا اور اسے قطعاً یاد نہ رہا تھا کہ مہمانوں کو جلد سے جلد قیام گاہ تک پہنچا دینا چاہیے۔ وہ سوال پر سوال کرتا جا رہا تھا۔ اور سفیر مجبوری کی حالت میں داخلے کے زینوں پر بیٹھے تھے۔ یکا یک پورے مجمع پر اس طرح سکوت طاری ہو گیا جس طرح بادل سورج کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اس لئے کہ ملکہ اولمپیاس محل کے برآمدے میں نمودار ہوئی۔ اس کا رشتہ دار لیونی دس ساتھ تھا۔ پیچھے محافظ سپاہ کے چند افراد کھڑے تھے۔ سب کی نظریں اس پر جم گئیں۔ کوئی کاہنہ کسی مذہبی مرکز کے پردے کے سامنے نمودار ہو کر اس سے زیادہ توجہ کا مرجع نہ بن سکتی تھی۔ یقیناً وہ کاہنہ شہزادی معلوم ہوتی تھی جیسے کہ وہ تھی اس کے بل کھائے ہوئے سیاہ بالوں میں مہندی کے سفید پھول آویزاں تھے۔ اس نے چاندی کا کمر بند باندھ رکھا تھا جس کی وضع قطع سانپ کی سی تھی۔ آواز اس درجہ شیریں خوش آہنگ اور سریلی تھی جیسے سنہری گھنٹی بج رہی ہو۔ وہ بولی ''بزرگ شہنشاہ ایشیا کے سفیروں کو سلام پہنچے۔ مقدونیہ کی ملکہ اولمپیاس اپنے محل میں ان کا خیر مقدم کرتی ہے۔''

سفیروں میں سے کسی کی زبان سے نہ فوراً کوئی لفظ نکلا اور نہ ان کے قدموں کو جنبش ہوئی۔ وہ حیرت کے پیکر بنے کھڑے رہے۔ اولمپیاس کا سن اس وقت تیس سال سے زیادہ نہ ہوگا۔ شمالی پہاڑی علاقے کی کوئی خاتون اس سے زیادہ جاذب توجہ نہ ہو سکتی تھی اور ہر پس منظر کے سامنے اپنے حسن و جمال کی نمائش کے سلیقے میں اسے کمال حاصل تھا۔ سنگ خارا کی دیواروں کو سفیدی مائل سیاہ رنگ کی یکسانی اور شاہ بلوط کے دروازوں کی ناہمواری نے اولمپیاس کے چہرے کی رنگت میں جلا پیدا کر دی تھی اور نگاہیں اس پر ٹک نہ سکتی تھیں۔

Marfat.com

سفیروں نے ادب سے تحائف کی کشتیاں اٹھائیں اور آہستہ آہستہ زینے پر چڑھنے لگے۔

اولمپیاس نے مسکراتے ہوئے کہا: ''واہ کیا نفیس تحفے ہیں، میں فیلقوس کے لئے انہیں قبول کرتی ہوں۔''

سکندر سوچ رہا تھا کہ ماں میری خوفناک غلطی پر ناراض ہوگئی ہے۔ بطلیموس کے دل میں خیال گزرا کہ ملکہ کو سٹیج کے مرکزی مقام کو سلیقے کے ساتھ آراستہ کر دینے میں بڑی دسترس حاصل ہے۔ پھر وہ سکندر سے مخاطب ہوا: ''تم نے ہر چیز کے متعلق سوال کر لئے، ایشیا کی لڑکیوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔''

سکندر نے بے خیالی سے جواب دیا: ''مشرق میں عورتیں مردوں سے الگ تھلگ اور پس پردہ ہوتی ہیں۔ مردان کے بارے میں کبھی بات چیت نہیں کرتے۔ ہیروڈوٹس نے یہی بیان کیا ہے۔'' بطلیموس نے قہقہہ لگایا اور بولا: ''ایکی لیز، اگر تم لڑکیوں کے متعلق تمام معلومات کتابوں سے حاصل کر لینے پر مطمئن ہو تو معلوم نہیں یہ لوگ اولمپیاس کے بارے میں کیا سمجھ رہے ہوں گے!''

اولمپیاس کے متعلق ایرانیوں کے تاثرات معلوم کرنا آسان نہ تھا۔ انہوں نے اپنے تاثرات چھپا رکھے تھے اور صرف رسمی الفاظ زبان پر لا رہے تھے۔ ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی نظریں مقدونیہ کی حسین و جمیل ملکہ سے ہٹالی تھیں۔ گویا اسے دیکھا باعثِ مضرت ہوگا۔ بطلیموس نے اس کا اندازہ کر لیا۔ اور اس کے دل میں ایک امید پیدا ہوئی۔ اس کی ماں آرسی لوئی ایک یونانی طوائف کی حیثیت میں اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور تھی اور اس نے اپنے بیٹے کو بتا دیا تھا کہ اولمپیاس بڑی تحکم پسند عورت ہے وہ سب کو اپنے احکام کے روبرو جھکا دینے پر تلی بیٹھی ہے لیکن یہ اہم کام عقلمندی اور دور اندیشی سے پورا کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہیں۔ آرسی لوئی نے بزصیغہ راز یہ بات بھی بتا دی تھی کہ وہ سیاہ ابرو اولمپیاس دل میں اب تک وہی ہے جو شادی سے پہلے تھی اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ اب بھی دی اونی سوس 25 دیوتا کے مندر کی لاابالی رسموں پر حسن اعتقاد سے اس طرح کاربند ہے جس طرح

Marfat.com

پہلے کاربند تھی۔ وہ نشوو ارتقاء پا کر بیوی کے درجے پر نہ پہنچ سکی اور وہ اپنی ضبط نا آشنا طبیعت کی غلامی سے کبھی آزاد نہ ہو سکے گی۔ اگرچہ وہ پیدائشی شہزادی ہے لیکن عقل و خرد سے اسے کوئی رابطہ نہیں۔ بہ حالتِ یتیمی اس نے اپیرس 26 کے جنگلوں میں پرورش پائی اور مخفی دیوتاؤں کی عبادت کے سلسلے میں بدمستیوں کی ہیجان انگیزی نے اسے اپنے اندر جذب کر لیا۔

عقیل وفہیم آرسی لوئی نے اپنے بیٹے کو خبردار کر دیا تھا کہ دیکھنا کسی ذاتی معاملے میں اولمپیاس کو کبھی ناراض نہ کر دینا۔ یہ فعل اتنا ہی خطرناک ہوگا۔ جتنا کہ اس کے پالے ہوئے سانپوں پر پاؤں رکھ دینا خطرناک ہو سکتا ہے۔

ایرانی سفیر جتنے تحائف فیلقوس کیلئے لائے تھے۔ اولمپیاس نے وہ سب کے سب اپنے ہاتھ سے وصول کئے۔ شام کے وقت سکندر کو بلایا اور جیسا کہ اسے اندیشہ تھا، انتہائی غصے اور خفگی کے عالم میں اس پر زبان کے تازیانے برسائے۔ اس نے بیٹے سے کہا: ''واقعی گونگا بچھڑا...... کتابوں کا کیڑا، ہر لحظہ تحریرات کے لپٹے ہوئے گرد آلود پلندوں کو کریدنے والا۔ ارہی ڈایوس 27 تجھ سے بدرجہا موزوں تر انداز میں سفیروں کا خیر مقدم کر سکتا تھا۔''

اس نے اپنے گھنے بالوں سے مہندی کے پھول نکال لئے تھے اور بڑے زور سے کنگھی کر رہی تھی۔ پاس کنزیں ہر خدمت انجام دینے کیلئے تیار کھڑی تھیں۔ لیکن ان پر اولمپیاس کو کوئی توجہ نہ تھی۔ اس کے منہ سے جو لفظ نکل رہے تھے معلوم ہوتا تھا ان پر لوہے کے کانٹے لگے ہوئے ہیں۔ ارہی ڈایوس فیلقوس کی ایک داشتہ کے بطن سے تھا، یعنی سکندر کا ناجائز علاتی بھائی۔ اس کی حالت یہ تھی کہ ہر وقت کھانے پینے کی چیزیں چرانے میں لگا رہتا تھا اور کچھ نہ کچھ کھاتا جاتا۔ جب بولنے کی کوشش کرتا تو ہکلاتا اور منہ سے رال بہتی......

لیونی دس جانتا تھا اور سکندر بھی ناواقف نہ تھا کہ ارہی ڈایوس تھسلی کی ایک رقاصہ کے بطن سے تھا اور اولمپیاس کو اس کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ تھی۔ نیز بچپن میں اسے اتنا زہر پلا دیا گیا تھا کہ اگرچہ موت واقع نہ ہوئی تاہم اس کی عقل کا خانہ خالی رہ گیا۔

سکندر چپ چاپ یہ شعلہ گفتاری سنتا جا رہا تھا۔ اور کچھ نہ بولا۔ اسے خیال تھا کہ ماں

Marfat.com

کا غصہ جلد ختم ہو جائے گا لیکن اولمپیاس کنگھی کو بالوں سے بہ زور کھینچتی ہوئی بولتی جا رہی تھی۔ اس نے کہا تیرا دل ہر وقت ا یکی لیز بننے کے سپنوں سے معمور رہتا ہے حالانکہ تجھ میں بچھڑے جتنا بھی جذبہ برتری نہیں۔

سکندر اس پر بھی خاموش رہا۔ اولمپیاس نے پھر کہا: ''بے شک اتالیق تجھے ا یکی لیز کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کا مدعا صرف یہ ہوتا ہے کہ میں خوش ہو جاؤں۔ تیرا چہرہ مہرہ اچھا خاصا ہے۔ بدن شاندار ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی کہ مجھے گھوڑے کی پیٹھ پر گدے سے کیوں اتنی دلچسپی پیدا ہوئی؟ یہاں تک کہ سفیروں سے اسی کے بارے میں بات چیت کرتا رہا؟ کیا تو نے ایسی چیز پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

سکندر اپنے طرزِ عمل کی توضیح کیلئے بڑی گرمجوشی سے بولا، یقیناً نہیں دیکھی تھی۔ اور ایرانی اسے زین کہتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ زین گھوڑے پر کسی ہوئی ہو تو آدمی بڑے اطمینان سے سواری کر سکتا ہے۔

اولمپیاس: ''ہاں گھوڑا، بے شک گھوڑا۔ یہ تیرے اندر سے مقدونیہ کے کسان کی روح بول رہی ہے۔ بلاشبہ تو فیلقوس کی زندہ اور سانس لیتی ہوئی تصویر ہے۔ وہ ایمن تس[28] کا بیٹا ہے جو گھوڑے پالتا تھا۔ ہاں بیٹا! اس پر تعجب کی کون سی وجہ ہے۔'' پھر وہ ایک غلام سے مخاطب ہوئی: ''یونانی طعن سے کہتے ہیں کہ اہلِ مقدونیہ کے آباؤ اجداد قنطور[29] تھے، بالائی حصہ آدمیوں کا سا اور زیریں حصہ گھوڑوں کا سا۔ اب تک یہ حالت ہے کہ گھوڑے سے الگ ہو کر کسی مقدونوی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔'' سکندر ہنستے ہوئے بولا: ''شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے رسالے کا مقابلہ کوئی یونانی نہیں کر سکتا۔''

اس پر اولمپیاس خوش ہوگئی۔ اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ بیٹے میں بھی فیلقوس کی طرح قیادت اور سالاری کا جوہر نمایاں ہو جائے لیکن سکندر کو رسالے سے نہیں صرف گھوڑوں سے دلچسپی تھی۔ یہ ایک خاص مقدونوی خصلت تھی، تمام مقدونوی دراصل کسان تھے۔ وہ لمبے لمبے نیزوں والے پیادہ دستے بھی جنہیں فیلقوس نے نئے اصول پر تربیت دی تھی اس امر پر

Marfat.com

مصر رہتے تھے کہ موسم بہار کی کاشتکاری اور موسمِ خزاں کی فصل برداری کے موقع پر انہیں گھر جانے کیلئے رخصت دی جائے۔

اولمپیاس نے سکندر کی بات کا تو کوئی جواب نہ دیا لیکن وہ اپنے افکار کی رو میں بہتی ہوئی بولی ”فیلقوس کو یہ کاروبار بہت پسند ہے۔ وہ چاہتا ہے یہاں فوجی امراء کی حکومت قائم کردے......قوم کو فوج بنا دینے کا خواہاں ہے۔ اس کی آرزو ہے کہ فوج ایسی ہو جسے متحرک قوم قرار دیا جاسکے۔ اور کھیتی باڑی بھی کرے اور لڑائیاں بھی حالانکہ یونانیوں نے بہت پہلے دریافت کرلیا تھا کہ ایک سپاہی موزوں شہری نہیں بن سکتا اور نہ صحیح شہری سپہ گری اختیار کرسکتا ہے۔“

اولمپیاس بعض اوقات بڑی تیز نگاہی سے حقیقت پر پہنچ جاتی تھی۔ وہ ایک باکمال اداکارہ تھی۔ دوسروں کے تصنع کو بھانپ لینا اس کیلئے مشکل نہ تھا۔ خود اس کے دل میں اوہام واحساسات بہت کم تھے۔ اس کے اجداد مدت مدید تک عام لوگوں پر حکرانی کرتے رہے تھے وہ بیماریوں کے علاج اور فال وشگون کی توضیح کیلئے اپی رس کی شہزادی کے پاس آتے تھے وہ اگرچہ یتیم ہوچکی تھی تاہم دوشیزگی میں بھی اپنے عوام کی شہزادی اور کاہنہ تھی۔ اب اس کی تمام رقابتیں اور تمام جذبات اپنے بیٹے سکندر پر مرتکز تھے۔ دل میں صرف ایک آرزو تھی اور وہ یہ کہ سکندر کو حکمرانی کا پیکر بنا دے لہٰذا اسے سکندر میں فیلقوس کے عادات وخصائل کا جونشان بھی نظر آتا تھا، اسے ختم کردینے کیلئے سرگرمِ سعی وعمل ہو جاتی تھی۔

بیٹے کے دل پر باپ کے ہم قوموں یعنی مقدونویوں کی کہتری کا نقش بٹھانے کی طرف اسے خاص توجہ تھی۔ وہ کہا کرتی تھی کہ یہ لوگ بہت طویل عرصے تک پہاڑوں میں زندگی بسر کرتے رہے اور اب تک برابر پرانی قبائلی زندگی کے طور طریقوں پر کاربند ہیں۔ ان میں حقیقی امیری کا کوئی جوہر پیدا نہیں ہوا۔ فیلقوس کے خاص رفیق، جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں اور انہیں سے وہ مشورے لیتا ہے۔ کیا ہیں؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بہت بڑے گھوڑے پال ہیں۔ ان کے گانے دیکھو، سب میں گلہ بانوں کی دھنیں پاؤ گے ان

Marfat.com

کے ناچ پر نظر ڈالو، تم نے دیہاتی چرواہوں کو دیکھا ہوگا کہ جب فصل کھلیانوں میں لگا چکتے ہیں تو خوشی کے عالم میں ناچتے ہیں۔ ان کا ناچ کیا ہوتا ہے" زور زور سے زمین پر پاؤں مارنا، گھومنا اور چکر لگانا، بس ویسے ہی ناچ اہلِ مقدونیہ کے ہوتے ہیں۔ قدم قدم پر فال اور شگون کا خوف، قحط کا ڈر، جانوروں میں وبا پھیلنے کا اندیشہ، کیا ان میں سے کوئی بڑا خطیب یا فلسفی یا جرنیل بھی پیدا ہوا ہے؟ کیا ان میں سے کوئی ایسا بادشاہ بھی اٹھا ہے جس نے ایتھنز کے کسی دوسرے درجے کے آدمی جتنی شہرت حاصل کی ہو؟

سکندر جانتا تھا کہ اس کے ہم قوموں نے عظیم الشان کارناموں میں کبھی کوئی قابلِ فخر حصہ نہ لیا۔ مقدونیہ میں جنگلوں کے مالک ہمیشہ لکڑیاں کاٹ کاٹ کر ندی نالوں کے ذریعے سے سمندر کی طرف بہا دیتے اور اہلِ ایتھنز سے جنگی جہاز بنا لیتے۔ مقدونیہ کے گھوڑی پال تمام یونانی شہروں کیلئے سواری کے جانور مہیا کرتے۔ ان کے کھیتوں میں جو اور انگور پیدا ہوتے۔ بھیڑ بکریاں بھی پالتے۔ جن کا گوشت کھایا جاتا لیکن یہ تمام جنسیں دارا اور زرکسیز جیسے عظیم الشان بادشاہوں کی حملہ آور فوجوں کیلئے جبراً خرید لی جاتیں۔ اگر ان حالات میں اعلیٰ تعلیم یافتہ یونانی مقدونویوں کو جاہل اور دہقانی کہتے تو انہیں حق بہ جانب نہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

فیلقوس کے زمانے تک اہلِ مقدونیہ کی لڑائیاں کیا تھیں، وہ صرف ساحل ڈینیوب کے جنگلی باشندوں کے چھاپوں یا ویسے وہی وحشی سواروں کی یورشوں کو روکنے تک محدود رہیں۔ جب تک فیلقوس کو کوہ پنگایوس[30] کے اردگرد سونے اور چاندی کی کانیں نہ ملیں مقدونوی بادشاہ اپنے سکے تک جاری نہ کرتے۔ وہ اس وقت ایتھنز کے نہایت نفیس روپہلی سکوں ہی سے کام لیتے تھے۔ چکالوس کی کانوں سے ہر سال صرف ایک ہزار ٹیلنٹ[31] کے برابر چاندی سونا ملتا تھا اور اولیپیاس اس پر مطمئن نہ تھی۔ اس نے کہا: اب ہم نے کان کنی کا پیشہ بھی اختیار کر لیا ہے۔ گویا اب بھی ہماری دولت زمین ہی سے نکلتی ہے اور کیسی دولت؟ جنرل زینوفن کی فوج میں دس ہزار تنخواہ دار یونانی شامل تھے۔ ہماری دولت اتنے تنخواہ دار

Marfat.com

آدمی مہیا نہیں کر سکتی ..... اس کا مطلب یہ نہیں کہ تیرا باپ تنخواہ دار فوج رکھنے پر راضی ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگرچہ فرعون نے بھی روپے خرچ کر کے اہلِ سپارٹا کا ایک محافظ دستہ ملازم رکھ لیا ہے۔

فیلقوس جو کچھ بھی کرتا تھا اولمپیاس کی نگاہوں میں وہ سراسر باعثِ ہتک اور غلط تھا۔ وہ فیلقوس کی ہر رائے کے خلاف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو سکندر کی نگرانی کیلئے جمع کر رکھا تھا۔ اس نے محل کے غلاموں کو تاکید کر دی تھی کہ سکندر کے دل میں اپنے سوا کسی پر انحصار کا خیال تک نہ آئے اور سکندر محسوس کرتا تھا کہ وہ خود اور اس کی ماں بالکل تنہا ہیں۔ یہاں تک کہ فیلقوس بھی انہیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ اسی لئے مختلف حیلے بہانے پیش کر کے الگ تھلگ رہتا ہے۔

فیلقوس نے صرف ایک مرتبہ بیٹے سے اس اجنبیت و بے تعلقی کا ذکر کیا: ''میں سانپوں کے ہوتے ہوئے تمہاری ماں کے پاس نہیں جا سکتا۔'' اس اثناء میں اس نے وہ آنکھ بند کر رکھی تھی جس کی نظر زائل ہو چکی تھی۔ بلاشبہ اولمپیاس نے بڑے بڑے سانپ پال رکھے تھے۔ اس کی خواب گاہ میں عشق پیچاں کی بیلیں بھی تھیں۔ اور مذہبی رقص کیلئے پنکھے بھی موجود تھے۔ بعض اوقات سانپ ان بیلوں اور پنکھوں سے اچانک برآمد ہو جاتے۔ لیکن بیٹے کو ہمیشہ اس بات پر حیرانی ہوتی تھی کہ فیلقوس کے لئے ان معمولی سانپوں سے خوفزدہ ہونے کی کون سی وجہ ہے؟ یقیناً یہ راز کی بات نہیں کہ فیلقوس نے جب اولمپیاس سے شادی کی تھی تو وہ دل و جان سے اس پر نثار تھا۔ وہ اسی رات سے اولمپیاس پر مرنے لگا تھا جب سیموتھریس [32] کے مقدس جزیرے میں دیو مینسی دیوتا کے تہوار کے موقع پر مشعلوں کی لہراتی ہوئی روشنی میں سے اسے دوڑتے اور کپڑے جھاڑتے دیکھا تھا۔ تماشائی یہ سمجھتے تھے کہ دیوتا کی روح اس میں حلول کر گئی ہے۔ عوام میں مشہور تھا کہ اس وقت سے ایک سال تک فیلقوس نے شاندار یتیم لڑکی (اولمپیاس) کو ایک لمحہ کیلئے بھی الگ نہ کیا۔ جب اس کے بچہ پیدا ہو چکا تو اس وقت بھی فیلقوس کے دل میں محبت بدستور موجزن تھی اور وہ پہلے کی طرح اس کا شیفتہ و

Marfat.com

دلدادہ تھا۔

جس رات سکندر پیدا ہو، بوڑھا کاہن اریسٹانڈر [33] اولمپیاس کی خواہ گاہ میں پہنچا اور اسے بتایا کہ غروبِ آفتاب کے وقت مجھے مشرق کے افق پر شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آئے۔ کچھ وقت گزر جانے پر پیشگوئی سچی ثابت ہوئی اس لئے کہ اطلاع مل گئی سکندر کی ولادت کی رات ایشیا کے ساحل پر، افی سوس [34] میں آرٹی مس [35] کا مندر نذرِ آتش ہو گیا۔ فیلقوس نے یہ سنا تو کہا کہ "اس رات میرے ایک گھوڑے نے اولمپیائی کھیلوں میں دوڑ جیتی۔"

پھر فیلقوس اولمپیاس سے الگ رہنے لگا اگرچہ اپنی دوشیزگی کے وقت سے اس کے حسن و جمال کو چار چاند لگ گئے تھے۔ وہ رات کے وقت اپنے رفیقانِ خاص کے ساتھ شراب پیتا رہتا۔ جب نشہ اس پر غالب آ جاتا تو محل کے برآمدوں پر گیلریوں میں جو بھی خوبصورت عورت مل جاتی اسے کھینچ کر اپنی خواب گاہ میں لے جاتا۔ بہت سی محتاط عورتیں اس کی گزرگاہ سے دور دور رہتیں اور بعض کچھ احتیاط نہ کرتیں۔ تاہم معلوم یہی ہوتا ہے کہ اولمپیاس جیسی محبت اسے کسی عورت سے نہ ہوئی۔

سکندر کو پیلا سے نفرت تھی اور وہ اپنے باپ سے بہت ڈرتا تھا لیکن اس پر یہ حقیقت بھی بالکل کھل گئی تھی کہ جب فیلقوس پیلا آتا...... اور اب شاذ ہی آتا تھا..... تو شہر کی حالت بالکل بدل جاتی۔ آنے والوں کا تانتا بدھ جاتا...... ملازمت کے خواستگار ڈلفی کے دولتمند مندر کے کارندے، تاجر، ملاح، اسپ فروش، سارا کیوز [36] کے ریاضی دان، غرض بحیرۂ روم کی دنیا سے بھانت بھانت کے آدمی آنے لگتے۔ وہ فیلقوس کے پاس اچھی اطلاعات لاتے اور ان کی کوشش یہ ہوتی کہ اس سے کوئی حکم حاصل کر لیں۔ جوڑیوں کے گھوڑے گلیوں میں سے تیز تر جاتے۔ بڑھیوں کے کلہاڑے لکڑی کے شہتیروں پر زیادہ زور سے پڑنے لگتے یہ سب اس بات کی علامتیں تھیں کہ فیلقوس پیلا آ گیا ہے۔

فیلقوس کی ایک ٹانگ لنگڑی تھی لیکن وہ پیلا کے گرد و غبار اور شور و غوغا میں لنگڑاتا ہوا پیدل چلتا۔ اپنے آرام کی خاطر گھوڑے پر سوار نہ ہوتا۔ اس کے بادامی اور داڑھی سے مزین

Marfat.com

چہرے پر پسینہ چمکنے لگتا اور اس آنکھ کو پونچھتا رہتا جو ڈھال کی ایک نوک لگنے سے خراب ہوگئی تھی۔ ایک بازو بھی اکڑ کر بیکار ہو چکا تھا۔ بایں ہمہ اسے اپنی قوت وطاقت پر بڑا ناز تھا۔

فیلقوس نے بہ ظاہر کبھی کوئی کتاب نہ پڑھی۔ وہ اپنے خط محرروں سے لکھواتا جو ہمیشہ کاغذ اور قلم لئے اس کے ساتھ رہتے۔ سکندر کو جب موقع ملتا چھپ چھپا کر گھڑ دوڑ کے میدان میں پہنچ جاتا جہاں گھوڑوں کی تیز رفتاری کا امتحان کیا جاتا۔ وہ حتی الامکان فیلقوس کی اس آنکھ کی طرف رہتا جس کی نظر زائل ہو چکی تھی۔ اس شغل میں وہ بڑی راحت محسوس کرتا۔ محل میں اس کے اپنے کمرے زنانہ حصے کے پاس تھے جہاں کتابوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ان کمروں کے سکوت کی جگہ اسے وہ جگہ پسند تھی جہاں فیلقوس لنگڑاتا ہوا چلتا اور اندھا دھند لوگوں کو لعنت ملامت کرتا۔

ایک روز فیلقوس نے تمام معلموں اور اتالیقوں کو محل سے باہر بھیج دیا تو سکندر صبح ہی گھڑ دوڑ کے میدان میں پہنچ گیا۔ فیلقوس اس روز ایک نئی منجنیق کا تجربہ کرنا چاہتا تھا جو چھ فٹ لمبے تیر کو اتنی دور پھینکتی تھی کہ کوئی تیرانداز اپنا تیر وہاں تک نہ پہنچا سکتا تھا۔ یہ منجنیق سائرا کیوز کے ایک مہندس دیاوس [37] نے تیار کی تھی۔ جب اس نے تیر چھوڑا، رسوں میں سے تڑاق کی آواز نکلی، زور کا دھماکہ ہوا اور تیر تیزی سے بہت دور جا گرا، فیلقوس نے کہا "اب منجنیق کو اتارو۔" یہ حکم سنتے ہی کارکن منجنیق پر چڑھ گئے۔ اس کی میخیں نکالیں، رسے الگ کئے اور پوری مشین کے اجزاء اس طرح جدا جدا ہو گئے جس طرح گندم کا پولا بندھن کھلتے ہی جدا جدا ہو جاتا ہے۔ فیلقوس نے پھر آہستہ سے کہا: "اچھا، اب دیکھنا چاہئے کہ تم اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ کیوں کر لے جاتے ہو۔"

یہ سنتے ہی چار کارکن باہر نکلے اور انہوں نے ذرا سا زور لگا کر منجنیق کے مختلف حصے کندھوں پر اٹھا لئے اور اس طرح چلنے لگے جیسے کوچ پر ہوں۔ سکندر نے سن رکھا تھا کہ دیاوس ایک نئی توپ تیار کر رہا ہے۔ دیاوس اس کا مجوز ہے۔ یہ پیادہ فوج کے ساتھ میدانِ جنگ میں جایا کرے گی۔ دیاوس اس کامیابی پر بڑا خوش تھا۔ یہاں تک کہ اس نے فیلقوس کو

Marfat.com

سنانے کی غرض سے بلند آواز کے ساتھ کہا کہ اتنی قوت والی اور ایسی ہلکی منجنیق آج تک نہیں بنائی گئی۔

فیلقوس کی جو آنکھ ٹھیک تھی وہ دیاوس پر جمی ہوئی تھی۔ اچانک بولا: ''بے شک منجنیق بڑی قوی ہے، بے شک بوجھ بھی زیادہ نہیں۔ عام منجنیقوں کے مقابلے میں نصف ہوگا لیکن چار آدمی اسے پہاڑ پر نہیں لے جاسکتے۔''

بات ختم نہ ہوئی تھی کہ دیاوس نے کہا: ''دو گھوڑے جہاں چاہو اسے پہنچا سکتے ہیں۔''

فیلقوس: ''بے شک دو گھوڑے اسے بہ سہولت اٹھا سکتے ہیں، لیکن دیاوس! خودستائی کے جوش میں تم اس حقیقت کو بھول گئے کہ منجنیق کو آخر کوئی شے پھینکنا ہے۔ اتنے بھاری بیس تیر بھی ساتھ لئے جائیں گے تو انہیں اٹھانے کیلئے کم سے کم دو آدمی یا ایک گھوڑا ضرور درکار ہوگا۔ ابھی تم مزید غور و فکر کرو۔ زیادہ مضبوط اور ہلکی لکڑی تلاش کرو۔ رسے بھی ذرا حسین اور ہلکے ہونے چاہئیں۔''

دیاوس پر اضطراب طاری ہوگیا اور وہ چیخ کر بولا: ''آپ کہتے ہیں، تلاش کروں۔ کیا ہرمیز [38] کے عصا کا ٹکڑا اٹھالاؤں؟ جادو کی لکڑی پیدا کروں؟ کوئی ایسا رسا تلاش کروں جو بیرنطین کی دس تار والی رسی سے بھی زیادہ ہلکا ہو؟'' پھر فیلقوس کے قریب سر لے جا کر کہا: ''کیا میں مقدونیہ کی سنہرے بالوں والی لڑکیوں کی زلفیں کاٹ لوں تاکہ ایسے رسے تیار ہو سکیں جو تمہیں پسند ہوں۔''

فیلقوس: ''نہیں عورت کے سر کے بال سب سے زیادہ بھاری ہوتے ہیں۔ میں آزما چکا ہوں۔ باقی رہا تمہاری مشین کا معاملہ تو میں کہتا ہوں کہ یہ بھدی ہے اور اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کیلئے چھ آدمی درکار ہیں۔''

دیاوس: (دانت پیستے ہوئے) ''اچھا آپ کی یہ رائے ہے؟ آپ جو کچھ آدمی چاہیں تجویز کرلیں، یہ انہیں ابھی قیمہ بنا کر رکھ دے گی۔''

فیلقوس یہ سنتے ہی یک چشم اینٹی گونس [39] کی طرح متوجہ ہو، اور بولا: اس منجنیق کو

Marfat.com

دوبارہ نصب کراؤ اور کریٹ کے پانچ تیر انداز بلوا بھیجو۔ ساتھ ہی بیچ میں سے میدان خالی کرا دو۔ میں اس احمق صناع پر ثابت کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ غلطی پر ہے۔ اس سے پوچھ لو کہ موت کے بعد وہ اپنے کفن دفن کیلئے کون سا طریقہ پسند کرتا ہے؟"

دیاوس نے فوراً اپنے آدمیوں کو حکم دے دیا کہ منجنیق کو تیر پھینکنے کیلئے تیار کر دو۔ اینٹی گونس نے بھانپ لیا کہ فیلقوس کا دل متذبذب ہے اس لئے کہ وہ مہندسوں کو بڑے بڑے جرنیلوں پر بھی ترجیح دیتا تھا لیکن اتفاقیہ دیاوس کی مشین کے بارے میں جھگڑے کی ایک صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اینٹی گونس نے سوچا کہ فیلقوس نے مشین میں جو خرابیاں ظاہر کی ہیں ان کا مدعا یہ تھا کہ دیاوس زیادہ عمدہ مشین تیار کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ فیلقوس کا عام طریقہ یہی تھا اور بعض اوقات وہ خود اینٹی گونس کو بھی زیادہ سرگرم کار بنانے کیلئے اعتراض کر دیا کرتا تھا۔ بہر حال فیلقوس کے من میں خواہ کچھ ہو لیکن اینٹی گونس کو یقین تھا کہ تیر انداز اس کھلے میدان میں دیاوس اس کے کارکنوں اور منجنیق کو ختم کر دیں گے لہٰذا اس نے کہا: یہ منجنیق تو استحکامات میں معاون بن سکتی ہے۔ اگر آپ واقعی اس کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو دیاوس کو اجازت دیجئے کہ کسی مکان پر چڑھ جائے، وہاں منجنیق لگا لے پھر اپنے تیر اندازوں کو کہئے کہ مکان پر حملہ کریں۔"

فیلقوس کے غصے کی آگ فرو ہونے کے بجائے اور بھڑک اٹھی، اور وہ بولا: "کانے میں کتنی مرتبہ نہایت صاف اور سادہ مقدونوی زبان میں تم لوگوں سے کہا کہ میں محاصرے کیلئے مشینوں کے متعلق کوئی بات سننا نہیں چاہتا۔ پھر ایک مرتبہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں بھیڑ کی طرح دیوار کے پیچھے چھپ کر بیٹھنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا اور نہ دیواروں کی پناہ میں مستحکم مقامات کے اندر بیٹھے ہوئے آدمیوں پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔ اہلِ سپارٹا جیسے احمق عورتوں نے اب تک نہیں جنے۔ لیکن انہوں نے بھی دیواروں دور کھلے میدانوں میں رہنا سیکھ لیا ہے۔"

اینٹی گونس: "اچھا، ارآپ ایسی مشین چاہتے ہیں جو فوج کے ساتھ چلے تو اسے ایک

Marfat.com

گھوڑے کے پیچھے باندھ دیجئے۔ایک گھوڑا اسے بہ آسانی کھینچ سکتا ہے۔''

فیلقوس:''بے شک، بہ شرطیکہ منجنیق کو پہیے لگا دیئے جائیں۔ہم پہلے بھی ایسا کر چکے ہیں۔یہ مشین تو پہاڑوں میں کام دے سکتی ہے لیکن فرض کرو، اسے ایک گھوڑا کھینچ لے گا تو کیا گھوڑے کو چلانے کیلئے آدمی درکار نہ ہوگا؟ کیا یہ میدانِ جنگ میں ایک سوار کا کام دے سکے گی؟''

عام لوگ فیلقوس کے ہر لحظہ بجلی کی تیزی سے بدلنے والے خیالات کی پیروی کیلئے تیار رہتے تھے مگر اینٹی گونس نے ہمت سے کام لے کر کہا:''یقیناً کوئی سوار اس منجنیق کے پھینکے ہوئے تیر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

دیاوس پریشان تھا۔اب وہ بولا:''آپ نے یہ کیوں نہ کہا کہ اسے پہیے لگا دیئے جائیں؟ اس صورت میں ایسا بندوبست کیا جا سکتا ہے کہ اس میں سے چھ تیر بہ یک وقت نکلیں۔''

فیلقوس: چھ تیر بک وقت؟

دیاوس: ہاں جناب، میں اس میں ایک پٹی یا شکنجہ لگا دوں گا جس سے تیر نکلیں گے، البتہ اس کی زد اتنی نہ ہوگی۔نیز ایسی ذوفنون مشین کیلئے تیر بہت درکار ہوں گے اور آپ کو ان کے لئے ایک گھوڑے اور گاڑی کا انتظام کرنا پڑے گا۔

فیلقوس نے اپنی اندھی آنکھ پونچھی۔تھوڑی دیر سوچتا رہا۔چہرے پر خوشی کے آثار نمودار تھے۔پھر دیاوس کے کندھے کو تھپکتے ہوئے بولا: اگر یہ ایک تیر والی منجنیق اچھی نہیں تو پرواہ نہ کرو۔لیکن دیاوس، علم کے دھنی دیاوس، اس مشین کو مکمل کرنے پر توجہ کرو جو چھ تیر ایک دم پھینکے گی جس چیز کی ضرورت ہو لے لو۔میں اس کے وزن کے برابر تمہیں سونے چاندی میں تلواؤں گا۔بشرطیکہ مشین امتحان میں پوری اترے۔

دیاوس نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنا سر فخر سے اونچا کرتے ہوئے بولا میں ہر سخت سے سخت امتحان کیلئے تیار ہوں لیکن اپنے دیاوس کو یہ تو بتا دیجئے کہ آپ کس قسم کا امتحان لینا چاہتے ہیں؟

Marfat.com

ساتھ ہی اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ مشین اٹھا کر لے جاؤ۔

فیلقوس نے اینٹی گونس کے کان میں کہا اور اس کا سر اکڑی ہوئی گردن پر اثباتی اشارے کرر ہا تھا۔ دیاوس کو ذرا غصہ دلا دیا جائے تو وہ واقعی مفید کارآمد چیز ایجاد کرنے میں لگ جاتا ہے۔ بھلا غور تو کرو چھ تیر ایک دم چھوٹیں گے۔ ایک سوایسی منجنیقیں چھ سو تیر ایک دم برسائیں گی۔ اور دشمن سے قریب پہنچ کر انہیں کام میں لایا جائے......'' پھر وہ زیرِ لب بولا: ''لیکن مجھے اندیشہ ہے تو یہ کہ دیاوس اپنی ایجاد کو مکمل کر چکے گا تو یہ اتنی بھاری اور بوجھل ہوگی جسے کھینچنے کیلئے گھوڑوں کی ایک جوڑی کے بغیر کام نہ چل سکے گا۔ اور اس جوڑی کیلئے چارہ بھی ہمراہ لے لینا ضروری ہوگا۔ اس غرض سے مزید دو گھوڑے درکار ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کم از کم تین آدمی چاہئیں......''

اس اثناء میں اس کی صحیح وسالم آنکھ اِدھر اُدھر گھومتی ہوئی سکندر پر جا کر ٹھہر گئی جو کوئی دس قدم کے فاصلے پر بیٹھا تھا۔ پھر بولا: ''بس موجدوں اور ہنرمندوں کی یہ بیماری لاعلاج ہے۔ وہ ہمیشہ بڑی بڑی اور بھاری بھاری مشینیں ایجاد کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ان مشینوں کے نقل وحمل میں کیا کیا مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ اگر دیاوس کو مرضی کے مطابق کارفرمائی کا موقع دے دیا جائے تو نتیجہ کیا نکلے گا۔ یہ کہ ہمارے لئے متحرک برجوں، ارضی پلوں، آتش بار مشینوں اور بڑی بڑی سرنگوں کو کھینچ کھینچ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے سوا کوئی مشغلہ نہ رہے گا اور ہمارا رسالہ اپنی حقیقی حیثیت کھو بیٹھے گا۔ گھوڑے بارکشی میں لگ جائیں گے اور سوار جوڑیاں ہانکیں گے۔''

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اس کی نگاہیں سکندر پر جمی ہوئی تھیں اور وہ بھانپ رہا تھا کہ اس کا بیٹا الفاظ پر متوجہ ہے یا نہیں۔ سکندر کی توجہ گھڑ دوڑ کے میدان کی طرف تھی اور ان گھوڑوں کو غور سے دیکھ رہا تھا جو تھسلی سے آ گئے تھے اور فیلقوس کے چابک سوار انہیں قدم بہ قدم چلا کر دیکھ رہے تھے تاکہ بہترین گھوڑا چن سکیں۔ ان میں سے ایک گھوڑا اس طرح اچھل کود رہا تھا گویا وہ باگیں چھڑا کر بھاگ جانے کیلئے بے تاب تھا۔ صبح کے سورج کی روشنی میں اس

Marfat.com

کا سیاہ رنگ چمک رہا تھا۔ وہ اپنا سر بار بار اوپر اٹھا رہا تھا کہ تسمہ ٹوٹ جائے۔ اس کے ماتھے پر سفید رنگ کی ایک روشن لکیر تھی۔ اس کا ہاڑ چوڑا چکلا اور سر بھاری تھا۔ سکندر اسے بار بار دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھا اور چابک سواروں کے زیادہ سے زیادہ قریب پہنچ گیا۔

چابک سواروں نے گھوڑے کی چال دیکھنی چاہی تو وہ جھجک کر پیچھے ہٹا اور آدمیوں کے درمیان چکر لگا کر دولتیاں اچھالنے لگا۔ جن آدمیوں نے اسے پکڑ کر رکھا تھا وہ صبر و ضبط کھو بیٹھے اور اس کے سر پر انہوں نے کپڑا ڈالنے کی کوشش کی۔ پھر جب ایک آدمی اچک کر اس پر سوار ہوا تو گھوڑا سیخ پا ہو گیا اور سوار دھم سے زمین پر آ رہا۔ سکندر کا احساس یہ تھا کہ گھوڑے کی گھبراہٹ اور پریشانی بالکل طبعی ہے۔ اس لئے کہ گرد و پیش لوگوں کا ہجوم تھا اور انہوں نے ہاؤ ہو مچا رکھی تھی۔ ایک چابک سوار بولا کہ گھوڑے کی کوئی نہ کوئی کل بگڑی ہوئی ہے ورنہ وہ اتنا بدکتا کیوں؟ سکندر کا دل اس سرکش گھوڑے نے موہ لیا۔ اس کا اندازہ تھا کہ یہ سب سے بہتر و فائق ہے۔

چنانچہ جب اسے معلوم ہوا کہ چابک سواروں نے اس گھوڑے کو مسترد کر دیا ہے ...... یہ فالس 40 ...... تو وہ دوڑا دوڑا ان افسروں کے پاس پہنچا جو فیلقوس کے اردگرد جمع تھے۔ اینٹی گونس کے پاس سے ہو کر آگے بڑھا اور بولا: ”ایسے گھوڑے کو کھو دینا باعثِ شرم ہے۔“ جب اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کی بات پر متوجہ نہیں تو تذبذب کے باعث اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ پھر بولا: ”دیکھو، تمہیں نہیں چاہئے ...... کہ اس گھوڑے، کو واپس لئے جا رہے تھے۔ اینٹی گونس نے صرف ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور کچھ نہ بولا۔ سکندر غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے پکار کر کہا: ”ٹھہرو...... ورنہ پچھتاؤ گے۔“

اس آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وہ سب چپ ہو گئے۔ فیلقوس حیرت زدہ اپنے بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔ یک چشم اینٹی گونس نے پورا معاملہ فیلقوس کی خدمت میں پیش کیا چابک سوار نے کہا اوّل گھوڑا سرکش ہے، دوسرے مالک نے اس کی قیمت تیرہ ٹیلنٹ لگائی ہے۔ یہ سنتے ہی سکندر کو اپنی آنکھوں میں آنسوؤں کی خلش محسوس ہوئی اور شدتِ غیظ

Marfat.com

سے اس کا گلا گھٹنے لگا۔ فیلقوس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور نقل وحمل کے ذرائع کی بات شروع کر دی۔

سکندر نے پھر کہا: ”یہ بہترین گھوڑا ہے لیکن افسوس کہ ان لوگوں کو اس سے کام لینے کا شعور نہیں۔“

اب فیلقوس اس کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: ”کیا تم مجھے قائل کرنا چاہتے ہو کہ میرے چابک سوار گھوڑے کو قابو میں لانے کے اہل نہیں؟“

سکندر کو یہ احساس تو ہو گیا کہ باپ کی بات کاٹنا مناسب نہیں لیکن وہ آپے سے باہر تھا اور بولا: ”میں اس گھوڑے کو قابو میں لا سکتا ہوں۔ میں اسے ٹھیک کر سکتا ہوں۔“

فیلقوس متانت و سنجیدگی کا پیکر بنا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا: ”کیا تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ اس پر سوار ہو کر میدان کا چکر لگا لو گے اور اسے قابو میں کر لو گے۔“

سکندر نے اثبات میں جواب دیا تو اینٹی گونس بولا: ”اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی حماقت کا جرمانہ کیا دو گے؟“

سکندر نے بلا تامل کہا کہ تیرہ ٹیلنٹ اور یہی بیوسی فالس کی قیمت ہے۔ یہ سنتے ہی سب لوگ بے اختیار ہنس پڑے۔ صرف فیلقوس کے چہرے پر مسکراہٹ تک نمودار نہ ہوئی اور اس نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس تیرہ ٹیلنٹ موجود ہیں؟ سکندر نے جواب دیا کہ موجود تو نہیں لیکن میں روپیہ حاصل کر سکتا ہوں۔ فیلقوس نے کہا: ”اچھا، تم نے بازی بدلی ہے تو اب اسے پورا کرو۔ اگر تم نے بیوسی فالس کو رام کر لیا تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔“

سکندر یہ سنتے ہی گھوڑے کی طرف دوڑ پڑا۔ ایک لمحے کے لئے اسے سکتہ پیدا کرنے والی وہی خنکی محسوس ہوئی جو بطلیموس کے ساتھ شمشیر زنی کا مقابلہ کرتے ہوئے محسوس ہوا کرتی تھی۔ پھر اسے یہ بات یاد آ گئی کہ گھوڑا سر پر کپڑا ڈالنے کی وجہ سے بدک اٹھا تھا۔ چنانچہ اس نے گھوڑے کے پاس پہنچتے ہی کپڑا اس کے سر سے اتار ڈالا۔ باگ اپنے ہاتھ

Marfat.com

میں لے لی۔ لوگوں سے کہہ دیا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ ساتھ ہی خنکی کا احساس کافور ہو گیا۔ اس نے بیوی فالس کو تھپکانا شروع کیا۔ گھوڑے کے پٹھے بدن میں تڑپتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اس کی کنوتیاں بار بار اوپر اٹھ رہی تھیں۔ سکندر نے آہستہ آہستہ اس کا منہ سورج کی طرف پھیر دیا اور وہ بدستور گھوڑے کو تھپکاتا رہا۔

پھر جب گھوڑے نے اپنی تھوتھنی نیچے کر کے گھاس کھانی شروع کر دی تو سکندر اس پر سوار ہو گیا لیکن باگیں ڈھیلی چھوڑے رکھیں۔ بیوی فالس کا جسم یکا یک تن گیا۔ اس نے آگے کی طرف ایک چھلانگ لگائی۔ سکندر ذرا آگے جھک گیا لیکن ایک طرف باگ کھینچ کر گھوڑے کا منہ سورج کی جانب موڑے رکھا۔ اس نے نہ چابک استعمال کیا نہ ایڑ لگائی۔ جب وہ دوڑتا ہوا میدان میں پہنچا تو سکندر نے باگ کھینچ کر اسے دوڑ کے مقام پر پہنچا دیا۔ ایک لمحے کیلئے گھوڑا اتنا رہا۔ پھر وہ باگ کے اشارے پر چلنے لگا۔ دوڑ کا چکر پورا کیا۔ جب سکندر نے باگیں کھینچیں تو وہ قدم بہ قدم چلنے لگا۔ اس وقت سکندر کو بالکل خبر نہ ہوئی کہ باپ اور اس کے تمام افسروں کی نگاہیں خود اس پر جمی ہوئی ہیں۔ اینٹی گونس اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے پکار کر کہا: ''شاباش، خوب سواری کی۔'' فیلقوس نے فوراً حکم دے دیا کہ بیوی فالس کی قیمت بادشاہ کے ذاتی روپے میں سے ادا کر دی جائے اور سکندر کو ساتھ لے کر لنگڑاتا ہوا ایک خالی نشست گاہ پر جا بیٹھا۔

جب کوئی پاس نہ رہا تو فیلقوس بولا: ''بہت خوب، بہت خوب، لیکن یہ سب کچھ کیونکر کیا؟ کیا تم نے سائیسوں کو رشوت دے دی تھی کہ گھوڑے کو بھڑکاتے رہیں؟'' سکندر کو اس پر رنج تو ہوا لیکن بولا۔ ''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟'' پھر اس نے بتایا کہ میں توجہ سے ایک ایک بات کو دیکھ رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ گھوڑے کو اپنا سایہ نظر آتا تھا تو بے چین ہو جاتا تھا اور لوگ اندھا دھند اس کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ان سب باتوں نے مل کر اسے پریشان کر دیا ہے۔ میں نے اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا تھا۔ نرمی و ملامت کے برتاؤ سے وہ رام ہو گیا۔ اس شاندار گھوڑے میں کوئی خرابی نہ تھی۔ فیلقوس یہ

Marfat.com

بھاری تفصیل سن کر بولا: ''ہوں۔''

پھر اس نے پوچھا کل کیا پڑھ رہے ہو؟ فیلقوس بول چال میں صرف مقدونوی بولی استعمال کرتا تھا لیکن سکندر کو علم تھا کہ وہ فصیح اور منجھی ہوئی یونانی زبان بھی خوبی سمجھتا ہے۔

بیوسی فالس انعام میں پا کر سکندر کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ اس نے باپ کا شکریہ ادا کیا پھر انتہائی خوشنما الفاظ میں اپنے مطالعے کی کیفیت بیان کرنے لگا اور بولا: ''میں نے ہرقل ابن ذی اوس [41] کے متعلق تمام افسانے دیکھ ڈالے ہیں۔ وہ بہت بڑا تیر انداز تھا۔ اس نے وحشیوں کو قتل کیا۔ وہ شیر کی کھال کا نقاب پہنتا تھا۔ اس نے بے خوف اور نڈر ہو کر تاریکی کے خطوں میں سفر کیے، ساحرہ ہپولائٹ کو مارا، اس کا کمر بند چھینا اور سمندروں تک کو عبور کر گیا۔''

غرض سکندر نے ہرقل کے بارے میں تمام افسانے ایک ایک کر کے پڑھ لئے تھے۔ اور وہ اپنے دل پسند ہیرو کے متعلق باپ کو سب کچھ بتا دینے کا خواہاں تھا۔ فیلقوس تھوڑی دیر سنتا رہا اس اثناء میں بھی بے چینی اس پر طاری تھی۔ پھر یکایک بولا: ''اوہ، تم مشاہیر کے افسانوں میں وقت ضائع کرتے رہے۔ پہلے تم ایکی لیز اور اس کے سفید زرہ بکتر پر مفتون تھے اب شیر کی کھال والا ہرقل پسند آ گیا۔'' پھر وہ کھانسا اور غصے میں تھوکا۔ اندازہ ہوتا تھا کہ اسے اپنی دلی کیفیت کے اظہار کیلئے صحیح الفاظ نہیں مل رہے۔ بالآخر کہا: ''بطلیموس کو سیاست کا ذوق ہے، تمہارا عزیز ایمن ٹاس ریاضی بہتر جانتا ہے۔ ہاں اری ڈائیس کو بھی اتنی عقل ہے کہ وہ ہرقل کے گیت نہ گائے گا۔ اچھا اب تم کچھ پڑھ کر سناؤ۔''

فیلقوس کو جب کوئی بات پریشان کرتی تھی تو اس پر وہی کیفیت طاری ہو جاتی تھی جو چیتے پر شکار کی ہڈیوں سے مغز نکالنے میں طاری ہوتی ہے۔ وہ سکندر کو اس کی مطالعہ گاہ میں لے گیا جہاں تمام چیزیں غیر مرتب و منتشر تھیں۔ پھر مشہور خطیب ڈیماستھنیز [42] کا ایک خطبہ دے کر کہا کہ ذرا اسے سنا دو۔ سکندر کو خطیب کے پر شکوہ اور ولولہ انگیز فقروں نے گرما دیا۔ جن سے سرود خزانوں کی سی موسیقی ٹپکی پڑتی تھی۔ خطبے میں ایتھنز کے شہریوں کو اکسایا گیا

Marfat.com

تھا۔ وہ ہتھیار سنبھال لیں اور جابر و مستبد کے روبرو سر جھکا دینے کے بجائے اپنے حقوق کیلئے لڑتے ہوئے جانیں دے دیں۔

میں اسے اپنے وطن کا دشمن سمجھتا ہوں۔ اب تک اس نے جو کچھ کیا ہے اپنے فائدے کیلئے کیا ہے اور ہمیں اس سے نقصان پہنچتا رہا ہے۔

سکندر اس بات پر بڑا پریشان تھا کہ خطبہ فیلقوس کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ جانتا تھا، جابر و مستبد سے ڈیماستھنیز کا اشارہ فیلقوس ہی کی طرف ہے لیکن خود فیلقوس پر اس مخالفت کا قطعاً اثر نہ ہوا۔

جب سکندر جوش و خروش سے خطبہ سنا رہا تھا تو فیلقوس ایک بنچ پر پاؤں پسارے لیٹا ہوا انگور کھا رہا تھا۔ تاہم اس کے کان برابر خطبے پر لگے ہوتے تھے۔ خطبہ ختم ہو گیا۔ سکندر نے کاغذ ایک طرف رکھ دیا۔ وہ بظاہر خاتمے کے الفاظ سے بدرجہ غایت متاثر تھا اس اثناء میں فیلقوس بولا: ''واہ! تم پڑھتے خوب ہو، کیا خطبہ تمہیں پسند آیا؟''

سکندر: ابا جان! خطبہ تو بڑا اچھا ہے، لیکن اس بات پر رنج ہوا کہ یہ سب زہر آپ کے خلاف اگلا گیا ہے۔

فیلقوس: بے شک میرے خلاف زہر اگلا گیا ہے۔ یہ ڈیماستھنیز کے فیلقوسی خطبوں میں سے ایک خطبہ ہے۔ وہ ہمارے زمانے کا ہرقل ہے۔ خیر مطلقہ کیلئے جان لڑا رہا ہے چاہتا ہے کہ شہری ریاست کی خرابیوں کا علاج ایک اعلیٰ نصب العین کے ذریعے سے کر دے۔''

پھر وہ یکا یک چپ ہو گیا۔ اس اثناء میں اپنے شکستہ بازو پر ہاتھ پھیرتا رہا اور اس کے افکار و خیالات کسی اور ہی دنیا میں پہنچے ہوئے تھے۔ فیلقوس پر اکثر ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بولا:

''تم اس نصب العین کو حکومت عوام کا نام دے سکتے ہو۔ یہ ڈیماستھنیز کی جمہوریت ہے وہ بولتا خوب ہے...... ایسے خطیب کو یونانیوں کی زبان میں زعیم کہتے ہیں...... میرے نزدیک یہ خطبہ اتنا ہی مؤثر ہے جتنا کہ فوج کا ایک جیش مؤثر ہو سکتا ہے۔ اچھا اب اسے

Marfat.com

الگ کر اور یہ میری تحریر پڑھو۔"

یہ کہتے فیلقوس نے خطوط کے ایک پلندے کو الٹ پلٹ کیا۔ پھر کاغذ کا ایک ورق سکندر کی طرف پھینکا اور بولا: "یہ اس تحریر کی نقل ہے۔"

سکندر نے پڑھا تو مضمون یہ تھا:

فیلقوس کی جانب سے ڈیماستھنیز کے نام

"تسلیمات! جب دل چاہے پیلا آؤ اور میرے ساتھ باتیں کرو۔ میں خوش آمدید کہوں گا اور اس بات کا ذمہ اٹھاتا ہوں کہ تمہیں بحفاظت واپس بھجوا دوں گا۔"

یہ تحریر اگرچہ ایک محرر کی تھی لیکن سکندر اسے پڑھ کر بے خوش ہوا، اس لئے کہ دشمن کو انتہائی فراخ حوصلگی سے دعوتِ تشریف آوری دی گئی تھی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ فیلقوس اگرچہ عیار و حریص تھا اس میں کشادہ دلی اور وسعت قلب کے جوہر بھی موجود تھے۔ فیلقوس پھر خاموش ہو گیا۔ بظاہر سکندر کے اظہارِ خوشنودی کو اس نے پسند نہ کیا کئی سال بعد سکندر کو معلوم ہوا کہ ڈیماستھنیز پیلا آیا تھا۔ فیلقوس نے اس شان وشکوہ سے اس کا استقبال کیا کہ اس پر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔ تقریر کا وقت آیا تو ڈیماستھنیز کوشش کے باوجود کوئی جمتی ہوئی بات نہ کہہ سکا اور بار بار ہکلاتا رہا۔ اس سے لوگوں پر یہ اثر پڑا کہ فیلقوس کے سامنے کچھ کھل کر کہنے کا حوصلہ اسے نہ ہوا۔

فیلقوس: ہاں بھئی ایتھنز کا یہ خطیب کہتا ہے کہ تم رات دن کتابوں میں ڈوبے رہتے ہو اور مقدس نوشتوں کے کیڑے بن گئے ہو۔ اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

سکندر: وہ شاید سچ ہی کہتا ہے۔

فیلقوس: (آہستہ سے ایک قسم کھا کر) تمہارے اتالیق متفق الرائے ہیں کہ مطالعے میں جس بات پر تمہارا دل جم جائے اسے پورا کیے بغیر نہیں رہتے۔ عود ولوبان کے تعفن کا پیکر سنہری بال، لڑکیوں جیسی آنکھیں اور خدا جانے کیا کچھ۔ عالمِ خیال میں کوہ پرناسس پر چڑھ جانے کیلئے سیڑھیاں بناتے رہتے ہو۔ کبھی کبھی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تمہارے

Marfat.com

دودھ کے پلے ہوئے گوشت میں لوہا بھردوں۔ یہ نہ ہوا تو تم خطرے کا مقابلہ کیونکر کرسکو گے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ریوڑ جاگنے لگے گا تو دودھ پینے والے بچھڑے زندہ رہ سکیں گے۔"

پھر اس نے بے بسی کے انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔ گویا وہ خود اپنے اوپر خفا تھا اور بولا "خیر، اس بات کو جانے دو، نومولود بچھڑے کی مانند میری طرف نہ دیکھو۔ ہم لوگ سپاہی ہیں۔ الفاظ کو ہتھیاروں کی طرح استعمال کرتے ہیں تاکہ ان سے عمل کے سانچے تیار ہوں...... میں ڈرتا ہوں، مجھے سخت رنج ہے کہ تم کتابوں میں زندہ دفن رہتے ہوئے مندروں کے آگے جھکتے ہو۔ ڈیماستھنیز بھی تمہارا مذاق اڑاتا ہے۔"

اب مقدونوی زبان چھوڑ کر اس نے یونانی میں کہا:

"ایک غریب پیارا بچہ، جس کے سر پر ابھی تک بلوغ یا شادی کا تاج نہیں رکھا گیا شاہی تاج سے بھی اس کی پیشانی نے زینت نہیں پائی جس کی وجہ سے انسان دیوتا بن جاتے ہیں۔ اپنے ملک کی خدمت میں۔"[43]

"بھئی تم یوری پائیڈیز[44] کیوں نہیں پڑھتے اور ہومری افسانوں کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ اگر تمہیں بیمار روحوں ہی سے پیار ہے تو طبیب بن جاؤ۔" یکا یک وہ چپ ہو گیا۔ پھر بولا: "ہاں ایک طبیب۔ آج تک کوئی طبیب اور کوئی لوہار قتل نہیں ہوا۔"

اس سلسلہ خیال میں کسی شے نے فیلقوس کو اتنا خوش کر دیا کہ کہنے لگا: "جا جا بیٹا اپنے تمام اتالیقوں، استادوں وغیرہ کو بلالا اور کہنا کہ فیلقوس تم لوگوں سے ایک بات کہنا چاہتا ہے اور دیکھو "گاؤسرے" (گھوڑا) کو اصطبل میں بندھوا دینا، بھول نہ جانا، وہ بڑا اچھا جانور ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اسے دو ہزار گز کی دوڑ میں دوڑاؤں، لیکن اب وہ تمہارا ہے۔"

یہ کہتے وقت فیلقوس نے بیٹے کے کان پر بوسہ دیا اور اسے سینے سے لگا لیا۔ پھر کہا: ایسیا فیکس[45] کا کون سا قول مشہور ہے؟ دیکھو میں بھول گیا۔ ہاں، یاد آیا، اگر تمہیں باپ کی اور کوئی خصلت نہ ملے تو کم سے کم اس کی ڈھال ضرور پاس رہنی چاہئے۔" آج کا دن بڑا مبارک ہے۔ بیوسی فالس کا دن، دروازے پر جو پہریدار کھڑا ہے اس سے کہو کہ میرے لئے تھسلی کی اعلیٰ گلگوں شراب لائے۔ یہ چیوس[46] کا رفیق شربت مجھے نہیں چاہئے۔ اچھا،

Marfat.com

خوش رہو۔''

سکندر باہر نکلا تو اس نے پہریدار کو والد کا حکم پہنچایا۔ پھر گھوڑے کی دیکھ بھال پر متوجہ ہو گیا۔ رات کے وقت وہ اپنے گدھے پر لیٹا اور چراغ کی جھلملاتی روشنی میں ہومر کا مسودہ کھول کر پڑھنے لگا تو باپ کے شکایت آمیز الفاظ بدستور اس کے کانوں میں گونج رہے تھے یہ گونج اس وقت بھی جاری رہی۔ جب عالمِ خیال میں وہ لمبے جہاز پر بیٹھ گیا۔ بادبان کھول دیئے گئے اور محبوب ٹرائے کی طرف اس کا سفر شروع ہو گیا۔

پھر اس کی ماں آ گئی تاکہ سونے سے پہلے بچے کو بوسہ دے آئے۔ خوشبو کی لہریں اس کے بدن سے پے در پے نکل رہی تھیں۔ اس نے نہایت سریلی آواز میں کہا: ''بیٹا، آج پھر فیلقوس شراب میں بدمست تھا۔ اس نے تمہارے استادوں اور اتالیقوں کو پیلا سے باہر بھیج دیا ہے۔ لیونی دس کو بھی نہیں چھوڑا۔ اس نے قسم کھالی ہے کہ تمہیں اس گھوڑے پر سوار کرا کے اس درسگاہ میں بھیج دے گا جو پیلا سے دور ایک اجڑے مندر میں قائم ہے۔ وہی مندر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پریوں کے نزدیک وہ مقدس ہے۔ ساتھ ہی اس کا فیصلہ یہ ہے کہ تمہاری تعلیم اس شخص کے سپرد کر دے جو سٹے جیرا[47] کا باشندہ ہے۔ ایک طبیب جس کا نام ارسطو ہے کاش تم اس حکم کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کر سکو۔ میں سنتی ہوں کہ ارسطو کا باپ تمہارے دادا کا طبیب خاص تھا۔ تمہیں جلاوطنی اس لئے مل رہی ہے کہ طب پڑھ لو۔''

بہرحال سٹے جیرا کا ارسطو آیا۔ اجڑے ہوئے مندر کو اس کی درگاہ خاص بنا دیا گیا۔ یہ مقام پیلا سے زیادہ دور نہ تھا فیلقوس نے دوسرے لڑکوں...... بطلیموس، نیارکس وغیرہ...... کو بھی سکندر کے ساتھ اس درسگاہ میں جانے کی اجازت دے دی۔

سکندر بیوسی فالس پر سوار چند گھنٹے میں درسگاہ سے پیلا آ سکتا تھا اور اولمپیاس کو بظاہر اس انتظام پر مطمئن ہونا پڑا۔ اس لئے کہ جب فیلقوس کے ہوش و حواس بجا ہوتے اور وہ شراب کے نشے میں دھت نہ ہوتا تو سکندر کی تعلیم کے متعلق اپنا ارادہ ہرگز نہ بدلتا۔

O

Marfat.com

دوسرا باب

ہیئت زمین کا معما

اولمپیاس اپنے خیالات اسی تیزی سے تبدیل کر لیتی تھی، جس تیزی سے اس کی نگاہیں ادھر ادھر گھومتی رہتی تھیں چونکہ اس پر آشکار ہو چکا تھا کہ سٹے جیرا کے فلسفی اور اس کی دانش گاہ سے لڑکوں کو نجات دلانے کی بظاہر کوئی شکل نہیں لہٰذا فیصلہ کر لیا کہ اس سے جس حد تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اٹھایا جائے۔ اس نے برابر اپنے جاسوس لگا رکھے تھے جنہوں نے اطلاع دی کہ ارسطو صرف طب نہیں پڑھاتا، قدرت نے اس کی فطرت میں سیاسیات کی صلاحیت بھی ودیعت کی ہے۔...... نیز سب سے بڑھ کر قابلِ اعتماد جرنیل اینٹی پیٹر[1] اس کا جگری دوست تھا۔ سب سے آخر میں یہ کہ خود فیلقوس بھی مشوروں کیلئے اس عجیب المزاج فلسفی کے پاس جاتا رہا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ارسطو کو پیلا سے قریب رکھنے کیلئے فیلقوس بڑی بھاری قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ فلسفی کے وطن مالوف سے جیرا کے تمام مکانات جنگ میں تباہ ہو چکے تھے۔ فیلقوس نے یہ سب از سرِ نو تعمیر کرا دیئے۔ ان واقعات سے اولمپیاس کو ارسطو کے اثر ورسوخ کا پورا اندازہ ہو چکا تھا۔

اس نے ایک روز سکندر سے کہا: "اب تم اتنی عمر کو پہنچ گئے ہو جس میں انسان کے اندر نیک و بد کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ دیکھو طب کی تعلیم میں وقت ضائع نہ کرنا۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ سٹے جیرا کا یہ فلسفی سیاسیات کے راز تم پر آشکار کر سکتا ہے، حکمرانی کے گر سکھا سکتا ہے۔

Marfat.com

چاہئے کہ تم کسی نہ کسی دائرے میں اختیار و اقتدار حاصل کرو...... خصوصاً ایسے اوقات میں جب فیلقوس شکار کیلئے چلا جاتا ہے یا فوجوں کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں پھرتا رہتا ہے۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ جب وہ دارالحکومت سے باہر ہو تو تم اس کی نیابت کرو۔''

ملکہ جانتی تھی کہ سکندر کو اختیارات ملیں گے تو عملاً ان کا مطلب یہ ہوگا کہ خود ملکہ کے اقتدار میں اضافہ ہو جائے پھر اس نے خود میزا[2] جانے کا فیصلہ کر لیا تا کہ اپنی آنکھوں سے تعلیمی انتظامات کا نقشہ دیکھ کر اطمینان کر لے۔

اگرچہ اولمپیاس کو مطالعہ کتب سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر میزا جانے سے پیشتر اس نے یوری پائیڈیز کے المیہ ڈراموں خصوصاً میڈیا[3] کو بڑے غور و توجہ سے پڑھ لیا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میڈیا بھی خود ڈا اس کی طرح تنہا مردوں کی قوت کا مقابلہ کرتی رہی اور اس کے پاس جادو کے سوا مدد کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ وہ میزا پہنچی تو دیکھنے والوں کا احساس یہ تھا کہ ایک زندہ دیوی پریوں کے مندر میں اتر آئی ہے۔ وہ گاڑی سے اتری۔ اس کا لچکیلا جسم خالص ریشم میں ملبوس تھا۔ ہوا کے تیز جھونکے ریشمی لباس میں لہریں پیدا کر رہے تھے۔ لڑکوں نے یہ منظر دیکھا تو حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس زمانے میں شادی شدہ عورتیں اپنے چہرے اور جسم کو یوں منظرِ عام پر نمایاں کرنے کی جرأت بہت کم کیا کرتی تھیں۔ سکندر اپنے خیالات میں مگن رہا۔ لیکن بطلیموس نے دیکھ لیا کہ ملکہ کے ساتھ دو نہایت خوبصورت کنیزیں ہیں جس دروازے سے مندر میں داخل ہوتے تھے اس کے اوپر پریوں کے مجسموں کی ایک قطار کھڑی تھی جو نیلگوں پتھر تراش کر بنائے گئے تھے۔ کنیزیں ان مجسموں کو دیکھ کر بے اختیار کھلکھلا اٹھیں۔ ارسطو کو ملکہ کے اعزاز کی خاطر مجبوراً استقبال کے لئے باہر آنا پڑا۔ ملکہ نے نہایت خوشنما انداز میں معذرت کرتے ہوئے کہا: میں تو اس ویران مندر کی طرح قدیم وضع کی پابند ہوں۔ میری تربیت مذہبی رسوم کی آغوش میں ہوئی اور سائنس سے بالکل بے خبر رہی۔ ساتھ ہی ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا، عورت کے دل کی خوشی صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ رنج و غم کا شکوہ اس کی زبان پر جاری ہو۔

Marfat.com

اولمپیاس میزا سے لوٹی تو ہاں ہر شخص کے دل پر یہ اثر چھوڑ آئی کہ وہ اپنے اکلوتے فرزند کے مستقبل کو ارسطو کے ہاتھوں میں بالکل محفوظ سمجھتی ہے۔ اریسٹانڈ[4] کاہن کو اس نے بتایا کہ یہ نیا فلسفی جس کا نام ارسطو ہے تنلا ہے اور اس سے تخلیقی افکار کی رنداں امید نہ رکھنی چاہئے۔ وہ غالباً اس وجہ سے عام شہرت پا گیا کہ افلاطون کا چہیتا شاگرد تھا۔ نیز وہ دیوتاؤں کے اختیار واقتدار کا منکر ہے۔

میزا کے مندر اور متعلقہ باغ میں عجیب و غریب سروسامان جمع تھا۔ کہیں رنگا رنگ پتھروں کے انبار تھے کہیں سیپوں کے صندوق بھرے ہوئے رکھے تھے۔ تمام کونوں میں پرندے اور حشرات الارض موجود تھے جن کی کھالوں میں مسالہ بھر رکھا تھا۔ کہیں بھٹیاں بنی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ پانی کی چاپچیاں دھری تھیں جن میں مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ ان کے علاوہ تتلیاں تھیں۔ مختلف درختوں کے پتے تھے۔ گویا تمام حیوانات و نباتات کے نمونے جمع کر رکھے تھے۔ لڑکوں کی طبی تعلیم کا آغاز جانوروں کے بدن میں دورانِ خون کی کیفیت دکھانے اور ریت پر انسانی اعضاء کے نقشے بنانے سے ہوتا ہے۔ خود ارسطو زیادہ باتیں نہ کرتا۔ اس نے بہت سے معاون رکھ چھوڑے تھے۔ وہی تجربات کر کے دکھاتے رہتے۔ سکندر جیسے ہی صبح کے وقت زیوس کی عبادتی قربانی سے فارغ ہو جاتا اور آفتاب کی پہلی کرن نمودار ہوتی لامتناہی تجربوں کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔

معاون ہی لڑکوں کو بتاتے کہ ارسطو کا طریقہ تعلیم یہی ہے۔ وہ بحث و استدلال میں نہیں پڑتا۔ کم از کم ابتدائی دور میں اس کا قطعاً روادار نہیں ہوتا۔ وہ صرف تجربہ و امتحان کی بنا پر طبعی اسباب معلوم کرنے کیلئے ساعی رہتا ہے۔ یعنی کیوں ہے سے پہلے کیا ہے پر متوجہ ہوتا ہے تاکہ کس لئے ہے پر استعجاب کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ کسی بھی شے کو مسلمہ نہ ماننے کے اب عجیب و غریب طریقے میں ضروری تھا کہ پہلے بیماریوں کے اسباب پر روشنی ڈالی جاتی۔ بعد ازاں علاج سکھائے جاتے۔ جب مقدونوی امراء کے لڑکے طبعی چیزوں کے مطالعے میں خاصے آگے نکل گئے تو انہیں مدرکات و اسرار کا علم ہونے لگا۔ اسرار کے بارے

Marfat.com

میں جب بات چھیڑی جاتی تو ارسطو یہ کہہ کر اسے ٹال دیتا کہ انسانی قلب کیلئے زندگی خود ایک سر اور ایک راز ہے۔ اور اسی کے بارے میں غور وفکر اس کے لئے کافی ہے۔ بطلیموس کہتا ہے کہ ارسطو خود ایک عجیب وغریب راز ہے۔ وہ تبلیغ نہیں کرتا۔ تعلیم نہیں دیتا۔ یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ ہم پڑھتے ہیں اسے یہ ہر حال میں صحیح سمجھیں۔ کہتا ہے سوال کیا کرو اور جب سوال کئے جاتے ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ جواب مجھے معلوم نہیں۔

ارسطو کے معاون بطلیموس کی یہ شکایت سنتے تو کہتے کہ یہ درست نہیں۔ ارسطو کا دماغ ایسے اسرار و معموں سے لبریز ہے جن کے حل اس نے دریافت کر لئے ہیں۔ اس کی رائے ہے کہ ہر سوال کا گھڑا گھڑایا جواب سن لینا ہرگز قابلِ توجہ نہیں۔ اصل غرض یہ ہے کہ انسان خود غور وفکر کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا جواب پر پہنچے۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے گارڈیس[5] کی گرہ بطور مثال سامنے رکھ لینی چاہیے۔ جو ایشیا کے ایک مندر میں تھی۔ ارسطو کہتا ہے کہ تم اس گرہ کو اس وقت تک نہیں کھول سکتے جب تک یہ معلوم نہ کر لو کہ کیوں کر دی گئی تھی۔ جب گرہ دیئے جانے کی حقیقت معلوم ہو جائے تو چپو چلانے والا غلام[6] بھی اسے بآسانی کھول سکتا ہے۔

بطلیموس بولا: ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں بادبانی جہازوں میں چپو چلانے والے غلاموں کی طرح محنت کرنی چاہیے۔“ بے شک صورتحال یہی تھی۔ ان لڑکوں کا شاہی خاندان سے تعلق تھا لیکن ان کا کام یہ تھا کہ صبح سے شام تک تمام اشیاء کو جنس وار ترتیب دیتے رہیں اور ان میں مونگے سے ستاروں کے جھرمٹ تک ہر شے شامل تھی۔ انہیں بتایا جاتا تھا کہ جب تک وہ صحیح اندازہ کر کے ایک ایک چیز کا تعین نہ کر لیں گے خیالات وافکار پر توجہ کی صلاحیت ان میں پیدا نہ ہو سکے گی۔

سکندر اس بے پناہ کام میں ایسے انہماک سے ڈوبا۔ گویا وہ اسے پورا نہ کرنا اپنی ہمت و صلاحیت کیلئے باعثِ عار سمجھتا تھا۔ اس کا تاثر یہ تھا کہ ارسطو کے معاون اسے (سکندر کو) ناکام بنانے پر تلے بیٹھے ہیں اور خود ارسطو بھی اپنے اس شاگرد کی بے سلیقہ کوششوں کا دل

Marfat.com

میں مذاق اڑاتا تھا۔ سکندر کیلئے یہ بات بہت رنج افزا تھی کہ فلسفی نے لبوں پر مہرِ سکوت کیوں لگا رکھی ہے اور اس نے جو اسرار معلوم کر لئے ہیں انہیں بتانے اور افشاء کرنے سے گریزاں کیوں ہے؟

جب دن ختم ہو جاتا اور غروب کا وقت آ جاتا تو ارسطو اپنی مطالعہ گاہ سے باہر نکلتا اور شاگردوں کے ساتھ باغ کی روشوں پر ٹہلنا شروع کر دیتا۔ دن بھر میں وہ جو کام انجام دے چکے تھے اس پر سرسری نظر ڈالتا جاتا۔ اس کی جھریوں سے لبریز پیشانی نمایاں ہوتی اور صاف معلوم ہوتا کہ خیالات کسی اور ابر آلود فضا میں گردش کر رہے ہیں۔ اس کی زبان پر پہلا سوال آتے ہی سکندر کا خون جوش میں آ جاتا۔ مثلاً ایک راز اس نے پوچھا کہ اگر تم کشتی میں سوار ہو کر کنارے سے دور چلے جاؤ اور سمندر میں طوفان آ جائے تو کیا کرو گے؟"

کفایت شعار کسان کے بیٹے ہرپالوس نے کہا کہ میں بادبان کے رسوں کو خوب مضبوط گرہیں دے کر اس کا رخ ہوا کی طرف پھیر دوں گا اور خود چپو کو سنبھال لوں گا جس سے کشتی چلتی ہے۔ بطلیموس نے جواب دیا کہ میں ہر قیمتی شے کو سمندر کے مختار دیوتاؤں کی خدمت میں قربانی کے طور پر پیش کر دوں گا تا کہ میری جان محفوظ ہو جائے۔ نیارکس کا جواب یہ تھا کہ مستول کو اتار لوں گا۔ بادبانوں کو اس کے گرد لپیٹ دوں گا۔ اس طرح ایک لنگر بنا لوں گا اور جب تک طوفان باقی رہے گا اسی لنگر کے سہارے کشتی کو بچاتا جاؤں گا۔

آخر ارسطو سکندر کی طرف متوجہ ہوا کہ بتاؤ تم کیا کرو گے؟

سکندر: میں کیا بتاؤں جب تک یہ واقعہ پیش نہ آ جائے۔ مجھے معلوم ہی کیونکر ہو سکتا ہے کہ کیا کرنا چاہیے؟ ارسطو چند لمحوں تک اسے غور سے دیکھتا رہا۔ گویا پہلی مرتبہ اس کے جوہرِ صلاحیت کا اندازہ کیا۔ پھر بولا: "بہت خوب، بہت خوب، اس جواب میں کم از کم سچائی کا جوہر تو موجود ہے۔" پھر وہ آگے بڑھا، گویا اصل معاملے کو ختم کر چکا تھا لیکن سکندر نے قدم بڑھا کر اس کا راستہ روک لیا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار تھے۔ اس نے پوچھا: اچھا یہ تو بتا دیجئے کہ صحیح جواب کس نے دیا؟ بطلیموس نے یا نیارکس نے؟

Marfat.com

ارسطو: ''کس نے؟ مجھے کیا معلوم؟ یہ سب کچھ طوفان کی کیفیت پر موقوف ہے اور جہاز چلانے والا ہی تمہارے سوال کا صحیح جواب دے سکتا ہے۔'' اس کی نگاہیں کسی چیز پر جمی ہوئی تھیں اور آنکھوں کے حلقے ذرا سمٹ گئے تھے۔ پھر بولا: ''میں تمہیں اتنا بتا سکتا ہوں کہ اس...... اس کریٹی کیلئے دعا بے سود ہوگی اور بطلیموس ابن لگوس بحری لنگر کو قسمت آزمائی کا مرکز بنائے گا وہ غلطی کا مرتکب ہوگا۔

سکندر: دعوے کو بمنزلہ ثبوت مان لینا تو کچھ نہ ہوا۔ آپ کو تنخواہ اس غرض سے دی جاتی ہے کہ ہمیں سکھائیں پڑھائیں، اس لئے نہیں دی جاتی کہ فقرہ بازیوں میں وقت گزاریں۔ آپ بتائیں حقیقت کیا ہے؟ آیا سمندر کا دیوتا[7] موجوں میں زور و وقت پیدا کرنے کا مختار ہے یا ہوائیں اپنے آپ چلتی ہیں؟ یا تو پہلی بات حقیقت پر مبنی ہوگی یا دوسری بات۔ آپ اعداد کی طرح حقیقت کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم نہیں کر سکتے۔

یہ الفاظ سن کر ارسطو کی پیشانی پر خفگی کی کوئی لہر نمودار نہ ہوئی۔ اس کی نگاہیں بدستور مقام غروب پر جمی رہیں اور اس نے کہا: ''جب تم حقیقت کا ذکر کرتے ہو تو تمہاری مراد ایک خیال اور ایک مفکورے سے ہوتی ہے۔ مفکورے کو البتہ بار بار تقسیم کیا جا سکتا ہے اور باریکی کی اس حد پر پہنچایا جا سکتا ہے کہ اسے مزید تقسیم نہ کیا جا سکے اور وہ جزو لا تجزی رہ جائے۔''

ارسطو کا مقررہ اصول یہ تھا کہ جب تم جز و لا تجزی پر پہنچ جاؤ تو سمجھ لینا چاہئے تم حقیقت سے دوچار ہو گئے۔ اس وقت تک تم کسی امر کے بارے میں منزلِ یقین پر نہیں پہنچ سکتے۔

سکندر اپنی بات پر جما رہا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ حقیقت چاندی کا درہم نہیں جس کو بھنایا جا سکے۔ ارسطو چلتے چلتے ایک نمونے کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے استدلال جاری رکھنے کے بجائے جھٹ ایک سوکھی سی چیز اٹھائی اور پوچھا: یہ کیا ہے؟ جواب ملا، ایک چھوٹی سی جھینگا مچھلی ہے۔

ارسطو: ٹھیک ہے لیکن یہ بہت ہی چھوٹی قسم کی مچھلی ہے جو جزائر سائیکلیڈس[8] سے آتی

Marfat.com

ہے۔ چھوٹی اس لئے ہے کہ اس نے پوری پرورش نہیں پائی۔ یہ بحیرۂ یوکسین 9 جیسے دوافتادہ سمندر میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ خول نما مخلوق ہے اوران جانداروں کا ابتدائی نمونہ جنہیں گھونگھے کہا جاتا ہے زمین نمودار ہونے سے پیشتر پانی میں جن جانداروں کو زندگی کے ابتدائی نمونے سمجھا جاتا ہے۔ ان کی یہ بچی کھچی نسل چلی جاتی ہے۔ پر دیکھو، جو لوگ معاشرے سے نکال دیئے جائیں ان کیلئے یہ خوراک کا سامان ہے۔ جو شخص کھانے کا لذت شناس ہو، وہ اسے مطبوخ مچھلی کا ایک نادر کھانا قرار دیتا ہے۔ یہ عام جھینگا مچھلی ہی کی ایک قسم ہے اور سمندری مخلوق کی ان اقسام میں سے بہت ہی چھوٹی قسم ہے جن سے گہرے سمندروں کے دیوپیکروں اور بحری سانپوں کی افسانہ بافیاں شروع ہوئیں۔ بایں ہمہ درست ہے کہ یہ ایک چھوٹی جھینگا مچھلی ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے مچھلی کو رکھ دیا اور شفق کی سرخی مائل روشنی میں ٹہلتا ٹہلتا آگے نکل گیا۔ وہ ذرا دور چلا گیا تو بطلیموس قہقہہ مار کر ہنسا اور بولا: "اس تعلیم کیلئے ہم سے چپو مارنے والے غلاموں کا سا کام لیا جا رہا ہے؟ اچھا لڑکے تم کیا ہو؟ آؤ حقیقت کا تجزیہ کریں۔ کوئی شبہ نہیں کہ تم سکندر ہو اور اب منزلِ بلوغ پر پہنچ گئے ہو۔ تم اولمپیاس کے اکلوتے فرزند ہو اور فیلقوس کے بیٹوں میں سے تنہا تمہیں جائز اولاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ دماغ بھی صرف تمہارا سلامت ہے۔ تمہاری رگوں میں جو خون دوڑ رہا ہے اس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تم انسان ہو۔ دیوتاؤں کی رگوں میں زندگی کی جو لہریں پائی جاتی ہیں، ان میں تمہارا حصہ کچھ نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے تمہارے اندر کوئی آسمانی شرارہ بھی موجود ہے جو تمہیں ہرقل یا ایکی لیز سے ملا ہے۔ یا کم از کم تم اپنے ذہن میں یہی سمجھے بیٹھے ہو۔ بتاؤ تم اسی عام ہوا میں سانس لیتے ہو یا آسمانی ایتھر میں؟ تم ایک اکھڑ جوان ہو اور چاہتے ہو کہ یونانیوں کی عقل اور دانش کا سرمایہ گھول کر پی جاؤ......"

جب اس نے دیکھا کہ سکندر چپ چاپ اور تنہا کھڑا ہے تو گھبرا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ یاد آ گیا کہ ایک مرتبہ سکندر سے شمشیر زنی کرتے ہوئے بطلیموس کی جان پر آ بنی تھی۔

Marfat.com

اس روز سے اس پر واضح ہو گیا تھا کہ سکندر ارادے کا بڑا پکا ہے لہٰذا اسے غصہ دلانے کی کوئی بات زبان پر نہ لاتا تھا چنانچہ اس نے گفتگو کا پہلو بدلنے کی غرض سے کہا: "اگر تم چاہتے ہو کہ ارسطو کے عقائد کی پوری کیفیت معلوم کرلو تو چاہیئے کہ اسے کسی ایک بات پر جمائے رکھو اور ادھر ادھر نہ ہونے دو۔ اس کو تجربے کا تختہ مشق بناؤ۔ اسے وہ شعر سناؤ جن میں بتایا گیا ہے کہ میڈیا[10] نے اپنے محبوب حسین کو جادو کے زور سے بچائے رکھا۔"

ایک لمحے کیلئے بطلیموس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اولمپیاس میڈیا کا کردار ادا کررہی ہے۔ پھر جلدی سے اس نے کہا: "ہاں بھئی ایک بات تم نے بالکل درست کہی...... دیوتا یا تو ہیں یا نہیں۔"

ایک رات سکندر اٹھا اور تنہا ارسطو کی تجربہ گاہ میں پہنچ گیا جہاں چراغ جل جانے کے بعد کسی طالب علم کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ اس نے بغل میں ایک مخطوطہ دبا رکھا تھا جو مدت سے زیرِ مطالعہ رہنے کے بعد خاصا بوسیدہ ہو چکا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بھٹی پر تابنے کا برتن دھرا ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے۔ ارسطو اور اس کے معاون کچھ دیکھنے میں مشغول ہیں برتن کے اوپر جو باریک نلکی سی لگی ہوئی تھی اس میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔ اس لئے کہ پانی کھول رہا تھا۔ بھاپ میں اتنی قوت تھی کہ بھاری چوبی پہیئے کو گھما دے لیکن فلسفیوں کو بھاپ کی قوت اور زور سے کوئی مطلب نہ تھا۔ چھت کے ساتھ دھات کا ایک ہموار کڑا لگا ہوا تھا۔ بھاپ اسے چھوتی تو پانی کے قطروں کی شکل اختیار کرتی جاتی۔ پھر وہ قطرے مینہ کی طرح زمین پر آ گرتے۔ بظاہر معلوم ہو رہا تھا کہ ارسطو چھوٹے پیمانے پر مینہ برسانے کے تجربے کر رہا ہے۔ اس کی نگاہیں اس عمل پر جمی ہوئی تھیں۔

اسے یقین تھا کہ چار عنصر...... آتش و آب و خاک و باد...... کے علاوہ ایک عنصر بھی موجود ہے جس کی ابتدائی شکل بھاپ تھی اور طالب علم ارسطو کے اس یقین سے آگاہ تھے۔

ارسطو یہ بھی کہتا تھا کہ سورج کی حدوحرارت روئے زمین سے پانی بھاپ کی شکل میں اوپر لے جاتی ہے جب یہ بھاپ اوپر ہوا کے کسی سرد کرّے میں پہنچتی ہے تو ٹھنڈی ہو کر مینہ یا

Marfat.com

برف کی صورت اختیار کر کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر گرتی ہے۔ اس طرح ندیاں پانی سے بھرتی ہیں اور دریاؤں کی طرف دوڑتی ہیں۔ دریا اس پانی کو ان چھوٹے سمندروں میں لے جاتے ہیں جنہوں نے زمین کو گھیر رکھا ہے۔ چھوٹے سمندروں کا پانی ایسی آبناؤں سے جسے ہرقل کے کھمبوں[11] والی آبنائے ہے، گزر کر مغربی سمت کے بڑے سمندر میں جا ملتا ہے جہاں زمین کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ پس جس طرح جسم کی باریک رگوں میں خون کے دورے پر انسانی زندگی کا مدار ہے اسی طرح پانی کے اس مسلسل دور و سیر کی برکت سے کرۂ ارض پر زندگی کی نمود ہے۔ اگر اس پانچویں عنصر یعنی بھاپ کی امداد پانی کی بہم رسانی جاری نہ رکھے تو دریا اور جھیلیں خشک ہو جائیں۔ تمام انواعِ حیات...... حشرات، نباتات اور حیوانات...... آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں۔

اگر یہ درست ہے کہ نمی کی سیر و گردش سے مینہ برستا ہے تو مان لینا چاہیے کہ نہ آسمان کی محرابی سقف میں بادِ شمال کے فرزنوں کی پرواز مینہ لاتی ہے اور نہ یک چشم دیو پیکر بادلوں میں بجلی کا کڑکا پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

سکندر تھوڑی دیر تک مصنوعی بارش کی بوندیں گرنے کا تماشا دیکھتا رہا۔ پھر ارسطو کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوئی، اسے اندیشہ تھا کہ ارسطو اس پر خفا ہوگا لہٰذا وہ تنا کھڑا رہا...... پھر اس نے مخطوطہ ارسطو کے حوالے کرتے ہوئے کہا: ''کیا آپ مہربانی فرما کر واضح فرما دیں گے کہ اس میں عبارت کی کون کون سی غلطیاں ہیں؟''

فلسفی نے مخطوطہ کھولا تو اسے معلوم ہوا کہ ہومر کی ''داستان ٹرائے'' کا یہ بڑا ہی بوسیدہ نسخہ ہے۔ پھر وہ کسی نکتہ چینی کے بغیر بولا: ''تین روز کے بعد مجھ سے لے لینا...... لیکن یاد رکھو مطالعہ شبینہ کے اوقات میں پھر مداخلت نہ کرنا۔''

یہ نسخہ سکندر کو واپس ملا تو حاشئے پر جگہ جگہ ارسطو کی تحریر تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر سکندر حیران رہ گیا کہ کہیں بھی یہ واضح نہ تھا کہ دیوتا انسانوں کی امداد نہیں کیا کرتے۔ صرف غلط الفاظ درست کر دیئے گئے تھے یا بعض پیچیدہ اور مشکل مقامات کی تشریح کر دی گئی تھی جن کے بعد

Marfat.com

ان حصوں کا پڑھنا اور سمجھ لینا بہت سہل ہو گیا تھا۔ جب سکندر نے پوچھا کہ آپ نے معاملے کو الفاظ کی درستی اور بعض مطالب کی تشریح تک کیوں محدود رکھا اور ایلیڈ کی حقیقت پر کیوں بحث نہ کی؟ تو ارسطو نے جواب دیا کہ یہ کتاب خطابات شعر کی سحر آرائی کا ایک کرشمہ ہے، تاریخ نہیں ہے، جیسے کہ ہیروڈوٹس[12] کی تاریخی کتاب ہے۔ نظم کی حیثیت میں اس کا پایا یقیناً بہت بلند ہے لیکن اسے طبعی واقعات کی حقیقی سرگزشت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سکندر: اگر یہ تاریخ ہوتی۔

ارسطو: ''ایسی کتاب اب تک تصنیف نہیں ہوئی۔'' اور مسکراہٹ اس کے جھریوں والے چہرے پر کھیل رہی تھی۔

غرض سکندر میزا میں یوں تنہا محنت و مشقت کرتا رہا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں ناکام نہ ہو جائے۔ یہ احساس بھی پریشان کر رہا تھا کہ سن رسیدہ آدمیوں نے اسے احمق قرار دے رکھا ہے۔ ان مرحلوں کو سکندر کے افکار وعزائم سے کوئی ہمدردی نہ تھی اور وہ خطابت، منطق اور نئی طبعیات کے لامتناہی تجربات میں سے آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ وہ اس کام میں ڈوب گیا تھا۔ عزم کئے بیٹھا تھا کہ پرانی مذہبی رسوم کی حقیقت معلوم کئے بغیر دم نہ لے گا جن کا وہ معتقد تھا۔ لیکن ارسطوان کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً کوئی حرف زبان پر لانے کیلئے تیار نہ تھا۔ بظاہر ارسطو اس پر متوجہ نہ تھا کیونکہ وہ خود سولہ گھنٹے مطالعہ و تجربات میں لگا رہتا تھا، اس لئے اسے معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ اس کا شاگرد آنکھوں اور دماغ پر غیر معمولی بوجھ ڈال رہا ہے۔

اولمپیاس بڑی دانائی اور دور اندیشی سے اس کے جذبۂ محنت پر شوق کے تازیانے لگا رہی تھی، وہ کہتی دیکھو تمہارے اجداد میں سے ہرقل، فرق الفطرت محنت و مشقت سے عظمت کی اوج گاہوں پر پہنچا۔ ایک مرتبہ وہ ڈلفی کے مندر سے لوٹی تو سکندر سے یہ کہتی ہوئی سنی گئی، غور کر...... لوگ کہہ رہے ہیں، اہلِ مقدونیہ کس درجہ خوش نصیب ہیں۔ انہیں فیلقوس جیسا سپہ سالار اور سکندر جیسا بادشاہ مل گیا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ وہ میرے لختِ جگر کو

Marfat.com

بادشاہ کہہ رہے ہیں...... اگرچہ تم سولہ سال کے ہو چکے ہو اور اس عمر میں بہت سے شہزادے نیابت کے منصب پر فائز ہو جاتے ہیں۔ ارسطو اس حقیقت سے ناآشنا نہیں رہ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ فیلقوس کے بجائے وہ (ارسطو) تمہیں دانشمندانہ طریق پر زندگی گزارنے کے قابل بنانے کیلئے زیادہ محنت و مشقت برداشت کرا رہا ہے۔ فیلقوس نے تو اس کے سوا تمہارے لئے کچھ نہیں کیا کہ تمہیں اپنا بیٹا تسلیم کر رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ یہ کوئی بڑی بات ہے۔"

بیٹے کے متعلق اس کی روش میں غیر محسوس تغیر پیدا ہو گیا۔ پیلا کے سامنے جو میدان تھے اولمپیاس نے وہاں محل کی عمارتوں کی آرائش و زیبائش کیلئے بہترین سامان مہیا کر دیئے تھے۔ جب سکندر بیوی فالس پر سوار ہو کر وہاں پہنچا تو اولمپیاس کے تمام ملازم خاص اہتمام سے پیشوائی کا فرض انجام دینے کیلئے موجود تھے۔ جب وہ مختلف معاملات میں اس کی رائے لیتی اور ظاہر کرتی کہ وہی اس کا سہارا ہے۔ جب وہ رات کیلئے پیلا میں ٹھہرتا تو اولمپیاس یونان کی تربیت یافتہ طوائفوں کو خاص اہتمام سے فراہم کرتی اور ایسے مقامات پر نمائشِ حسن و جمال کا حکم دیتی جہاں وہ سکندر کی نظروں سے کسی بھی حالت میں اوجھل نہ رہ سکتی تھیں۔ اولمپیاس کا احساس یہ تھا کہ سکندر اس عمر کو پہنچ چکا ہے جب مرد کو خوبصورت لڑکیوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ سکندر صرف ان کنیزوں سے تمتع حاصل کرے جنہیں وہ (اولمپیاس) اپنی نگرانی میں رکھ سکتی تھیں۔ لڑکیاں صبح کے وقت اولمپیاس کو جا کر بتاتیں کہ اس نے کسی پر کوئی خاص توجہ نہ کی۔ یہی سمجھتا رہا کہ وہ محل کی ملازمائیں ہیں جن کا کام یہ ہے کہ حمام کے وقت ملکہ کے بدن پر خوشبوئیں لگائیں اور اس کے بالوں کی آرائش میں مدد دیں۔

اولمپیاس کیلئے یہ بات بڑی تکلیف دہ تھی کہ وہ اپنی کسی کنیز کے ذریعے سے بیٹے کو اپنی گہری وابستگی پر آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کنیزوں کو ڈانٹتی کہ دیکھو میرے تیل اور خوشبوئیں نہ لگائیں۔ دوسرے تیلوں اور خوشبوؤں سے کام لو۔ ایک روز اس نے باغ میں ایک جل پری کے متعلق عجیب و غریب داستان سنی۔

Marfat.com

باغبان کی بیوی نے ڈرتے ڈرتے بتایا کہ میں نے یہ داستان اپنے شوہر سے سنی جو گندم کے کھیت تھا۔ البتہ بادی النظر میں اسے قابلِ یقین نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ سکندر شام کے وقت محل سے نکل کر باغات میں ہوتا ہوا تیزی کے ساتھ میزا کی طرف جا رہا تھا۔ چلتے چلتے اس نے گھوڑے کو پتھر کی دیوار پر سے کدایا۔ سامنے ایک اجنبی لڑکی کھڑی تھی جس نے انگوروں کی ٹوکری سر پر اٹھا رکھی تھی۔ وہ بمشکل گھوڑے کی جھپٹ سے بچی۔ اس نے اپنا لہنگا ذرا اوپر اٹھا کر کمر کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ اس کی پنڈلیاں برہنہ تھیں۔ وہ ایک خاص لے میں گا رہی تھی۔ گھوڑے کے کودنے سے اسے ہلکا سا دھکا لگا۔ اس سے انگوروں کی ٹوکری گر گئی۔ سکندر نے ذرا جھک کر لڑکی کو بازو سے تھام لیا۔ اس طرح وہ گرنے سے بچ گئی تو ایک دم اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا لیا۔ اس کے بال سنہری تاروں کی طرح بکھرے ہوئے ہوا میں لہرا رہے تھے۔ سکندر نے اسے مضبوطی سے تھام رکھا اور لڑکی کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔

گندم کے کٹے ہوئے کھیت میں پہنچ کر سکندر نے گھوڑے کو روک لیا اور سنہری بالوں والی اس جل پری کو آہستہ سے نیچے اتار، پھر خود بھی اتر کر بازو اس کی کمر میں ڈالا۔ کچھ دیر دونوں وہاں رہے۔ سکندر نے اپنا لبادہ اوڑھ کر پردہ سا کر لیا تھا۔ اس اثناء میں سورج غروب ہو گیا۔ روشنی مدھم ہو گئی یہاں تک کہ باغبان انہیں دیکھنے سے معذور ہو گیا۔

جب سکندر چلا گیا تو اس لڑکی نے ادھر ادھر پھر کر انگوروں کی ٹوکری تلاش کی، باغبان نے اس کا نام پوچھا تو معلوم ہوا وہ نہ مقدونوی بولی سمجھتی ہے اور نہ یونانی۔ باغبان نے سمجھا کہ یہ ضرور جنگل کی پری ہے، جو شام کے وقت تھوڑی دیر کیلئے چلی آئی۔ پھر اپنے مامن میں پہنچ گئی۔

اولمپیاس قطعاً یہ بات تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ تھی کہ پریاں جنگل سے نکل کر باغات میں انگور چنتی پھرتی ہیں۔ اس نے سنہرے بالوں والی اس لڑکی کے متعلق چھان بین شروع کر دی۔ پہلے نوکروں چاکروں سے پوچھا۔ پھر غلاموں کے مکانوں میں پرسش کی۔ آخر

Marfat.com

اس کے پاس ستھیا کی ایک لڑکی لائی گئی جسے ڈیلیا کی منڈی میں سے خریدا گیا تھا اور انگور جمع کرنے پر لگا دیا گیا تھا، اولمپیاس نے دیکھا کہ بڑی قبول صورت ہے۔ اس کی آنکھیں اور بال دن کی روشنی میں بڑے پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے سخت حکم جاری کر دیا کہ لڑکی کو فوراً پیلا سے لے جاؤ اور تھینز کی منڈی میں لے جا کر بیچ دو۔ وہ اس بات کی روادار نہ ہو سکتی تھی کہ سکندر ایک ایسی لڑکی سے پیار کرے جو ملکہ کی کنیزوں میں سے نہ ہو۔ اس ستھی لڑکی کو نکالنے سے پیشتر تلاشی لے گئی تو بند کو لگانے کا وہ روپہلا بکسوا ملا جو اولمپیاس نے سکندر کو بطور تحفہ دیا تھا۔ یہ بکسوا اولمپیاس نے چھین کر آگ میں ڈالا تو لڑکی نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

اولمپیاس نے لڑکی کو بند گاڑی میں بھیج دینے کے بعد باغبان کو بلایا۔ نیز ان غلاموں کو جنہوں نے لڑکی کو دیکھا تھا تاکیدی حکم دے دیا کہ اس کے بارے میں کبھی کوئی بات زبان پر نہ لائیں اگر سن لیا کہ ایسی لڑکی ایک رات کیلئے بھی پیلا میں رہی ہے تو تمہیں پتھروں سے باندھ کر جھیل میں غرق کرا دیا جائے گا۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ لڑکی نہ تھی بلکہ بھوت پریت کی جنس میں سے کوئی چیز ہوگی جو جنگل سے نکل کر باہر باغ میں آ گئی تھی۔

دن گزر گیا تو اولمپیاس کی توقع کے مطابق سکندر بیوسی فالس پر سوار ہو کر آ گیا۔ اور بیرونی باغات میں پھرتا رہا۔ گندم کے کھیت سے جنگل کے پاس تک کئی چکر لگائے، پھر تاروں کی روشنی میں ملاقات کے مقام پر بیٹھا رہا۔ باغبانوں اور غلاموں کو بلا کر ستھی لڑکی کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا۔ ان سب نے بہ یک زبان ہو کر کہا کہ ہم نے ایک پری کو دیکھا تھا جو جنگل سے نکلی اور انگور چننے میں لگ گئی۔

سکندر نے اور کچھ نہ پوچھا۔ وہ تھوڑی دیر کیلئے گندم کے کھیت میں تنہا ٹھہرا رہا۔ پھر محل کی طرف جانے کے بجائے سوار ہو کر میزا چلا گیا۔ اولمپیاس اس امر پر بڑی پریشان تھی کہ سکندر اس کے پاس نہ گیا اور نہ کبھی گم شدہ لڑکی کے متعلق کوئی بات کی۔

وہ دوسری مرتبہ رات کے کھانے کیلئے محل میں ٹھہر گیا تو اولمپیاس نے پھل بلویا ہوا

Marfat.com

دودھ اور دوسری لذیذ چیزیں اہتمام سے جمع کیں۔ خود بڑے تکلف کا لباس پہنا جیسا لباس جنگلی دیوتاؤں کی پجارنیں پہنتی تھیں۔ اپنے سیاہ بالوں میں عشق پیچاں لٹکالی اور وہ کھانے کی میز پر اس طرح بیٹھی کہ دئیوں کی روشنی اس کے جسم پر پڑ کر حسن و جمال کو دوبالا کردے۔ وہ پجارنوں سے زیادہ محبوب نظر آتی تھی۔ یونانی طوائفوں کو اس نے ہٹادیا تھا۔ بنسری اور شہنائی کی آواز آرہی تھی اور اہتمام کا مدعا یہ تھا کہ سکندر دل کی بات ماں کو بتانے کیلئے تیار ہوجائے۔

سکندر نے اس روز کسی لذیذ چیز کو چکھنا تک گوارا نہ کیا اور عذر یہ پیش کیا کہ لیونی دس نے مدت سے اسے ویسے ہی بے مزہ کھانوں کا عادی بنارکھا ہے جیسے اہلِ سپارٹا کھاتے ہیں۔ نہ محض یہ بلکہ اس نے نظر اٹھا کر اولمپیاس کو دیکھا تک نہیں۔ جب مطالعے کے متعلق بات چیت شروع کی تو اس نے بتایا کہ آج کل میں ربع مسکوں کی وضع ہیئت پر غور کررہا ہوں۔ آخر ملکہ نے خود کو کہا کہ نوکر چاکر ایک لڑکی کا ذکر کررہے ہیں جو جنگل سے نکل کر باہر میدان میں آگئی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک پری تھی، لیکن مجھے (اولمپیاس کو) یقین نہیں کہ دیویاں ایسی شکلیں اختیار کرکے انسانی آبادیوں سے اس قدر نزدیک آجاتی ہیں۔

سکندر بھی یہ بات ماننے کیلئے تیار نہ تھا۔ اس نے کہا: ''اماں جان! پریوں کے نام نہیں ہوتے۔'' یہ سنتے ہی اولمپیاس پریشان ہوگئی اور لڑکی کا نام پوچھنے سے بمشکل باز رہ سکی۔ اسے حیرت تھی کہ سکندر تو سنتھیون کی زبان نہیں جانتا پھر اس نے نام کیونکر معلوم کرلیا؟ وہ سمجھ گئی کہ جب نام معلوم ہے تو اسے پہچاننے میں کیا دقت پیش آسکتی ہے؟ یہ اندیشہ بھی لاحق تھا کہ شاید وہ سکندر سے حاملہ ہوچکی ہو۔

اس نے خوب سوچ سمجھ کر کہا، ممکن ہے اس نیم انسانی جنگلی سائے نے عام لڑکیوں جیسا نام تجویز کرلیا مثلاً......

سکندر بے تکلف بولا: ''اس نے اپنا نام دخترِ آفتاب[13] بتایا تھا۔''

اولمپیاس کو پھر حیرت کا ایک صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ وہ سمجھتی تھی کہ جو لوگ اپنا سلسلہ

Marfat.com

نسب آفتاب سے ملاتے ہیں وہ یقیناً غیر فانی ہوتے ہیں اور اپنی آنکھوں کی غیر معمولی چمک دمک سے با آسانی پہچانے جاتے ہیں۔ یہی ان کے نسلِ آفتاب سے ہونے کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ وہ آفتاب جس کا آتشیں رتھ آسمان کی محرابی سقف پر روزانہ دواں رہتا ہے لیکن اولمپیاس اس امر پر مطمئن ہوگئی کہ جو چال چلی گئی تھی اسے اتفاقات سے تقویت پہنچائی اور اس حقیقت میں کوئی شبہ باقی نہ رہا کہ تھی لڑکی سچ مچ عام انسانوں جیسی ایک فانی ہستی تھی۔

سکندر اس رات جلد پیلا سے روانہ ہوگیا۔ وہ گھوڑا سرپٹ دوڑائے جا رہا تھا اور باغات کے نزدیک قطعاً نہ گیا۔ اسے عجیب وغریب لڑکی کی گمشدگی سے جو صدمہ پہنچا اسے چھپائے رکھا۔ بہرحال اس نے معمول کے مطابق چپ سادھ لی۔ چونکہ پریشانی کے باعث نیند نہ آتی تھی۔ اس لئے اوقاتِ شبینہ میں ستاروں کے متعلق چھان بین شروع کردی۔

اب اولمپیاس پر واضح ہوگیا کہ وہ تیز فہم تو ہے لیکن عقل و دانش کی بردباری اس میں موجود نہیں۔ اسے صرف اپنی ذات کا خیال رہا اور دوسروں کے جذبات کو مسحور بنا لینے میں یقیناً کمال حاصل تھا۔ اب ایک اندیشہ اسے پریشان کرنے لگا۔ وہ بڑی توہم پرست تھی۔ اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اس اجنبی لڑکی کی نمود کہیں خود اس کے (اولمپیاس کے) لئے ایک شگون تو نہ تھی؟ اگر اسے شگون سمجھا جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ غرض اولمپیاس کے دل میں اپنے متعلق اور سکندر کے متعلق تشویش پیدا ہوگئی۔ اسے محسوس ہونے لگا کہ سکندر اس کی (اولمپیاس کی) مرضی کے تابع نہیں رہا۔ کسی شے نے اس میں تغیر پیدا کردیا ہے اور وہ دور دور رہنے لگا۔

اس زمانے تک اولمپیاس کے دل میں فیلقوس کے متعلق نفرت کا جذبہ رونما ہوا تھا۔ فیلقوس کو بدیں وجہ ناقابلِ برداشت سمجھتی کہ وہ بے اعتنائی برت رہا تھا۔ صرف طویل مفارقت کے بعد ہی ملاقات ہوتی تو بات چیت کرتا اور خیر و عافیت پوچھتا۔ اس وقت بھی وہ نہایت اکھڑپن سے سلام کہتا اور اس سے اپنی حقیقی بیوی کی حیثیت میں نہیں بلکہ بیٹے کی

Marfat.com

ماں کی حیثیت میں سلوک کرتا۔

اولمپیاس خوف کے مفہوم سے نا آشنا تھی۔ اب اس پر تذبذب طاری ہوا اور کوئی رازداں نہ مل سکا تو ایرسٹانڈر کو بلایا جو غیب کی باتیں بتایا کرتا تھا۔ اور عام یونانیوں کی طرح اسے رشوت دے کر مطلب کی بات نہ کہلوائی جاسکتی تھی۔ اولمپیاس خوب جانتی تھی کہ ایرسٹانڈر سے کام لینے کیلئے روپیہ کارگر نہیں ہوسکتا لہٰذا اس نے اپنی تمام تشویشات اس کے سامنے بیان کردیں کہ شاید ان باتوں سے متاثر ہوکر ایرسٹانڈر ہمدردانہ کاربراری کیلئے تیار ہوجائے۔

کاہن نے تمام باتیں دلجمعی سے سنیں فوراً کوئی جواب دینے کیلئے تیار نہ ہوا اور بولا کہ غوروفکر کیلئے وقت چاہیے۔ ستاروں کی گردش انسانی تقدیر کا فیصلہ کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ سکندر کی پیدائش کے وقت کیا کیا شگون تھے؟

اولمپیاس پر بے چینی طاری تھی۔ اس کی طرح ایرسٹانڈر کو بھی خوب یاد تھا کہ سکندر کی پیدائش کی رات انی سوس (ایشیا) کے مندر میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ جل کر خاکستر ہوچکا تھا۔ وہ اپنے سوچ بچار میں گم تھا اور بولا اس وقت سے وہ باتیں تو پوری طرح واضح ہوگئیں اول یہ کہ سکندر کے بعد...... راس کے کوئی اولاد نہ ہوئی، دوم یہ کہ سکندر مختلف حیثیتوں میں مجموعہ عجائبات ہے۔ شگون آگ کا تھا اور وہ آسمان سے نازل ہوئی تھی۔ نیز کیا فیلقوس آج کل تمہیں بیٹے کی ماں کہہ کر نہیں پکارتا؟"

اولمپیاس کے سیاہ بال نقاب کی طرح اس کے چہرے پر چھائے ہوئے تھے اور اس کی نظریں ایرسٹانڈر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ غرور نے آنکس کی طرح اس کے سینے میں خلش پیدا کر رکھی تھی۔ اس نے کہا: اگر اس رات آگ آسمان سے نازل ہوئی اور اگر فیلقوس سکندر کا باپ نہ ہوا؟'

ایرسٹانڈر: اس راز کو تم سے بڑھ کر کوئی نہیں جان سکتا۔

عزت وعظمت بڑھانے اور اپنے آپ کو سربلند ثابت کرنے کا معاملہ پیش آجاتا تو

Marfat.com

اولمپیاس اس سے فائدہ اٹھانے میں تامل کی عادی نہ تھی۔۔ ایرسٹانڈر نے اس بات کی طرف صرف اشارہ کیا تھا جو اولمپیاس کے خیال میں تھی۔ چنانچہ کاہن کے رخصت ہونے سے پیشتر ساموتھریس کی پجارن نے اپنے دل میں پختہ فیصلہ کرلیا تھا۔

لیکن اس فیلے کا اظہار بڑی ہنرمندی سے ہوا۔ پہلے پہل محل کے پرانے ملازموں نے دبے لفظوں میں ذکر شروع کیا اور وہ بھی اس وقت جب فیلقوس پیلا سے باہر گیا ہوا تھا۔ ابتداء میں اس کی حیثیت محض ایک افواہ کی تھی جس کا آغاز ملازم عورتوں سے ہوا اور شگون کو اس افواہ کی بنا قرار دیا گیا...... یعنی یہ کہ سکندر فیلقوس کا بیٹا نہیں بلکہ زفاف کی رات ایک غیر معلوم ہستی نے ساموتھریس کی پجارن کے بطن میں بچے کا نقش مرتسم کیا۔ اس وقت سانپ اس کی خواب گاہ سے باہر نکلا۔ بعض ملازم کہتے تھے کہ خود فیلقوس نے سانپ کی شکل اختیار کرلی تھی اور اس واقعے سے تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھ ضائع ہوئی۔

اولمپیاس کے ساتھ شادی سے پیشتر آرسی نوئی فیلقوس کی داشتہ تھی۔ اس نے یہ افواہ سنی تو دہشت کے مارے ٹھٹھر کر رہ گئی۔ اب وہ مگوس کے گھر میں مالکہ کی دل پسند حیثیت اختیار کرچکی تھی۔ [14] وہ تلون دوست فیلقوس اور شعلہ مزاج اولمپیاس کی طبیعتوں کو اتنی اچھی طرح سمجھتی تھی کہ وہ دونوں خود بھی ایک دوسرے کو ویسا نہ سمجھتے تھے۔ اس نے فوراً اپنے بیٹے بطلیموس تک یہ افواہ پہنچادی جو میزا میں تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بطلیموس کا مستقبل خود فیلقوس کے من کی موج سے وابستہ ہے۔ ماں کے اس پیغام نے بطلیموس کیلئے فکر و خیال کی غذا مہیا کردی۔

ایک روز اس نے سکندر سے کہا: ''تم یہ دریافت کرنے کیلئے کوشاں رہتے ہو کہ صبح کے ستاروں کا سرور کیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس افواہ پر کام دھرو جو پیلا کے بازاروں میں گرم ہے۔''

سکندر: (حیرت زدہ) کون سی افواہ؟''

بطلیموس: اس افواہ کے بارے میں کوئی تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔ تمہارے لئے لازم

Marfat.com

ہے کہ اس پر یقین کرنے سے پیشتر سب کچھ اپنے کانوں سے سنو اور اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ حالت یہ ہے کہ تم اپنے نقشوں کے خط و خال درست کرنے میں حد درجہ مگن ہو۔ یہاں تک کہ آسمان کی چھت میں شگاف پڑ جائے تو جب تک وہ تمہارے سر پر نہ آ گرے تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ سکندر ہرگز تیار نہ تھا کہ پیلا کے بازار میں جائے اور وہاں دیہاتی عورتوں کو پیاز اور مسور کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے سنے۔ اگر وہ اپنے حجرے میں بند ہو کر خاموں، نقشوں اور نوٹوں میں گم نہ رہتا تو وہ افواہ اس کے کانوں تک پہنچ جاتی جو مقدونیہ کے طول و عرض میں پھیلتی۔ اس طرح وہ ذلیل اور جلاوطنی سے محفوظ رہتا۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں وہ ایک لمحے کیلئے بھی مطالعے اور غور و فکر سے فارغ نہ رہا۔ اس نے تحصیلِ علم کے ابتدائی دور میں بڑی سخت محنت کی تھی۔ اور اب سیاسیات اور نقشہ عالم پر اسے خاصا عبور حاصل ہو رہا تھا۔ وہ محنت و ریاضت سے صرف اس وقت دست کش ہوتا جب مذہبی رسوم کی بجا آوری اسے کھینچتی یا رات کے وقت پہاڑیوں میں پھرنے کیلئے نکل جاتا۔ اگرچہ اس کے دل میں ارسطو سے مصالحت کی صورت پیدا نہ ہوئی تھی۔ تاہم اس کی تعلیم و تدریس سے بغاوت کا شیوہ وہ ترک کر چکا تھا بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے طور پر دریافت یا انکشاف کی راہ پر لگ چکا تھا۔

مشرق کی غیر مصروف سرزمین کے بارے میں خود اس نے ایک رائے قائم کر لی تھی۔ نقشوں میں عام طور پر اسے مکان خالی کی حیثیت دی جاتی تھی۔ ابتداء میں عام لوگوں کی طرح سکندر کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ مشرق صرف طلوعِ آفتاب کا مقام ہے اب وہ سمجھنے لگا تھا کہ اغلب ہے کہ ارض کے اس حصے میں ایسی سرزمینیں ہوں جہاں اب تک کوئی نہیں جا سکتا پھر ان کے بعد سمندر ہو۔

ارسطو اور اس کے معاون فلسفی عہدِ قدیم[15] کے ارضی تصورات پر وقت ضائع کرنا بے سود سمجھتے تھے۔ عہدِ قدیم کے لوگوں کا خیال تھا کہ ابتداء میں تاریک رات چھائی ہوئی تھی۔ صرف زمین کے تھوڑے سے حصے چاند اور سورج کی روشنی سے منور تھے۔ سیارے اپنے

Marfat.com

اپنے محوروں پر زمین کے گرد ایک انداز پر گھوم رہے تھے اور ان کی گردش سے کروں کی موسیقی پیدا ہوتی تھی۔

اب فلسفی ایک نئے نظریئے پر پہنچ گئے تھے یعنی یہ کہ زمین خود ایک کرہ ہے جو کائنات کے وسط میں معلق ہے (ارسطو اس نظریئے کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ گرہن کے وقت سورج اور چاند دونوں میں زمین کا جو سایہ پڑتا ہے وہ گول ہوتا ہے اور کشاف اس امر کی شہادت دیتے تھے کہ اگر ہم انتہائے شمال میں چلے جائیں تو اقصائے جنوب کے ستارے دکھائی نہیں دیتے اس کے کرے کے گرد چاند اور سورج گھومتے ہیں اس طرح کرے کے ہر نصف حصے میں روشنی اور تاریکی کا تداول جاری رہتا ہے)۔

اس کرے پر ہزاروں سال میں زمین کی نمود شروع ہوئی اور زمین اب تک پھیلتی جا رہی ہے۔ اگرچہ ندی نالوں اور دریاؤں کے بہاؤ سے زمین میں قطع و برید کا عمل جاری ہے۔ بایں ہمہ یہ ابھرتی اور اوپر اٹھتی آ رہی ہے۔ ہنوز اس کا صرف ایک حصہ انسانی آبادی کے قابل ہوا ہے۔ یہ قابلِ آبادی حصہ سورج کے مجریٰ کے ساتھ ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف...... طول البلد میں...... غیر محسوس طریق پر توسیع پذیر ہے نہ کہ شمالاً جنوباً بہ لحاظ عرض...... عرض البلد میں۔

کوہ عرض کے قابلِ آبادی حصے کا شمالی گوشہ بہت سرد ہے۔ وہاں ہمیشہ برف جمی رہتی ہے اور برفانی ہوائیں چلتی ہیں۔ ارسطو نے سمریوں[16] سے جنہیں موجودہ روس کے باشندے سمجھنا چاہئے بات چیت کی تھی۔ وہ منجمد دریاؤں سے گزرتے ہوئے قطبی خطے میں پہنچے تھے جہاں وہ شکار کی غرض سے گئے تھے اور ارسطو کو انہوں نے بتایا کہ قابلِ آبادی خطے کی سرحد پر ایسے جانور پالے جاتے ہیں جن کے بال سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ یہ اس امر کی شہادت سمجھی گئی کہ برفانی ملکوں میں بھی زندگی کے آثار موجود ہیں۔ قابلِ آبادی حصے کے جنوب میں منطقہ حارہ کی تیز گرمی شروع ہو جاتی تھی جس میں انسان زندہ نہ رہ سکتے تھے اور زمین نے ریت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ وہ ریت سورج کی تیز اور شدید حرارت سے جل

Marfat.com

گئی تھی۔ پیلا کے جنوب میں لیبیا کا زرخیز ساحلی علاقہ تھا۔ جو سیاح اندر کی طرف گئے انہوں نے بتایا ہر طرف لامتناہی صحرائی علاقہ نظر آتا ہے جہاں انسان کیلئے زندگی بسر کرنا مشکل ہے۔ وہاں زمین سے چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اگتی ہیں یا زہریلے سانپ نظر آتے ہیں۔ زمین کھودی جائے تو کھارا پانی نکلتا ہے، جسے پیا نہیں جا سکتا۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس جنوبی حصے میں بھی ایسی قوتیں موجود تھیں جو انسانی زندگی کیلئے تباہی کا باعث تھیں جس طرح شمالی حصے میں شدید سردی، برفستانی سطح زمین، تباہ کن ہوائیں اور سفید فام دیو پیکر، انسانی روح کو تحلیل کرنے کیلئے موجود تھے۔

یقینی نظر آتا ہے کہ اس زمانے میں قابلِ آبادی سطح ارض کی جنوبی اور شمالی حدوں کے درمیان فاصلہ زیادہ نہ تھا اور من چلے آدمی دونوں حدود تک پہنچ چکے۔ مثلاً آرگونات یعنی وہ لوگ جو آرگو جہاز میں سوار ہو کر گئے تھے۔

ارسطو نے ان حدود کے سلسلے میں ایک سوال پیش کر دیا اس نے پوچھا کہ بڑے بڑے دریاؤں کے سرچشمے کس نے دیکھے ہیں۔ اگر کرہ ارض پر پانیوں کے دور و گردش کا نظریہ درست ہے تو ایسے دریاؤں کے سرچشمے دور افتادہ پہاڑوں میں ہونے چاہئیں جہاں بے شمار چھوٹی چھوٹی ندیاں بہتی ہیں مثلاً عظیم الشان دریائے نیل کا چشمہ کہاں ہے جو سرزمینِ مصر میں پہنچ کر پورا زور اختیار کرتا ہے؟ یہ دریا نہ ہوتا تو مصر کی زمین سراسر خشک ورِدی رہ جاتی۔ ڈینیوب کس مقام سے نکلتا ہے جو نیل جتنا ہی عظیم الشان ہے اور مقدونیہ کے شمال میں جو جنگل ہیں ان میں سے گزرتا ہو بحیرۂ یوکسین (بحیرۂ اسود) میں جا گرتا ہے۔

ارسطو کا استدلال یہ تھا کہ ان دریاؤں کے کناروں پر جانور بھی ہونے چاہئیں اور درخت بھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انسان وہاں نہ رہ سکیں؟ لیکن یونانیوں میں سے کوئی شخص اس وقت تک نیل اور ڈینیوب کے سرچشموں پر نہیں پہنچ سکا تھا۔

سکندر کی توجہ قابلِ آباد حصہ ارض کی مشرقی سرحد پر جمی ہوئی تھی۔ مغربی حد میں جہاں سورج غروب ہوتا تھا، اس کیلئے کوئی کشش نہ تھی۔ تاجرانِ قرطاجنہ نے جو سفر کیے تھے ان

Marfat.com

کے حالات میزا کی درسگاہ میں موجود تھے۔ سکندر نے ان کا بغور مطالعہ کیا اور اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تاجر بحیرۂ متوسط[17] میں سے ہوتے ہوئے مغربی آبی[18] دروازے سے بھی آگے نکل گئے۔ جن پہاڑی بلندیوں کو ہرقل کے کھمبے یا اٹلس کہا جاتا ہے بحیرۂ متوسط کا پانی انکے بیچ میں سے گزرتا ہوا بحیرہ محیط[19] میں پہنچ جاتا ہے۔ اس آبنائے میں ملاحوں نے ڈالفن مچھلیوں کے عجیب و غریب جھنڈ دیکھے جو جہازوں کو گھیر لیتے تھے لیکن جہاں چپو پڑتے تھے وہاں سے دور رہتے تھے۔ آگے حدِ نظر تک سمندر کی تاریک[20] سطح پھیلی ہوئی تھی اور وہاں بادِ شمال کے پر وار بیٹوں کے تھپیڑے پڑتے تھے اور سانپوں جیسے بالوں والی دیویوں کی چیخیں سنائی دیتی تھیں جنہیں ذی اوس دیوتا کے کارندے سمجھا جاتا تھا۔

یوں مغرب میں انسانی پیش قدمی کیلئے محض ناقابلِ گزر سمندر ہی روک نہ تھا بلکہ گہرے کھارے پانی کے دیو پیکر بھی دشمنی کیلئے موجود تھے جو جہازوں کو اس طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے تھے جس طرح انسان بھڑوں کے چھتے با آسانی توڑ پھوڑ سکتا ہے کم ازکم من چلے ملاحوں کا بیان یہی تھا۔

ارسطو کو بھی مغربی سمت سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ افلاطون کا عقیدہ تھا کہ سمندر کے اس حصے میں جس کا نام اٹلانٹک ہے دور جا کر جزیرے میں، جنہیں افسانوں کے "مبارک جزیرے[21]" بتایا جاتا ہے یا بعض لوگ اس خطہ زمین کو اٹیلانٹس نام کا گم شدہ جزیرہ قرار دیتے ہیں لیکن ارسطو کا عقیدہ یہ نہ تھا۔ وہ اس بیان کو بدیں وجہ تسلیم نہ کرتا تھا کہ اس کیلئے کوئی شہادت سامنے نہ تھی۔ وہ اٹیلانٹس کی تہذیب کے متعلق سوچنے کو بھی وقت ضائع کرنا سمجھتا تھا...... کہتا تھا کہ تہذیب مشرق سے مغرب کی طرف بڑھی، نہ کہ مغرب سے مشرق کی طرف۔ کم ازکم یہ ثابت ہے کہ شروع میں علوم کا مرکز ایشیا تھا۔ پھر یہ کریٹ پہنچے۔ بظاہر یونانیوں نے ایشیا اور خصوصاً مصر سے علوم سیکھے۔ ان افکار نے سکندر کو دریافت و اکتشاف کی اختیار کردہ راہ میں اور زیادہ مضبوط و مستحکم کر دیا۔

اب اسے یقین ہو چکا تھا...... اور ارسطو نے اس کی تردید نہ کی تھی...... کہ ربع مسکوں

Marfat.com

کی مشرقی سرحدات کا علم کسی کو نہیں، یقیناً ایلیڈ میں آستانہ ایشیا کا ذکر تھا۔ یعنی درہ دانیال کے آبی دروازے کا جہاں ٹرائے شہر آباد تھا۔ ٹرائے بلاشبہ زمانہ ہشیں میں اس جگہ موجود تھا لیکن آرگو جہاز کے ملاح آبناؤں میں سے گزرتے ہوئے بحیرہ یوکسین (بحیرہ اسود) میں پہنچ گئے تھے۔ یوکسین ہی کے کسی حصے میں تحقیقی علم کی منزل ختم ہو جاتی تھی۔ اور افسانوں بافیوں کا آغاز ہو جاتا تھا۔ ارسطو کہتا کہ فرض کر لو آرگو جہاز کے ملاح اس غرض سے یوکسین میں پہنچے تھے کہ انہیں سونا مل جانے کی امید پیدا ہوئی تھی۔ افسانہ بافی میں وہ سونا سنہری اون بن گیا۔ انہیں اس سمندر کی حد پر وہ افسانوی سلسلہ کوہ ملا تھا جسے قفقاز (قاف) کے نام سے پکارا جاتا ہے اور افسانوں میں بتایا گیا تھا کہ اسی پہاڑ پر پرومی تھیس [22] کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا تا کہ فضائے بسیط کے سفاک پرندے اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں۔ اب جو ملاح بحیرہ اسود کی یونانی نو آبادیوں تک پہنچتے ہیں انہیں یہ پہاڑ بادلوں کو بوسہ دیتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کی چوٹیوں پر دائمی برف جمی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ملاحوں کا بیان تھا کہ قفقاز کی پہاڑی دیوار میں ایک دروازہ ہے جس سے گزر کر غیر معلوم مشرقی سرزمینوں میں جاتے ہیں۔ ایشیا والوں کا عقیدہ ہے کہ اس کے آگے ایک زمین بند بحیرہ واقع ہے جس کا نام قزوین [23] ہے جہاں دیو پیکر پرندے، جنگجو عورتیں یا دیونیاں اور غیر معلوم آسمانی اوتار پائے جاتے ہیں۔ یہ بحیرہ قزوین اگر واقعی موجود ہے تو اس کا بہاؤ شمالی جانب بیرونی سمندر کی طرف ہونا چاہئے۔

زمانہ قدیم کے اندازے کے مطابق یونان اور اس کے ساتھ مقدونیہ ربع مسکوں کے قریباً وسط میں واقع تھے مثلاً ایتھنز سے ہرقل کے آبی دروازے [24] کا فاصلہ بھی اتنا ہی تھا جتنا کوہ قفقاز کے مشرقی دروازے کا، لیکن سکندر کو ان مفکروں کی رائے زیادہ جاذب معلوم ہوتی تھی جو ربع مسکوں کا مرکز مشرق کی جانب بتاتے تھے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ مشرق کے اسی غیر معلوم حصے میں اب تک حقیقی دیوتا موجود ہوں گے۔ [25]

رات کے وقت ارسطو تجربات میں مستغرق ہو جاتا تھا تو سکندر مشرقی سمندر کے

Marfat.com

ملاحوں کی کہانیاں یا افسانے پڑھ پڑھ کر مفید مطلب کہاوتوں کے سلسلے جوڑتا رہتا۔ اب وہ پہلے کی طرح سونے سے پیشتر ہومر نہ پڑھا کرتا تھا تاہم جو کچھ اس کے دل میں تھا وہ نہ کبھی اپنے رفیقوں پر ظاہر کیا اور نہ ارسطو یا دوسرے سائنسدانوں کو بتایا۔

اس نے اپنا عقیدہ پیشِ نظر رکھ لیا اور آہستہ آہستہ چھان بیان کرتے ہوئے بعض نکات کے باب میں وہ متیقن ہو گیا لیکن اسے اتنی ہی محنت کرنی پڑی جتنی کہ کسی شخص کو کریٹ کی بھول بھلیاں 26 میں سے گزرنے میں پیش آ سکتی تھی۔

اس نے ہیروڈوٹس کی تاریخ اٹھا کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ مشرقی سمت میں قفقاز کے آس پاس پہنچتے ہی تاریخ نے افسانے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ہیروڈوٹس نے مشرق میں جس شہر کو زیادہ سے زیادہ دور افتادہ قرار دیا تھا، وہ بابل تھا۔ اس کے بلند درجہ بہ درجہ باغات اور فلک بوس مینارے ربع مسکوں کے عجائبات میں شمار ہوتے تھے۔ ایک خولیقی نے بیان کیا کہ بابل اصل میں "باب ایل 27" تھا یعنی خدائی دروازہ۔ سکندر خولیقی زبان سے بالکل ناواقف تھا لیکن بابل کا طول البلد بھی وہی تھا جو قفقاز کا تھا، جس میں مشرق کا دروزاہ بتایا جاتا تھا سوال یہ تھا کہ اس کے آگے کیا تھا؟

پھر اس نے دریاؤں کی لمبائی اور چوڑائی اور بہاؤ کی بنا پر زمین کی شکل کا اندازہ کرنے کے لئے ارسطو کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے اطمینان کر لیا کہ بابل کے پاس بھی دو دریا بہتے ہیں، دجلہ اور فراتِ جاننا چاہئے کہ ان کے سرچشمے کہاں ہیں؟" یہ سرچشمے کوہ قفقاز میں ہو سکتے ہیں یا مزید مشرقی سمت کی بلندیوں میں۔ ان دونوں دریاؤں کا پانی یقیناً جنوبی سمت سمندر میں گرتا ہے لیکن وہ نکلے کس جگہ سے ہیں؟

پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ مشرقی سرحدوں کے آگے بلند ترین پہاڑوں کے سلسلے موجود ہوں جہاں زمین سربلند ہوتے ہوئے آسمانی کرۂ اثیر میں پہنچ گئی ہو؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ دونوں دریا انہیں انتہائی بلندیوں سے نکلے ہوں جن سے پرے سورج سمندر میں سے نمودار ہوتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ انہیں بلندیوں پر آسمانی طاقتوں کا مسکن ہو۔ خواہ اس کا نام

Marfat.com

پرناسس ہو یا اولمپس یا بہشت جیسا کہ ایشیائی کہتے ہیں؟

اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیشتر افسانے...... دور افتادہ مشرقی سرزمینوں میں تیار ہوئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہاں آبِ حیات زمین پر بہتا ہے...... وہ آبِ حیات جسے انسان پی لے تو ہمیشہ زندہ رہے۔ اسی جگہ عام بیانات کے متعلق شجرۃ الحیات ہے جس کا پھل کھا لینے سے انسانوں کو آسمانی علم حاصل ہو جاتا ہے۔

یقیناً دیوتاؤں کے تمام آثار کرۂ ارض کے اسی غیر معلوم شرقی حصے کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔ پرانے مندر اور قدیم زیارت گاہیں بھی اسی سمت میں تھیں جدھر سے سورج طلوع ہوتا تھا۔ یونان میں ڈلفی کے مندر کی پیشگوئیوں اور کہانیوں کا سلسلہ بعد میں شروع ہوا اور ایشیا کے ساحل پر ارادوس [28] کی کہانت گاہ اس سے پیشتر موجود تھی۔ ایتھنز میں اپولو کا مندر بعد میں تیار ہوا اور مصر میں زیوس آسمان کی مقدس عبادت گاہ بہت پہلے بن چکی تھی اور سکندر کی معلومات کے مطابق یہ آخری عبادت گاہ بھی معرضِ وجود میں نہ آئی تھی۔ جہاں بابل کے کلدانی اور مجوسی سورج دیوتا کی عبادت کیا کرتے تھے۔

سکندر کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ میزا میں روئے زمین کا ایک نقشہ موجود ہے جو ہیکا ٹائیس [29] نے تیار کیا تھا اور اس میں تمام ملک، دریا اور سمندر ہیئت میں دکھائے گئے تھے جیسے کوئی انہیں بلندی سے دیکھے۔ سکندر نے بڑی مشقت اٹھا کر اس نقشے کی نقل لی۔ پھر اس پر مندروں اور عبادت گاہوں کے بارے میں اپنی معلومات کے...... مطابق مختلف نوٹ لکھے۔ مختلف ملاحوں نے جن راستوں کا ذکر کیا تھا وہ اس نقشے پر بنائے ...... اور تمام دروازے دکھائے جو اس کے مرکزِ افکار یعنی غیر معلوم سرزمینِ مشرق پر کھلتے تھے۔

اسی نقشے پر اس نے مشرقی سرحد کے ساتھ ساتھ ایک اتنی اونچی بلندی دکھائی جس کے سامنے بلند سلسلہ ہائے کوہ بھی پست نظر آتے تھے۔ اس کا نام اس نے بلند ترین دیوار رکھا اور اسے دیوتاؤں کا مسکن قرار دیا جیسا کہ ناگزیر تھا۔ اس نقشے کو دوسروں نے بھی دیکھ لیا اور درس گاہ میزا کے ایوانوں میں بلند ترین دیوار کے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

Marfat.com

ہلو پالوس مروّجہ طریقوں کا پیرو تھا۔ اس نے بلندی معلوم کرنے والی نلکی میں سے دیکھا اور یہ رائے ظاہر کی کہ مجھے تو بلند ترین دیوار جس میں دیوتا اور شیطان رہتے ہیں، بادلوں سے اونچی نظر آتی ہے۔

ارسطو کے بعض معاونوں نے کہا کہ سکندر کو نقشے میں مختلف مقامات کے فاصلے نہ دکھانا چاہئیں تھے۔ یہ صریح نادانی کی حرکت تھی۔ اس لئے کہ فاصلے تو اسی صورت میں معلوم ہوسکتے ہیں جب پیمائش کرنے والے انہیں قدموں سے ناپ لیں۔ البتہ ساحلی علاقوں کے نقشے تیار کئے جاسکتے ہیں۔ اس لئے کہ آنے جانے والے جہازوں نے ان کے باب میں صحیح معلومات بہم پہنچادی ہیں۔ وہ جہاز بادبانوں کے ذریعے سے چلتے تھے اور ان کی رفتار عموماً یکساں رہتی تھی۔

ممکن ہے اس دیوار کے متعلق بحث و گفتگو کا معاملہ ارسطو کے کان تک بھی پہنچ گیا ہو۔ اس نے اپنے سرکش شاگرد سے براہِ راست استدلال مناسب نہ سمجھا۔ البتہ ایک روز باغ میں ٹہلتے ہوئے کہا: ''دیکھو علم کی حدیں تدریجاً پھیلتی جارہی ہیں اور ہر صدی کے گزرنے پر ربع مسکوں کے متعلق معلومات کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہے۔'' پھر اس نے اپنی خشک اور تتلاتی ہوئی آواز میں کہا: ''ہومر کے زمانے سے پیشتر اولمپس پہاڑ کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ وہ دیوتاؤں کا مسکن ہے۔ آج ہم اس پہاڑ کو جنوبی مقدونیہ سے بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ بہت سے مکتشف اس کی بلندیوں پر پھر چکے ہیں اور سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ عام پہاڑیوں جیسا ہی پہاڑ ہے۔ پہلے لوگوں کے خیال میں افسانوی اولمپس کا محل ٹرائے کے مشرق میں تھا جہاں اس کی بعض بلند چوٹیاں بادلوں کو چیرتی ہوئی اوپر نکل گئی تھیں۔ اب سمجھا جارہا ہے کہ یہ اولمپس قفقاز میں واقع ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کل اکتشافات ترقی کریں تو ثابت ہو کہ قفقاز بھی ایک عام پہاڑ ہے البتہ دوسروں سے زیادہ بلند ہے۔

گویا ارسطو نے حقیقت کی طرف اشارہ کردیا اور بلند ترین دیوار کا نام نہ لیا۔ آخر میں باغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''یہاں بھی دیوتا ہیں، زندگی کا جذبہ یہاں بھی اسی

Marfat.com

طرح موجود ہے جس طرح دوسرے مقامات پر پایا جاتا ہے۔"

جب سکندر اور ارسطو تنہا رہ گئے تو ارسطو نے کچھ اور باتیں کہیں مثلاً یہ کہ "جس شے کا علم نہ ہو وہ ہمیشہ پراسرار معلوم ہوتی ہے اور اس وجہ سے انسان کے دل میں اسی کے لئے خوف اور تعجب پیدا ہوتا ہے اور جب انسان تنہا ہوتے ہیں تو وہ عموماً افسانوں پر جم جاتے ہیں۔"

اس گفتگو کے بعد سکندر اپنے حجرے میں پہنچا تو اس نے چھری سے حالتِ غیظ میں اپنے بنائے ہوئے نقشے کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ اس پر واضح ہو گیا کہ استدال کی محنت سے اس نے غیر معلوم تک پہنچنے کا جو بندوبست کیا تھا اس کی حیثیت ریت کے اس گھروندے سے زیادہ نہ تھی جو بچہ سمندر کے کنارے پر بنالیتا ہے اور اسے خیال نہیں آتا کہ چند ہی لمحوں میں لہریں اس گھروندے کو ملیامیٹ کر دیں گی۔ ارسطو نے سکندر کی مزعومہ عظیم الشان دیوار کو ایک افسانہ بنا دیا تھا اور میزا کی درسگاہ کے دوسرے لوگ سکندر کی حماقت کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اپنے آپ کو ملزم گردانے کے غصے نے اس کی زبان پر مہرِ سکوت لگا دی اور اسے لرزہ براندام کر دیا۔ پھر کبھی عظیم الشان دیوار کا ذکر نہ چھیڑا۔ ارسطو کے معاونوں نے سکندر پر واضح کر دیا کہ استاد کی خواہش کے مطابق اب زمین کے نقشے تیار کرنے کے بجائے سیاسیات پر توجہ کرنی چاہیے۔ سکندر کوئی حرفِ شکایت زبان پر لائے بغیر سیاسیات میں منہمک ہو گیا۔

ارسطو ادھیڑ عمر کا سائنس دان تھا اور وہ طبعی اسباب کی دریافت و ترتیب میں لگا رہتا تھا۔ سکندر عنفوانِ شباب میں تھا اور نوجوان عموماً خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں۔ اسے یہ مطلوب تھا کہ مذہبی رسوم کے اسرار معلوم کرلے گویا استاد اور شاگرد کے درمیان بظاہر اشتراکِ شغل کی کوئی صورت نہ تھی لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کی صلاحیت کار کا احترام کرتے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی بحث میں وقت ضائع کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔

چار سو سال بعد رومی مؤرخوں نے بتایا کہ سکندر کے دل میں تحصیلِ علم کیلئے شوق کا انتہائی جذبہ موجزن تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ارسطو کی نگرانی میں بھی کسی ایک علم کو حاصل کرنے کی قابلیت اس میں نمایاں نہ ہوئی۔ وہ جس سرگرمی سے پیلا کے مندر میں جاتا تھا

Marfat.com

وہی سرگرمی کتابوں کے سلسلے میں ظاہر کرتا رہا۔ اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ممکن ہے وہ درسگاہ میں راہب بن جاتا اور اپنے خیالات کی بھول بھلیوں میں چکر لگاتا رہتا۔ اگر ایسا ہوتا تو طویل زندگی پاتا یا ممکن ہے وہ طبیب بن جاتا اور فیلقوس کی یہی خواہش تھی۔ یہ ثابت ہے کہ فیلقوس نے فوجی کمانداروں کی حفاظت اور ارسطو کی رہنمائی میں خیالی پلاؤ پکانے والے بیٹے کے تحفظ کی سعی کی لیکن اس وقت فیلقوس کے کانوں تک پیلا کی افواہیں پہنچ چکی تھی اور وہ اپنی کسی خواہش میں نہ مزاحمت کا روادار تھا اور نہ برداشت کرتا تھا کہ اس احترام میں کوئی کمی آئے۔

سکندر کی حالت اس زمانے میں یہ تھی کہ جو شے براہِ راست اس سے متعلق ہوتی اسے نہ تو بھولتا اور نہ نظر انداز کرتا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس زمانے میں وہ تنہا رہتا تھا یا یہ ہو کہ اپنے حالات پر برابر غور کرتا رہتا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی طبیعت میں ضد اور ہٹیلا پن بہت زیادہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اس کے حافظے میں میخ کی طرح گڑ جاتیں حالانکہ دوسرے لوگوں کو اس کا احساس تک نہ ہوتا۔ ہومر کا وہ نسخہ ہر وقت اس کے پاس رہتا جس پر اس نے جابجا حاشیے لگا رکھے تھے۔ اپنے گھوڑے بیوی فالس کو خوب کھلاتا پلاتا اور اس کی دیکھ بھال کرتا۔ اب گھوڑا جوان ہو چکا تھا۔ اس نے جتنی طب پڑھ لی تھی اس کے مطابق علاج معالجہ بھی کرتا۔ مختلف نظمیں اس نے خوب یاد کر رکھی تھیں۔ یہ معما بھی ہر وقت اس کے ذہن میں رہتا کہ دریائے نیل کو کن پہاڑوں سے پانی ملتا ہے۔ افسانوی دیواریں بھی اس کے خیال میں رہتیں۔

سکندر کی عمر سولہ سال کی ہو چکی تھی۔ جب اس نے سیاسیات پر خاص توجہ کی یا کہہ لیجئے کہ شہری ریاستوں کے نظامِ حکومت کا مطالعہ شروع کیا۔ ارسطو کی اتالیقی میں اس کی تعلیم کا یہ آخری دور تھا۔

یونان کے فلسفی الیگزیگوراس [30] سے افلاطون تک فکر و نظر کے اعتبار سے ایک کامل و اکمل ریاست کا نظامِ حکومت تیار کرنے میں لگے رہے۔ ان کے پیشِ نظر دراصل ایک مثالی

Marfat.com

شہری حکومت کا نظام تھا۔ افلاطون نے اپنی کتاب 'جمہوریت' میں ایک مکمل نمونہ تیار کیا تھا جس کا مدعا یہ تھا کہ دولت مند اصحابِ فکر اور غلام مزدور باہم اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں اور ایک دوسرے کو فائدہ پہنچا سکیں۔

میزا ئیں ارسطو اور اس کے معاون کہتے تھے کہ افلاطون نے شہری ریاست کا جو نظامِ حکومت تجویز کیا ہے وہ یونانی زبان میں اپنی نوعیت کا بہترین کارنامہ ہے۔ اس میں تمام حقیقی اور واقعی مسائل کا مثالی حل پیش کیا گیا ہے لیکن ارسطو اس امر پر گفتگو کیلئے ہرگز تیار نہ تھا کہ بہترین نظامِ حکومت کون سا ہو سکتا ہے۔ اس کی تمام کوششیں اس امر تک محدود تھیں کہ عملاً کون سا نظامِ حکومت بہتر ہے اور وہ کب، کیوں اور کس بنا پر بہترین سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے معاونوں نے ان تمام حکومتوں کے نظاموں کا مطالعہ کیا جن کا ذکر تاریخ کے صفحات پر آ چکا تھا۔ اس طرح کوئی ڈیڑھ سو نظام ہائے حکومت ان کے پیشِ نظر آ گئے۔ ان میں یونان کی شہری ریاست کے مختلف النوع نظام بھی شامل تھے۔ مثلاً ایتھنز کی جمہوریت جس میں حکومت کی باگ دوڑ عملاً جمہور کے ہاتھ میں تھی۔ سپارٹا کی اجتماعی فوجی ریاست جس میں جنگجوؤں کا ایک منتخب گروہ تمام اختیارات کا مالک تھا پھر ان نظام ہائے حکومت میں جزیرہ کریٹ کا استبدادی نظام بھی شامل تھا جس میں حکمرانی کی باگ ڈور ایک فرد نے سنبھال رکھی تھی۔ ان میں بعض بوالعجب نظام بھی شامل تھے مثلاً ڈلفی کے مندر کا وہ نظام جس پر کاہن مسلط تھے اور وہ مندروں کے زائرین سے رقمیں وصول کر کے اپنے نظام کا خرچ پورا کرتے تھے۔

یونان کی شہری ریاستوں کے علاوہ ارسطو ان قبائلی نظاموں پر بھی غور کر رہا تھا جو دریائے ڈینیوب کے پار کے علاقے میں واقع تھا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ قبائلی نظام دراصل ویسے ہی ہیں جیسے کہ مصر میں فرعونوں کا نظامِ حکومت ہے یعنی جس خاندان کو امتیاز و عروج کا درجہ حاصل ہو گیا وہ کارفرما بن گیا۔ اس کے نزدیک قبائلی نظام، نظامِ فراعنہ کی ابتدائی شکل تھا۔ بربری قبائل لڑائیوں، چھاپوں اور ایک حد تک تجارت کے ذریعے سے اپنا خرچ چلاتے

Marfat.com

تھے۔ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو رئیس تجویز کر لیتے تھے اور اس کی فرمانبرداری میں جانیں قربان کرنے کیلئے تیار رہتے تھے۔ مصریوں نے زراعت اور دستکاری کو ترقی دے کر لمبی مدت میں ایک مستقل نظام پیدا کر لیا اور انہیں ذہن و فکر کے اعتبار سے بلند حیثیت حاصل ہو گئی۔

ڈینوبی قبائل کے ریوڑوں اور جھونپڑیوں والے نظام اور مصر کے اعلیٰ شہری نظام کے عین وسط میں اہلِ مقدونیہ تھے یعنی ارسطو کے اپنے ہم وطن۔ ان کے تمدن پر ابھی زیادہ مدت نہ گزری تھی اور ان میں بربری خصوصیتیں باقی تھیں۔ ارسطو کہتا تھا کہ وقت کے تاریخی تصور کے مطابق یہ لوگ کل شمالی جنگلوں سے اپنے ریوڑ لے کر نکلے اور دریائی زمینوں سے ان پہاڑوں تک ساحل بھر پر واقع تھیں قابض ہو گئے۔ ان میں ابھی تک شکار پیشہ لوگوں کی ناپختہ آزادی کی خصوصیتیں باقی ہیں انہیں ایک طرف حملہ آور تھی قبائل سے مسلسل جنگیں کرنی پڑیں دوسری طرف یونان کی شہری ریاستوں کے لشکروں سے مقابلہ پیش آیا جو اعلیٰ درجہ کے ساز و سامان سے مسلح تھے لیکن اہلِ مقدونیہ نے دونوں کے مقابلے میں اپنی آزادی محفوظ رکھی تھی یعنی دونوں میں سے کسی کی بھی غلامی قبول نہ کی۔ تاہم ذہنی اعتبار سے وہ ابھی تک اعلیٰ تعلیم یافتہ یونانیوں کے تابع ہیں اور اہلِ کریٹ، اہلِ مصر، اہلِ فونیقیہ سے بہت پسماندہ ہیں جو نمائشی ترقی میں منزلوں آگے نکل چکے ہیں۔

اہلِ مقدونیہ میں قبائلی زندگی کے اثرات باقی تھے۔ ان میں سب سے اونچا درجہ ان لوگوں کو حاصل تھا جن میں شاہ ایمنتاس [31] کے خاندان سے خونی تعلق رکھتے تھے۔ ان کے بعد بادشاہ کے خاص رفیق اور مصاحب آتے تھے۔ یہ بڑے بڑے امیر تھے جن کے قبضے میں وسیع جاگیریں تھیں اور انہوں نے بے شمار مویشی پال رکھے تھے۔ جب کوئی اہم مسئلہ سامنے آتا تو فوجی کمانداروں کی شوریٰ میں اس کا فیصلہ کیا جاتا۔ یہ وہی صورت ہے جیسے چند نسل پیشتر قبائلی زندگی میں بڑے بڑے جنگجو جمع ہو کر غور و مشورہ سے طے کرتے تھے کہ قبیلے کی بہتری کا تقاضا کیا ہے۔

Marfat.com

ارسطو کے غور و تحقیق نے بعض چونکا دینے والے مسائل پیدا کر دیئے تھے مثلاً اس کے استدلال سے ظاہر ہوتا تھا کہ مختلف قومیں اپنی حکومتوں کے نظام سے اس درجہ متاثر نہ ہوئیں جس درجہ طبعی احوال و ظروف سے متاثر ہوئیں۔ اشیاء کی تاریخ پر نظر بازگشت ڈالتے ہوئے ارسطو کے معاونین بتاتے تھے کہ دیکھو، پانی کی کارفرمائی زمین میں کیا کیا تغیرات پیدا کرتی ہے۔ کہیں پانی ساحلی علاقے کو تباہ کر ڈالتا ہے اور کہیں نئے خطے پیدا کر دیتا ہے۔ کسی جگہ زمین زرخیز بن جاتی ہے اور کوئی جگہ بالکل بنجر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حیوانات بھی غذا کے وسائل، تحفظ کی ضروریات یا گرد و پیش کے خطرات کی بنا پر ارتقاء پذیر ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جو جانور جنگلوں میں رہتے ہیں وہ میدانی مرغزاروں کے جانوروں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اور پھر جن جانوروں کو صحرائی علاقوں میں زندگی بسر کرنی پڑتی ہے انہوں نے بالکل جداگانہ عادات و خصائل پیدا کر لئے ہیں۔

یہی حالت انسانوں کو پیش آئی۔ دیکھو، نیم بنجر پہاڑیوں میں جو گلہ بان رہتے ہیں ان میں وہ خصائل پیدا نہ ہو سکے جو زرخیز دریائی وادیوں میں رہنے والے لوگوں نے پیدا کر لئے جو انسانی گروہ کسی ایسے مقام پر بس گئے جسے قدرت نے ایک محفوظ حصار کی شکل دے رکھی تھی، ان کے تحفظ اور پناہ گیری کے طریقے ان لوگوں سے بالکل مختلف ہیں جو کھلے ساحل پر آباد ہیں۔ پھر اس حقیقت پر غور کرو کہ کیا یونان کے مختلف گروہ قبائلی زمانے میں ایک ہی نسل سے نہ تھے؟ لیکن کیا تمدن میں ترقی کے بعد انہوں نے ایک دوسرے سے مختلف شہری ریاستیں نہ بنا لیں؟ اس کا سبب کیا تھا؟ محض یہ کہ یونان کے جزیرہ نما میں بھی ان سب کیلئے ایسی چھوٹی چھوٹی وادیوں میں قیام ناگزیر ہو گیا جو ایک دوسری سے الگ تھلگ بے تعلق تھیں۔

ان یونانیوں نے اپنی حفاظت کیلئے الگ الگ حصار یا شہر تعمیر کر لئے۔ یہ سب کچھ ضرورت کی بنا پر ہوا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ابتدائی دور میں شہری ریاست ان لوگوں کے نزدیک ایک مثالی ریاست تھی۔ پھر ان کے اوضاع و اطوار مختلف ہو گئے۔ جو شہر ساحل بحر پر

Marfat.com

واقع تھے ان کا گزارا بحری تجارت پر تھا لہٰذا ان میں جمہوری نظام پیدا ہوا اس لئے کہ جہازوں کی تعمیر اور ان سے کاروباری کا تقاضا یہ تھا کہ تمام لوگوں کا تعاون حاصل رہتا۔ دیکھو جہاز کے اندر سب مسافروں کی حیثیت یکساں ہوتی ہے، جیسے کہ افسانوی جہاز آرگو کے مسافروں کی تھی۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ سب کاروبار کی سہولت کیلئے کسی ایک کو اپنا رئیس تجویز کر لیتے ہیں جو شہر زمین بند تھے ان میں امراء کی حکومت کا رجحان پیدا ہوا یعنی ریاست کی باگ دوڑ اس منتخب گروہ کے ہاتھ میں آ گئی جو فوجوں کی کمان کرتے تھے۔

افلاطون نے مثالی شہری ریاست کا جو نظام پیش کیا تھا اس کی شان و شکوہ کے مقابلے میں یہ مسائل بہت حقیر اور فضول ہوتے تھے۔ نیز ان سے مترشح ہوتا تھا کہ انسانوں کے کاروبار اور احوال صرف تقدیر پر موقوف نہیں۔

بہرحال یہ واضح تھا کہ اہلِ مقدونیہ کوئی بلند پایہ شہری ریاست پیدا نہ کر سکے۔ ان کے بڑے بڑے مرکز دو تھے۔ ایک آئی گائی [32] اور دوسرا پیلا [33] لیکن یہ دونوں معمولی درجے کے قصبے تھے جن میں نہ تجارت تھی نہ شان و شکوہ کا کوئی سامان تھا اور نہ زیادہ ترقی یافتہ یونانی مرکزوں کی طرح بڑی بڑی علمی درسگاہیں تھیں۔ اہلِ مقدونیہ کے دو بڑے مشغلے تھے ایک کھیتی باڑی اور دوسرا گلہ بانی۔ وہ بڑی بڑی تجارتی شاہراہوں سے منقطع تھے۔ اور ان کے پاس ساحلی علاقہ بھی نہ تھا کہ تجارت کا مشغلہ اختیار کر سکتے اس بنا پر ارسطو کے استدلال کے مطابق پیلا کو ایتھنز جیسے شہر کے درجے پر پہنچانے کا کوئی امکان نہ تھا۔

اس نے ایسے قاعدے تجویز نہ کئے جن سے کام لے کر کوئی قوم نمایاں ترقی کر سکتی یا کسی شہری ریاست کا نظام عملاً بہتر ہو جاتا۔ وہ کہتا تھا کہ ہر شہر کی نشو و ارتقاء گردو پیش کے علاقے اور فلاح و بہبود کیلئے باشندوں کی سرگرمی عمل پر موقوف ہے لیکن اس نے ترقی کے وسائل کا مسئلہ معلق چھوڑ دیا۔ وہ اسے بھی تسلیم نہ کرتا تھا کہ تقدیر نے پہلے سے ہر قوم کے مستقبل کا فیصلہ کر رکھا ہے یا دیوتاؤں کا ارادہ کسی کے مستقبل پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن سکندر نے بھانپ لیا تھا کہ یہ عظیم الشان فلسفی لامتناہی صبر و مشقت سے کسی نصب العین کا داعی

Marfat.com

ہے۔ سکندر اپنے ذہن میں سوچتا تھا کہ اگر انسانوں کی قسمتیں گردوپیش کے حالات کی بنا پر صورت پذیر ہوتی ہیں، تو وہ اپنی مساعی اور کوشش سے اپنے حالات کو بدل سکتے ہیں۔ پھر انہیں اپنے معاملات تقدیر پر کیوں چھوڑنے چاہئیں، دراصل ارسطو حقائق کے مطابق کام کر رہا تھا اور جو کچھ اس کی زبان پر جاری ہوتا تھا کسی نہ کسی حقیقت پر مبنی تھا۔ سکندر کے دماغ میں ایک خواب کی دنیا بسی ہوئی تھی۔ وہ دنیا صرف اس کے تخیل میں آباد تھی اور انسانی نظروں سے بالکل اوجھل چلی آتی تھی۔

ارسطو ڈیڑھ سو نظام ہائے حکومت میں سے تھینز کے نظامِ حکومت کو بطور خاص پیش کیا کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ دیکھو یہ شہر صرف ایک فرد کی اعلیٰ صلاحیتوں کی برکت سے گزشتہ نسل میں درجہ کمال پر پہنچ گیا۔ یہ فرد اپی می نانڈس [34] تھا۔ اس نے ایک فیروزمند فوج تیار کی، فتوحات کے ثمرات سے فائدہ اٹھانے کا اسے سلیقہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد صلح کی تنظیم بدرجہا زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ شہری ریاستوں کے نظام ہائے حکومت پر بحث کرتے ہوئے ارسطو نے یہ بھی کہا "اگر کسی ریاست میں کوئی ایسا شخص موجود ہے کہ نیکی یا سیاسی قابلیت میں کوئی دوسرا شہری اس کی برابری کا دم نہیں بھر سکتا تو اسے دوسروں کے مساوی ماننا سخت غلطی ہوگی ایسے انسان کو دوسرے آدمیوں کے درمیان دیوتا کا مرتبہ دینا چاہئے۔" سکندر کے محل پر اس سے یہ اثر پڑا کہ ارسطو انسانوں میں دیوتائی کے شعلے کا قائل ہے۔

سکندر ایتھنز کی ریاست کی ماورائے بحر توسیع اور بحری قوت کی ترقی کے مطالعے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب بادشاہ کے مصاحبوں کی طرف سے ایک سوار میزا پہنچا اور اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ سوار نے آتے ہی سکندر سے کہا کہ آپ کو فوراً فوج میں پہنچ جانا چاہئے جو سمندر کے کنارے کوچ کرتی ہوئی جا رہی ہے۔ سکندر اپنے علمی مشاغل میں غرق تھا اس نے جواب دیا کہ میں اس مہینے کے اواخر میں جانے کیلئے تیار ہو سکتا ہوں۔ سوار نے باادب عرض کیا کہ آپ کو ابھی چلنا چاہئے یہ شاہی فرمان ہے۔ یہ سنتے ہی سکندر پریشان ہو گیا اس نے

Marfat.com

کتابیں ایک طرف رکھیں۔ شب خوابی کا چوغہ اٹھایا، ہومر کا نسخہ اور اپنا خنجر ساتھ لیا اور یہ کہتا ہوا بیوسی فالس کو لینے کیلئے نکل پڑا کہ اگر فرمان ہے تو میں ابھی تیار ہوں۔ چنانچہ وہ روانہ ہو گیا۔ پھر طالب علم کی حیثیت میں میزا واپس آنا اس کے مقدر میں نہ تھا۔

نہیں کہا جا سکتا کہ فیلقوس نے سکندر کو اولمپیاس کے دائرہ اثر سے باہر نکالنے کیلئے اپنے پاس بلوایا تھا۔ اہلِ مقدونیہ کے یک چشم بادشاہ نے اپنے بیٹے سے نہ اپنی ملکہ کے متعلق کوئی ذکر کیا نہ قلوپطرہ کے متعلق۔ ممکن ہے فیلقوس کو اس بارے میں سکوت کا راز معلوم ہو۔ سکندر اس پر اطلاع نہ پا سکتا تھا۔

فیلقوس نے میزا کے طالب علم یعنی سکندر کو یہ بتانے کی بھی کوشش نہ کی کہ مقدونوی فوج میدان میں کوچ کر رہی ہو تو اسے کس انداز میں رہنا چاہئے۔ فوج منزل بہ منزل چلتی رہی۔ کبھی وہ ساحل بحر کی شاہراہ کے گرد و غبار میں سے گزرتی اور کبھی پہاڑوں کی ان پگڈنڈیوں میں سے آگے بڑھتی جو بھیڑ بکریوں نے بنا رکھی تھی۔ بعض اوقات طلوع سے غروب تک بیس یا تیس میل کا سفر طے کیا جاتا۔ پورا ساز و سامان ساتھ تھا۔ پانچ دن کا راشن تقسیم ہو جاتا اور یہ فوج یونانی لشکروں کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ تیز چلتی۔ بعض اوقات اسے پہنچنے کی اطلاع سے بھی پیشتر مختلف مقامات پر پہنچ جاتی۔ فیلقوس کا بے صبر دل اس تیز رفتاری پر بھی مطمئن نہ تھا۔ فوج کوچ میں ہوتی تو فیلقوس ایک ایک دستے میں چکر لگاتا رہتا، بالکل اسی طرح جس طرح پیلا کے تعمیری منصوبوں کی نگرانی کرتا ہوا لنگڑا لنگڑا کر چلتا تھا۔ اس کے پاس اپنا کوئی خیمہ نہ تھا۔ رات آتی تو وہ جوڑیاں ہانکنے والے سپاہیوں کے روشن کئے ہوئے الاؤ کے پاس آ بیٹھتا اور کچھ کھا پی لیتا یا طلایہ گرد سواروں کے ساتھ گپیں ہانکتا۔

اگر سکندر کا یہ خیال تھا کہ اسے باپ کی طرف سے ایک سفید لبادہ اور ایکی لیز کا سا سنہری سینہ بند مل جائے گا اور وہ بیوسی فالس پر سوار ہو کر منتخب مصاحبوں کے رسالے کے ساتھ چلے گا تو یہ خیال خام ثابت ہوا۔ اسے بار برداری کی گھوڑیوں کے ساتھ متعین کیا گیا۔ آدمیوں، گھوڑوں اور سامان کی نگرانی اس کے ذمے تھی۔ پسینے پر پسینہ آ رہا تھا اور اسے منزل

Marfat.com

جلد سے جلد طے کرنے کیلئے بڑی مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔ وہ اس بات پر حد درجہ پریشان تھا کہ اس کے ساتھی اتنی تیزی سے نہ چلتے تھے جتنی تیزی سے ایک انسان چلتا ہے کسی گاڑی کا پہیا ٹوٹ جاتا تو پوری قطار کی پیش قدمی رک جاتی۔ البتہ اس پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ گھوڑے اسی صورت میں سامان بے تکلف کھینچ سکتے ہیں جب ان کے چارے کا پورا خیال رکھا جائے نیز ان کی ٹانگوں اور سموں کو کوئی آزار نہ پہنچنے دیا جائے۔ خوش قسمتی سے وہ خود جفاکشی کا عادی تھا اور جو کام اس کے سپرد کیا جاتا اسے جانفشانی سے انجام دینا اس کی فطرت میں داخل تھا۔

عجیب بات یہ تھی کہ مقدونوی فوج کی کوئی خاص منزلِ مقصود نہ تھی۔ اور نہ یہ پتا چلتا تھا کہ وہ کس غرض سے کوچ کر رہی ہے۔ وہ لوگ بعض اوقات کھلے ہوئے ساحل پر ٹھہر جاتے۔ سمندر میں تیرتے اور اپنے گھوڑوں کا علاج معالجہ کرتے بعض اوقات دن اور رات برابر چلتے رہتے۔ ایک موقع پر انہوں نے ایک بندرگاہ کو گھیرے میں لے لیا اور محاصرے کی تیاری کرلی۔ جب ایک بیڑا اس بندرگاہ میں پہنچ گیا تو محاصرہ چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ رات کے وقت وہ کسی شہر میں داخل ہو جاتے صبح اسے چھوڑ کر پھر کوچ شروع کر دیتے۔ بار برداری کی گاڑیاں ہانکنے والوں کو شاذ ہی معلوم ہوتا کہ فوج کا ہراول کیا کر رہا ہے۔

جس روز قلوپطرہ فوج میں پہنچی، پوری فوج ٹھہر گئی۔ پیادے اور سوار یا تو دوڑ کا مقابلہ کرتے رہے یا پہلوانی کے جوہر دکھاتے رہے۔ باقی وقت انہوں نے شراب پینے میں گزار دیا۔ گاڑی بانوں کی رائے تھی کہ قلوپطرہ بہت خوش نصیب ہے۔ سنہرے گھونگھریالے بالوں کی گرہ ڈھلی پڑی ہوئی تھی۔ بالاپوش میں وہ لپٹی ہوئی تھی۔ اٹھلاتی ہوئی چلتی تھی۔ سن چودہ سے زیادہ نہ ہوگا۔ اس کا چچا اٹالوس 35 ساتھ تھا جو اسے بازو سے پکڑ کر بزور کھینچتا ہوا تمام آدمیوں سے آگے لے جا رہا تھا۔ قلوپطرہ کی نیم باز آنکھوں سے متانت و سنجیدگی ٹپکتی تھی۔ سکندر کے پاس سے گزری تو اسے غور سے دیکھا گویا اس کی قوت کا موازنہ کرنا چاہتی تھی۔ پھر وہ اپنے چچا کے پیچھے پیچھے تیزی سے آگے نکل گئی۔ ممکن ہے وہ زیادہ قوی اور بلند پایہ نہ

Marfat.com

ہو لیکن اس کے گرد و پیش اولیپیاس کے انداز گھوم رہے تھے۔

اس رات قلوپطرہ نے اپنے ہاتھ سے فیلقوس کو شراب پلائی۔ سپاہیوں نے شرط بدلی کہ آج رات اسی کے ساتھ گزارے گی بعض کہتے تھے کہ یہ کبھی نہ ہوگا۔ ان کی رائے تھی کہ قلوپطرہ کے خیالات بہت اونچے ہیں اور وہ بڑی سے بڑی قیمت وصول کئے بغیر اپنے آپ کو فیلقوس کے حوالے نہ کرے گی پھر سپاہیوں نے سکندر کی خدمت میں پھل پیش کئے جو اس نے قبول کر لئے لیکن شراب قبول نہ کی۔ سپاہیوں کا خیال تھا کہ فیلقوس اپنے بیٹے کو شاہی دستر خوان پر بلائے گا۔ یہ معلوم نہ تھا کہ اسے عام سپاہیوں کا کھانا کھانا پڑے گا۔

بات چیت میں سکندر کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ تمام سپاہی فوجی کمانداروں کے عادات و خصائل پر صلاحیتوں سے پوری طرح آگاہ ہیں اور بے تکلف ان کے متعلق بحثیں کرتے ہیں۔ فیلقوس کو وہ ''یک چشم روماہ'' اور ''لنگڑا بکرا'' کہتے تھے۔ ساتھ ہی ہر وقت ان کی زبان پر شکوہ جاری رہتا۔ زیادہ تر شکایات یہ تھیں کہ راتب کم ملتا ہے اور تنخواہ تھوڑی ہے۔ ساحلی قصبوں کو لوٹنے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور جن سڑکوں پر وہ درۂ دانیال کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے ان کی مرمت انہیں کو کرنی پڑتی۔ فیلقوس سے وہ اس بات پر ناراض تھے کہ فصل بونے اور کاٹنے کے وقت بھی انہیں گھروں میں جانے کی اجازت نہیں دی جاتی اور خچروں کے اٹھانے کا بوجھ خود اٹھانا پڑتا ہے۔ لیکن کوچ میں دائیں بائیں مڑنے اور گھومنے کی مصلحتوں کا انہیں پورا اندازہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ فیلقوس مقدونیہ کیلئے بندرگاہیں حاصل کرنا چاہتا ہے اور بندرگاہوں پر یونانیوں کے تجارتی آبادکاریوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ جب سپارٹا کا بیڑہ بندرگاہ میں پہنچ گیا اور فیلقوس نے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تو سپاہی کہتے تھے کہ اس میں خاص مصلحت تھی۔ فیلقوس نہ چاہتا تھا کہ اپنی فوج کو محاصرے میں کٹوائے۔ اس نے یہ سوچا کہ کسی دوسرے شہر پر قبضہ کر لینا چاہئے پھر اہلِ سپارٹا سے معاملہ کر لیا جائے گا۔ فیلقوس کے بارے میں ان کی یہ رائے تھی کہ وہ سونے کے انبار قربان کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے لیکن اپنے آدمیوں کی جانیں قربان کرنا اسے منظور نہیں۔ سپاہیوں

Marfat.com

کے نزدیک یہ فیلقوس کی بہت ہی اچھی خصوصیت تھی۔ وہ سپاہیوں کو اس وقت تک میدانِ جنگ میں نہیں اتارتا جب تک اس کی نئی منجنیقیں پورا کام نہ کر چکتیں۔ سکندر کے سامنے یہ باتیں وہ اس خیال سے کرتے تھے کہ ممکن ہے کہ کچھ دیر کے بعد اسے فوج کی کمان سپرد کر دی جائے اور اسے باپ کے طریقہ کار سے پوری طرح واقف ہونا چاہیے۔

وہ درہ دانیال کے پاس ایک پہاڑی راستے میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ بادشاہ کی محافظ فوج کے ایک افسر نے کہا کہ سکندر کو فوج کی کمان ملنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں۔ اس افسر کا نام ہفااسشن[36] تھا۔ اس نے کہا کہ تجارت میرے خاندان کی بربادی کا باعث بنی اور میں تلوار لے کر خدمت گزاری کیلئے مجبور ہو گیا۔ وہ کسی مقدس رسم کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس نے بھی کہا کہ سکندر کبھی بادشاہ نہ بنے گا لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ خود سکندر سامنے کھڑا یہ سب کچھ سن رہا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ سب کچھ فیلقوس کے وقتی رجحانات پر موقوف ہے جس حد تک مجھے معلوم ہے وہ اپنے بیٹے کی زنانہ عادتوں اور کتابوں کے شوق سے خوش نہیں۔ اس نے سپاہیوں سے پوچھا بتاؤ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ سب چپ چاپ سنتے رہے۔ انہیں خیال تھا کہ سکندر خود اس کماندار سے دو دو ہاتھ کرنے کیلئے تیار ہو جائے گا۔ ہفااسشن نے یہ بھی کہا: ''لیونی دس کے سوا عام احساس یہ ہے کہ اولمپیاس ساحرہ ہے۔ اگر فیلقوس بیچ میں سے نکل جائے تو فوج اپنے جرنیلوں کے سوا کسی کی بات ماننے کیلئے تیار نہ ہوگی۔ ان حالات کی بنا پر میں نے سکندر کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے۔ اب تم لوگ بتاؤ کہ تمہارا کیا خیال ہے؟

سکندر کی نظر پانی پر جمی ہوئی تھی۔ دفعتاً اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ عین اس وقت فوج کا ایک دستہ دوڑتا ہوا آیا۔ سکندر کے پاس پہنچتے ہی رک گیا اور ساتھ ہی اطلاع دی کہ بادشاہ سلامت کو چوٹ لگ گئی ہے اور سکندر کو بلایا گیا ہے۔ اس وقت ہفااسشن پر آشکارا ہوا کہ اس نے جو کچھ کہا سکندر کی موجودگی میں کہا۔ وہ چند لمحے کیلئے خاموش رہا۔ پھر اپنی تلوار نکالی اور ہتھیلی پر سکندر کے سامنے پیش کرتے ہوئے بولا: میرے لئے اس شرط کو جیتنا

Marfat.com

سخت مشکل ہے۔ میں ہار مانے لیتا ہوں۔ آپ میری خدمات قبول فرمائیں اور میری سرکشی کی شکایت بادشاہ سے نہ کریں۔ میں اپنے خلاف مقدمہ کھڑا کرانے کا خواہاں نہیں ہوں۔

ہفااسشن کیلئے بچاؤ کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔ سکندر کو اس کے تحیر کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اسے التجائے رحم کرتے ہوئے دیکھا تو تلوار پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ میں چند الفاظ کی بنا پر خون خرابہ کرانے کا روادار نہیں ہو سکتا۔

فیلقوس کو سڑک کے بالائی حصے میں کسی حادثے سے سابقہ پڑا جس میں اس کا کولہا اتر گیا اور بے بس ہو کر ایک ڈولی میں پڑا تھا۔ پاس ہی ایک مندر میں سے چشمہ بہتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کی ٹانگ ایک نیزہ کے ساتھ رکھ کر باندھ دی گئی تھی۔ سکندر پاس پہنچا تو فیلقوس نے اپنی آنکھوں سے پسینہ پونچھا اور کہا: ''لو مزید تاخیر کی صورت پیدا ہو گئی۔ اب ہم برف باری سے پیشتر پیلا نہ جا سکیں گے۔ میں اس حالت میں وہاں جانا پسند نہیں کرتا۔'' پھر سکندر سے مخاطب ہو کر بولا: بھئی یہ کیا افواہ پھیل ہوئی ہے کہ تم پیلا میں حکمرانی کا کاروبار سنبھالنے کے خواہاں ہو اور میرے ذمے فوج کا انتظام لگا دیا گیا ہے؟ کیا تم اس صورت کو پسند کرتے ہو؟

فیلقوس کے دو جرنیل پارمینیو اور انٹی پیٹریاس کھڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فیلقوس اپنے بیٹے کے افکار و خیالات کا جائزہ لینا چاہتا ہے۔ سکندر کا سر جھکا ہوا تھا اور اس کی نیلگوں آنکھوں سے پریشانی ٹپکتی تھی۔ وہ بولا: ''میں تو چاہتا ہوں کہ مجھے تحصیلِ علم کیلئے واپس بھیج دیا جائے باقی رہا پیلا کی افواہوں کا معاملہ تو مجھے اس کے متعلق کچھ علم نہیں۔''

فیلقوس: بھئی یہ افواہ تو پوری فوج میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کی حیثیت وبا سے کم نہیں۔ میرے سپاہی تمہیں بہت چاہتے ہیں لیکن انہیں خوش رکھنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا شیطان کو، کیا تمہیں معلوم نہیں۔''

سکندر: نہیں جناب میں کچھ نہیں جانتا۔

فیلقوس نے اپنے دونوں جرنیلوں پر ایک نگاہ ڈالی اور اندازہ کیا کہ پارمینیو کو سکندر کی بات کا یقین نہیں آیا لیکن انٹی پیٹریاس کے قول کو درست سمجھتا ہے پھر سکندر سے مخاطب ہوا۔

Marfat.com

''مجھے پیلا سے آئے ہوئے بہت دیر ہوگئی لیکن مجبوری کی بات تھی۔ مجبوری کیا ہے، افواہ کچھ ایسی بری تو نہیں، میری جگہ تم پیلا چلے جاؤ۔ دیکھ بیٹے میں نے دل کی بات کہہ دی۔ اب طبابت کا قصہ چھوڑ پیلا واپس جا اور میرے نام پر وہاں نیابت کے فرائض انجام دے۔

فیلقوس نے اپنے جرنیلوں کو بتایا کہ اسی وقت سے میں نے اپنے تیرہ سالہ بیٹے سکندر کو نائب السلطنت بنا دیا۔ میری غیر حاضری میں شہر کا انتظام وہ کرے گا۔ سکندر اس تجویز کی مخالفت کرنا چاہتا تھا۔ پھر گردوپیش کے حالات کا اندازہ کرتا ہوا بولا، پہلے آپ یہ بتائیں کہ مجھے کیا اختیارات سونپ رہے ہیں اور میرے ذمے کون کون سے فرائض عائد کرتے ہیں؟

فیلقوس نے شاہی مہر اس کے حوالے کی جس پر شیر کی چھوٹی سی تصویر بنی ہوئی تھی اور کہا میں تمہیں پورے اختیارات دیتا ہوں۔ واجب الادا رقمیں ادا کرو۔ شاہی خطوط پر دستخط ثبت کرتے رہو لیکن لوگوں سے وعدے کرنے میں احتیاط برتو۔ مجھ سے مت پوچھو کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے خود سوچو کہ تم کیا کر سکتے ہو۔ میں نے سونے کے انبار صرف کئے کہ تم ارسطو سے تعلیم پا سکو۔ سیاسی معاملات میں اس سے مشورے لیتے رہو۔ ایک فوجی مشیر اپنے ساتھ لے لو۔ یہ اینٹی پیٹر کھڑا ہے یہ تمہارے لئے بہت مفید ہوگا۔ تمہارے ساتھ کچھ سوار بھی جانے چاہئیں میری محافظ فوج میں سے ایک دستہ چن لو، بیٹا یاد رکھو کہ ارسطو اور اینٹی تمہیں کبھی دھوکہ نہ دیں گے اور فوج تمہاری پوری حفاظت کرے گی (کچھ سوچ کر) ہاں تمہیں نئے سکے ڈھلوانے پڑیں گے اور ان کیلئے کانوں سے نکلا ہوا سونا موجود ہے۔''

یہ فرمان جاری کرتے ہی فیلقوس تامل میں پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بیٹے سے اظہارِ محبت کا کون سا طریقہ اچھا ہوگا۔ سکندر یہ چاہتا تھا کہ اپنے زخمی باپ کے پاس رہے اور فوج کو چھوڑ کر نہ جائے۔ فیلقوس بولا: اچھا میرے قریب آؤ کہ تمہیں چوم لوں، خدا حافظ!'' یہ کہتے ہی اس نے بیٹے کے رخسار کو بوسہ دیا، اس سے اور اینٹی پیٹر سے کہا کہ بس اب روانہ ہو جاؤ۔

Marfat.com

سکندر نے مہر اپنے کمر بند میں محفوظ کی۔ اس کے دل میں اب تک یہ وسوسہ باقی تھا کہ شاید سپہ گری میں پورا نہ اترنے کے باعث اسے واپس بھیجا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی تشکر وسپاس کے جذبات اس کے سینے میں متلاطم ہوئے اور یقین ہو گیا کہ باپ نے علی الاعلان اسے انتہائی اعزاز کا درجہ عطا کر کے تمام فضول افواہوں کا قلع قمع کر دیا ہے، لیکن اسے یقین نہ تھا کہ پیلا پہنچ کر معاملات کے انتظامات سے خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برا ہو سکے گا بعد ازاں اولیپیاس نے اعلان کیا کہ فیلقوس قلوپطرہ پر فریفتہ ہو چکا تھا جب اس نے دیکھا کہ سکندر فوجیوں میں ہر دلعزیزی حاصل کر رہا ہے تو اس سے چھٹکارا پانے کیلئے پیلا بھیج دیا۔

اگلی صبح کو سکندر اینٹی پیٹر کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے اپنی معیت کیلئے جس کماندار کو چنا وہ ہفااسٹن تھا۔ وہ بڑا کشیدہ قامت تھا۔ اس میں ہرقل کی قوت اور بیکوس کی خوش باشی تھی۔ اکثر اوصاف میں وہ نیک دل سکندر کی بالکل ضد تھا۔ جنگ میں کھیلوں سے زیادہ خوش رہتا اور شراب کے ساتھ کھیلوں اور جنگ دونوں سے زیادہ پیار تھا۔ سکندر اپنی مشکلات کا تصور کرتا ہوا گھبراہٹ میں مبتلا تھا۔ ہفااسٹن کو سکندر کے خیالات سے کوئی سروکار نہ تھا اور اس نے بنسری بجانی شروع کر دی۔ فلسفے سے بھی اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے متعلق یوری پائیڈیز کا یہ قول نقل کر کے قصہ ختم کر دیتا "ہم دیوتاؤں کے بندے ہیں خواہ وہ کچھ بھی ہوں۔" اس کے ثبوت میں اپنی داستان دہرا دیتا کہ "دیکھو میں مجرم تھا اور آدھ گھنٹے میں بادشاہ کی محافظ فوج کا کماندار بن گیا۔ اگر یہ معجزہ نہیں تو کوئی اور مثال پیش کرو جو اس سے بڑھی ہوئی ہو۔" سکندر کو ہفااسٹن کی بے تکلفی اور نیک طبعی بہت پسند آئی اور اس نے سمجھا کہ ایک مخلص دوست مل گیا۔

اینٹی پیٹر نے مقدونیہ کے انتظامات کا سررشتہ سنبھالا اولیپیاس فوراً محل کی مختارِ کل بن گئی۔ سکندر کو زیادہ وقت میزا میں اس جگہ بسر کرنے کا موقع مل گیا جہاں زیتون کے جھنڈ میں ارسطو علمی مسائل کی چھان بین کیا کرتا تھا۔

Marfat.com

فلسفی استاد اب بھی اپنے شاگرد کے سامنے مسلمہ اصول پیش کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس کی رائے تھی کہ یونانی فلسفے میں انجماد کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے اس لئے کہ اقدار زندگی کی تحقیق وتلاش میں وہ فلسفہ حقائق سے دور نکل گیا ہے۔ سقراط نے ٹھوس سوالات کر کے اس کا رخ عقل مجروح سے پھیرا تھا۔ اس کے زمانے تک بہت سے یونانی فلسفی ماضی کی چھان بین میں لگے رہتے تھے۔ وہ اس فکر میں رہتے کہ کائنات کی تخلیق وتکوین کیوں کر ہوئی؟ آسمانی قوتوں کی فطرت وطبیعت کیا ہے؟ سقراط نے انسانی زندگی کے مبدا پر غور و بحث سے انکار کر دیا اور بتایا کہ سوچنا یہ چاہئے کہ اس سے کام کیوں کر لیا جائے؟ اس کا مدعا یہ تھا کہ بقائے عالم کا مقصد معلوم ہونا چاہئے۔ یہ جاننے کی کیا ضرورت ہے کہ بقاء کا سرچشمہ کیا ہے؟ اسی ایک مقصد کی تلاش وجستجو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے خودکشی کرنی پڑی۔

ارسطو بھی سقراط ہی کی راہ پر چل رہا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ روحِ کائنات کا راز معلوم ہو یا نہ ہو لیکن انسانی ارتقاء کی تو پیمائش کی جا سکتی ہے اور اس کا رخ جس طرف چاہیں پھیرا جا سکتا ہے جس طرح ہم حیوانوں کا رخ پھیر سکتے ہیں اور حیوانوں کی سرگزشت وہ مرتب کر رہا تھا۔ صرف انسان نہیں بلکہ قومیں بھی ایک حالت سے ارتقاء پذیر ہوئیں اور وہ مسلسل بدلتی ہوئی کچھ اور ہی بن رہی ہیں۔ اس عملِ تغیر کو ناپا اور اپنی مرضی کے مطابق چلایا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل ارتقاء پذیر وجود کی خاطر جاری رہے...... آخری نتیجہ جاننے کیلئے یہ نہیں کہ اس سارے سلسلے کو بے مقصد سمجھ لیا جائے اگر یہ خیال درست ہے تو انسانوں کو پہلے سے طے شدہ تقدیر کے خوف سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس عمل کو سمجھ سکیں......

غرض ارسطو نے جو راز اب تک سکندر سے چھپا رکھے تھے، انہیں آہستہ آہستہ ظاہر کرنے لگا اور سکندر کا فہم اگرچہ پوری مساعدت نہ کرتا تھا تاہم ان لامتناہی تجربات کی تہ میں جو مقصد ومدعا تھا اس کیلئے ہمہ گیر شیفتگی پیدا ہو گئی۔ عین اس موقع پر اولمپیاس یہ تجویز لے کر آ گئی کہ سرحد پار جو قبیلے آباد ہیں وہ میدانی فوج کی غیر حاضری کے باعث فتنہ وفساد پر آمادہ ہو گئے ہیں لہٰذا ان کے خلاف مہم جانی چاہئے اور سکندر کو اس مہم کی قیادت کرنی

Marfat.com

چاہئے۔ اس نے کہا: قوم کی آرزو ہے کہ تم فوج کے سر عسکر بن کر میدان میں نکلو۔ وہ تمہیں کتابوں کے مطالعے میں سرگرم نہیں دیکھنا چاہتی۔

اینٹی پیٹر نے مہم کیلئے تیاری کی اور اگرچہ سکندر کے دل میں اس کیلئے کوئی ولولہ موجود نہ تھا، تاہم اسے روانہ ہونا پڑا۔ اولمپیاس نے اس موقع پر بڑا اہتمام کیا۔ تمام دکانیں دن بھر کیلئے بند کرا دیں تا کہ لوگ رخصت کے وقت بہ تعداد کثیر جمع ہوں۔ خود رتھ میں سوار ہو کر سکندر کے ساتھ چلی...... اینٹی پیٹر سپاہ کو لے کر پہلے روانہ ہو چکا تھا۔ سکندر برہنہ سر بیوی فالس پر سوار تھا۔ راستے کے دونوں جانب کے تماشائی پرجوش نعرے لگا رہے تھے۔

جب سکندر بازاروں سے گزرتا ہوا باہر نکل گیا تو اولمپیاس نے وداعی بوسہ دیتے وقت اس کے کان میں کہا کہ تم عام آدمیوں جیسے نہیں ہو۔ یہ راز اب تک میرے سینے میں دفن تھا لیکن آج تم پر ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ میں ابتداء سے ساموتھریس کے مندر کی پجارن رہی ہوں۔ یہاں دیوتا فانی انسانوں کے روبرو نمودار ہوتے ہیں۔ شادی سے ایک رات پیشتر میں نے خواب دیکھا کہ جزیرے میں رات کے وقت جو ہوا چلتی ہے وہ میرے کمرے میں آ گئی۔ تاروں کے چراغوں کی روشنی مدھم پڑ گئی، ایک خاص قسم کی کڑک نے میرے مکان کی بنیادیں ہلا دیں۔ یکا یک روشنی کی ایک کرن آسمان سے میری طرف آئی اور پھیل گئی۔ میرے کمرے کی چیزوں سے شعلے اٹھنے لگے اور میری آنکھ کھل گئی۔ اسی رات استقرارِ حمل کا واقعہ پیش آیا نہ کہ فیلقوس سے زوجیت کا تعلق پیدا ہونے کے بعد۔ یہ حقیقت ہے کہ تو دیوتاؤں کی اولاد ہے۔ اریشانڈر کاہن نے مجھے یہی بتایا تھا۔

اولمپیاس یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئی کہ اب تمہیں چاہئے اپنا طرزِ عمل درجہ پیدائش کے شایانِ شان رکھو۔ ہفاسشن سکندر کے پیچھے تھا۔ اولمپیاس تھوڑی دیر کیلئے رکی اور بولی: یہ میرا جگر بند ہے، اس کی حفاظت کرنا ساتھ ہی اسے بتا دینا کہ مجھے زیوس کی بیوی [37] ملزم نہ گردانے۔ پھر وہ ہاتھ سے وداعی اشارے کرتی ہوئی لوٹ گئی اور ویسی ہی حسین و جمیل نظر آتی تھی جیسے ناسیکا [38] اپنی گاڑی میں بیٹھی ہوئی نظر آتی تھی۔

Marfat.com

یوں سکندر اپنی پہلی مہم پر روانہ ہوا۔ وہ خاموش تھا اور اس کا دل سہا ہوا معلوم ہوتا تھا وہ اس بنا پر کہ کہیں عوام کی خندہ زنی کا نشانہ نہ بنے۔ پہاڑیوں کی چڑھائی شروع ہوئی تو دل کی افسردگی کا یہ حال تھا گویا ٹھنڈا لباس پہن رکھا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس پر واضح ہو گیا کہ فوج کے ساتھ گھوڑے پر سوار چلے جانے کے سوا کوئی اور کام نہ کرنا پڑے گا۔ ہفااسشن اس کے ساتھ تھا جس کیلئے جنگ ہرن کے شکار سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ وہ ہر لحظہ بات چیت یا لطیفہ بازی سے اس کا دل خوش رکھنے پر آمادہ تھا اور سال خوردہ مقدونوی جرنیل یعنی اینٹی پیٹر کمانداراعظم کی حیثیت میں تمام احکام جاری کر رہا تھا۔

سرکش جیالیوں...... مائی ٹی قبیلہ [39]...... نے مقدونیہ کی فوج آتی دیکھی تو ٹیلوں پر چڑھ گئے۔ وہ کبھی کبھی فوجیوں پر تیر چلا دیتے تھے اور ان کی خاص کوشش یہ تھی کہ اپنے ریوڑوں کو بچا کر محفوظ مقامات پر لے جائیں۔ اینٹی پیٹر کے مشورے کے مطابق سکندر نے مائیٹی قبیلے کا مرکزی قصبہ تباہ نہ کیا بلکہ آس پاس سے کاشتکاروں کو لا کر وہاں آباد کر دیا اور ان کی حفاظت کیلئے مناسب مقامات پر برج بنا دیئے۔ ہفااسشن کی تجویز کے مطابق اس مقام کا نام سکندریہ رکھا گیا۔ یعنی شہرِ سکندر۔ اسی طرح فیلقوس نے ایک شہر پر قبضہ کر کے اس کا نام فلپی یعنی شہرِ فلپ (فیلقوس) رکھ دیا تھا۔ یہ پہاڑوں کے درمیان ایک پرسکون مقام تھا جس کا دھواں درختوں کے بیچ میں سے آہستہ آہستہ باہر نکلتا رہتا تھا۔ سکندر نے مائی ٹی کی فضا میں پہنچ کر سوچا تو اس کے دل میں احساس پیدا ہوا کہ ارسطو کے استدلال کے مطابق اہلِ مقدونیہ بھی چند صدیاں پیشتر انہیں لوگوں کی طرح ریوڑ پالتے اور گلہ بانی کرتے تھے۔

سکندر مہم سے فارغ ہو کر پیلا پہنچا تو اس نے اریسٹانڈر کو بلایا تا کہ اولمپیاس کے بیان کردہ خواب کے باب میں استفسار کرے۔ کاہن کو اس سوال پر قطعاً حیرت نہ ہوئی۔ اس نے بتایا کہ دوسرے شگون بھی دیکھے گئے تھے جن سے اولمپیاس کے عقیدے کی توثیق ہوئی بلکہ خود فیلقوس نے بھی ایسا خواب دیکھا تھا یعنی یہ کہ اولمپیاس کے بدن پر مہر لگی ہوئی ہے اور مہر پر شیر کے سر کا نقش ثبت تھا۔ میں نے (اریسٹانڈر نے) اس خواب کی تعبیر پیش کرتے

Marfat.com

ہوئے کہا تھا اس کا مطلب یہ نہیں سمجھا جائے کہ رومانی مزاج بیوی کی کڑی نگرانی کرنی چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ جو بیٹا پیدا ہونے والا ہے وہ عام فانی انسانوں کی عزیمت و ہمت سے کسی قدر اونچے جوہر لے کر پیدا ہوگا۔ یہ نشانات ایسے تھے جنہیں فی الجملہ سامنے رکھا جائے تو ان کے بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ امر یقینی ہے کہ فیلقوس حقیقت میں تمہارا باپ نہیں۔

کاہن کی یہ بات کسی نہ کسی شکل میں پیلا کی مرکزی منڈی اور اس کی اقامت گاہوں میں پھیل گئی۔ لوگوں نے ڈلفی کے بڑے پروہت سے پوچھنا شروع کر دیا جو اس وقت پیلا ہی میں ٹھہرا ہوتا تھا۔ اس نے نہ تو اولمپیاس اور ایرسٹانڈر کے بیان کی توثیق کی اور نہ اس سے اختلاف کیا۔ صبح کے وقت سکندر مشرق کی طرف منہ کر کے قربان گاہ پر قربانی کیلئے آیا تو غلاموں اور ملازموں کا ہجوم اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اسے بمشکل اندر تک جانے کا موقع مل سکا۔ عقیدت مند لوگ بالکل خاموش کھڑے سنہری بالوں والے شہزادے کو ایک نظر دیکھنے کیلئے آرزومند تھے جو اپنے باپ زیوس کیلئے قربانی کرنے آیا تھا۔

اس واقعہ کو پورا ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ اینٹی پیٹر سکندر کے پاس ایک پیغام لایا جسے وہ خود ہی پہنچا سکتا تھا۔ اس لئے کہ پیغام فیلقوس کی طرف سے تھا۔ اینٹی پیٹر نے بڑے دردمندانہ لہجے میں بتایا: ''مقدونیہ کے بادشاہ اور سپہ سالار فیلقوس نے ایٹی رس 40 کی شہزادی اور نیوٹولی مس 41 کی بیٹی اولمپیاس سے زوجیت کا رشتہ توڑ لیا ہے اور اٹالوس کی بھتیجی قلوپطرہ سے شادی کر لی ہے۔''

○

Marfat.com

تیسرا باب

ڈیماستھنیز اور قتل گاہ کائی رونیا

فیلقوس نے بہت جلد اپنے بیٹے کو فوج میں واپس بلا لیا اور ہفا اسشن کے ساتھ رسالہ خاص میں خدمات انجام دینے کی اجازت دے دی۔

اولمپیائی کھیلوں کے آغاز سے یہ چار سو اڑتیسواں سال تھا (338 ق م) مقدونوی فوج اور یونان کی شہری ریاستوں کے درمیان کشمکش کے اسباب نزاکت کی آخری منزل پر پہنچ چکے تھے۔ یہ کشمکش حقیقتاً فیلقوس کی حرص ملک گیری اور ڈیماستھنیز کے عزم مقابلہ کے درمیان تھی۔ زیرِ نزاع مسئلہ یہ تھا کہ یونانی شہروں پر کسے حکمران ہونا چاہیے۔

یونان کی اجتماعی حیثیت ناپید تھی۔ اہلِ یونان قریباً ایک درجن شہری ریاستوں میں بٹ چکے تھے۔ جب ایشیائی عساکران کے وطن اور وطنی سمندروں پر حملہ آور ہوئے تو اس ہمہ گیر جنگ کی ضرب نے یونانیوں میں اتحاد پیدا کر دیا (پہلی لڑائی میراتھان[1] کے میدان میں ہوئی پھر یونانیوں نے سلیمس[2] کی بحری اور پلاٹائیا[3] کی بری جنگ میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں) لیکن جب حملہ وہجوم کا خطرہ زائل ہو گیا تو یونان کی شہری ریاستیں اسی طرح الگ الگ ہو گئیں جس طرح پہیے کے ٹوٹ جانے سے اس کے ڈنڈے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے درمیان طویل خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ یہ بڑی ہولناک تھی۔ ابتداء میں خانہ جنگی اس امر پر شروع ہوئی تھی کہ اقتدارِ اعلیٰ کا درجہ بحری قوتوں کو حاصل ہونا چاہیے یا بری قوتوں کو۔ گویا اس میں ایک فریق شمالی ریاستیں تھیں اور دوسرا فریق جنوبی

Marfat.com

ریاستیں لیکن آخری دور میں مقابلہ ایتھنز اور سپارٹا کے درمیان رہ گیا۔ یہ امر بڑا ہی تعجب انگیز ہے کہ جب ایک دوسرے پر حملے ہو رہے تھے، ایک دوسرے کے محاصرے کئے جا رہے تھے طاعون پھیلا ہوا تھا، کشمکش کے عہدِ شباب میں ہر قابلِ جنگ آدمی کو میدان میں پہنچنے کا حکم مل گیا تھا تو اسی زمانے میں شہر ایتھنز نے پری کلیز [4] کے ماتحت جاہ و جلال کا درجہ کمال حاصل کیا۔

خانہ جنگی کے بعد طبعاً سیاسی لحاظ سے ضعف و افسردگی کا دور طاری ہوا۔ محاصل کا بوجھ بہت بڑھ گیا۔ تجارت کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا، لیکن اس کی حفاظت جس صلح و امن کی متقاضی تھی اس کیلئے مناسب حال کوششیں جاری نہ رہ سکیں۔ ڈیڑھ سو سال کی خانہ جنگی کے بعد بڑی بڑی شہری ریاستوں کا انحصار غلاموں کی محنت و مشقت پر رہ گیا۔ اس لئے کہ پیشہ ور سپاہیوں کے لشکر تیار رکھے بغیر چارہ نہ تھا اور ان کیلئے روپے کی سخت ضرورت تھی۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں معاملات کی باگ ڈور تھی وہ آہستہ آہستہ ڈکٹیٹر بن گئے یا مذہبی کونسلوں نے کاروبارِ حکومت سنبھال لیا۔ اس دورِ زوال کے اختتام پر فیلقوس شاہ مقدونیہ نے بڑی دانش مندی اور بالغ نظری کا ثبوت دیا جس کی کوئی مثال پیری کلیز کی وفات کے بعد بروئے کار نہ آئی تھی۔ ایتھنز کے شہرۂ آفاق خطیب ڈیماستھنیز نے اپنے پرتاثیر خطبوں کے ذریعے سے شہری ریاستوں کو جگانا اور پیش آمدہ خطرے کے مقابلے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔

یوں یہ دو شخصیتیں اقتدار کیلئے کشمکش کا مرکز بن گئیں۔ اول فیلقوس جو موقع پرست اور حقیقت شناس تھا اس نے غیر منظم شہری ریاستوں پر اپنی گرفت کو محکم بنانے کا کوئی بھی موقع نظرانداز نہ کیا مثلاً جب ضرورت محسوس کی تو اپنے آپ کو مذہبی کونسل کے محافظ کی حیثیت میں پیش کر دیا۔ پھر ڈیلفی کے مندر کی عزت و آبرو کا مجاہد بن گیا اور آخر میں اس نے اپنے آپ کو جمہور کا محسن قرار دے دیا۔ دوسرا شخص ڈیماستھنیز تھا جو دولت مند اہلِ ایتھنز کو زورِ خطابت کے تازیانوں سے فیلقوس کے مقابلے کیلئے تیار کرتا تھا۔ کبھی کبھی ان کے روبرو میراتھان کی شاندار فتح مندی کی کہانیاں سناتا اور ہر سچے شہری سے اپیل کرتا کہ فوج میں بھرتی

Marfat.com

ہو کر ایتھنز کی جمہوریت کو بچانے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ موت وحیات کی یہ کشمکش دو شخصیتوں کے درمیان نہیں بلکہ دو متضاد نظریوں کے درمیان تھی۔ اول آزاد و شہری ریاستوں کا نظریہ جس کے مطلع پر سے روشنی آہستہ آہستہ ناپید ہو رہی تھی۔ دوسرا بادشاہی کا نظریہ جو تازہ تازہ وجود پذیر ہوا تھا اور اس میں تازگی کا پورا جوش و خروش نمایاں تھا۔ ڈیماستھنیز نے فیلقوس کے خلاف جو خطبے دیئے وہ "فیلقوسیات" کے نام سے موسوم ہوئے۔ ان خطبوں میں ڈیماستھنیز کی زد فیلقوس کی ذات پر نہ پڑتی تھی بلکہ وہ فیلقوسی قوت کے احیاء کا دشمن تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر فیلقوس کل ختم بھی ہو جائے تو اس کی جگہ نیا فیلقوس لے لے گا۔ اس مصیبت سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ایک زبردست جمہوری فوج کی ضرورت ہے۔

سوال یہ تھا کہ آیا اہلِ ایتھنز فیلقوس سے خوفزدہ تھے؟ ڈیماستھنیز خوف کو نفرت و حقارت سے ٹھکراتا اور کہتا: اسے بہت بڑا ماہرِ حربیات سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں اس کی حیثیت...... ایک بھیڑیئے کی سی ہے جو انسانوں کی نگاہوں سے چھپ چھپا کر لاشوں سے اپنا پیٹ بھرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا خوبصورت ہے اور شراب بہت پیتا ہے لیکن عورتیں بھی تو خوبصورت ہوتی ہیں۔ اسفنج بھی تو خاصا پانی چوس لیتا ہے کیا تم لوگ اس وہم میں مبتلا ہو کہ جو غیر فانی دیوتا آسمانوں سے تمہارے احوال کے نگران ہیں، اس عیاش، بدکار، سازشی اور خون چوسنے والے کو اپنی مہربانیوں کا مرجع بنالیں گے؟

ڈیماستھنیز یہ بھی کہتا کہ محبِ وطن یونانیوں کیلئے دیوتاؤں نے نیک شگون پیش کر دیئے ہیں۔ پیتھیا کے مندر کی کاہنہ یہ بتا چکی ہے عقاب آسمانی فضاؤں میں اڑتے ہوئے دیکھیں گے کہ مفتوح گریہ وزاری میں مبتلا ہے اور فاتح موت کے گھاٹ اتر رہا ہے یقیناً اس پیشگوئی کا مطلب یہ ہے کہ حملہ آور اہلِ مقدونیہ فیلقوس کا ماتم کریں گے جو آئندہ جنگ میں قطعی طور پر مارا جائے گا۔

غرض ڈیماستھنیز کے جذبات انگیز اور ہیجانی خطبوں نے محبانِ وطن کی ایک فوج تیار کر دی۔ وہ خود اس فوج کو لے کر میدانِ جنگ کی طرف نکلا۔ اہلِ ایتھنز کو سمجھا رہا تھا کہ

Marfat.com

اپنے شہر سے باہر نکل کر اور زیادہ سے زیادہ دور جا کر ہی جنگ کرنا مفید ہے۔ اہلِ ایتھنز کو بھی شرم دلا کر اہلِ ایتھنز کا حلیف بنا لیا گیا (دراصل اہلِ ایتھنز ہی اتحادیوں کی قوت کا مرکز تھے۔ اس سپاہ کی سولہ قطاریں تھیں اور اپی می نانڈس اس کا سالار تھا۔ یہ لوگ اہلِ سپارٹا کو شکست دے چکے تھے جن کی ناموری سے یونان کی فضا گونج رہی تھی۔ بھاری ہتھیاروں والے سپاہیوں کا یہ مقدس گروہ جنگ کو اپنی زندگی کا واحد مشغلہ قرار دیتا تھا۔ اور انہیں یقین تھا کہ میدانِ جنگ میں کوئی ان پر بازی نہیں لے جا سکتا)۔

اس طرح اس شہرۂ آفاق خطیب نے اپنے ساتھیوں کے دل میں خاص یقین پیدا کیا۔ خوش آئندہ وعدوں سے ان میں جنگی روح پھونکی اور شہری سپاہیوں کی فوج لے کر مقدونیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے نزدیک جمہوری قوت کے احیاء کی یہی موثر صورت تھی۔ بھاری ہتھیاروں والے سپاہیوں نے کانسی کی ڈھالیں اٹھا رکھی تھیں۔ خود ڈیماستھنیز کی ڈھال پر سنہری حرفوں میں ایک کلمہ مرقوم تھا جس کا مطلب تھا ''بختیار''

بس اس وقت سے ڈیماستھنیز اور بھاری ہتھیاروں والے سپاہیوں میں اثر و رسوخ کے اعتبار سے کوئی فرق نہ رہا۔ فیلقوس بڑا چالیا تھا۔ وہ ہر موقع پر مناسب حال کردار اختیار کر لیتا اور فوج کی کمانداری میں کوئی اس کی برابری کا دم نہ بھر سکتا تھا۔ یکا یک ایسا معلوم ہوا کہ مقدونوی فوج کہیں غائب ہو گئی ہے۔ کم از کم یونانیوں کو وہ فوج کہیں نہ ملی۔ اس اثناء میں ایک قاصد پکڑا گیا جس کے پاس یہ پیغام ملا کہ فیلقوس بلقان کی طرف چلا گیا ہے۔ اس سے یونانیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ پھر یونانی سپاہی یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ فیلقوس اپنی مقدونوی فوج کے ساتھ ان کے عقب میں نمودار ہوا ہے۔ دراصل قاصد کو جو پیغام دیا گیا تھا وہ سراسر دھوکے اور فریب پر مبنی تھا۔

یونانی لمبا سفر کر چکنے کی وجہ سے تھک گئے تھے اور ان پر اضطراب کی حالت طاری تھی۔ وہ پہاڑیوں پر سے تیزی کے ساتھ کا ٹیر دنیا کی طویل وادی میں اترے۔ وہاں مقدونوی فوج موجود تھی لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ وہ فوج لڑائی کیلئے تیار کھڑی ہے۔ فوج کے

Marfat.com

آدمی وادی میں بکھرے ہوئے پھر رہے تھے اور صاف نظر آ رہا تھا کہ سامان اٹھوانے کیلئے ان کے ساتھ نوکر چاکر بھی نہیں۔ پھر وہ جا بجا بیٹھ گئے۔ گویا اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ تھکے ہوئے یونانی اپنی جنگی ضروریات پوری کر لیں۔ مقدونوی فوج کے ایک بازو پر ذرا دور رسالہ موجود تھا جو درختوں کے جھنڈ میں سے گزر رہا تھا۔ اس کی رہنمائی وہ لوگ کر رہے تھے جن کے کولہوں تک کانسی منڈھی ہوئی تھی۔ وہ بھی چنداں خطرناک معلوم نہ ہوتے تھے۔ یونانی تیزی سے بڑھتے گئے۔ تھیز کے مقدس جیش نے اپنے ہتھیار سنبھال لئے وہ ایک مندر کے پاس سے گزرے جو ہرقل سے منسوب تھا۔ آگے بڑھے تو کاٹیز دنیا کی آبادی کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک بل کھاتی ہوئی ندی پر پہنچ گئے جو ان کے اور مقدونوی رسالے کے بیچ میں واقع تھی۔

دوپہر ہونے تک سورج ان سواروں کے سامنے تھا۔ وہ گھوڑوں پر بیٹھے تھے لیکن حرکت میں نہ آتے تھے بلکہ شاہ بلوط کے جنگل میں ایک اونچائی پر کھڑے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ مقدونوی رسالہ پورے کا پورا امراء پر مشتمل تھا اور پارمینیو ان کی کمانداری کر رہا تھا۔ اس کی تین رجمنٹیں تھیں۔ ان لوگوں کو گزشتہ تجربات کی بنا پر یقین تھا کہ پارمینیو پیش قدمی سے پہلے فیلقوس کے حکم کا انتظار کرے گا۔ فیلقوس کی طرف سے کوئی حکم نہ آیا۔ وہ کسی قدر فاصلے پر تھیز کی فوج سے جنگ میں مصروف تھا۔ مقدونوی سواروں نے دور سے شور و غل سن کر اندازہ کر لیا تھا کہ ہماری فوج پیچھے ہٹ کر ڈھلان کی طرف آ رہی ہے گویا تھیز کی پیش قدمی روکی نہیں جا سکی۔ انتظار کی زحمت کے آثار ان سواروں کے چہروں پر ہویدا تھے، اگرچہ وہ اس قسم کے مواقع کے عادی ہو چکے تھے۔ درختوں کے جھنڈ اور اڑتے ہوئے گرد و غبار سے انہیں صرف یہ نظر آ رہا تھا کہ معاونوں[5] کی رجمنٹ بائیں طرف لڑ رہی ہے۔ بعض اوقات کریٹ کے تیر اندازوں کی گھا گھرا کی پلٹن ڈھلان میں سے گزرتی اور سواروں کی آنکھوں کے سامنے پردہ سا تن جاتا۔ بس اس سے زیادہ انہیں کچھ نظر نہ آتا تھا۔

آخر ان سواروں نے بے چین ہو کر اپنے اینٹھے ہوئے بازوؤں پر ڈھالیں درست

Marfat.com

کیں لیکن وہ بات چیت نہ کر رہے تھے۔ اس لئے کہ ان کی توجہ حالات پر جمی ہوئی تھی اور وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ بہرحال وہ حکم کے انتظار میں بدستور کھڑے رہتے لیکن یکایک ایک سوار قطار سے آگے بڑھا اور یہ فیلقوس کا بیٹا سکندر تھا۔

سکندر بھی اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ہمراہیوں کے ساتھ حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے جسم کی ایک ایک رگ اس انداز میں تڑپ رہی تھی گویا پھٹ جائے گی۔ اسے ہفاسٹن کے ساتھ ایک رجمنٹ کے کماندار کی حیثیت میں مقرر کر دیا گیا تھا، حالانکہ رجمنٹ کا اصل کماندار پارمینیو کا تجربہ کار فرزند فیلوٹس [6] تھا۔ سکندر کے پاس کلائٹس [7] نام کا ایک سوار کھڑا تھا۔ اس کا بدن دھوپ کی شدت سے اس طرح جھلس گیا تھا جس طرح جلی ہوئی لکڑی ہوتی ہے۔ کلائٹس کو تاکید کر دی گئی تھی کہ سکندر کی حفاظت کا خیال رکھے۔ وہ سکندر کے گھٹنے سے گھٹنا ملائے کھڑا تھا۔ اس اثناء میں بیوسی فالس (سکندر کا گھوڑا) بے چین ہو کر آگے بڑھا۔ سکندر کے برہنہ گھٹنوں پر رعشہ طاری تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ سے پسینہ پونچھا۔ یہ خیال اسے پریشان کر رہا تھا کہ اڑتی ہوئی گرد کے آگے گرداب ہلاکت ہے جس میں گھوڑا اسے کھینچے لئے جا رہا تھا۔ وہاں شور و غل بپا تھا بلکہ کہنا چاہئے شور لہروں کی طرح اٹھ رہا تھا۔ سکندر ہانپ رہا تھا اور اس کا گلا خشک ہو چکا تھا۔ وہ اس طرح خوف کی گرفت میں آ چکا تھا جیسے زنجیر گلے میں باندھ کر لحظہ بہ لحظہ اسے کسا جائے۔ دھوپ کی تیزی نے اس کی نگاہوں کو خیرہ کر رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پیچھے اور سوار بھی منتظر کھڑے ہیں تاہم اس پر خوف نے غلبہ پا لیا تھا خنکی لہر اس کے معدے پر اثر انداز ہوئی اور ابکائی سی آنے لگی جسے روکنے کیلئے اس نے کھانسنا شروع کیا۔ کلائٹس نے اپنے بازو کے ایک زخم سے کھرنڈ اتارا۔ اس اثناء میں درختوں سے آگے جو شور و غل بپا تھا اس نے مرغابیوں کی چیخ و پکار کا رنگ اختیار کر لیا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ وہاں مرغابیاں کیسے آ گئیں؟ سکندر کو ابکائی روکنے کیلئے آگے بڑھنا پڑا۔ اس نے گھوڑے کی باگ ہلائی۔ گھٹنوں کی گرفت مضبوط کر لی۔ بیوسی فالس نے بے اختیار ہو کر چھلانگ لگائی۔ کلائٹس نے اسے روکنا چاہا اور درخت کی شاخ تازیانے کی طرح سکندر کے چہرے پر لگی۔

Marfat.com

اس نے اپنی ڈھال اوپر اٹھائی اور ذرا جھک گیا اور تیر اندازوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزر گیا۔ جو حیرت زدہ اس کے کندھوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دوسرے سوار بھی اس کے پیچھے دوڑے لیکن سکندر انہیں نہ دیکھ سکا۔ اس اثناء میں اس کی ڈھال پر ضربیں لگیں۔ بیوسی فالس اچھلا، سکندر نے گھٹنوں کی گرفت اور مضبوط بنالی، اچانک اسے معلوم ہوا کہ گھوڑے نے لمبی چھلانگ لگائی ہے۔ آدمیوں کا ایک گروہ لڑھکتا ہوا ادھر ادھر بکھیرا۔ اب اسے محسوس ہوا کہ گھوڑا بہت تیز جا رہا ہے۔ اس نے شوریدہ سر گھوڑے کو تھامنے کی کوشش کی۔ گردوغبار کے پردے میں سے آدمی نکلے جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے برچھیوں کی قطار کا رخ سکندر کی طرف پھیر دیا۔ سکندر نے اپنی ڈھال میں پناہ لی۔ اس اثناء میں سیاہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ لڑکھڑا کر سنبھلا اور بدستور دوڑنے لگا۔ سامنے دو زخمی پیٹھ جوڑے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے گویا کچھ اشارے کر رہے تھے۔

آخر سکندر نے گھوڑے پر قابو پایا اور اسے روکا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک ندی کے کنارے کی جھاڑیوں میں پہنچا ہوا ہے۔ وہاں شور تو اس کے کان میں پہنچ رہا تھا لیکن یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اسے سخت پیاس لگ رہی تھی۔ گھوڑے سے اترا، باگ اپنی کلائی پر لپیٹی اور زمین پر لیٹ کر پانی پیا، نیز اپنا سر دھولیا۔ پھر وہ آنکھیں پونچھتا ہوا اٹھا تو بیوسی فالس بھی پاس ہی پانی پی رہا تھا۔ گھوڑا پانی پی چکا تو سکندر نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب اس کا خوف زائل ہو چکا تھا لیکن وہ آگے بڑھنا نہ چاہتا تھا۔ البتہ جھاڑیوں سے پرے آدمی بھی بول رہے تھے اور گاڑیاں چلنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ فضا کا رنگ بدل رہا ہے سورج کی چکاچوند باقی نہیں رہی، بادل چھا رہے ہیں اور اس وجہ سے پہاڑی کی چوٹی پر اندھیرا اچھل رہا ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور جھاڑیوں میں سے باہر نکلا۔ ایک باغیچے میں سے ہوتا ہوا آگے بڑھا تو سنگ مرمر کا ایک مندر ملا، جہاں بہت سے آدمی انبار در انبار بے حس و حرکت پڑے تھے۔ اس نے یہ اندازہ کرنے کی کوشش کی کہ کتنا

Marfat.com

وقت گزر چکا ہوگا لیکن ناکام رہا۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس سراسیمگی زدہ سرزمین میں لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ جابجا صرف آگ نظر آ رہی تھی جو پہریداروں نے جلا رکھی تھی۔

یکا یک کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی ذرا لنگڑا کر چلتا ہوا کچھ ڈھونڈ رہا ہے۔ ایک زخمی سپاہی کی آواز سنی تو اس کی بات سننے کیلئے ذرا جھک گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلح سپر برداروں کا ایک جیش بڑی ترتیب سے چل رہا تھا۔ سکندر ذرا قریب پہنچا تو پہچان لیا کہ یہ تو میرا باپ فیلقوس ہے۔ باپ نے دیکھا تو کہا: ''قادر و توانا ڈیوتاؤں کی حمد ہو'' یہ کہتے ہی اس نے سکندر کو گلے سے لگا لیا اور ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا کہ جسم پر کوئی ضرب تو نہیں لگی۔ پھر بولا: ''فلوٹس قسم کھا کر کہتا تھا کہ تم گاؤں میں اس طرح گم ہوئے گویا شیطان تمہیں اٹھا کر لے گیا۔ سب لوگ تمہاری لاش تلاش کرتے پھرتے تھے۔ اب تم سلامت مل گئے اور میں شکرانے میں سونا ڈلفی کے مندر کی نذر کروں گا۔''

اس نے خوب شراب پی رکھی تھی۔ یکا یک ایک قسم کھائی اور کہا: ''بیٹا! یہ بتاؤ تم حکم پہنچے بغیر سواروں کی رجمنٹ سے آگے کیوں نکل گئے؟ میں نے پارمینیو کو پیش قدمی کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ پیش قدمی کا وقت بھی نہ تھا۔ سوار کہتے ہیں کہ ہم نے فلوٹس کی پیروی کی اور فلوٹس کہتا ہے کہ میں تمہارے پیچھے روانہ ہوا۔ بھلا تمہارے کان میں شیطان نے کیا پھونک دیا تھا؟''

سکندر: مجھے کچھ معلوم نہیں، میں ڈر گیا تھا۔

فیلقوس نے بیٹے کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ شراب کی بو اس کے سانس میں بسی ہوئی تھی۔ پھر بولا: ''ڈر گئے، یہ کیا کہتے ہو؟ یہ کہو کہ کاٹیرونیا کے ٹیلے پر ٹھہرنا آسان نہ تھا۔ پارمینیو کی شکل ایسی نظر آتی تھی جیسے کوئی بھوت ہو۔ مجھ پر بھی گھبراہٹ طاری تھی جہاں جنگ ہو وہاں اس قسم کے حالات پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ بس یہ ضروری ہے کہ جب تک مقصد پورا نہ ہو جائے دماغ کو گھبراہٹ سے محفوظ رکھا جائے......''

سکندر کو ڈر تھا کہ باپ خفا ہوگا۔ اس کی زبان سے حوصلہ افزاء باتیں سن کر وہ مطمئن ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے شاہ بلوط کے جنگل میں سکندر کو جو تجربہ ہوا تھا فیلقوس نے اس کا اندازہ

Marfat.com

کر لیا تھا۔ پھر فیلقوس اندھیرے میں ادھر ادھر نظر ڈالتا ہوا لعن طعن کرتا رہا۔ وہ کہتا تھا کہ چند گھنٹوں میں بہت سے آدمی مارے گئے۔ غلطی یہ ہوئی کہ میرے رسالے نے جنگ کا پانسا پلٹنے سے پیشتر ہلہ بول دیا۔

اس نے سکندر کو ساتھ لیا اور اندھیرے میں لاشوں کو پھاندتا ہوا آگے بڑھا لعن طعن بدستور جاری تھا۔ زبان بدستور درشت گوئی کے تازیانے برسا رہی تھی جو غلطیاں ہوئیں ان کی مذمت کر رہا تھا۔ وہ کہتا تھا میرا منصوبہ یہ تھا کہ تھیبز کی سپاہ آگے بڑھی چلی آئے۔ میں نے اس کے سامنے ایک معمولی سی فوج برائے نام کھڑی کر دی تھی۔ جب ایتھنز کے بھاری ہتھیاروں والے دستے بھی پیچھے پیچھے روانہ ہوئے تو میں اس انتظار میں رکا رہا کہ وہ اپنی فتح مندی کا یقین کرتے ہوئے ترتیب سے بے پرواہ ہو جائیں۔ اس وقت رسالہ خاص کو حملہ کرنا چاہیے تھا۔ معاونِ رسالہ اور تھسلی کے سوار اس کے ساتھ ہوتے۔

سکندر کو وہ لمحہ کبھی فراموش نہ ہوا جب فیلقوس اسے ڈھلان پر لے گیا جہاں سپاہی لاشوں میں ہتھیار تلاش کر رہے تھے۔ اگرچہ وہ شراب میں بدمست تھا لیکن اس کے دماغ پر شراب کا کوئی اثر نہ تھا۔ اس نے بتایا کہ تھیبز کی سپاہ یہاں کھڑی تھی جب میری عمر اتنی تھی جتنی اب تمہاری ہے تو انہیں قواعد کرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ وہ اہلِ ایتھنز کی طرح تتر بتر نہ ہوئے اور ہمیں مجبور ہو کر انہیں موت کے گھاٹ اتارنا پڑا...... ان گونگے بدمعاشوں کے جسم لوہے کے معلوم ہوتے تھے۔

اندھیرے میں لنگڑاتے ہوئے چلتے چلتے فیلقوس نے گنگنانا شروع کر دیا۔ پھر نہایت عمدہ یونانی زبان میں کچھ بولنے لگا۔ غور سے سنا تو ڈیماستھنیز کے ایک خطبے کے چند فقرے تھے جو اس نے حفظ کر رکھے تھے یعنی:

ہماری مرزبوم کے سرچشموں کے پاس، ان دریاؤں کے پاس جو ہماری زمینوں کو سیراب کرتے ہیں، ان پہاڑوں کے پاس جن کی وجہ سے ہمارے گھربار محفوظ ہیں......

شرۂ آفاق خطیب کی ڈھال بھی مل گئی جس پر ''بختیار'' ثبت تھا۔ لوگوں نے بیان کیا

Marfat.com

کہ ڈیما ستھنیز کے ساتھی بھاگے تو وہ خود بھی اپنے ہتھیار پھینک کر بے بسی کی حالت میں کاٹیرونیا کی وادی سے بھاگ نکلا۔ بعد میں ایتھنز والوں نے اس سے بہ اصرار درخواست کی کہ عوام کے سامنے کوئی خطبہ دو۔ ڈیما ستھنیز نے انکار کر دیا اور کہا کہ جو کچھ کہنا تھا وہ کاٹیرونیا کہہ چکا ہے اب میرے بولنے کیلئے کون سی گنجائش باقی رہ گئی ہے۔[8]

کاٹیرونیا کی تباہی خیز شکست اہلِ ایتھنز کیلئے ایک خوفناک ضرب تھی۔ پھر جب انہوں نے سنا کہ شاہ مقدونیہ نے تھبیز پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے اپنی فوج بٹھا دی ہے تو ہراس سے ان پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اب ان کی خواہش یہ تھی کہ فیلقوس کو مطمئن کرنے کیلئے ڈیما ستھنیز کو اس کے حوالے کر دیں جس کا زورِ خطابت جنگ کی انگیخت کا موجب بنا تھا۔ چنانچہ ڈیما ستھنیز بازار میں نکلا تو ہر طرف اسے اس پر آوازے کسے گئے اور اسے زہریلا سانپ قرار دیا گیا۔ سیاسی خطیبوں نے اکابر کو بتایا کہ ڈیما ستھنیز کی تقریروں سے چراغ مطالعہ کے دھوئیں کی بو آ رہی تھی۔ اس قسم کے ایک آوازے کے جواب میں ڈیما ستھنیز نے کہا کہ میرے چراغ مطالعہ کا دھواں اتنا بدبودار نہیں جتنا کہ تمہارا ہے۔

لیکن یہ دیکھ کر سب حیران ہو گئے کہ فیلقوس نے ایتھنز کی عظیم الشان جمہوریت سے ایسا کوئی مطالبہ نہ کیا۔ اس شہر کے لئے اس کے دل میں ناقابلِ بیان احترام موجزن تھا جسے بالا حصار[9] سے زیب و زینت حاصل تھی۔ وہ اس شہر کا ویسا ہی قدردان تھا جیسے پہاڑی علاقوں کے رہنے والے دوسرے کم تہذیب یافتہ لوگ قدردان تھے۔ اس نے جابجا خیر سگالی کے وفود ارسال کر دیئے۔ سکندر اور ہفااسشن کو ایتھنز بھیجا گیا۔ موقعے سے فائدہ اٹھا کر سکندر نے بڑے شوق سے ایتھنز کے تمام مشہور مقامات دیکھے، تعلیم یافتہ لوگوں کے ہجوم میں جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ چنانچہ اس نے آریوپیکس[10] کی قدیم پہاڑی دیکھی۔ ٹھنڈی راتوں میں ڈیونی سوس[11] کے تھیٹر بیں نشست گاہوں کی مرمریں قطار کے سامنے بیٹھا جن کے بازو بڑے خوبصورت بنے ہوئے تھے۔ مشعلوں کی روشنی سے منور باغوں میں خوش مذاق طوائفوں کے ساتھ سیاسیات پر گفتگو کی جنہیں بحری تجارت کے متعلق ہر قسم کی

Marfat.com

معلومات نوکِ زباں تھی۔ سوفسطائیوں کے مہذب خیالات سے استفادہ کیا۔ مصر قدیم کی عجیب وغریب کہانیاں سنیں جہاں ابوالہول[12] کی زبان پر پیشگوئیاں جاری رہتی تھیں۔

مقدونوی نوجوان یعنی سکندر نے لی سیم[13] میں افلاطون کے شاگردوں سے بھی چلتے پھرتے بات چیت کی۔ لی سیم کا نام لائی کوس[14] کے نام پر رکھا گیا تھا جو بھیڑیا تھا۔ اس موقع پر ہفااسشن نے خوش طبعی کے انداز میں سکندر سے کہا: دیکھیے یہاں انسانی ارتقاء کا پورا نقشہ کھلا پڑا ہے۔ بھیڑیئے نے ہیرو کی شکل اختیار کی، ہیرو فلسفی بن گیا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ارتقاء کی اگلی منزل کیا ہوگی۔

پھر سکندر پارتھی[15] نان کے نیچے پہاڑی پر شہری کونسل کے ممبروں کے پاس بیٹھا تو ہفااسشن ان مدبروں کی بات چیت سے بالکل متاثر نہ ہوا۔ اس نے کہا: ''یہ لوگ اپنے گزارے کے لیے خزانہ عامہ سے خیرات وصول کرتے ہیں اور یہاں دن بھر بیٹھے بحثیں کرتے رہتے ہیں کہ اپنے متعلق انہیں کیا کرنا چاہیے؟'' لیکن یقین ہے کہ سکندر کو اپنے درشت خو اتالیق ارسطو کا یہ قول یاد آ گیا ہوگا کہ اہلِ ایتھنز مثالی نظامِ حکومت کی تلاش میں حقیقت سے بہت دور جا پڑے ہیں اور وہ بے سروپا خیالات میں گم ہو گئے ہیں۔

سکندر ان سفید ریش بزرگوں سے بھی ملا جو سفوکلیز[16] سے ہنسی مذاق کر چکے تھے اور جنہوں نے یوری پائیڈیز کے ڈرامے نمائش کی پہلی رات میں دیکھے تھے مثلاً ٹرویاڈیز[17] اس ڈرامے میں عورتوں اور اقوام مردوں کی کہانی ڈرامے کی شکل میں پیش کی گئی تھی۔ لاابالی ارسٹوفنیز نے اپنے ڈرامے کی بی سسٹریٹا[18] فوراً اس کا خاکہ اڑایا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایتھنز کی عورتیں اپنے خیالات میں مردوں سے زیادہ جدت پسند تھیں۔ وہ بات بات پر دوسروں کے حکیمانہ اقوال پیش کرتی رہتیں۔ مثلاً ایک نے کہا جب میں دیکھتی ہوں کہ دیوتاؤں نے مجھے اس درجہ دولت مند بنا دیا ہے تو پھر مجھے ان کی مصلحتوں سے تعرض کی کیا ضرورت ہے۔

یہ تعلیم یافتہ عورتیں بڑی خوشگوار ملکہ اعلیٰ رفیق تھیں، وہ اپنی خوشیوں کو غیر مہذب مقدونیوں سے چھپاتیں کیونکہ ان پر آشکار ہو چکا تھا کہ یہ پہاڑی لوگ اگرچہ زیادہ دولت

Marfat.com

مند نہیں لیکن یونان میں سب سے بڑھ کر با اثر بن رہے ہیں۔

سکندر کو بچے کہیں کھیلتے ہوئے نظر نہ آئے۔ ہفااسشن نے اس کا سبب یہ بتایا کہ اہلِ ایتھنز پسند نہیں کرتے ان کے بچے ادھر ادھر دوڑتے پھریں، روٹی کے لئے بھیک مانگیں اور ہر آنے والے کو "اباجان" کہہ کر پکاریں۔ لوگ کثرتِ اولاد کے خواہاں بھی نہیں اور اسقاط پر کاربند ہیں جو حال ہی کی ایجاد ہے۔ یہ طرزِ عمل اچھا ہو یا برا لیکن اس سے آبادی بڑھنے نہیں پاتی، ہماری عورتوں کا معاملہ دوسرا ہے۔ وہ میانے اور ڈولیاں استعمال کرتی ہیں۔ آپ نے تھائیس 19 نامی لڑکی دیکھی اسے بچہ پیدا ہونے کا خیال کیسے آسکتا ہے؟ وہ خود بچہ ہے۔

ہفااسشن کو طوائفوں کے اثر و رسوخ میں کوئی مضائقہ محسوس نہ ہوتا۔ وہ کہتا تھا کہ دیکھئے میں نے بھی اپنا جسم بیچ ڈالا ہے لیکن کیا حاصل کیا؟ سخت ضربیں لگاتا ہوں او ویسے ہی ضربیں کھاتا ہوں۔ یہ طوائفیں بھی اپنے جسم بیچتیں ہیں اور لوگوں کیلئے تعلیم کے مواقع بہم پہنچاتی ہیں۔

ایتھنز بعض اور خصوصیتوں میں بھی پیلا سے مختلف تھا وہاں دولت کی ریل پیل تھی۔ محاصل بھی بہت زیادہ وصول کئے جاتے تھے۔ محکم جزیروں سے خراج بھی وصول ہوتا تھا اور بحری تجارت بھی خوب عروج پر تھی۔ دولت کی فراوانی ہی کے باعث شہر کی سڑکیں اور بازار کشادہ اور سایہ دار تھے اور بڑی بڑی پبلک عمارتیں بن گئی تھیں۔ دکانوں کے سامنے ہر وقت چاندی کے سکوں کی جھنکار سنی جاتی تھی۔ پیلا کے مقابلے میں یہاں چیزوں کی قیمتیں بہت گراں تھیں۔ بندرگاہ میں تجارتی جہاز کھڑے تھے جن پر سے غلہ اتارا جا رہا تھا۔ یہ غلہ بحیرہ اسود کی بندرگاہوں سے آتا تھا۔ دور افتاد جزیروں سے مختلف چیزیں آتی تھیں۔ مثلاً سیاہ فام اور سفید فام غلام نیز مختلف قسم کی دھاتیں اور لکڑی۔ جو عمارتیں ساحل بحر پر واقع تھیں، ان میں سے شراب کی تیز بو اڑتی رہتی تھی۔ ارسطو نے سکندر کو سکھا دیا تھا کہ جب کوئی نیا منظر دیکھو تو اس کے اسباب پر غور کرو۔ چنانچہ سکندر نے بھی بہت جلد معلوم کر لیا کہ دولت کی ریل پیل ہر لحظہ بڑھتی ہوئی قیمتوں کا نتیجہ ہے۔ مال اسباب کے نرخ اونچے ہو رہے ہے

Marfat.com

ہیں، مزدوری ارزاں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد بیروزگار پھر رہی ہے اور باہر سے غلام بکثرت پہنچ رہے ہیں۔ نیز ایتھنز اپنی نئی صنعتوں کیلئے مشرقی جانب کے دورافتادہ جزیروں سے اور ساحل ایشیا سے خام مال لارہا ہے۔ دولت کی ریل پیل ہی نے خانہ جنگی کے دور سے تین نسل بعد ایتھنز میں امراء کا نیا گروہ پیدا کر دیا۔

بازار آدمیوں سے بھرے رہتے تھے لیکن سکندر کو ہر بازار سے ایتھینا دیوی کا عظیم الشان مجسمہ صاف نظر آرہا تھا جو سونے اور ہاتھی دانت سے بنایا گیا تھا اور نیل گوں آسمان کے نیچے اس کا نظارہ بہت دلکش معلوم ہوتا تھا۔ اس کے مقابلے میں وہ اپنے شہر کی قربان گاہ میں دیوتاؤں کے چھوٹے چھوٹے بتوں کا تصور کرتا تو اسے بڑی شرم محسوس ہوتی۔ ایتھنز میں اسے بہت سے آدمی ملے جو ایسوکریٹیز [20] سے گفتگوئیں کر چکے تھے۔ وہ سو سال کی عمر پا کر پچھلے ہی سال فوت ہوا تھا۔ اس نے بھی ڈیماستھنیز کی طرح اپنی عمر ایک مثالی جمہوری نظام کی تلاش میں بسر کر دی تھی لیکن ڈیماستھنیز کے برعکس اس کا عقیدہ یہ تھا کہ یونان کی شہری ریاستوں پر زوال وانحطاط کا دور طاری ہو چکا ہے۔

اہلِ ایتھنز ایسوکریٹیز کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے: بھلا ہم زوال کے کیوں کر قائل ہو جائیں جب اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ ایتھنز کی تجارت اتنی وسیع کبھی نہ ہوئی تھی جتنی اب ہے۔ اتنی نو آبادیاں بھی اس کے پاس کبھی تھیں۔ البتہ ان کی بندرگاہوں کی تجارت ہاتھ سے نکل چکی ہے جن پر اہلِ مقدونیہ نے قبضہ جما لیا ہے۔ آبادی کے اعداد، چاندی کے محفوظ انبار، سکولوں اور شہری عمارتوں کا شمار غرض ہر شے ایسوکریٹیز کے خیال کی تردید کر رہی ہے۔ وہ کہتے کہ ایسوکریٹیز کے ذہن میں اس عہد کا نقشہ جما ہوا تھا جب ہمارے بہت سے آدمی کھیتی باڑی کرتے تھے اور موجودہ دور کی صنعت وحرفت نے چنداں ترقی نہ کی تھی۔ بس اسی نقشے کی بنا پر بڑھاپے میں زوال وانحطاط کا حکم لگاتا رہا۔ سپارٹا، ایتھنز، آرگوش، ڈلفی، کارنتھ اور تھیبز، ان سب کے درمیان پہلے اقتدار اعلیٰ کے لئے پھر تجارت کیلئے کشمکش جاری رہی۔ اب ان تمام ریاستوں میں دولت مندوں اور مزدوروں

Marfat.com

کے درمیان تنازعات شروع ہو چکے ہیں۔ ایسوکریٹیز کا دعویٰ اسی دلیل پر مبنی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے کاٹیرونیا میں شکست کی خبر سنی تو اتنا صدمہ ہوا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا اور طبعی موت نہیں مرا بلکہ خودکشی کی۔

اس بوڑھے فلسفی نے شہری ریاستوں کو اس بنا پر مجرم قرار دیا تھا کہ جنگ سلیمس پر ایک صدی سے بھی زیادہ مدت گزر چکی تو انہوں نے ایرانی قوت کے سامنے جھکنا قبول کر لیا۔ وہ کہتا تھا کہ ایرانیوں کے تدبر اور دولت نے وہ فتح حاصل کی جو ان کے بیڑے اور فوجیں سلیمس اور پلاٹیا میں حاصل نہ کر سکے۔ طاقتور ایرانیوں نے سپارٹا کو ترغیب دے کر باہمی امداد کے معاہدے پر دستخط حاصل کر لئے۔ یونانیوں نے ایشیا میں جو نوآبادیاں قائم کی تھیں وہ بھی ایرانی سلطنت کے زیرِ اقتدار چلی گئیں۔ ایرانی بیڑے سمندروں پر چھائے ہوئے ہیں اور ایرانی زر و مال ایتھنز کی مجلسِ منتظمہ کے انتخابات میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کہتا تھا کہ ان حالات میں یونانی شہری ریاستیں اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتیں جب تک متحد ہو کر ایشیائی سلطنت کے سنہری جوئے سے آزادی حاصل نہ کر لیں۔ ان کا فرض ہے کہ ایران کے خلاف کھلم کھلا جنگ کریں۔ اپنی فوجیں سمندر میں سے گزار کر ایشیا پہنچیں اور اپنی نوآبادیوں کو آزاد کرائیں۔ اگر یونانی جمہوریتوں کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی قدیم میراث حاصل کرنے کے خواہاں ہیں تو اس کی صورت یہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔

ایسوکریٹیز کو اس حقیقت کے اعتراف میں تامل نہ تھا کہ ممکن ہے ایشیائی جنگ کے لئے اتحاد کے سلسلے میں فیلقوس شاہ مقدونیہ کی سرداری قبول کر لینا ناگزیر ہو جائے۔ اسے یونانیوں سے بہت قریبی تعلق ہے اور تنہا وہی ہے جو ایسی جنگ کا نظم و نسق سنبھال سکتا ہے۔ ایسوکریٹیز کی یہ رائے اہلِ ایتھنز کو خوب یاد تھی۔ کاٹیرونیا کی جنگ کے بعد فیلقوس نے تھیبز پر قبضہ کر لیا تھا لیکن ایتھنز کا اقتدار بحال رکھا۔ اس خوشی میں انہوں نے فیلقوس کو ایتھنز کا شہری قرار دے دیا تھا۔ وہ ایسوکریٹیز کے تمام انتباہات بھول گئے۔ صرف یہ آخری مشورہ یاد رکھا کہ فیلقوس کی سرداری منظور کر لی جائے چنانچہ جب خوفناک مقدونوی فوج کی جگہ سکندر

Marfat.com

اور اس کے رفیق ایتھنز پہنچے تو اہلِ شہر نے فیلقوس کے ہونہار بیٹے کی خوب آؤ بھگت کی۔ صرف ڈیماستھینز کے دوست کہتے تھے کہ بھیڑیئے کا بچہ بھی بہرحال بھیڑیا ہی ہوتا ہے۔

فیلقوس نے جنگ کائیرونیا کے بعد اپنے بیٹے کو خیرسگالی کا قاصد بنا کر بھیجا تو یہ تدبر کا حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ اسے اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے معلوم ہو چکا تھا کہ حریف شہریوں کو ابھی تک اپنے اعمال کا جائزہ لینے کا وقت نہیں مل سکا۔ اس نے فوراً کارنتھ میں ایک مجلسِ شوریٰ کے انعقاد کا اعلان کر دیا اور تمام یونان کے شہروں کو نمائندے بھیجنے کی دعوت دے دی۔ اس مجلس میں جو مسائل پیش کیے فیلقوس نے انہیں توجہ سے سنا اور ہر ایک مسئلے کا حل بتا دیا۔ ان میں اتحاد و اتفاق ناپید تھا۔ فیلقوس نے سپارٹا کو چھوڑ کر تمام شہروں کی ایک جمعیت بنا دی جس کا نام ''جمعیت متحدہ یونان'' رکھا گیا۔ اس جمعیت کی ایک مجلس منتظمہ قائم کر دی گئی۔ فیلقوس نے اعلان کر دیا کہ دورانِ جنگ کے سوا میں مجلس منتظمہ کے کسی بھی کام میں دخل نہ دوں گا۔ ہر شہری ریاست کے نظامِ حکومت اس کی نجی جائیدادوں اور حقوق کی حفاظت کا اقرار کر لیا۔ کسی شہر پر خراج کی بھی کوئی رقم عائد نہ کی۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر ریاستوں کے درمیان کوئی خطرناک اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے میرے پاس لانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے متعلق مذہبی کونسل کو فیصلے کی مجاز تسلیم کر لیا جائے۔

فیلقوس نے ایسوکریٹیز کا نقشۂ عمل بھی منظور کر لیا۔ اس نے کہا کہ میں متحدہ یونانی فوج کو ساتھ لے کر ایرانیوں سے جنگ کروں گا۔ سمندروں کو ان کے قبضے سے چھڑا لوں گا۔ یونانی نوآبادیوں کو آزادی دلاؤں گا اور یونان کے حقیقی جاہ و جلال کو بحال کر دوں گا۔ میں مقدونیہ کے بادشاہ کی حیثیت میں نہیں بلکہ یونانیوں کے سپہ سالار کی حیثیت میں کام کروں گا۔ میں ہر شہر کو دعوت دوں گا کہ وہ رضا کار پیادہ فوج بھیج دے۔ صرف سپارٹا کو مستثنیٰ رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس نے ایرانیوں سے حلیفی کا عہد نامہ کر لیا ہے۔ اہلِ سپارٹا نے خود بھی نئی ''جمعیت متحدہ یونان'' میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں ہمیشہ سرداری کا منصب حاصل رہا ہے اور ہم کسی غیر کی سرداری قبول نہیں کر سکتے۔

تمام یونانی نمائندوں نے اس بنا پر فیلقوس کا نقشۂ عمل منظور کر لیا کہ انہیں فاتح کو کچھ

Marfat.com

دینا نہ پڑا تھا۔ ان کا کوئی نقصان بھی نہ تھا۔ البتہ وقار واقتدار حاصل کر لینے کے امکانات موجود تھے اور یونان کی عظمت بحال ہوتی تھی۔ سکندر بھی کارنتھ کی مجلس میں شریک تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے باپ کو یونان کا نجات دہندہ اور وقت کا سب سے بڑا مدبر قرار دیا گیا۔ کارنتھ کی مجلس کا فیصلہ ڈیما ستھنیز نے سنا تو وہ خود بخود شہر چھوڑ کر جلاوطنی کیلئے تیار ہو گیا۔ اس نے کہا میں سب کچھ برداشت کرسکتا ہوں لیکن یونانی جمہوریت کے خاتمے کا شاہد نہیں بن سکتا۔

فیلقوس نے غور و مشورہ کے بعد ہر شہر کے حصہ کی فوج مقرر کردی اور اعلان کیا کہ میں آئندہ سال درۂ دانیال کی طرف پیش قدمی کروں گا اور ہر شہر کی فوج کو شاہراہ عام پر آ کر میرے ساتھ شامل ہو جانا چاہئے۔ اس نے اپنے افسر خاص پارمینیو کو ابتدائی فوج دے کر آگے بھیج دیا تاکہ آبنائے کے ایشیائی ساحل پر قدم گاہ کا بندوبست کرے۔ سکندر کو اس نے اپنے پاس رکھا تاکہ وہ بدتر گزاریوں سے آگاہ رہے اور اپنے ضعیف العقل بیٹے ارہی ڈالیس کو بھی ساتھ کردیا تاکہ اس کی شادی ایشیائی ساحل پر بسنے والے ایک معمولی امیر کی بیٹی سے کردی جائے۔

اب فیلقوس بالکل مطمئن ہو گیا اس لئے کہ کاٹیرونیا میں جو جانیں تلف ہوئی تھیں ان کی تلافی گفت و شنید کے ذریعے سے کارنتھ میں ہو گئی تھی۔ جو یونانی وہاں جمع ہوئے تھے انہیں ہم خیال بنا لینا بدرجہا بڑی کامیابی کا مرقع تھا۔ اس طرح مقدونیہ کی سلطنت کا پایہ پوری طرح استوار ہو چکا تھا۔ الہامی دوراندیشی سے یہ سب کچھ انجام دے لینے کے بعد فیلقوس پیلا پہنچا اور عیش و راحت میں مصروف ہو گیا۔ اہلِ مقدونیہ کو بھی اس نے جشن منانے کی اجازت دے دی۔ کامیابی و فیروزمندی کی اس ساعتِ عروج میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس وقت لوگوں کو پتھیا کی کاہنہ کی یہ پیشگوئی یاد آئی کہ کاٹیرونیا کے میدان میں مفتوح روئیں گے اور فاتح مارا جائے گا۔

اولمپیاس کو جب یہ اطلاع مل گئی کہ ملکہ نہیں رہی تو وہ اپنے ذاتی نوکروں کو ساتھ لے کر ایک الگ مکان میں چلی گئی جو قبرستان کے نزدیک واقع تھا۔ مقصد یہ تھا کہ فیلقوس اور اس

Marfat.com

کی نئی بیوی سے ملنے کا کوئی موقع نہ آئے۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے تمام ریشمی لباس اتار دیئے اور ایک سیاہ بالا پوش پہن لیا۔ ہر وقت اون کاتتی رہتی اور گھنٹوں اپنے چرخے کے سامنے چپ چاپ بیٹھی رہتی۔ باہر نکلتی تو پردہ دار میانے میں نکلتی تا کہ پیلا کے بازاروں میں کوئی اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ اگرچہ میانے کو دیکھتے ہی ہر شخص کی توجہ اس کی طرف ہو جاتی۔ لوگ اس بات سے بڑے حیران ہوتے تھے کہ ابھی دس کی جس شہزادی نے ملکہ ہونے کی حیثیت میں الگ تھلگ رہنا قبول نہ کیا وہ طلاق پاتے ہی کیوں کر نقاب پوش بن گئی۔ ٹہلنے کیلئے نکلتی تو صرف رات کے وقت اور صرف قبرستان میں ٹہلتی۔ جب رات کی تاریکی ہر طرف خوب چھا جاتی اور اپنے مکان کی کھڑکی میں بیٹھ کر وہ باہر کی طرف دیکھتی تو نظر آتا کہ ہر جانب سے لوگوں کا ہجوم پیلا پہنچ رہا ہے مثلاً سور [21] یا قرطاجنہ [22] کے تاجر جنگی سامان لے کر آتے، بربری قبائل اپنے سفیر بھیجتے، یونانی طوائفیں اور کارندے بھی بکثرت آتے۔ غرض ایک سال کے اندر اندر فیلقوس کا دربار پورے یونان کا مرکز بن گیا۔ اولمپیاس اپنے ابتدائی دور میں ایسی ہی فتح و کامرانی کا تصور کیا کرتی تھی۔ اپنے بیٹے کے سامنے اس نے گردشِ دوراں کی کبھی شکایت نہ کی، زیادہ سے زیادہ کہا تو یہ کہ تقدیر جن لوگوں کو کامیابی کی سربلندی عطا کرتی ہے، انہیں نیچے بھی گرا دیتی ہے۔ اب سکندر کے سوا اس کی امید گاہ کوئی نہ تھی۔ اسے خوف تھا تو یہ کہ فیلقوس شراب پی کر جو سختیاں کیا کرتا تھا ان سے سکندر کو محفوظ رکھنے کیلئے خود کچھ نہ کر سکتی تھی۔ اون کاتتے ہوئے سکندر سے کہتی جب تم میرے بطن میں تھے تو میں نے ایک بڑے دیوتا کے سامنے حلف اٹھایا تھا کہ تمہاری حفاظت کا فرض کبھی فراموش نہ کروں گا۔

نئی ملکہ قلوپطرہ کے رشتے داروں کا طرزِ عمل بہت گستاخانہ ہو گیا تھا۔ وہ بار بار سکندر کو سمجھاتی کہ ان لوگوں سے بچے رہنا۔ سنا جاتا تھا کہ قلوپطرہ کو بچہ ہونے والا ہے وہ سمجھتی کہ اسی کا خاندان پیلا کا مالک و مختار بن جائے گا۔ سکندر کو اپنی جوشیلی ماں کی یہ نرمی بڑی ہی عجیب معلوم ہوتی۔ وہ ہمیشہ کہتی مجھے تمہاری جان کا خوف ہے۔

سکندر نے دیکھا کہ فیلقوس پہلے شیر کے تاج والے بنچ پر جشنوں میں اکیلا بیٹھتا تھا

Marfat.com

اب وہ قلوپطرہ کے چچا اطالوس کو پاس بٹھالیتا ہے۔ اطالوس شراب سے بدمست ہوجانے کے بعد یاوہ گوئی پر اتر آتا فیلقوس کی یہ حالت تھی کہ شراب کی بدمستی میں بھی کسی کو اندازہ نہ ہوتا اس نے پی رکھی ہے۔ اطالوس ہمیشہ تلخ کلامی سے سکندر کو آزردہ کردیتا۔ فیلقوس سب کچھ چپ چاپ سنتا رہتا۔ اطالوس کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ سکندر شراب پینے سے احتراز کرتا۔ وہ کہتا کہ تم بڑے دیوتا زیوس کے سامنے قربانی کیلئے جاتے ہو تو شراب انڈیلنے میں تمہیں تامل نہیں ہوتا۔ خود پینے سے کیوں انکاری ہو؟ ایک شب اس نے اپنا بھرا ہوا ساغر اٹھاتے وقت کہا: ''کاش! قلوپطرہ فیلقوس کیلئے ایک بیٹا جنے جو گدی کا جائز وارث ہوگا۔

یہ سنتے ہی سکندر کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ اطالوس بہ این ریش و فش اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ شراب کا جو پیالہ اس کے سامنے بھرا ہوا تھا وہ اٹھا کر اطالوس پر مارا اور ادھر ادھر ہتھیار تلاش کرنے لگا۔ ساتھ ہی زوردار الفاظ میں گرجا: ''تم مجھے ناجائز اولاد قرار دیتے ہو؟'' ہتھیار کوئی نہ ملا۔ سکندر میز پر چڑھ گیا اور اطالوس پر لپکا۔ دفعتاً فیلقوس نے اپنے محافظ سپاہی سے تلوار لے لی اور اپنے بیٹے کو روک دیا۔ اس افراتفری میں وہ بحالت مدہوشی پتھر کے فرش پر گیا۔ سکندر غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس نے باپ کو بے چارگی کی حالت میں گرا ہوا دیکھا تو اسے پھاندتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی حاضرین سے مخاطب ہوکر اس نے کہا: ''تم یہ امید لگائے بیٹھے ہو کہ یہ شخص قائد بن کر تمہیں ایشیا لے جائے گا جو ایک نشست گاہ سے اٹھ کر دوسری نشست گاہ تک نہیں جا سکتا؟'' سب کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے۔ سکندر کا باپ آہستہ آہستہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سکندر ہال سے باہر نکل گیا اور بازاروں میں سے ہوتا ہوا اپنی ماں کے پاس پہنچا۔ وہ معمول کے مطابق چرخہ کات رہی تھی۔

سکندر نے ایک گھنٹے کے اندر اندر سفر کی تیاری کرلی۔ ماں کو ایک خادمہ کے ساتھ گاڑی میں بٹھایا، خود اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ہوکر اس کے ساتھ چلا اور ایپی رس کے جنگل کا راستہ لے لیا۔

ماں کو پرانے خاندانی مکان میں ٹھہرا کر وہ شمالی سمت کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ اسے

Marfat.com

یقین تھا کہ اولپیاس سے الگ رہ کر وہ پیلا کے واقعہ، شبینہ کو فراموش کر سکے گا۔ اولپیاس تو جو بات سن لیتی تھی اس کے پیچھے پڑ جاتی تھی۔ وہ اہلِ مقدونیہ سے رو در رو ہونے کا خواہاں نہ تھا۔ اس اثناء میں پیلا سے قاصد پہنچ گئے جنہوں نے باپ کا خط اس کے حوالے کیا۔ فیلقوس نے اس خط میں لکھا تھا: ''یونانی مشیر مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ جب تم اپنے گھر کے لوگوں کو اکٹھا نہیں رکھ سکتے تو نئی جمعیت متحدہ یونان کے فرائض سے کیوں کر عہدہ برآ ہو سکو گے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا بیٹا سکندر واپس آ جائے اور فوج میں اپنا عہدہ سنبھال لے۔''

سکندر نے اس امر کا تذکرہ اپنی ماں سے کیا تو اس نے بھی جانے پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ یہ حالت دیکھ کر سکندر کو بڑی حیرت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اولپیاس کو فیلقوس کے خط پر بھروسہ تھا۔ وہ کہتی تھی کہ بس شخص کو اس کے سپاہی روباہ صفت بتاتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر خطرناک اس وقت ہوتا ہے جب اپنی روش کو حد درجہ دوستانہ بنا لیتا ہے لیکن ساتھ ہی کہتی تھی کہ بیٹا تمہیں اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ آسمانی طاقتیں تمہاری محافظ ہیں جس طرح وہ ایکی لیز کی محافظ تھیں۔ وہ ہر خطرے سے تمہیں بچائیں گی۔ تم ان طاقتوں پر بھروسا رکھو جو انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔

سکندر پیلا پہنچا تو فیلقوس نے اس انداز میں اس کا استقبال کیا گویا کوئی خاص واقعہ پیش بھی نہ آیا تھا۔ فوراً اس کے ساتھ منجنیقوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کیلئے گاڑیاں تیار کرانے کے متعلق بات چیت شروع کر دی جو دیاوس نے ایشیائی مہموں کیلئے تیار کی تھیں۔ اولپیاس کی رائے تھی کہ یہ جنگی سرگرمیاں محض ایک فریب ہیں۔ فیلقوس کی عادت ہے کہ وہ جس امر پر کھلم کھلا بحث کرتا رہتا ہے ہمیشہ اس کے خلاف عمل پیرا ہوتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یونان میں ابھی تک پوری طرح اطمینان بخش حالت پیدا ہوئی تھی۔ پھر وہ اسے چھوڑ کر ایشیا جانے کیلئے کیوں تیار ہو گیا؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس بہانے سے وہ سکندر کو الگ کرنا چاہتا ہے یعنی اس کی خواہش ہے کہ سکندر منجنیقوں کو لے کر پارمینیو کے پاس چلا جائے۔ فیلقوس اسے کم از کم اس وقت تک ضرور دور رکھنا چاہتا ہے جب تک معلوم نہ ہو جائے کہ قلوپطرہ کے بطن سے بیٹا پیدا ہوتا ہے کہ بیٹی۔

Marfat.com

بطلیموس کے دل میں بھی تشویش پیدا ہوئی۔ اس نے سکندر سے کہا کہ دیکھو بھائی تمہارے ضعیف العقل سوتیلے بھائی کی شادی سرزمینِ مشرق کے ایک حاکم کے گھر ہو رہی ہے۔ تمہاری سوتیلی بہن کی نسبت یہاں ایک شہزادے سے ٹھہر گئی ہے لیکن تمہاری شادی کے متعلق فیلقوس کو کوئی خیال نہیں، تمہیں صرف اس لئے پاس رکھنے پر مجبور ہے کہ عام لوگ اور سپاہی جنگ کاٹیرونیا کے بعد سے تمہیں بہت پسند کرنے لگے ہیں۔ تمہاری وجہ سے انہیں فتح کی خوش نصیبی حاصل ہوئی تھی۔

سکندر کے دل میں بھی اس بات سے تشویش پیدا ہوگئی اگرچہ وہ اس کی مصلحت کو نہ سمجھتا تھا۔ پھر اسے یہ بھی خیال تھا کہ اس کی ماں کوئی خوفناک حرکت نہ کر بیٹھے لہٰذا اس نے خود خفیہ سازباز کر کے اپنے ایک ساتھی کو بھیج دیا کہ ارہی ڈائس کی جگہ مشرقی گورنر کی بیٹی سے شادی کر لے۔ اسے یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ فیلقوس نہ اسے باہر بھیجے گا اور نہ اس کی خفیہ تدبیر کو معاف کرے گا لیکن اپنے مشیروں کی رائے پر عمل پیرا ہو کر اسے فی الجملہ اطمینان ہو گیا۔

لیکن اس کے ساتھی کی واپسی سے پیشتر سازش کا راز فیلقوس پر آشکارا ہو گیا۔ وہ ایک روز لنگڑاتا ہو سکندر کے کمرے میں پہنچا۔ فیلوٹس اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ چپ چاپ بیٹھ گیا اور اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ فیلوٹس دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ گویا پہلے ہی سے اسے پہرہ داری کیلئے حکم مل چکا تھا۔ اس وقت فیلقوس پر شراب کا کوئی اثر نہ تھا بلکہ تکان کی کیفیت طاری تھی۔ اس نے ایک نظر کتابوں پر ڈالی، رات کو روشن ہونے والے چراغ دیکھے سامنے بعض نامکمل نقشے پڑے تھے۔ آخر فیلقوس نے کہا: بابا تم یہ بچپن کی باتیں کب چھوڑو گے؟ دوسرے لوگوں کی تحریری اور یاوہ گوئیوں سے اپنے دماغ کو بھر لینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ جب کسی آدمی کے پاؤں کی چاپ سنتے ہو یا کسی کو شراب کا گھونٹ پیتے دیکھتے ہو تو بچھڑے کی طرح ہنہنانے لگتے ہو۔ (پھر بڑے ملائم اندازہ میں کہا) "دوزخ کے لینڈی کتوں کی قسم، کاش میں تمہارے لئے اتالیق مقرر نہ کرتا لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟ سنو! ارہی ڈائس میرے لئے ایک ناقابلِ حل مسئلہ بن گیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کہیں دور اس کی

Marfat.com

شادی کر دوں۔ تم کسی روز پارمینیو کے ساتھ فوج کی کمان کرو گے۔ میری آرزو تھی کہ تم مسائل کو سمجھنے اور لوگوں پر قابو پانے کے قابل ہو جاؤ۔ یہ باتیں آرفیس کی طرح شیریں گیت گانے یا ریاضی کے چکروں میں پڑے رہنے سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ یہ بھی ممکن نہیں۔ اس انتظار میں بیٹھے رہو کہ کوئی دیوتا یکایک اسٹیج پر آ کر تمہارا مددگار بن جائے گا جیسا کہ المیہ ڈراموں میں ہوتا ہے......"

سکندر بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ فیلقوس کو ایسا معلوم ہوا گویا وہ ایک ضدی طالب علم کو لیکچر پلا رہا ہے۔ وہ اس کے دل میں اتر جانا چاہتا تھا لیکن بڑے بھونڈے انداز میں بولا:

"اب فکر مندی سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ میرے جسم کے چپے چپے پر زخم لگے ہوئے ہیں ان کا عادی ہو چکا ہوں۔"

بس یہ کہتے ہی وہ باہر نکل گیا۔ اس وقت سکندر کو یقین ہو گیا کہ فیلقوس اسے الگ نہیں کرنا چاہتا۔ چند گھنٹے بعد بطلیموس، ہرپالوس اور نیارکس کے نام فرمان جاری ہو گیا کہ وہ پیلا سے نکل جائیں اور باہر جا کر ٹھہریں۔ اس طرح سکندر اپنے جگری دوستوں کی صحبت سے محروم ہو گیا۔

پھر جب اس کی سوتیلی بہن کی شادی ہوئی تو سکندر نے دیکھا کہ شاہی خاندان کے افراد خاموش اینٹی پیٹر نیز مقدونیہ کے دوسرے بڑے بڑے امراء کس شان سے آئی گائی کے شاہی محل کی نیم شکستہ عمارت میں جمع ہو گئے ہیں۔ ان کے محافظ دستے باہر کھڑے تھے۔ شہنائیاں بج رہی تھیں۔ وہ خود چند افسروں کے ساتھ ہال کے قریب انتظار میں کھڑا تھا۔ یکایک باجوں کی آواز آئی۔ وہ اس امر کا اعلان تھا کہ فیلقوس آ رہا ہے مگر انہوں نے اسے ان گھڑ پتھر کے دروازوں سے آتے نہ دیکھا۔ باجے بدستور بجتے رہے اور لوگ پیچھے ہٹ کر بادشاہ کیلئے راستہ بناتے رہے۔ عین اس اثناء میں فیلقوس چلتے چلتے گھٹنوں کے بل گرا۔ ایک برہنہ سر آدمی نے چیختے ہوئے اس کی پشت میں خنجر گھونپ دیا تھا جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔

○

Marfat.com

چوتھا باب

پہاڑ اور تھیبز

فیلقوس کے داغ داغ بدن سے جس لمحے روح نے مفارقت کی اسی لمحہ مقدونیہ کی حقیقی حیثیت ختم ہوگئی۔ صورتحال یہ نہ تھی کہ جہاز کا کپتان چھن گیا تھا بلکہ یہ تھی کہ جو جہاز کنارے پر تعمیر ہورہا تھا اس کا بنانے والا گم ہو چکا تھا۔ اس لئے کہ ایمن تاس کا بیٹا فیلقوس ہی مقدونوی قبائل کا دل و دماغ تھا۔ وہی ان سے منظم طریق پر کام لے سکتا تھا۔ وہی ان کا سپہ سالار تھا اور اسی کے پاس آخری فیصلے کیلئے ان کے مقدمات پیش ہوتے تھے۔ مقدونیہ میں کوئی ایسی مجلسِ شوریٰ نہ تھی جو اس کے چھوڑے ہوئے کام کو سنبھال سکتی۔ کوئی تجربہ کار وزیر موجود نہ تھا جو حکومت کا کاروبار لشتم پشتم چلا سکا اور فیلقوس نے کسی کو اپنا جانشین بھی نامزد نہ کیا تھا۔ مستقبل کے متعلق اس کا لائحہ عمل بھی سراسر غیر متعین تھا۔ اس کی احتیاط کوشی کا یہ عالم تھا کہ معاونوں کو اپنی تجاویز سے آگاہ رکھنے کی بجائے دشمنوں کو فریب دینے میں زیادہ سرگرم رہتا تھا۔

واقعہ قتل کے دوسرے ہی دن آئی گائی اور پیلا سے فونیقی تجارتی کوٹھیوں کے کارندے، یونان کی شہری حکومتوں کے نمائندے، باہر سے آنے قاصدوں کے ہرکارے، لیرا اور تھریس کے بربری قبائل کے جاسوس، چپ چاپ کھسک گئے اور اپنے اپنے مرکزوں میں یہ خبر پہنچادی کہ مقدونیہ کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔

پیلا میں شاہی خاندان کے کلاں تر افراد مختلف قبیلوں کے رئیس اور فوج کے سپہ سالار

Marfat.com

جمع ہوئے۔ پرانا قبائلی طریقہ یہ تھا کہ وہ سب لوگ باہم غور و مشورے سے واقعہ قتل کے مجرم کا مسئلہ طے کرتے۔ اینٹی پیٹر اور یک چشم اینٹی گوس نے اس اجتماع کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ قتل کا ذمہ دار پاسنیاس[1] نامی ایک نوجوان مقدونوی تھا۔ اسے آئی گائی کے محل کے صحن میں تماشائیوں نے فی الفور قتل کر دیا تھا۔ چھان بین میں یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ پاسنیاس کو اطالوی اور قلوپطرہ کے آدمیوں نے سخت ایذائیں دی تھیں۔ شراب پی چکنے کے بعد برسرِ عام اس کے کپڑے اتارے گئے اور اسے حد درجہ ذلیل و خوار کیا گیا۔ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ پاسنیاس اطالوس سے بدلہ لینے کے لئے ایک ایک شخص کے پاس درخواست گزار رہا۔ فیلقوس نے بھی اس کی درخواست ٹھکرا دی تو وہ اولمپیاس اور سکندر کے پاس پہنچا۔ سکندر کا بیان یہ تھا کہ میں نے پاسنیاس سے گفتگو کیے بغیر یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا تھا کہ مجھے اس جھگڑے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ میں نے وہ خنجر پاسنیاس کو نہیں دیا تھا جس سے اس نے قتل کا ارتکاب کیا لیکن یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا تھی کہ کسی نہ کسی شخص نے اس نیم دیوانے نوجوان کو فیلقوس پر حملے کیلئے انگیخت دی تھی۔ پاسنیاس سکندر کے اس حلقہ رفقاء سے متعلق تھا جن میں سے بعض کو فیلقوس جلاوطن کر چکا تھا۔ سکندر اپنے باپ سے کھلم کھلا جھگڑ چکا تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ مزاج کی تیزی کے اعتبار سے جلد بے لگام ہو جاتا ہے۔ پھر واقعہ قتل کے وقت وہ قریب کھڑا تھا۔ قلوپطرہ کے بطن سے لڑکا تولد ہوا تھا اور سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ کسی بھی وقت متلون مزاج سکندر کے حقِ وراثت کو ختم کر سکے گا۔

تفتیش کرنے والے لوگوں نے اولمپیاس سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ اس لئے کہ وہ اہی اس کی کاہنہ اور شہزادی تھی نیز فیلقوس کی بیوہ اور سکندر کی ماں، یقیناً اس پر قتل کی انگیخت کا شبہ کیا جاتا تھا۔ نوکر چاکر بتاتے تھے کہ اولمپیاس کے پاس جب فیلقوس کے قتل کی خبر پہنچی تو اس نے زیرِ لب کچھ ایسے الفاظ کہے "شوہر پر باپ پر اور نئی بیوی پر"۔ یہ الفاظ یوریپائیڈ سرس کے ایک ڈرامے سے لئے گئے تھے لیکن ان کا کچھ مطلب نہ نکلتا تھا اور نہ کسی بھی لحاظ

Marfat.com

سے انہیں شہادت سمجھا جا سکتا تھا۔ بس یہاں پہنچ کر تحقیق و تفتیش ختم ہوگئی۔ قبائلی ضابطوں کے مطابق یہ امر طے شدہ تھا کہ اگر شاہی خاندان کا کوئی فرد دوسرے فرد پر حملہ کرے تو اس کا فیصلہ شاہی خاندان کے افراد یا جرنیل نہ کر سکتے تھے اور نہ بدلہ دلا سکتے تھے۔ ان لوگوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ فیلقوس کے خاندان میں قتل کے واقعات پہلے بھی ہوتے رہے۔ فیلقوس کی ماں یوری ڈائس [2] بدکار عورت تھی اور وہ اپنے بڑے بھائی پرڈیکاس [3] کے قتل کا انتظام کرا چکی تھی۔ اہلِ مقدونیہ کا ایک گروہ سکندر کو مجرم ٹھہراتا تھا۔ اطالوس اس گروہ کا سرپنچ تھا۔ اکثر لوگوں کا احساس یہ تھا کہ اولمپیاس نے پاسی نیاس کو برانگیختہ کر کے فیلقوس پر حملہ کرایا۔ بعدازاں یہ احساس یقین کے درجے کو پہنچ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس خنجر کا ہدف اطالوس بننے والا تھا اس کا رخ فیلقوس کی طرف پھیر دیا گیا۔ خود سکندر قتل کے باب میں کچھ نہ بتاتا تھا۔

قبائلی کونسل جرم قتل کے مسئلے کا فیصلہ یوں کر چکی تھی تو مقدونیہ کے لئے نئے حکمران کی نامزدگی کا معاملہ سامنے آیا۔ فیلقوس کی وفات کے بعد کسی نہ کسی کو حکمران نہ بنایا جاتا تو نتیجہ یہ نکلتا کہ بڑے بڑے قبیلے ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنی پہاڑی خلوت گاہوں میں جا بیٹھتے اور ان کے اتحاد کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا۔ سپہ سالار فیلقوس کے نظم و نسق کا سررشتہ سنبھال سکتے تھے لیکن فوج اور خصوصاً سپاہیوں کے نقطہ نگاہ سے ضروری تھا کہ کسی ایسے شخص کو حکومت کا رئیس بنا لیا جاتا جس کی رگوں میں فیلقوس کا خون دوڑ رہا تھا۔ سہولت اس میں تھی کہ ضعیف العقل ارہی ڈائس کو مہرہ بنا لیا جاتا یا اس سے بڑے بیٹے ایمنتاس کو بادشاہ تسلیم کر لیا جاتا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ قلوپطرہ کے نومولود بیٹے کو بادشاہ نامزد کر کے اینٹی پیٹر اور اینٹی گونس کو نائب السلطنت کا عہدہ دے دیا جاتا۔ بہر حال سکندر کو جانشین بنانے کے خلاف متعدد اعتراضات تھے۔ مثلاً یہ افواہ کہ سکندر فیلقوس کا بیٹا نہ تھا یا مطالعے میں اس کا انہماک اور عام لوگوں سے میل جول میں بیزاری، نیز فوجوں کی کمانداری میں ناتجربہ کاری، پھر فیلقوس کے قتل سے خونی انتقام کا دروازہ کھل گیا تھا اور قبائلی نظام میں اس قسم کے واقعات

Marfat.com

مزید خونریزی کا باعث ہو سکتے تھے۔

پرانے سپہ سالاروں کا اصرار تھا کہ فیصلہ فوراً کیا جائے اور سب اس کے پابند ہو جائیں۔ تمام مخالف دلائل کے باوجود فیصلہ سکندر کے حق میں ہوا۔ اینٹی پیٹر اور اینٹی گونس اس کے مطالعہ گاہ میں پہنچے۔ اس نے مطالعہ چھوڑ کر انہیں بیٹھنے کیلئے کہا۔ لیکن وہ بدستور کھڑے رہے اور فوج کے فیصلے سے اسے آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ فیلقوس نے کسی کو جانشین نامزد نہ کیا تھا۔ لیکن اپنے بست سالہ بیٹے سکندر کو فوجی عہدہ دے دیا تھا۔ کائی رونیا کے میدان میں اس نے اپنا فرض احسن طریقے پر ادا کیا اور اسی کو مقدونیہ کا بادشاہ تجویز کیا گیا ہے۔

گوناگوں صلاحیتوں کا مالک اور سب سے بڑھ کر قابل سپہ سالار پارمینیو فیلقوس کے قتل کی خبر سنتے ہی مشرقی سرحد سے پیلا پہنچا تو اس نے اپنے ہم مشربوں کے فیصلے کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا۔ غالباً ان تین بڑے سپہ سالاروں کو احساس تھا کہ مقدونوی فوج نوجوان سکندر کو اگر دیوتاؤں کی اولاد نہیں سمجھتی تو ان کا محبوب ضرور مانتی ہے۔ کسانوں اور پہاڑی لوگوں کی یہ فوج کسی ایسے شخص کو سرعسکر تسلیم نہ کرے گی جس پر وہ مطمئن نہ ہو۔ انہیں یہ خیال بھی ہوگا کہ سکندر مطالعے میں غرق رہتا ہے اور ملک کے کاروبار میں مداخلت نہ کرے گا۔ تین سپاہ سالاروں میں سے اینٹی گونس سرکش اور حریص تھا۔ اینٹی پیٹر وفاداری کا پیکر تھا اور اسے احکام کی تعمیل کے سوا کسی امر سے سروکار نہ تھا۔ پارمینیو غیر معمولی صلاحیتوں کی بنا پر ان دونوں کے درمیان اتصالی کڑی کا کام دیتا تھا۔

تینوں سپہ سالار اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ فیلقوس کی موت نے مقدونیہ کی قوت کو یونانیوں کے پھیلتے ہوئے وفاق کی ایک چھوٹی سی حکومت بنا دیا ہے جو پہاڑی قبیلے رہتے تھے وہ فی الفور علیحدگی کر کے سابقہ آزادی کے مالک بن گئے۔ ان سے آگے ڈینیوب کے ساتھ ساتھ بربری سلٹ آباد تھے، جو تر کتازی کرتے ہوئے ساحل بحر تک پہنچ جانا چاہتے تھے۔ بالکل یہی حالت خانہ بدوش سِتھی قبائل کی تھی۔ یونان کی شہری ریاستوں نے جمعیت

Marfat.com

متحدہ یونان سے بے تامل علیحدگی اختیار کر لی۔ ایتھنز میں فیلقوس کی موت پر جشن منایا گیا حالانکہ صرف ایک سال پیشتر اسے ایتھنز کی شہریت کے حقوق دیئے گئے تھے۔ ایشیا سے سونے کا بھرا ہوا جہاز ایتھنز کے امیروں کے پاس پہنچا۔ ڈیماستھنیز دوبارہ یونانی جمہوریت کی تحریک کا قائد بن گیا۔

فوجی افسروں کو اپنے حقیقی وسائل کا پورا اندازہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ فیلقوس خطرے پر خطرہ مول لیتا رہا اور اس نے اپنی ہنرمندی سے کام لے کر سپہ سالار اعظم کے پردے میں یونانی شہری ریاستوں کی قیادت سنبھال لی تھی، لیکن اب یہ قیادت کوئی ٹھوس نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ نہ سپہ سالارِ اعظم باقی تھا اور نہ اتحادِ یونان کا کوئی وجود نظر آتا تھا۔ بلاشبہ یونانیوں کو مقدونوی فوج کی کمزوری کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ دور اندیش فیلقوس نے اپنی نقل و حرکت کی تیزی سے کسی غیر ملکی جاسوس کو یہ موقع ہی نہ دیا تھا کہ اس کی فوج کے صحیح اعداد معلوم کرے۔ لیکن مقدونوی سپہ سالار جانتے تھے کہ اصل فوج جس میں امراء اور معاونین شامل ہیں، سترہ اٹھارہ ہزار سے زیادہ نہیں اور جو جیش اس فوج میں شامل تھے مثلاً تھسلی کا رسالہ یا اگریانو کے جنگجو یا اور چھوٹی چھوٹی رجمنٹیں تو ہو سب فیلقوس کی شانِ قیادت کی بنا پر شامل ہو گئے تھے۔ اب ان کے ساتھ رہنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ خزانے کی حالت مسلح فوج کے مقابلے میں بھی زیادہ اضطراب انگیز تھی۔ سونا اور سکے مل ملا کر مقدار میں ستر ٹیلنٹ سے زیادہ نہ تھے اور تیرہ سو ٹیلنٹ کے برابر رقم واجب الادا تھی۔ فیلقوس کی امیدوں کا انحصار اس امر پر تھا کہ ایشیائی ساحل کے زرخیز اور دولت مند علاقوں سے بے اندازہ نئے محاصل ہاتھ آ جائیں۔ اسی بنا پر وہ جواء کھیلتا رہا تھا۔ اب یہ صورت تھی کہ پیلا میں دو مہینے کے مصارف بھی پورے کرنے کیلئے روپیہ نہ تھا۔ بالفاظ دیگر فیلقوس نے عظیم الشان سلطنت پیدا کرنے کیلئے جوا کھیلا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہوا تو اپنے پیچھے ابتدائی مقدونوی بادشاہی کو بھی سخت خطرات میں محصور چھوڑ گیا۔

اس نازک صورت حالات میں ارسطو نے بھی سپہ سالاروں سے اتفاق کیا کہ سب

Marfat.com

سے پہلا کام سرکش قبائل کو مطیع کرنا ہے۔ چنانچہ سکندر اس مقصد کو سامنے رکھ کر فی الفور فوج کے ساتھ روانہ ہو گیا اور پیلا کا انتظام اینٹی پیٹر کے حوالے کر گیا۔ وہ جرنیلوں کے ساتھ روانہ ہوا تو دل پر تذبذب طاری تھا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جن ذمہ داریوں کو فیلقوس بے پروایانہ اٹھائے پھرتا تھا ان سے کیونکر عہدہ برآ ہو۔ مطالعے کی جس دنیا میں اس نے زندگی کے بیشتر اوقات گزارے تھے وہ چھن چکی تھی۔ پھر بھی اسے نہ ملی، ڈیماستھنیز نے تعریضاً کہا اب طالب علم تکمیلِ عمل کی منزل میں داخل ہو گیا۔

سکندر طبعاً شرمیلا تھا، وہ ہر وقت اپنے خیالات میں گم رہتا۔ جو شخص بھی سامنے آ جاتا اس پر بھروسا کر لیتا۔ رفیقوں کی رائے پر عمل پیرا ہوتا۔ اب تک وہ خیال کی دنیا میں زندگی گزارتا رہا تھا جس میں افق کے پرے شہر آباد تھے۔ پھر پہاڑوں کے اونچے سلسلے قائم تھے جن میں مہربان دیوتا رہتے تھے۔ اس خوابی دنیا کی تلاش میں وہ ارسطو کے نقشِ قدم پر چلتا رہا اور چاہتا تھا کہ انسانی ارتقاء کے مطالعے میں وہ منزلیں طے کر لے جہاں کسی کا قدم نہ پہنچا تھا۔ ڈیماستھنیز کے علم سے بے شک چراغِ مطالعہ کی بو آ رہی تھی لیکن وہ عام چراغ نہ تھا۔ اس ایک پہلو کو چھوڑ کر سکندر میں اور کوئی بات ایسی نہ تھی جسے غیر طبعی سمجھا جاتا۔ ہفاا سشن اور بطلیموس کی بھی یہی حالت تھی۔ ان دونوں کی رگوں میں بھی شاہی خون دوڑ رہا تھا۔ البتہ وہ زیادہ اولوالعزم تھے۔ انہیں اپنی ذمہ داریوں کا زیادہ احساس تھا اور وضع و ہیئت میں زیادہ متناسب تھے۔

غرض سکندر نے بیس سال کی عمر میں اپنی زندگی کا حقیقی سفر شروع کیا اور ایک سال کے اندر اندر اس کی کایا پلٹ گئی۔ وہ صاحب عزم بن گیا۔ ہر مشورے کو اندھا دھند صحیح نہ سمجھتا۔ خطرات کے ہجوم میں بے تکلف گھس جاتا اور پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ اپنے وطن سے باہر نکل کر فوجوں کی قیادت کرتا ہوا ایشیا پہنچے گا۔ آئندہ سال اس نے اپنے اندر ایک غیر معمولی قیادت کی صلاحیت پیدا کر لی۔ یہ صلاحیت اجنبی سرزمینوں اور نادیدہ سمندروں میں نہایت اہم احوال و وقائع کی تشکیل کرنے والی تھی۔ اور اس کا ارادہ وہ کارنامے انجام دینے کیلئے

Marfat.com

پختہ ہو چکا تھا جو اس سے پہلے کسی نے انجام نہ دیئے تھے۔

رہا یہ سوال کہ ایک سال کی مختصر سی مدت میں کن اثرات اور کن احوال وظروف نے اس کے افکار وخیالات کو نئی راہوں اور نئی گزرگاہوں میں پہنچایا تو اس بارے میں ہماری معلومات بہت فرومایہ ہیں۔ یقیناً پیلا سے اس کے پاس بہت جلد مختلف اموات کی خبریں پہنچیں۔ اس کے رشتے دار ایمنٹاس کو زہر دیا گیا۔ قلوپطرہ کے شیر خوار بچے کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یہ دویوں راستے سے ہٹ گئے تو اب ضعیف العقل ارہی ڈائس کے سوا کوئی مرد باقی نہ رہا جس کی رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ اولمپیاس کے سوا کوئی اور وجود ان دو موتوں کا خواہاں نہ ہو سکتا تھا۔ سکندر کو اولمپیاس کے یہ الفاظ یاد تھے کہ انتقام کی بجلی ''باپ پر، شوہر پر اور نئی بیوی پر گرنی چاہیے'' پھر وہ مجبوری کے سوا کبھی پیلا واپس نہ گیا۔ اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہو چکا تھا کہ مقدونیہ کا یہ نیا دارالحکومت اور شاہی محل اس کا دشمن ہے اور اس کا ذرہ ذرہ خطرات سے لبریز ہے۔

ہائی مس[4] پہاڑ کی چوٹی کے پاس جو بلند وادیاں تھیں، مقدونوی فوج ان میں سے تیزی کے ساتھ گزرتی ہوئی بربری قبائل کے پاس پہنچ گئی۔ جو گھات میں بیٹھے ہوئے حملہ آور فوج کی تعداد کا اندازہ کر رہے تھے اور اس منظم فوج کو ختم کر دینے کے درپے تھے جو انہیں میدانی علاقوں میں لوٹ مار سے روک دینا چاہتی تھی۔ سکندر کو اپنے فوجی افسروں کے ساتھ ایسے گھنے جنگلوں میں سے گزرنا پڑا جہاں کوئی بھی چھپ کر انہیں تیر کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس پر واضح ہو چکا تھا کہ ایسے خطرناک سفر میں کوئی اسے وقت پر خبردار بھی نہ کر سکے گا۔ گرد وپیش کے لوگ وحشی جانوروں کی طرح بے درد تھے اور یہ بھی معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ وہ کس وقت کون سا قدم اٹھائیں گے۔ انہیں صرف تنظیم اور قوت ہی کے بل پر قابو میں رکھا جا سکتا تھا۔ ان میں سے بعض رضا کارانہ فوج میں شامل ہو چکے تھے۔

قدم قدم پر ایسی سخت چپقلش پیش آئیں۔ جیسے بھیڑیوں کے غول نے ہلہ بول دیا ہو، ایک درے کے پر قریب پہنچے تو طلایہ گرد سوار یہ خبر لائے کہ قبائلی لوگ ایک جگہ گاڑیوں کی

Marfat.com

دیوار کو آڑ بنا کر جمے بیٹھے ہیں۔ وہ ڈھلان کے بالائی حصے میں ہیں۔ ادھر سے فوجی دستہ پیش قدمی کرے گا تو وہ گاڑیوں کو لڑھکا دیں گے۔ اور دستہ پس کر تباہ ہو جائے گا۔ اگر ہم نے بکھر کر حملہ کیا تو گاڑیوں کی آڑ پر قابو نہ پا سکیں گے چونکہ سکندر فوج کے ساتھ تھا اس لئے کمانڈار نے عرض کیا کہ آپ جو حکم مناسب سمجھیں دے دیں۔

سکندر نے دیکھا کہ پانسو جانبازوں کی نظریں اس پر جمی ہوئی ہیں اور ایسے وقت میں تذبذب خارج از بحث تھا۔ اگر وہاں ٹھہر کر زیادہ تجربہ کار کمندار کے پہنچنے کا انتظار کیا جاتا تو سکندر کی طرف سے یہ صریح نا قابلیت کا اعتراف ہوتا لہٰذا اس مشکل کا جو حل فوری طور پر اس کے دماغ میں آیا اسی کے مطابق حکم جاری کر دیا۔ اس نے کہا تم پیش قدمی کرو اگر دشمن گاڑیاں لڑھکائے تو چھوٹے چھوٹے دستوں میں بٹ جاؤ اور ان سے بچنے کی تدبیر اختیار کرو، گاڑیاں ان دستوں کے بیچ میں سے نیچے چلی آئیں گی جو آدمی پھرتی سے ادھر ادھر ہو کر بچ نہ سکیں وہ زمین پر لیٹ جائیں اور اپنی ڈھالیں پشتوں پر رکھ لیں۔ گاڑیاں ڈھالوں پر سے گزر جائیں گی۔

اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ حکم سنتے ہی فوج نے پیش قدمی شروع کر دی۔ لڑائیوں کے طویل تجربات نے انہیں خطرات کے مقابلے کا عادی بنا دیا تھا۔ وہ ہر اس حکم کی تعمیل کیلئے تیار رہتے تھے جو ان کے افسر صورتحال کا جائزہ لے چکنے کے بعد صادر کر دیتے تھے۔ سکندر کی تیز دماغی نے تمام ممکنات کا جائزہ لے لیا تھا۔ لہٰذا فوج بڑے استقلال سے آگے بڑھی۔ چوٹی سے گاڑیوں کا ریلا نیچے کی طرف آیا۔ صف بندی ٹوٹ گئی۔ جو لوگ زمین پر لیٹ گئے تھے ان کی ڈھالوں کے اوپر سے گاڑیاں گزر گئیں۔ اگرچہ انہیں بڑا نقصان پہنچا تھا تاہم وہ اٹھے اور از سرِ نو صف بندی کر لی۔ بعد ازاں سکندر نے کبھی یہ حکم نہ دیا کہ زمین پر لیٹ کر گاڑیوں کو اپنے اوپر سے گزار دو۔ تاہم غنیم کے جو جتھے پہاڑ پر جمے کھڑے تھے انہوں نے فوج کو بدستور پیش قدمی کرتے دیکھا تو سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے اور آس پاس کے جنگلوں میں گھس گئے۔

Marfat.com

پارمینیو اور دوسرے سن رسیدہ سپہ سالاروں کی کیفیت دیکھ کر نیز تجربات کی بنا پر سکندر نے جان لیا کہ میدانِ جنگ میں ہر فیصلہ بے تامل کر لینا چاہئے۔ جیشوں کے کماندار راتوں کے اندھیرے میں حملے کرتے دریاؤں کو عبور کر کے چھاپے مارتے بعض اوقات کسی کو اطلاع دیئے بغیر مسلسل دو دو دن کوچ کرتے رہتے اور اچانک کسی شہر کے سامنے پہنچ جاتے۔ غرض وہ مسلسل حرکت میں رہتے اور کسی ناظر کو معلوم نہ ہونے دیتے کہ ان کی آئندہ منزل کہاں ہوگی۔ قبائلی علاقوں میں سے گزرتے ہوئے ہوئے وہ ڈینیوب پر پہنچ گئے جہاں ان کے پہنچنے کا کسی کو سان گمان بھی نہ تھا۔ دریا پر صرف بازنطینی جہاز نظر آئے۔ انہیں پکڑ لیا گیا اور رات کی تاریکی میں فوج کو ان پر سوار کر کے دریا عبور کر لیا گیا۔ سکندر ساتھ تھا۔ فوج گندم کے کھیتوں میں سے گزری، جہاں کوئی اسے دیکھ نہ سکتا تھا۔ ستاروں کی روشنی میں اس نے راستہ ڈھونڈا۔ اضطراب کی فراوانی، زمین کی نمی اور دھند لکے کے باعث ایک ایک سپاہی کانپ رہا تھا۔ طلوع کے قریب وہ ایک شہر کے سامنے پہنچ گئے جس کی دیواریں لکڑی کی تھیں اور پورا شہر بے خبر سویا ہوا تھا۔ شہریوں کی آنکھیں کھلیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے گرد مسلح سپاہ کھڑی ہے۔ یقیناً یہ ایک معجزہ تھا۔ سلٹ قبیلے ڈھیل سردار سنہری پیالے اور اپنی بیویوں کے جواہرات تحفے کے طور پر لے کر آئے۔ انہوں نے چمڑے کی برجسیں پہن رکھی تھیں اور ان کے بال خوب آراستہ تھے۔ انہوں نے کہا یہ شاہ مقدونیہ کا خراج ہے۔ ہم اس سے بہت ڈرتے ہیں۔ سکندر نے ہنستے ہوئے کہا:

سکندر: ''تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟''

سلٹ سردار: ''صرف ایک بات کا۔''

سکندر: ''وہ کیا بات ہے؟''

سلٹ سردار: ''یہ ڈر ہے کہ کہیں آسمان ہم پر نہ آ گرے۔''

سکندر نے ہفااسشن سے مخاطب ہو کر کہا: ''یہ بہادر تو معلوم ہوتے ہیں مگر بڑے شیخی باز ہیں۔ ہفااسشن نے جواب دیا: ''اکثر آدمی شیخی باز ہوتے ہیں لیکن کارنامے انجام دینے

Marfat.com

کا حوصلہ رکھنے والے بہت کم ہیں۔"

سکندر کو یاد آ گیا کہ کائی رونیا کی جنگ کے بعد اس کے باپ نے بھی ایسی ہی بات کہی تھی۔ خوف کو دل سے بالکل نکال دینا ممکن نہیں اور فیلقوس کو اپنے علاوہ آدمیوں کی جانیں تلف ہونے کا بھی خوف تھا۔ وہ اپنے سپاہیوں کی حفاظت میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھتا تھا۔ ان کی جانیں خطرے میں ڈالے بغیر جو فائدہ اٹھا سکتا اس کیلئے تدبیریں کرتا رہتا۔ اسے استحکامات سے نفرت تھی۔ سمندر سے بھی بہت گھبراتا تھا اور دست بدست جنگ سے بچنے کی کوشش کرتا۔ سازشوں، فریب کاریوں اور وعدہ شکنیوں سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں بھی متامل نہ ہوتا۔ پارمینیو کے سوا کسی کماندار کو علم نہ تھا کہ وہ یہ سب کچھ کیوں کر انجام دے لیتا تھا۔ پارمینیو کو اگرچہ فیلقوس کے طور طریقوں سے آگاہی تھی مگر وہ ان سے کام لے کر ویسے نتیجے پیدا نہ کرسکتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ سالار عظمیٰ کے اس راز کا حل یقیناً پریشان کن تھا جس طرح ارتقائے حیات کا علم پریشان کن تھا۔ اسے ارسطو نے حل کیا۔ اعلیٰ علم کے حصول اور جزئیات حقیقت پر اعتماد میں ارسطو اور فیلقوس کا استدلال ایک اندازہ کا تھا۔ باقی امور میں وہ ایک دوسرے کی ضد تھے۔ فیلقوس ایسے وجدان کی بنا پر عمل پیرا ہوتا تھا جو غیر معمولی فطری صلاحیت سے مشابہ تھا۔ ارسطو واضح شہادتیں پیشِ نظر رکھ کر نتیجے پر پہنچتا تھا۔

سکندر قیادت کے مسئلے پر انتہائی استقلال سے غور کرتا رہا۔ تجربہ کار پارمینیو سے وہ صرف مصلحتیں اور چالیں سیکھ سکا۔ یہ سپہ سالار خاص مقصد کے حصول کیلئے اپنے لشکروں کو غیر معمولی اطمینان سے نقل و حرکت میں رکھتا۔ اصل مقصد کی تکمیل میں اس کا بھروسہ صرف مقدونوی فوج کے تجربے اور اعلیٰ نظم و نسق پر تھا۔ یک چشم اینٹی گونس کو فیلقوس کی سی فریب کاریوں کا جوہر عطا ہوا تھا۔ وہ اپنے دشمن پر ہراس طاری کرتا۔ کسی سیاسی کارکن کو رشوت دے لیتا۔ چاپلوسی سے کام لے کر معاہدہ صلح کیلئے گفتگو شروع کرا دیتا۔ اس طرح اچانک دشمن کے قتلِ عام کیلئے راستہ ہموار کر لیتا۔ وہ کہتا دشمن کے قریب کیوں جاتے ہو؟ اپنی قوت

Marfat.com

اور ارادوں کو قبل از وقت دشمن پر ظاہر کرنا انتہائی حماقت ہے۔ ان میں سے چند آدمیوں کو اپنے قابو میں لاؤ اور ان کی انتڑیاں نکال دو۔ ہزاروں لوگ مویشی کے گلے کی طرح تمہارے سامنے سے بھاگ نکلیں گے۔ جب وہ بھاگنا شروع کریں تو انہیں خوب قتل کرو۔ یہ صحیح تدبیر ہے۔ خوف کا ایک شعلہ ان میں پھینکو، وہ بھڑک کر آگ کی صورت اختیار کر لے گا اور آگ اصل کام پورا کر دے گی لڑائی میں فیصلہ کن ساعت اس وقت آتی ہے جب دشمن کے اکثر آدمیوں پر ہراس طاری ہو جائے اور تمہارے آدمیوں کی اکثریت ہراس سے بالکل پاک ہو۔ بس اس ساعت کا انتظار کرنا چاہیے۔

لیکن سکندر کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقدونوی فوج کے بہت تھوڑے آدمیوں کو اینٹی گونس پر اعتماد ہے اگر اس سے تدبیر میں کوئی غلطی ہو جاتی تو وہ اپنے کو مشکلات سے باہر نکالنے کیلئے پوری رجمنٹ کو بھی قربان کر دینے میں تامل نہ کرتا۔

اگرچہ سکندر احساس اضطراب کے بغیر خطرات کے حلقے میں نہ جا سکتا تھا لیکن اب اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔ اب تمام آدمیوں کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں اور اس کی معمولی سی حرکت بھی ان آدمیوں کو مضطرب کر سکتی تھی۔ یا ہمت و حوصلہ کا پیکر بنا سکتی تھی۔ اس وجہ سے ضروری تھا کہ وہ خود پوری دلجمعی سے ہر قدم اٹھائے چنانچہ اس نے یہ عادت بنا لی تھی کہ میدانِ جنگ میں خود سر پر سے اتار لیتا۔ فوج کے آدمی اسے اس حالت میں دیکھتے تو بالکل مطمئن ہو جاتے۔ اس طرح جب اس پر تشویش طاری ہوتی تو وہ لوگوں سے باتیں کرتا اور بار بار ہنستا۔ اسے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد نہ تھا، لہٰذا جو کچھ کرنا ہوتا اس پر وقت سے پہلے شاذ ہی غور کرتا۔ اگرچہ اس کا دل ہمیشہ اس فکر میں ڈوبا رہتا کہ کیا پیش آئے گا۔ آہستہ آہستہ تمام سپاہیوں کو اندازہ ہو گیا کہ سنہری بالوں والا نوجوان بادشاہ سیاہ رنگ بیوی فالس پر سوار ہو کر آئندہ کیا کرے گا اب جہاں کہیں جنگ کی نوبت آتی، سکندر بیوی فالس پر سوار ہوتا۔

اس زمانے میں اس نے بے پروایانہ سواری کی عادت ڈال لی تھی۔ اس پر آشکار ہو چکا تھا کہ...... پہاڑوں میں آہستہ آہستہ چلنے کے بجائے تیز چلنا حفاظت کا بہتر طریقہ

Marfat.com

ہے۔مقدونیہ کی پیادہ فوج کے آدمیوں نے پہاڑوں ہی میں پرورش پائی تھی۔انہیں پہاڑی راستوں پر کوچ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوتی تھی۔ایک مرتبہ وہ اپنی فوج کے ساتھ ڈلیشیا کی پہاڑیوں میں جارہا تھا اور آگے بڑھتا بڑھتا ایک ایسی وادی میں پہنچ گیا جو صندوق کی طرح ہر طرف سے بند تھی۔پہاڑیوں کی چوٹیوں پر الیریا کے بربری جتھے جمے بیٹھے تھے۔ انہوں نے سکندر کی فوج کیلئے بچ نکلنے کا راستہ کاٹ ڈالا،خود وہ سکندر کی دسترس سے باہر تھے۔اس اثناء میں دوسرے قبیلے بھی تیزی کے ساتھ ان بربریوں کیلئے کمک لے آئے۔ پارمینیو اپنے رسالے کے ساتھ وادی سے باہر تھا۔اس نے ایک زبردست یورش سے سکندر کیلئے بچاؤ کا راستہ پیدا کیا اور اسے محفوظ نکال کر ایک دریا پر لے آیا جہاں فوج کیلئے کوئی خطرہ نہ تھا۔ہفااسشن نے سکندر کو یقین دلایا کہ ''لوگ کچھ کہیں،خوش نصیبی تمہارے ساتھ ہے وہ تمہیں کبھی نہ چھوڑے گی۔'' ہفااسشن میدانِ جنگ میں کبھی نہ گھبراتا۔اگرچہ خطرات میں گھر جاتا۔

اس طرح حالات نے سکندر کو اس کام کیلئے مجبور کردیا جسے وہ قطعاً پسند نہ کرتا تھا یعنی میدانِ جنگ میں فوج کی قیادت۔اپنی بے صلاحیتی اس کیلئے دلی اذیت کا باعث تھی۔زخمی ہوجانے کے خیال سے وہ بالکل بے پروا ہوچکا تھا۔اس پر ہر وقت یہ خوف طاری رہتا کہ خدا جانے کس وقت ایک ناقابلِ معافی غلطی سرزد ہوجائے اور اس کے ساتھی جان لیں کہ جو مجسمہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کھڑا کیا تھا،اس کے پاؤں مٹی کے تھے۔اسے یہ بھی معلوم ہورہا تھا کہ وہ ناکام ہوچکا ہے اور مقدونیہ کی سلطنت پارہ پارہ ہورہی ہے۔سپاہیوں کے نزدیک وہ بے خوف اور فاتح قائد کا ایک دل پسند نمونہ تھا جس پر دیوتاؤں کی نگاہِ لطف مبذول تھی۔وہ سوچتا تھا کہ اگر میری کوئی کمزوری ان پر ظاہر ہوگئی تو وہ مذاق اڑائیں گے۔ وہ میرا نقاب پھاڑ دیں گے۔مجھ پر ہنسیں گے اور کہہ دیں گے کہ جاؤ قاتلہ اولمپیاس انتظار کررہی ہے۔

اس تشویشناک انجام سے محفوظ رہنے کیلئے وہ پختہ عزم کئے بیٹھا تھا۔وہ اس حقیقت

Marfat.com

سے آگاہ تھا کہ ارسطو کی درسگاہ سے باہر پورے مقدونیہ میں سے کہیں پناہ نہ ملے گی اور کوئی اس پر رحم نہ کرے گا۔

شاید تھیبز کی تباہ کاری ہر لحاظ سے ناگزیر تھی لیکن اس نے سکندر کا دل ہلا دیا اور اس المناک واقعہ کی یاد اس کے حافظے سے کبھی محو نہ ہوئی۔ سکندر ابھی ڈلیشیا کے ساحل ہی پر تھا کہ جنوب کی طرف سے قاصد اس کے پاس آئے اور بتایا کہ ایتھنز کے گردو پیش نئی جمعیت دفاع تیار ہو رہی ہے۔ خطیبوں نے تھیبز کو اپنا مرکز بنا لیا ہے۔ وہ اپنے خطبوں کے ذریعے سے شہریوں کو انگیخت دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اٹھو، اپنی خودمختاری اور آزادیٔ تقریر کے بچاؤ کی خاطر فوج بھرتی کرو۔ اسی زمانے میں افواہ پھیل گئی کہ سکندر الیریا کے جنگلوں میں مارا گیا ہے۔ مقدونیہ کی ایک فوج فیلقوس نے تھیبز کے قلعے میں متعین کی تھی۔ مذکورہ افواہ سنتے ہی اہلِ تھیبز نے دو مقدونوی افسروں کو قتل کر ڈالا اور قلعے پر حملہ بول دیا۔ مقدونوی فوج مقابلہ کر رہی تھی اور اہلِ تھیبز نے سپارٹا والوں کو امداد کیلئے بلا لیا تھا۔ جمعیت متحدہ یونان بھی مقدونویوں کے خلاف حرکت میں آ رہی تھی۔ پیلا کے مشیروں کی رائے تھی کہ یونان کی شہری ریاستوں سے صلح کر لینی چاہئے۔ ارسطو کہتا تھا کہ ان شہری ریاستوں کو حسنِ تدبیر سے اپنے ساتھ ملا لینا چاہئے لیکن گفت و شنید میں تاخیر لازم تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جو مقدونوی فوج تھیبز کے قلعے میں محصور تھی، موت کے گھاٹ اتر جاتی۔ حالات پر غور کرتے ہی مقدونوی جرنیل انتہائی تیزی سے تھیبز کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے پہاڑی راستے اختیار کیے تاکہ ان کی روانگی کسی پر ظاہر نہ ہو اور تیرہ دن میں تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے تھیبز جا پہنچے سکندر ان کے ساتھ تھا۔ تھیبز سے باہر قبرستان کے قریب وہ خیمہ زن ہوئے انہیں امید تھی تھیبز کی کمک کیلئے دوسری فوجوں کے پہنچنے سے پیشتر مزاحمتوں کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور محصور مقدونوی فوج کو بچا لیا جائے گا۔

خیمہ گاہ کیلئے قبرستان کو منتخب کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اہلِ مقدونیہ لڑائی نہیں کرنا چاہتے۔ لمبے سفر نے فوج کو تھکا دیا تھا۔ پارمینیو چاہتا تھا کہ اسے کچھ دیر آرام کا موقع مل

Marfat.com

جائے لہٰذا اس نے اپنے قاصد شہر میں بھیج دیئے اور کہا استحکامات سے پیچھے ہٹ جاؤ، محصور فوج کو باہر نکال لینے دو بس ان شرطوں پر صلح ہوسکتی ہے۔ قاصد یہ خبر لائے کہ اہلِ تھیبز کوئی بات ماننے کیلئے تیار نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ پار مینیو اور فلوٹس کو حوالے کر دو تو صلح ہوسکتی ہے۔

سکندر نے شہر کے اردگرد چکر لگا تو معلوم ہوا کہ لکڑی کی دیواریں ہر طرف کھڑی ہیں اور محاصرے کے سوا تسخیرِ شہر کی اور کوئی صورت نہیں۔ سنگین قلعہ باہر سے نظر آ رہا تھا جس میں مقدونوی فوج بند تھی۔ اس (سکندر) نے پرڈکاس سے پوچھا کو قلعے تک کیونکہ پہنچیں گے؟ پرڈیکاس نے بے پروایانہ جواب دیا کہ وقت پر جو تدبیر مناسب نظر آئے گی کرلیں گے۔ ویسے پرڈکاس سمجھتا تھا کہ کسی نہ کسی مقام پر دیوار کو توڑنا ضروری ہے۔ سکندر کے دل میں یہ خیال تھا کہ پرانا شہر ہے اس میں زمانہ گزشتہ کے بہت سے آثار موجود ہیں۔ ہزاروں انسان رہتے ہیں۔ حملہ ہوا تو ان کا کیا بنے گا۔

سکندر یہ دیکھ رہا تھا کہ شہر کے اردگرد کہاں کہاں فوجی دستے بٹھائے گئے ہیں۔ یکا یک اسے خبر ملی کہ پرڈکاس باب اٹیکا کے قریب اچانک حملہ کر کے چوبی دیوار کو پھاند گیا ہے۔ یہ قلعے سے قریب تھا۔ پرڈکاس نے اندر پہنچتے ہی دیوار توڑ کر رکھ دی، سکندر نے اس کی امداد کیلئے تیرانداز بھیج دیئے۔ جب سکندر داخلے کے مقام پر پہنچا تو مقدونوی فوج بازاروں میں دور جا چکی تھی اور آہستہ آہستہ قلعے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ فوراً دوسرے فوجی دستے شہر کے اندر پہنچ گئے۔ تنگ بازاروں میں خونریز جنگ ہوئی۔ سکندر مسلح پیادہ فوج لے کر حملے کے انتظار میں کھڑا تھا۔ پارمینیو کی رائے یہ تھی کہ لمبے نیزوں والے سپاہی تنگ گلیوں میں جا کر کوئی مفید خدمت انجام نہ دے سکیں گے۔ اس اثناء میں پرڈکاس بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ اسے اٹھا کر باہر لائے۔ ساتھ ہی اطلاع ملی کہ تیراندازوں کا افسر انہیں آدمیوں کے ساتھ مارا جا چکا ہے اور مقدونوی فوج پیچھے ہٹ رہی ہے۔ یہ لوگ اس مقام سے باہر نکلے جہاں دیوار توڑی گئی تھی۔ تھیبز کی سپردار پیادہ فوج ان کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

اہلِ تھیبز جوں ہی باہر نکلے سکندر نے اپنی پیادہ فوج کو یورش کا حکم دے دیا۔ لمبے

Marfat.com

نیزوں والے سپاہیوں کا یہ سیل حرکت میں آیا تو اہلِ تھیبز کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ اب نیزہ برداروں کو پیش قدمی کا حکم ملا وہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور جو کچھ ان کے سامنے آیا اسے سیل کی طرح بہاتے ہوئے لے گئے۔ اسی طرح وہ بازاروں میں پہنچ گئے جہاں ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ خانہ بخانہ جنگ ہوئی۔ اب مقدونوی فوج کی پیش قدمی کو کوئی روک نہ سکتا تھا۔ عین اس وقت وہ فوج باہر نکل آئی جو قلعے میں محصور تھی۔ تھیبز کی سپاہ کیلئے ایک بڑی مصیبت یہ تھی کہ عورتیں اور بچے اس کے آگے پیچھے جمع تھے۔ وہ بڑی بری حالت میں مندر کی طرف پلٹی۔ شہر کی فصیل پر اب کوئی محافظ نہ رہا تھا۔ مقدونیہ کی فوج کے دوسرے دستے بھی یکے بعد دیگرے اندر پہنچے۔ ان میں فوسیس[5] اور پلاٹانیا کے رضا کار بھی شامل تھے جنہیں اہلِ تھیبز سے دیرینہ دشمنی چلی آ رہی تھی اور موقع سے فائدہ اٹھا کر انتقام کے درپے تھے۔ ایک ساعت نہ گزری تھی کہ بازار انسانی گلوں کی فرار گاہ بن گئے۔ اہلِ تھیبز لڑتے مرتے اور کٹتے تھے جو بھاگ سکے وہ بھاگ نکلے۔ ان کا پیچھا کیا گیا۔ سخت نقصان پہنچایا گیا اور بری طرح لوٹا گیا۔ رات کے وقت تھیبز آگ کی نذر ہو گیا۔

دوسرے دن تھیبز کے کھنڈروں کی دیکھ بھال شروع ہوئی۔ لاشوں کیلئے قبریں کھدوائی گئیں۔ مقتولین چار ہزار سے کم نہ تھے۔ سکندر شہر سے باہر ایک باغ میں جا بیٹھا۔ رجمنٹوں کے کمانداروں کی طرف سے دم بدم اس کے پاس اطلاعات آ رہی تھیں۔ بہت سے سپاہی روپے اور جواہرات کی تلاش میں تھے۔ قیدی گروہ در گروہ لائے جا رہے تھے جو شہر دو دن پیشتر ہر قسم کی چہل پہل سے معمور تھا وہ اب ایک ویران خطے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس میں زندگی کا کوئی نشان اس کے سوا نظر نہ آتا تھا کہ مقدونوی سپاہی جگہ جگہ پہرے پر کھڑے تھے۔ بعض کمانداروں نے سکندر کی خدمت میں مبارکباد پیش کی اور عرض کیا کہ بڑے مناسب موقع پر پیادہ فوج کو حملے کا حکم دیا گیا۔ اس سے بہتر موقع اور کوئی نہ ہو سکتا تھا۔ گویا ان کا احساس یہ تھا کہ سکندر نے خوب غور و فکر کے بعد اس وقت کا انتظار کیا جسے اینٹی گونس لڑائی میں حملے کا مناسب وقت قرار دیتا تھا، حالانکہ سکندر نے ایسا کوئی نقشہ عمل نہ بنایا

Marfat.com

تھا اور نہ وہ اس وقت کوئی نقشہ بنانے کے قابل تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ شہر کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے تا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے زخموں کے اندمال کی تدبیر کر سکے یا بالکل تباہ کر دیا جائے، اینٹی گونس اور متعدد دوسرے کمانداروں کی رائے تھی کہ قلعے کو ڈھا دینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس نے دو مرتبہ مقدونوی فوج کا مقابلہ کیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہاں دشمن کیلئے ایک عبرتناک مثال پیش کر دینے کا موقع ہے۔ اس کا اثر دوسرے یونانی شہروں پر بھی پڑے گا۔

جو قیدی اس غرض سے باغ میں لائے گئے تھے کہ ان کے متعلق بادشاہ آخری حکم صادر کر دے ان میں ایک عورت بھی تھی جس نے بڑا اچھا لباس پہنچ رکھا تھا وہ بے حد خوبصورت تھی اور دو بچے اس کے ساتھ تھے۔ قیدیوں میں وہ سب سے زیادہ مطمئن اور بے فکر نظر آتی تھی۔ اس پر ایک افسر کے قتل کا الزام عائد تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ عورت نے بے تکلف جرم کا اقبال کر لیا اور بتایا کہ افسر تھریس کا ایک بربری تھا۔ وہ میرے گھر میں گھس آیا اور میری بے حرمتی کی۔ پھر اس تلاش میں لگ گیا کہ میں نے کہیں جواہرات تو نہیں چھپا رکھے۔ میں نے اسے بتایا کہ میرے جوہرات باغ کے کنویں میں محفوظ ہیں۔ وہ مجھے ساتھ لے کر کنویں کے پاس پہنچا تو میں نے موقع پا کر اسے دھکا دے دیا۔ وہ کنویں میں گرا تو میں نے سپاہیوں کے پہنچنے سے پیشتر اس کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔

سکندر: تو کون ہے۔

عورت: میں تھیا جینس کی بہن ہوں، جو کائی رونیا کے میدان میں تمہاری مخالف فوج کے ایک دستے کا سالار تھا۔ تھیا جینس نے یونان کی آزادی کیلئے اسی میدان میں جان دے دی۔

یہ بیان دے کر عورت اطمینان کے ساتھ موت کا حکم سننے کیلئے تیار ہو گئی۔ سکندر نے حکم دیا کہ اسے رہا کر دیا جائے اور بچوں کے ساتھ محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔

تھیبیز کی اس عورت کا فیصلہ کر چکنے کے بعد اس نے شہر کی تمام عمارتیں ڈھا دینے کا فرمان جاری کر دیا صرف چند عمارتوں کو مستثنیٰ قرار دیا۔ اول مندر، دوم پنڈار شاعر کا مکان نیز

Marfat.com

ان لوگوں کے گھر جو فیلقوس یا خود اس کے دوست تھے جو لوگ بچ رہے تھے انہیں غلاموں کی حیثیت میں فروخت کرنے کی تاکید کر دی گئی۔ ساتھ ہی کہہ دیا کہ اب کوئی مقدمہ میرے پاس نہ لایا جائے۔

جمعیت متحدہ یونان کی ایک رکن ریاست یوں تباہ ہوگئی اور ایسی حالت میں تباہ ہوگئی کہ مقدونوی فوج کے وہاں پہنچنے کا کسی کو علم بھی نہ ہو سکا۔ اس واقعہ کو سن کو متلون مزاج اہلِ ایتھنز دم بخود رہ گئے۔ بغاوت و سرکشی کے شعلے جہاں تھے وہیں افسردہ ہو گئے۔ ایتھنز نے اپنے قاصد سکندر کے پاس بھیج دیئے اور اصرار کیا کہ اس نازک وقت میں یونانی شہروں کی قیادت اس کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا کہ سکندر کو صرف کارنتھ پہنچ جانا چاہئے جہاں جمعیت متحدہ یونان کی انتظامی کونسل فیلقوس کی طرح اس کیلئے بھی سپہ سالار اعظم کی حیثیت میں پیشوائی پر آمادہ ہوگی۔

اس سفر میں اینٹی گونس ہر قدم پر اس کا انتہائی احترام کرتا۔ تھیبز پر حملے کے بعد سکندر نے حکم دے دیا کہ فوج کے نام پر فرمان صرف میری طرف سے صادر ہوگا۔ اگر غلطیاں بھی ہوں گی تو میں خود کروں گا۔

ایتھنز میں ڈیماتھینز کے دوست صلح پسند فریق کی مذمت کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ بھیڑیں بھی اپنے محافظ کتوں کو یوں بھیڑیوں کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں لیکن جو نمائندے عجلت سے کارنتھ میں خلیج کے نیلے پانیوں کے کنارے جمع ہوئے تھے انہوں نے سکندر کی پیشوائی کا بڑا پر شکوہ انتظام کیا اور یقین دلایا کہ ایشیا پر حملہ کرنے والی متحدہ یونان فوج کی قیادت کا اہل اس کے سوا کوئی نہیں۔ ان لوگوں کو کچھ اندازہ نہ تھا کہ نوجوان سپہ سالار اعظم کی رائے کیا ہے۔ خود ان کا احساس یہ تھا کہ اسے ملک سے باہر فوجی فتوحات کے ذریعے سے حاصل ہونے والے جاہ و جلال اور شان و شکوہ کی طرف متوجہ کرنا ہی مصلحت ہے۔ فلسفیوں نے اسے یقین دلایا کہ ایسو کریٹیز اور فیلقوس کی آرزو یہی تھی۔

جب وہ تھیٹر کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ایک آدمی کو دیکھا جس نے پھٹے

Marfat.com

پرانے کپڑے پہن رکھے تھے اور ہوا سے بچ کر ایک گوشے میں پتھر پر لیٹا ہوا تھا۔ ساتھیوں نے سکندر کو بتایا کہ یہ دیو جانس[6] ہے جسے تنہائی پسند ہے۔ سکندر خود اس راہب نما شخص کے پاس پہنچا اور اسے غور سے دیکھتا رہا جس کے فلسفے کی شہرت عام تھی۔ دیو جانس نے کروٹ بدلی تو سکندر نے پوچھا، کیا میں آپ کی کوئی خدمت انجام دے سکتا ہوں؟ دیو جانس نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا "ہاں...... دھوپ چھوڑ دو۔" دوسرے لوگ ہنس پڑے۔ سکندر چپ چاپ آگے بڑھ گیا لیکن اسے یاد رہا کہ کارنتھ کی کونسل میں دیو جانس کو صرف دھوپ کی ضرورت تھی۔

کارنتھ میں سمندر کے کنارے تھیٹر میں بیٹھ کر، جو پہاڑی میں واقع تھا خطیبوں کے خطبے اور مدبروں کی تقریریں سننا بڑا ہی خوشگوار شغل تھا وہ سب اصرار کر رہے تھے کہ "آپ کو (سکندر کو) ایکی لیز کا کردار پھر ادا کرنا چاہئے۔ سمندر کو عبور کر کے ٹرائے پہنچے۔ اس مشعل کو اٹھائے جو فیلقوس کے ہاتھ سے گری تھی اور یونان کا محافظ وحامی کار بن جائے۔"

اب اس کے اوضاع تیزی سے بدل رہے تھے۔ تھیبز کی خوفناک حالت یاد آ رہی تھی جہاں پہاڑی والے مندر کے آس پاس قتل و خونریزی سے سابقہ پڑا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ تھیبز میں اس نے دیوتا کے مندر کی بے حرمتی کی۔ اب شہر کا کوئی آدمی اس سے کوئی درخواست کرتا تو فوراً منظور کر لیتا۔ دراصل تھیبز میں اسے انسان دشمنی سے نہیں بلکہ کسی اور ہی چیز سے مقابلہ پیش آیا تھا اور وہ ضرورت محسوس کر رہا تھا جو نقصان شہر کو پہنچا چکا ہے اس کی تلافی کر دے۔ اس کی نگاہیں مجمع میں تھیبز کی عورت کو تلاش کر رہی تھیں اور وہ ملتی نہ تھی۔ بعض فلسفیوں کی رائے تھی کہ سکندر نے غیر متوقع طور پر انتہائی تیزی سے اپنے آپ کو نئی جمعیت متحدہ یونان میں فیلقوس کی سالاری عظمیٰ کا درجہ دے دیا تھا۔ یہ کارنامہ اس کے ظلم و جور کا نتیجہ تھا حالانکہ فیلقوس ایسے معاملات میں دانشمندانہ افہام و تفہیم پر بھروسہ کرتا تھا۔ ارسطو کی رائے بھی یہ تھی۔

○

Marfat.com

پانچواں باب

ٹرائے کا راستہ

اس موسم بہار میں عقد ثریا کے غروب سے سماک رامح کے طلوع تک یونان کے مختلف خطبوں میں جو آثار و علائم نمودار ہوئے ان کا ذکر بعدازاں بہت سے آدمیوں نے کیا۔ اگرچہ اس وقت تک قطعی یقین نہ تھا کہ سکندر شاہ مقدونیہ ایشیا پر یورش کرنے والی فوج کی کمان کرے گا۔ پیلا کی منڈی میں ماہی گیروں نے بار بار بیان کیا کہ ڈلفی کی کاہنہ نے ایشیا پر یورش کے نتیجے میں فتح یا شکست کے متعلق کچھ کہنے سے انکار کر دیا ہے۔ سکندر نے اس سے یہ اصرار پوچھا تو کاہنہ یہ کہہ کر خاموش ہوگئی ''سکندر تو ہمیشہ اپنے لئے مطلب براری کا راستہ پیدا کر لے گا۔'' ماہی گیروں کو یقین نہ تھا کہ یہ پیشگوئی صحیح ہے یا غلط۔ یہ بھی یقین نہ تھا کہ سکندر واقعی فیلقوس کا بیٹا ہے جو اولمپیاس ساحرہ کے بطن سے پیدا ہوا اور اس معنی میں اسے حقیقی بادشاہ سمجھنا چاہئے یا وہ سب سے بڑے دیوتا کا بیٹا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ دیکھو سکندر نے تھیبیز کی عظیم الشان قوت کو تین دن میں ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ اب اس عظیم الشان شہر کی جگہ یا تو خون سے لبریز گڑھے ہیں جن پر کھیاں بھنک رہی ہیں یا کوئلے کے انبار ہیں یا سنگ مرمر کے ٹکڑے جا بجا بکھرے پڑے ہیں۔ اکیلیز نے دیوتاؤں کی مدد سے ٹرائے کے ساتھ جو سلوک کیا تھا تھیبیز کے ساتھ سکندر کا سلوک اس سے بدر جہاں زیادہ ہولناک اور دہشت انگیز تھا۔

سطح مرتفع میں بسنے والے مقدونوی کسان بھی اپنے اس بادشاہ کی کیفیت پر متعجب

Marfat.com

تھے جسے قدرت نے ہرقل کا سا حسن اور ہرقل کی سی قوت عطا کی تھی۔ وہ اپنا سر ایک طرف جھکائے رکھتا، ان کی باتیں غور سے سنتا۔ آنکھوں سے توجہ اور دوستی ٹپکتی۔ انہیں بتاتا کہ گھوڑے بیمار ہو جائیں تو علاج کے طریقے کیا ہیں اور خود انہیں بخار آ جائے تو کس طرح پھلوں کا پانی اور روغن بلسان نکال کر استعمال کرنا چاہئے۔ اس کا بدن کسرتی تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے لکڑی کو ریزہ ریزہ کو ڈالتا تھا۔ مکا بازی اور پہلوانی سے برابر احتراز کرتا۔ لڑائی چھیڑنے سے گریزاں نظر آتا۔ لیکن ہنگامہ جنگ میں تین دفعہ بے پروایانہ طوفانی خطرات کے انداز میں گھس پڑا۔ پہلی مرتبہ کائی رونیا میں، دوسری مرتبہ پیلین[1] میں اور تیسری مرتبہ تھیبز میں۔ ان موقعوں پر اس کی کیفیت یہ تھی جیسے شراب کے کسی رسیا کو دعوت میں بلایا جائے۔ مقدونیا کے یہ امراء جن کا پیشہ گھوڑے پالنا اور کھیتی باڑی کرنا تھا فیلقوس کے طور طریقوں کو خوب سمجھتے تھے لیکن اس کے بیٹے کی کوئی بات ان کے ذہن میں نہ آتی تھی۔ وہ دنیا سے غافل ہو کر کتابوں میں ڈوبا رہتا۔ رات کے وقت اپنے خیمے میں چراغ جلا کر مسائل کی گتھیاں سلجھاتا یا قلمی نسخے دیکھتا۔ اس وقت اندازہ ایسا ہوتا گویا کسی بڑے کارنامے کے انجام سے پیشتر عجیب و غریب مذہبی رسمیں ادا کر رہا ہے۔ عوام کو اس بات پر تعجب تھا کہ فوج کے سپہ سالاروں نے سکندر کو ایشیا پر حملے کی رائے دی اور یہ بھی بتا دیا کہ حملہ کیوں کرنا چاہئے۔

انہوں نے کہا کہ فیلقوس اس حملے کا فیصلہ کر چکا تھا، اس بنا پر ہم فوج کی ترتیب، نقل و حرکت اور قیاس گاہوں کا پورا نقشہ تیار کر چکے ہیں۔ ہمیں اپنے ساتھ کوئی پچیس ہزار آدمی لے جانے ہوں گے جو درۂ دانیال کو عبور کر کے ایشیا میں داخل ہوں گے اور یہ فوج مقدونیہ کے قابلِ جنگ آدمیوں کا قریباً نصف حصہ ہوگی۔ پارمینو خود پہلے چلا گیا تھا تاکہ ٹرائے کے سامنے آبنائے کو عبور کرنے کے انتظامات خوب مکمل کر لے۔ اینٹی پیٹر کو پیلا کو چھوڑ دینا ہوگا تاکہ وہ بوڑھے سپاہیوں کے ذریعے سے ملک کی حفاظت کرے نیزے سے رنگروٹوں کو فوجی تعلیم دے۔ ساتھ ساتھ اولمپیاس کو مطمئن رکھے۔ ایک خطرہ یہ ہو سکتا تھا کہ یونان کی

Marfat.com

باقی شہری ریاستیں کسی وقت مخالفت پر نہ اتر آئیں۔ان کی قوت کو بیکار بنا دینے کی تدبیر یہ ہے کہ ایتھنز کے بھاری ہتھیاروں والے سپاہیوں اور تھسلی کے سواروں کو ساتھ لیا جائے۔ غرض یہ منصوبہ ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ یہ ضرور کامیاب ہوگا۔کم از کم اس سے دست بردار ہونے کا کوئی موقع نہیں۔سکندر نے پوچھا ایسا کیوں نہیں ہوسکتا۔زینوفن [2] دس ہزار آدمی ساتھ لے کر ایشیا گیا تھا اور وہاں ٹھہر نہ سکا۔اس نے جو کتاب لکھی تھی اس کا نام ایشیا میں داخلہ نہیں ایشیا سے خروج ہے۔

پارمینو کو علم تھا کہ سکندر زینوفن کی کتاب پڑھ چکا ہے اس نے کہا، اب میں سن رسیدہ ہو چکا ہوں۔میرے تین بیٹے فوج میں اونچے عہدوں پر پہنچ رہے ہیں۔میں چاہتا ہوں کہ اس آخری مہم کو کامیابی کی منزل پر پہنچا کر خدمات سے دست کش ہو جاؤں اور فوجی کاروبار اپنے بیٹوں کے حوالے کر دوں۔اگر اب فوج کو توڑا گیا تو نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ہم نے تمام خطرات کا پورا اندازہ کر لیا ہے اور ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ ہماری فوج ہر اس قوت کو شکست دے گی جو اس کے مقابلے میں آئے گی۔

سکندر نے کہا ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ سمندر ہمارے قبضے میں نہیں۔ایرانی بیڑا جگہ جگہ چھایا ہوا ہے۔پارمینو نے جواب دیا کہ ہم سمندر کا راستہ اختیار نہ کریں گے اور دانیال کی تنگ آبنائے سے گزر کر خشکی پر جا اتریں گے۔میں نے فوج کو اس مقام سے بخیر و خوبی گزارنے کا انتظام مکمل کر رکھا ہے۔بے شک تھوڑا سا خطرہ موجود ہے لیکن اسے قبول کر لینے کے نتائج بے حد فائدہ مند ہوں گے۔اس طرح ہم ایک ہی ضرب میں اس زرخیز اور دولت مند ساحلی علاقے پر قابض ہو جائیں گے جو یونان کے بالمقابل واقع ہے۔ وہاں پرانی تاریخی بندرگاہیں ہیں۔منی لس [3] اخی سوس [4] سے جہاں سات سونے والے سو رہے تھے ہیلی کارناوس [5] جہاں موسولس کا مقبرہ تعمیر ہوا تھا ساڑوس جہاں کروسس [6] حکمران تھا۔غرض اس طرح ہم بحیرہ اسوہ سے غلہ لانے کا راستہ محفوظ کر لیں گے۔اولمپیاس پاس بیٹھی تھی، وہ بولی فیلقوس نے یہ ساری داستان دو لفظوں میں پیش کر دی تھی۔زر و مال اور

Marfat.com

شہرت وعظمت!

اولمپیاس کو سپہ سالاروں پر اس لئے بھروسہ نہ تھا کہ وہ اس کا اثر قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ وہ اپنے بیٹے کو بار بار متنبہ کرتی کہ ان کے تجربات سے فائدہ اٹھاؤ لیکن انہیں طاقت ور نہ بننے دو۔ مبادا یہ بادشاہوں کا درجہ حاصل کرلیں۔ انجام کار اولمپیاس کا یہ شبہ بالکل درست ہوا۔

شاہی خاندان کے بزرگ اصحاب سکندر کے پاس آئے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر شراب پی اور اصرار کیا کہ فوج سے ضرور کام لینا چاہئے۔ فیلقوس نے اسی لئے تمہیں تعلیم دی تھی اور اسی غرض سے تمہاری تربیت ہوئی تھی۔ مقدونوی قوم ابھی زندگی کے ابتدائی مراحل میں ہے جن مخالف قوتوں نے ہر طرف سے اسے محصور کر رکھا ہے ان سے لڑے بغیر قومی ہستی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ ان قوتوں میں سب سے بڑھ کر خطرناک پیشہ ور سپاہ ہے۔ ہم اس خطرے کا صحیح اندازہ کر چکے ہیں۔

جب تک ایران نے یونان پر حملے نہ کئے تھے اور ہمہ گیر لڑائیاں شروع نہ ہوئی تھیں۔ یونان میں پیشہ ور سپاہی موجود نہ تھے۔ اس زمانے کے اسلحہ بردار دراصل فوجی سپاہی ہوتے تھے۔ لڑائی کے بعد وہ ہتھیار گھروں میں لے جاتے۔ مہینے بھر کے لئے یا اس سے کم و بیش خدمت کی ضرورت پیش آتی تو ہتھیار لے کر موقع پر پہنچ جاتے۔ تنخواہ قطعاً نہ لیتے۔ ضرورت ختم ہو جاتی تو اسے کھیت یا دکان کا کاروبار حسبِ سابق سنبھال لیتے۔ وقتاً وقتاً ہتھیاروں سے کام لینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سپاہیوں کو اولمپیائی کھیلوں کیلئے مشق کا موقع مل جاتا (میراتھان کی پہلی دوڑ اس سپاہی کے نقشِ قدم پر ہوئی تھی جو میراتھان کے میدانِ جنگ سے فتح کی خوشخبری لے کر دوڑتا ہوا ایتھنز پہنچا تھا)۔

بعد میں خانہ جنگی شروع ہوگئی تو سپاہیوں کے لئے زیادہ لمبی مدت تک میدانِ جنگ میں ٹھہرے رہنا ناگزیر ہوگیا۔ یوں اس کے کنبے کیلئے معاش کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ شروع میں کنبے کو خوراک وغیرہ بہم پہنچانے کا بندوبست کر دیا گیا پھر سپاہی کی غیر حاضری

Marfat.com

میں اس کے کنبے کو نقد رقم ملنے لگی۔ تدریجاً شہری سپاہیوں کیلئے مستقل تنخواہیں مقرر ہو گئیں۔
مہموں نے طوالت پکڑ لی اور فوجوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو نئے رنگروٹ بھرتی کرنے کا معاملہ سامنے آ گیا۔ یہاں تک کہ اہلِ سپارٹا بھی اپنے غلاموں کو فوجوں میں بھرتی کرنے اور باقاعدہ تنخواہ دینے پر مجبور ہو گئے۔ جنگی جہازوں کو کھینچنے والوں اور ملاحوں کے تعلق میں بھی یہی صورت پیش آئی جو نیا انتظام جاری ہو چکا تھا۔ اسے ختم کرنے کی کوئی صورت نہ نکلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر یونان کی خانہ جنگی آخری منزل پر پہنچی۔ ادھر وہ شہری جو رضا کارانہ جنگی خدمات انجام دینے کیلئے پہلے پہل آئے تھے مستقل تنخواہ دار سپاہی بن گئے جنگلی بربریوں کو بھی اسی طرح تنخواہ پر ملازم رکھا گیا۔

یہ سپاہی جنگ کے خاتمے پر اپنے گھروں میں پہنچے تو کسان تھے یا دکاندار۔ ان کا کاروبار پہلی حالت پر باقی نہ رہا تھا۔ کنبے کو جو رقم ملتی اس میں سے غلاموں کو ملازم رکھ کر کاروبار چلایا جاتا۔ سپاہیوں نے دیکھا کہ اس طرح کھیتی باڑی یا کفش سازی یا دوا سازی وغیرہ سے اتنی آمدنی نہیں ہوتی جو گزارے کیلئے کفایت کر سکے۔ اس لئے کہ کپڑے اور دوسری چیزوں کی قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں لہٰذا انہوں نے یا تو حکومت سے وظیفوں کا مطالبہ پیش کر دیا یا ان فوجوں میں بھرتی ہونے لگے جنہیں لڑائیاں درپیش تھیں۔ ایسے پیشہ ور سپاہی، ہر اس مقام پر پہنچ جاتے جہاں لڑائی چھڑ جاتی۔ میراتھان کے وہ سپاہی جو اپنی برچھیاں، اپنی ڈھالیں، اپنی تلواریں لے کر لڑنے کیلئے گئے تھے وہ 400 ق م کے آس پاس ایکی لیز کی طرح افسانہ پارینہ بن چکے تھے۔ دولت مند شہریوں نے کرائے پر فوجیں لینی شروع کیں۔ سب سے زیادہ تنخواہیں ان حبشیوں کو دی جاتیں جو فوجی تربیت میں سب سے اعلیٰ ہوتے۔ پھر جن تاجروں یا بڑے بڑے زمینداروں نے خوب دولت کمائی تھی وہ خود جنگی خدمات انجام نہ دیتے بلکہ اپنی جگہ پیشہ ور سپاہیوں کو تنخواہ دے کر بھیج دیتے۔

یہی معاملہ فوجی افسروں کو پیش آیا۔ شروع میں سپاہی اپنا سالار خود منتخب کرتے، پیشہ ور سپاہ میں سالار کا عہدہ اس شخص کو ملتا جو جنگی کاروبار میں خاصی شہرت حاصل کر لیتا۔ چوتھی

Marfat.com

صدی قبل مسیح کے آس پاس زینوفن اپنی دس ہزار سپاہ اور افسروں کے ساتھ ایرانی بادشاہ کی خدمت کیلئے بابل تک جا پہنچا تھا۔ سپارٹا کے ایک بادشاہ نے ایک ہزار پیشہ ور سپاہی روپیہ لے کر مصر کے فرعون کو مستعار دے دیئے تھے۔

یونانی شہروں میں دوسرے ہنر مند طبقوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کر لیا۔ مثلاً صنعت گر، معلم، معمار، فلسفی اپنے اصل وطنوں سے نکلے اور یونانی نوآبادیوں یا ایشیا کے بڑے بڑے مرکزوں میں پہنچ گئے اور وہاں اپنے کمالات کی نمائش کرنے لگے۔ یہاں تک کہ طوائفیں بھی اس سلسلے میں باز نہ رہ سکیں جن ہنر مندوں نے پارتھنیان تعمیر کیا تھا اور جنہوں نے یونانی مندروں کی آرائش و زیبائش درجہ جمال پر پہنچائی تھی وہ مجسمے بنانے لگے۔ بعض عقیق اور یشب جیسے بیش قیمت پتھروں کو خوش وضعی سے تراشنے کا کام کرتے بعض حماموں کیلئے فواروں کے سر اور نلکیاں تیار کرتے یا مٹی کے چھوٹے چھوٹے بت بناتے۔ خانہ جنگی کے بعد جو دور شروع ہوا اس میں ان ہنر مندوں نے فروغ پایا لیکن واضح رہے کہ یہ ان ہنر مندوں سے بالکل مختلف تھے جنہوں نے اپنے ذوق وشوق سے بینظیر چیزیں بنائی تھیں یا جو اپنے وطن کا نام سربلند رکھنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ پیشہ ور تھے جن صنعتوں کی وجہ سے زیادہ پیسے مل جاتے انہیں میں مشغول ہو جاتے۔ وہ تنگ بحری آبناؤں اور کاروانی شاہراہوں کے ذریعے سے ممالک غیر میں جا با زم ہوئے۔ یہاں تک کہ یونان کا مشہور [illegible] تھالس بھی سپارٹا کی سپاہ کے پیچھے مصر پہنچ گئی۔ مصر میں خدمت انجام دینے والے یہ کرایہ دار ایک شہر کے سپاہی نہ تھے بلکہ انہوں نے ایک افسر کی ماتحتی قبول کر رکھی تھی اور افسر اس شخص کا حکم بجا لاتا جو اسے پیسے دیتا۔ غرض اس طرح پیشہ ور سپاہیوں کی جماعت پیدا ہو گئی، لیکن یہ اول خاصے ہنر مند بھی تھے اور نظم ونسق کی پابندی کا بھی بہت خیال رکھتے۔

آدمیوں میں پیشہ وری آئی تو آہستہ آہستہ نئی نئی جنگی مشینیں بننے لگیں۔ جب یونان میں خانہ جنگی جاری تھی تو صور اور سائیراکیوز کے ماہر مہندسوں نے ایسی مشینیں بنائی تھیں جو برچھیاں یا جلتا ہوا تیل یا پتھر کے بھاری کولے دور دور پھینکتیں۔ ان کے ذریعے سے

Marfat.com

فصیلیں توڑ جاتی۔ ٹھیک اسی طرح فصیلوں کی حفاظت کیلئے بھی مشینیں بن گئیں۔ ان مشینوں کو بھی روپے ہی کے بل پر کھڑا کیا جا سکتا تھا۔

شاہی خاندان کے بزرگوں نے سکندر سے کہا کہ فیلقوس کو پیشہ ور سپاہ اور دولت کی فراوانی کا پوری طرح احساس ہو چکا تھا۔ اہلِ مقدونیہ کو فوجی تربیت دینے کیلئے وہ پیشہ ور سپاہی ہی لایا تھا۔ دیاوس کو بھی اسی غرض سے ملازم رکھا تھا کہ زیادہ اچھی اور عمدہ مشینیں بنائے۔ بلاشبہ اہلِ مقدونیہ کے حوصلے بلند ہیں۔ ان کا قومی جذبہ بڑا قابلِ قدر ہے لیکن ان کے دل ابھی تک کھیتی باڑی میں اٹکے ہوئے ہیں اور وہ گھروں کا خیال ترک نہیں کر سکتے۔ ان کے گرد و پیش ہر طرف پیشہ ور سپاہیوں، جنگی بیڑوں اور جنگی مشین کے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ کوئی عظیم الشان ایرانی بادشاہ بے اندازہ دولت خرچ کر کے ان بکھری ہوئی قوتوں کو مقدونیہ کے کچلنے کیلئے جمع کر سکتا ہے اب فیلقوس مر چکا ہے اور مقدونیہ کو بچانے والا کوئی نہیں۔ انہوں نے سکندر کو یاد دلایا کہ اگر کسی ایرانی بادشاہ نے دولت خرچ کر کے ایسا قدم اٹھالیا تو اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ حالت کیا ہو گی۔

پنگائی اوس پہاڑ میں سونے اور چاندی کی جو کانیں تھیں، ان کے مہتمم بھی سکندر سے بات چیت کرنے کیلئے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ دنیا میں ایک نئی قوت پیدا ہو گئی اور میزا کی درسگاہ میں جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان میں اس کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ یہ قوت زرِ مسکوک ہے ٹرائے کی پرانی دنیا میں سکے موجود نہ تھے۔ اس زمانے میں مقدونیہ کے گلہ بان شمالی سطح مرتفع سے اتر کر نیچے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انسانی جنس کا تبادلہ جنس سے کر لیتے تھے مثلاً کسی کی خدمت انجام دی اور خوراک حاصل کر لی۔ یا لوہے کی میخیں معیارِ قیمت سمجھی جاتی تھیں اور ان کے بدلے میں کچھ اور چیزیں لے لی جاتی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ تانبا اور بعض دوسری دھاتیں دریافت ہوئیں تو انہیں معیارِ مبادلہ بنا لیا گیا۔ ان پر مالک اپنا نشان ثبت کر دیتا۔ دو صدی پہلے چاندی اور سونے کے چھوٹے چھوٹے سکے بننے لگے۔ ان کی قیمتیں مقرر ہو گئیں۔ سارڈوس، روڈز یا آرگوس میں انہیں سکوں کی بنا پر خرید فروخت ہوتی تھی۔ ان پر یا

Marfat.com

دیوتاؤں کی تصویریں ہوتیں یا کسی شہر کا خاص نشان مثلاً ایتھنز کا خاص نشان الو تھا۔

اب تاجروں نے بحیرۂ روم کی دنیا میں زرمسکوک کو خوب پھیلا دیا ہے خصوصاً ایتھنز کے الو والے نشان کے سکے کو لیکن چاندی حاصل کرنے کے ذریعے بہت محدود ہیں۔ اب تک صرف چند کانیں ہمارے قبضے میں آئی ہیں۔ یونان کا روپہلی درہم اب معیارِ قیمت ہے لیکن عوام میں یہ جذبہ پھیل رہا ہے کہ روپے کو ذریعہ منفعت بنانا سراسر غیر طبعی ہے۔ اس قسم کی غیر طبعی نفع جوئی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مجرم پر خوفناک آفت نازل ہوگی۔ کیا ہمیں مائیڈس[7] کا انجام معلوم نہیں جسے سونا جمع کرنے کی حرص تھی؟ سپارٹا مدت تک زرمسکوک سے بے نیاز رہا۔ وہاں کے سب لوگ اجتماعی زندگی بسر کرتے تھے اور کھانے پینے کا انتظام بھی مشترک تھا۔ اب انہوں نے بھی زرمسکوک کو لین دین کی بنیاد بنالیا ہے۔ سپارٹا کا انحصار ایران کے سونے پر ہے اور اس نے شہنشاہ ایشیا کی مرضی کے مطابق کام کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ڈیماستھنیز جمہوریت کا خطیب ہے۔ اس نے مندر سے روپہلی سکے اٹھائے اور ایتھنز کی فوج تیار کر کے کائی رونیا کے میدان میں پہنچ گیا۔

عام لوگ جنگوں کے باعث خوراک، ایندھن اور کپڑے سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان میں وبائیں پھیل گئی ہیں۔ اب ایتھنز جیسے شہروں میں بھی عالی شان عمارتیں بن رہی ہیں تاکہ بیروزگار سپاہیوں کو کام ملے۔ انہیں سکوں کی شکل میں مزدوری ملتی ہے۔ اس وجہ سے گندم، بھیڑوں، کپڑوں اور دوسری ضروری چیزوں کی قیمتیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ گندم کا ایک پیسہ دو درہم میں ملتا تھا۔ اب اس کی قیمت پانچ درہم ہے۔ بھیڑ کی قیمت خانہ جنگی سے پیشتر کے دور کے مقابلے میں پانچ گنا ہوگئی ہے۔

زرمسکوک کے متعلق عوام کے دل میں جو خطرہ پیدا ہوگیا۔ پڑھے لکھے لوگ اس کے قائل نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سکوں کی تھوڑی سی مقدار بھی وسیع قوت کا سروسامان بن سکتی ہے۔ اس زمانے میں وہی سکے قبول کیے جاتے جو خالص سونے یا چاندی کے ہوتے اور ان کا وزن پورا ہوتا۔ جعلی سکوں کا ابھی کوئی رواج نہ ہوا تھا۔[8] نہ کاغذی سکے جاری ہوئے

Marfat.com

تھے۔ سود خوروں اور ساہوکاروں نے اپنے پیمانے لے کر مندروں کے دروازوں میں بیٹھنا شروع نہ کیا تھا۔

ایتھنز کے مٹھی بھر سکوں سے پتھر کا ایک مکان یا بحیرہ اسود یا تھیریس سے چھ غلام خریدے جا سکتے تھے۔ ایک ٹیلنٹ سے سہ قطاری جنگی جہاز بنایا جا سکتا تھا۔ ٹیلنٹ کے برابر مقدار کے سونے یا چاندی کو سکوں کی شکل میں ڈھال لیا جاتا تو ایک جزیرے کا پورا غلہ یا مردانہ اور زنانہ غلاموں سے بھرا ہوا جہاز خریدا جا سکتا جو کھیتی باڑی کرنا اور کپڑے بننا جانتے نیز ضرورت کے وقت بچے پیدا کر سکتے۔ کوئی جابر حاکم یا مندر کے پجاری روپیہ جمع کر لیتے تو بعد کے آنے والے لوگ اس سے بے اندازہ قیمتی چیزیں تیار کر لیتے تو خود یونان میں ڈلفی کے مندر کے سوا زیادہ دولت کہیں جمع نہ تھی۔ ایشیا سونے اور چاندی کے لامتناہی انباروں سے بھرا پڑا تھا جو طارس کے پہاڑوں، یا عرب یا دور افتادہ ہندوستان سے لائے جا رہے تھے چونکہ اہلِ مقدونیہ کے پاس زرِ مسکوک نہ تھا اس لئے ان میں تجارت کا بھی زیادہ رواج نہ تھا۔

ایشیا سے دولت کا سیل بہتا ہوا آ رہا تھا۔ مثلاً سکے، قیمتی دھاتیں، ہاتھی دانت، سنگ جراحت، سنگِ سلیمانی، بیش بہا جواہرات یہ دولت تاجروں اور بردہ فروشوں کے ذریعے سے آ رہی تھی۔ خود یونان سے ترکِ وطن مسلسل ایشیا کی طرف جا رہے تھے مثلاً سنار، گلدستوں کے نقش کار، آبادکار طبیب، گویے اور آوارہ گرد لوگ خانہ جنگی کے بعد ہر دور میں تجارت ترقی کرتی رہی اور ایشیائے کوچک اس تجارت کی سب سے بڑی منڈی بن گیا۔ صور سارڈس، سائیرا کیوز اور قرطاجنہ کی تجارت کا اصل مرجع یہی خطہ تھا۔ یونانی شہروں میں صنعت و حرفت اور تجارت زیادہ ترقی کر چکی تھی۔ باہر سے غلہ، لکڑی اور دھاتیں درآمد کی جاتیں۔ روپے کا لین دین بھی تجارت کی ترقی کے ساتھ بڑھتا گیا۔

مقدونیہ کے پہاڑی علاقے میں کوئی تجارتی شاہراہ نہ آتی تھی اور وہاں کے خزانے میں سونے چاندی کے ذخیرے بھی بہت کم تھے۔ فیلقوس نے تھوڑا سا ساحلی علاقہ فتح کر لیا

Marfat.com

تھا جس میں بندرگاہیں موجود تھیں لیکن اس کے پاس نہ تو بیڑا تھا اور نہ وہ اپنے کاشتکاروں کو تجارت کی طرف مائل کر سکا۔ بلاشبہ بحیرۂ روم کی دنیا میں خوشحالی روز افزوں تھی لیکن مقدونیہ کی سطح مرتفع تک اس خوشحالی کی ہوا نہ پہنچی تھی۔ ان حالات میں اہلِ مقدونیہ کیلئے ناگزیر تھا کہ وہ ایشیائی ساحل کی دولت پر قبضہ جمانے کیلئے قدم آگے بڑھاتے۔ ہارپولوس بار بار یہی رائے پیش کرتا تھا۔ اسے زر مسکوک کے ممکنات نے بالکل مسحور کر لیا تھا۔ سکندر بھی ان ممکنات کو خوب سمجھتا تھا۔ اسے احساس ہو چکا تھا کہ دوسرے ذرائع کے مقابلے میں اہلِ مقدونیہ کی اقتصادی بدحالی کو ختم کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔

بعض خطرات اس سلسلے میں اس کے عنان گیر تھے۔ مثلاً اسے اپنی صلاحیتوں پر پورا اعتماد نہ تھا۔ وہ تیس ہزار کی فوج کے سالارِ اعظم کا منصب قبول کرنے سے ہچکچاتا تھا جب پیلا کے باغوں میں سے گزرتا ہوا مندر کی طرف جاتا جہاں ایک زمانے میں دوڑ لگایا کرتا تھا تو اسے نیلا سمندر لہریں لیتا ہوا نظر آتا تھا جسے وہ اپنے راستے میں مزاحم سمجھتا تھا اور کچھ معلوم نہ تھا کہ اس سے کیونکر عہدہ برآ ہو۔ جب اس نے مندر پر یہ عبارت پڑھی ''اب میں غیر فانی ہوں موت کا ہاتھ مجھے چھو نہیں سکتا۔'' تو اس کے دماغ میں دور افتادہ ایشیائی دیوتاؤں کا تصور ابھر آیا۔ اسے صحیح مشورہ دینے والا کوئی نہ تھا۔ البتہ مختلف قسم کی باتیں بطور مشورہ پیش کرنے والے لوگ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ جب پیلا کے بڑے بڑے ہال اس کی نگاہوں کے سامنے آتے تو اسے محسوس ہوتا کہ ان میں قلوپطرہ، اس کے مقتول بچے نیز مقتول ایمناس کی روحیں گشت لگا رہی ہیں۔

آخر ایک صبح کو وہ مندر کی طرف نکلا تو پارمینیو اور فلوٹس اس کے ساتھ تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ اب مہم پر روانگی کا فیصلہ صادر کر دیجئے۔ سکندر چپ چاپ سنتا رہا اور دیر تک کچھ نہ کہا۔ آخر بولا کہ جب سماک رامح کا طلوع ہوگا تو ہم ایشیا کی طرف کوچ کریں گے۔ پیش قدمی کے جو نقشے بنا لئے گئے ہیں ان پر عملدرآمد شروع ہو جانا چاہئے۔ جب وہ محل کی طرف واپس جا رہا تھا تو پھر اس کی نظر سمندر پر پڑی...... سمندر بدستور اسے اپنے ارادوں میں مزاحم

Marfat.com

معلوم ہوتا تھا۔ تاہم یہ احساس بھی تھا کہ اس سے آگے مشرق میں دو بلند دیواریں کھڑی ہوں گی جن پر دیوتا رہتے ہیں۔

ارسطو اس عزم کے خلاف تھا۔ آخری موسمِ سرما میں سکندر زیادہ وقت اسی کے ساتھ گزارتا رہا۔ وہ اس زمانے میں سیاسیات پر اپنی کتاب مرتب کر رہا تھا۔ یہ فلسفی جو آگے چل کر صدیوں تک انسانی فکر ونظر کا معیار بننے والا تھا۔ یونان کے سپہ سالارِ اعظم کو بار بار رائے دیتا کہ اپنی سرگرمیاں مقدونیہ تک محدود رکھو۔ یہاں کے حالات با آسانی اپنے قابو میں لا سکتے ہو۔ امراء کی حفاظت کر سکتے ہو۔ کسانوں کو کھیتی باڑی میں لگائے رکھو۔ یہاں تک کہ وہ تعلیم پالیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ارسطو کیلئے اہلِ مقدونیہ کی اکثریت کی جہالت بڑی تکلیف دہ تھی۔ افلاطون بھی اپنی کتاب جمہوریت میں اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ صرف چند آدمی سعی و کوشش سے انسانیت کے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ سکتے ہیں۔ اس کے نزدیک مثالی ریاست کی حیثیت ایک باغ کی سی تھی جس کی چاردیواری میں اعلیٰ درجہ کے پودوں کی پرورش کی جاسکے۔ یہ کیفیتی استدلال تھا اور ارسطو اس پر زور دیتا۔ خود اس کے معیار بہت بلند تھے۔ وہ کہتا تھا کہ اگر چند آدمیوں کو بھی مقاصدِ حیات کے متعلق صحیح علم سے روشناس کیا جاسکے تو وہ چند لاکھوں ناواقفوں پر حکومت کر سکتے ہیں۔ غالباً ارسطو کے نظامِ فکر میں اس روحِ عالم کا کوئی وجود نہ تھا جس کی طرف افلاطون نے رہنمائی کی تھی، لیکن یقیناً ارسطو بھی ایک محکم محرم کا قائم تھا جسے رہنمائی کا سرچشمہ قوت سمجھنا چاہیے۔ وہ کہتا تھا کہ اسی ہمیشہ قائم رہنے والے چشمے کی طرف انسانی افکار کا رخ پھیرنا ضروری ہے۔

پریوں کے مجسموں کے نیچے بنچ پر بیٹھ کر ارسطو اپنا عصا بار بار زمین پر مارتا اور کہتا ہمیں وہ خیر، وہ حسن وخوبی اور وہ اچھائی دریافت کرنی چاہیے جس کی غرض سے اس زمین پر زندگی کا ظہور ہوا۔ پھر اس کے پُرشکن چہرے پر تبسم کی لہر نمودار ہوتی اور کہتا ہمیں اس زمین میں اس باغ کے اندر اچھے میوہ دار درخت ضرور پیدا کرنے چاہئیں۔ اگر نخلِ حیات یہاں پیدا نہیں ہوسکتا تو نہ سہی۔

Marfat.com

اس کی توجہ نوٹوں کے اس گراں قدر مجموعے پر جمی ہوئی تھی جو تقریباً نصف درجن علوم کے لئے اس نے تیار کر رکھے تھے۔ جب وہ بڑے بڑے اسرار کی تشریح کرتا تو اس کی باتیں پوری طرح سمجھ میں نہ آتیں۔ طبیعات کے مقابلے میں مابعد الطبیعیات کے متعلق اس کے نوٹ بہت معمولی تھے۔ ارسطو بار بار خطرات کا اظہار کرتا۔ وہ کہتا کہ یہ باغ جس میں ہم بیٹھے ہیں یہ مقدونیہ کے پہاڑ یہ تنگ سمندر جنہوں نے اس زمین کو گھیر رکھا ہے وسیع ربع مسکون کا محض ایک چھوٹا سا گوشہ ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ قابلِ آبادی زمین فلسفیوں کے تصور سے بہت زیادہ وسیع ہو۔ ان دور افتادہ خطوں میں بربری گروہ آباد ہوں گے جن پر کسی یونانی کی نگاہ اب تک نہیں پڑی۔ اگر سکندر مقدونیہ کی نصف آبادی کو مشرق کی طرف لے گیا تو ہوسکتا ہے بربری گروہ اسے کھا جائیں یا وہ ان سرزمینوں میں ختم ہو جائے جو نقشے پر جگہ نہیں پاسکیں۔

شاید ارسطو کو اس وجہ سے مہم کی مخالفت ضروری محسوس ہوئی تھی کہ اسے سکندر کی میراث کے بارے میں پوری آگاہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اولمپیاس میں جنون کی ابتدائی علامتیں نمودار ہیں وہ ایک لمحے کیلئے بھی چین سے نہیں بیٹھتی اور ہر وقت گرد و پیش کے لوگوں پر رعب جمانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ فیلقوس شراب کا متوالا تھا اور اس نے ایک مجہول بچہ پیدا کر دیا۔ سکندر کی عمر اگرچہ بیس سال کی ہو چکی تھی تاہم وہ عام لوگوں سے میل جول کو پسند نہ کرتا تھا اور اس کا رجحان یہی تھا کہ اپنی خیالی دنیا میں مگن رہے لیکن یونان کے سپہ سالار اعظم نے مہم کے متعلق اپنا ارادہ تبدیل کرنے سے انکار کر دیا۔ ارسطو کو خود اس امر کا اعتراف تھا کہ جانوروں کی طرح آدمی بھی طبعی ماحول کی بنا پر بدل جاتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اہلِ مقدونیہ اس طرح اپنے نشو و ارتقاء کا رستہ بہتر سرزمین میں پیدا نہ کرلیں۔ یونانیوں نے مشرق میں نو آبادیاں قائم کر کے اپنے پھیلاؤ کا انتظام کر لیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پیلا کے بنجر ڈھلانوں کے بجائے زرخیز پہاڑیوں کے اطراف میں نئے شہر آباد نہ کئے جائیں۔ سکندر نے پوچھا ”آباد کار کون ہوں گے؟ مقدونوی؟“ ارسطو نے جواب دیا

Marfat.com

''یقیناً'' ساتھ ہی یہ بتایا کہ ابھی تک مقدونوی قوم معرضِ وجود میں نہیں آئی۔تمہارے باپ نے مقدونیہ کا خیال پیدا کر دیا۔اس خیال کا مرکز بنا کر قبائل سے ایک فوج تیار کر دی۔اب مقدونیہ جو کچھ بھی ہے اس فوج کی شکل میں ہے۔یقیناً فیلقوس نے فتوحات کیں لیکن وہ مفتوحہ علاقوں کا نظم ونسق صحیح اصول پر نہ چلا سکا اور قومیت کا جو تصور اس نے اپنے ذہن میں قائم کیا تھا عمل میں صورت پذیر نہ ہو سکا۔اس بارے میں نشوو ارتقاء کے قوانین اٹل ہیں وہ انسان کے بنائے ہوئے نہیں۔انسان جس طرح پرندوں کا شکار کرتے ہیں اس طرح راحت کا شکار نہیں کر سکتے۔سکندر نے ہنس کر کہا کہ یہ تو حقیقت ہے کہ ملاح سمندروں میں اور قافلے صحراؤں میں پرندوں کی پرواز سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

جب سماک رامح طلوع ہوا اور موسم اعتدال پر آیا تو سفر کا جذبہ سکندر کے تمام جذبات پر غالب آ گیا۔اب اس کی آرزو یہ تھی کہ مطلع آفتاب کی طرف روانہ ہونا چاہئے خواہ زر و مال ملے۔خواہ شان وعظمت خواہ نئی سرزمین مل جائے۔رات کے وقت وہ ٹرائے کی کہانی ضرور پڑھتا اور ہیلن کے حسنِ تاباں کا تصور اس کے دماغ میں ضرور قائم ہوتا۔وہ کہتا کہ اہلِ ٹرائے کو ملزم نہ قرار دینا چاہئے۔انہوں نے جس عورت کیلئے اتنی لمبی مدت تک مصیبتیں برداشت کیں وہ یقیناً ویسی ہی غیر فانی تھی جیسے دیویاں ہوتی ہیں۔بطلیموس بولا کہ یہ عجیب بات ہے لوگ عورتوں میں غیر فانی حسن تلاش کرنے کیلئے نکلتے ہیں اور باغ میں شوخ چشم لڑکیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔اچھا یوری پائیڈیز نے ہیلن کے متعلق کیا کہا تھا۔کچھ ایسی بات تھی کہ ٹرائے کی ندی کے کنارے مر گیا۔ایک چہرے کے تخیل میں ایک نام کے سائے کے پیچھے......سکندر بہر حال اپنے ارادے پر قائم رہا۔

جانے کا فیصلہ ہو چکا تو فوجی افسروں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ سکندر نے سر و سامان کی ایک ایک چیز کو دیکھنا اور جانچنا شروع کیا۔صاف معلوم ہوتا تھا کہ فوج کو جو جو مرحلے پیش آنے والے تھے اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ہیروڈوٹس کے سفرنامے کو اس نے پوری طرح پڑھ لیا۔ہیکاٹائس کا نقشۂ عالم بھی دیکھ لیا جو جاسوس ایشیا کے راستے دیکھ چکے

Marfat.com

تھے۔ ان میں سے ایک ایک کو بلا کر لا متناہی سوالات کیے۔ غرض وہ نئی سرزمینوں کا پورا نقشہ اپنے دماغ میں قائم کر لینا چاہتا تھا اور تمام جزئیات پر برابر غور کرتا رہتا۔ دیاوس نے جو نئی مشینیں تیار کی تھیں ان کے ساتھ لمبی اور بھاری سیڑھیاں بھی تھیں۔ یہ سیڑھیاں گاڑیوں پر لد کر چلتی تھیں۔ ان کے ساتھ بھاری اور ہلکے رسے بھی تھے۔ سکندر نے سوچا کہ ایسی سیڑھیوں کو ندیاں عبور کرتے وقت ساتھ لے جانا مشکل ہوگا۔ لہٰذا دیاوس سے کہا کہ ان کی جگہ کوئی دوسری چیز تیار کرو، پھر خود ہی تجویز کر دیا کہ رسوں کو گانٹھیں دے کر سیڑھیاں کیوں نہیں بنا لیتے۔

اس نے کاہن اریسٹانڈر کو بھی حکم دے دیا کہ مہم کے ساتھ چلنے کیلئے تیار ہو جائے۔ بطلیموس کو ایک فوج کی کمان دے دی۔ نیز ہر فوج کے ساتھ دو سرویئر لے لیے گئے جنہیں ہر روز کا راستہ تجویز کرنا تھا۔ ایک موسم شناس رکھا۔ حیوانات اور نباتات کے متعلق پورے حالات مرتب کرنے کیلئے سائنسدان ساتھ لے لئے۔ یہ بھی طے کیا کہ میں اپنا روزنامچہ خود لکھا کروں گا۔ بطلیموس سے کہا کہ تم بھی لکھا کرو۔ بطلیموس نے جواب دیا کہ آپ تو ایسی باتیں کر رہے ہیں جیسے درسگاہ کو ساتھ لے چلیں گے۔ عورت تو کوئی ساتھ لے جا نہیں رہے لیکن بڑے آدمیوں اور گویوں کا جھنڈ تیار کر لیا ہے۔

مقدونیہ کے تجربہ کار جرنیلوں کا احساس یہ تھا کہ یہ فوجی مہم نہیں بلکہ چھان بین کی مہم ہے۔ وہ کہتے تھے کہ بھلا کون سا جرنیل ہے جو اپنا روزنامچہ لکھتا ہے۔ سکندر نے یہ بھی طے کر دیا تھا کہ ہم کم از کم ایک سال باہر رہیں گے یا ممکن ہے زیادہ وقت لگے۔ اس نے بڑے بڑے فوجی افسروں اور امراء کے ذاتی معاملات کا جائزہ لیا اور سرکاری زمینیں ان کے حوالے کر دیں۔ ضرورت مندوں کو دینے کیلئے اس کے پاس روپیہ نہ تھا۔ ساتھیوں میں پرڈکاس بھی تھا جس کے زخم اچھے ہو چکے تھے۔ اس نے پوچھا: ''سب کچھ تو بانٹ رہے ہو اپنے لئے کیا رکھا؟'' سکندر نے جواب دیا: جو قسمت سے میرے ہاتھ آئے گا۔'' پرڈکاس نے اس جواب پر تھوڑی دیر غور کیا اور کہا میں بھی قسمت ہی پر انحصار رکھتا ہوں۔

Marfat.com

سکندر نے جس طرح یہ حکم دیا تھا کہ سب احکام میری طرف سے جاری ہوں گے اسی طرح ہر تفصیل کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر لے لی تھی۔ اولمپیاس کو وہ اینٹی پیٹر کی حفاظت میں چھوڑ رہا تھا۔ وہ سخت غصے میں آ گئی اور بولی خاندانی زمینیں ان کے حوالے کر رہے ہو۔ گویا انہیں بادشاہوں کے برابر رتبہ دے رہے ہو۔ یہ کیا بات ہے؟ سکندر نے سنی ان سنی کر دی۔ اس پر اولمپیاس نے رونا شروع کر دیا اور چیخ چیخ کر بولنے لگی۔ سکندر بولا میں نے تمہارے بطن میں جو وقت گزارا ہے اس کیلئے بہت بڑا اخراج ادا کر چکا ہوں۔

یہ حیرت انگیز جملہ سنتے ہی اولمپیاس خاموش ہو گئی اور اس کے آنسو خشک ہو گئے۔ صرف اتنا کہہ سکی تم جہاں بھی جاؤ گے میرے خط تمہیں ملتے رہیں گے۔ یوں اولمپیائی کھیلوں کو شروع ہوئے چار سو بیالیس سال گزر چکے تھے۔ سماک رامح طلوع ہو چکا تھا۔ اس وقت مقدونیہ کی فوج نے شاہراہ اعظم پر قدم رکھا اور دورۂ دانیال کی طرف روانہ ہوئی۔ سکندر بھی اپنی فوج کے ساتھ گرد و غبار میں سے پیدل جا رہا تھا۔ سیاہ بیوی فالس ...... اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ وہ روانہ ہو گیا پھر اسے واپس ہونا نصیب نہ ہوا۔

○

Marfat.com

چھٹا باب

غنیم کی سرحد میں داخل

یونانی فوج نے سمندر کو بڑی دلجمعی سے عبور کر لیا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ بادِ شمال نے آبنائے کی ابھرتی ہوئی موجوں میں ایک گونا سکون پیدا کر دیا۔ مطلع صاف ہونے کے باعث ایشیائی ساحل کی سرخی مائل زمین صاف نظر آ رہی تھی۔ ٹرائے کی پہاڑی سامنے دکھائی دیتی تھی۔ اس کے پیچھے سلسلہ کوہ کی وہ کیفیت بھی تھی جیسے اس زمین کیلئے ریڑھ کی ہڈی کا کام دے رہا ہو۔ بحری مرغابیاں سمندر میں جگہ جگہ اچھل کود رہی تھیں۔ دشمن کے جہاز بالکل ناپید تھے۔ یونانیوں کے وہ حلیف بھی جو اوہام میں ڈوبے ہوئے تھے اعتراف کر رہے تھے کہ شگون بڑے نیک ہیں۔ وہ کہتے تھے اطمینان کے ساتھ سمندر عبور کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ دیوتا اس مہم میں ہمارے یاور ہیں اور اس امر کی علامت ہے کہ ضرور کامیابی حاصل کریں گے۔ چھوٹی چھوٹی ماہی گیر کشتیوں اور تجارتی جہازوں کا بیڑہ درۂ دانیال کی انتڑی میں فوج کو ایشیائی ساحل پر پہنچانے کا کام انجام دیتا رہا اور جو فوجی یورپی ساحل سے ایشیائی ساحل پر پہنچتے تھے وہ مرحبا اور سلامت باشید کے نعرے بلند کرتے تھے جس یورپی ساحل کے چپے چپے سے وہ واقف تھے اس پر بھی وہ وداعی نظر ڈالتے جاتے تھے۔

سکندر نے زرہ بکتر پہن رکھا تھا۔ سر پر خود تھا جو سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس پر سفید شیر لہرا رہے تھے۔ جب کشتی سے کود کر اس نے ایشیائی ساحل پر قدم رکھا تو کسی نے عشق پیچاں کا ہار اس پر سے نچھاور کیا۔ اسی مقام پر انہوں نے سنگ مرمر کے پتھر لے کر

Marfat.com

اپنے سب سے بڑی دیوتازیوں کے لئے قربان گاہ بنائی جسے تمام راہرووں کا محافظ مانا جاتا تھا۔ ایک قربان گاہ ایتھینا دیوی کیلئے بھی بنائی جس سے مقصود یہ تھا کہ ان اہلِ ایتھنز کی دلداری کی جائے جو اس مہم میں ساتھ دے۔ قربان گاہ پر چڑھاوے کیلئے انہوں نے سنہری پیالے سے شراب لنڈھائی۔ پھر شادیانے بجاتے ہوئے ٹرائے پہنچ گئے جس کے برج کئی گردشِ روزگار سے گر رہے تھے۔ وہ سب کھنڈروں میں سے اپنے لئے یادگاریں تلاش کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ ان کے پیشرووں نے ایک چھوٹی سے پہاڑی پر بے مثال زندہ جاوید کارنامے انجام دیئے۔

جو تاجر ماہی گیر اس پہاڑی پر رہتے تھے وہ سب جمع ہو گئے تاکہ یونانیوں کو آثارِ قدیمہ دکھائیں۔ وہاں کے مندر میں سیاہ رنگ کی ایک ڈھال اور ایک ٹوٹا ہوا بربط پڑا تھا۔ مندر کے پجاریوں نے حلف اٹھا کر بیان کیا کہ یہ دونوں چیزیں ایکی لیز کی ہیں۔ وہ انہیں ایک نیک شگون سمجھ کر سکندر کے پاس لائے۔ سکندر نے چیزوں کو غور سے دیکھا پھر ڈھال رکھ لی اور کہا کہ یہ فوج کے ساتھ ساتھ جائے گی۔ اس کی جگہ اپنی ڈھال مندر کے حوالے کر دی، شام کے وقت جشنِ عام منایا گیا۔ فوج کے ممتاز افسروں نے ایکی لیز اور پٹیر وکلوس[1] کی قبروں پر جا کر شراب پی۔ یہ دونوں شخص بہت گہرے دوست تھے۔ جب نشہ چڑھ گیا تو انہوں نے اپنے بالوں میں ہار لٹکائے۔ کپڑے اتار دیئے اور رفتگان نام آور کے اعزاز میں رقص کرتے رہے۔ سکندر بنسری بجاتے اور رقص کرتے ہوئے تھک گیا تو مشعلوں کی روشنی میں ایک مقام پر بیٹھ کر ہفاسشن سے باتیں کرنے لگا۔ وہ کہتا تھا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ ایکی لیز واقعی کوئی نامور جنگجو تھا یا ہومر نے اپنے زورِ تخیل سے ایک افسانوی کردار تیار کر دیا ہے۔ فرض کرو ہومر اپنی شہرۂ آفاق نظم ایلیڈ نہ لکھتا تو کیا ہمیں ایکی لیز کے متعلق کچھ بھی معلوم ہو سکتا ہے؟

ہفاسشن نے جواب دیا کچھ بھی نہیں۔ اگر کسی جوان مرد کے کارناموں کی مدح و ستائش کے گیت گانے کیلئے کوئی بلند پایہ شاعر موجود نہ ہو تو ہر کارنامہ دو ہی تین پشتوں میں

Marfat.com

فراموش ہو جائے گا۔ غرض ہم آج اہلِ یونان یا اہلِ ٹرائے کی یاد میں جشن نہیں منا رہے۔ ان کی یاد میں رقص و مے نوشی نہیں کر رہے بلکہ اس کارنامے کی یاد میں سب کچھ ہو رہا ہے جسے ہومر نے شعر کا لباس پہنا کر زندہ جاوید بنا دیا۔

بطلیموس نے اس سے شدت کے ساتھ اختلاف کیا اور کہا کہ محض زورِ خطابت کی بنا پر کسی واقعہ کو بقائے دوام کا لباس نہیں پہنایا جا سکتا۔ ہیلن جیسی شاندار عورت ہی کو لو، مجھے تو درختوں کے اس جھنڈ میں اس کی روح چلتی پھرتی معلوم ہوتی ہے اور اس کے شانوں پر لمبے لمبے بال لہرا رہے ہیں۔ ہفاسشن نے ہنا کر کہا کہ اگر تمہارا احساس درست ہے تو مہربانی فرما کر کپڑے پہن لیجئے۔

مقدونوی سپاہیوں نے شراب نوشی کے دوران میں زیادہ باتیں نہ کیں۔ انہوں نے اپنی انگلیوں سے نمکین اور سیاہ زمین کو محسوس کیا۔ دور ریوڑ میں بے شمار بھیڑوں کے بچے دیکھے اور بولے کہ یہ خطہ بڑا زرخیز ہے اور ہمارے پتھریلے دامنِ کوہ کے مقابلے میں اس کی زرخیزی بہت بڑھی ہوئی ہے۔

اہلِ مقدونیہ کو ٹرائے کے مختصر سے کھنڈر دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ ان میں کام کی کوئی چیز باقی نہیں۔ تاہم اپنے پرانے اکابر کی قبروں کے پاس ان کا کیمپ لگا تو انہیں بڑی مسرت ہوئی۔ سکندر نے باشندوں کو حکم دے دیا کہ ٹرائے کی فصیل از سرِ نو بنا دیں اور انہیں ہمیشہ کیلئے ادائے خراج سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا۔ جب ٹرائے سے اس نے قدم آگے بڑھایا تو یہ قدم میدانِ جنگ کی جانب تھا۔

پارمینیو کے جاسوس اطلاعات لے آئے تھے کہ مشرق کی جانب سے بھاری ایشیائی فوج کوچ کرتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ پارمینیو کو اس اطلاع سے کوئی تشویش نہ ہوئی۔ وہ اطمینان سے سمندر کو عبور کر چکا تھا اور اپنی احتیاط کوشی کی بنا پر کسی کو عبور کی خبر نہ ہونے دی تھی اب وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا لیکن اسی نشیبی زمین میں سے جو سمندر کے چمکتے ہوئے پانی کے قریب واقع تھی ایڈا پہاڑ اور ایشیائی اولمپس کی سفید چوٹیاں یوں نظر آتی تھیں جیسے

Marfat.com

سامنے روشنی کے مینار کھڑے ہوئے ہوں۔ جب طلایہ گرد سواروں نے بتایا کہ غنیم سامنے آ گیا ہے تو پارمینیو نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا اور دونوں حصے انتہائی دلجمعی سے دریائے گرینی کس کی طرف بڑھنے لگے جو بارش کے پانی کی وجہ سے لبریز بہہ رہا تھا۔ وہاں انہیں پہلی مرتبہ ایشیائی رسالہ نظر آیا۔

دریا کے کنارے پر پہنچ کر پارمینیو اور سکندر مقابل کے کنارے پر غنیم کے سواروں اور پیادوں کی تعداد کا اندازہ کرنے لگے۔ گھوڑے نہایت اچھے، ترتیب کے ساتھ چھوٹی چھوٹی رجمنٹوں میں بٹے ہوئے تھے۔ سواروں نے ڈھیلا ڈھالا لباس پہن رکھا تھا۔ ان کی ٹوپیاں رنگین تھیں۔ چھوٹی چھوٹی ڈھالیں اور چھوٹی چھوٹی برچھیاں ان کے کولہوں پر لٹک رہی تھیں۔ وہ دریا کے کنارے کھڑے خاموش اہلِ مقدونیہ کی ہنسی اڑا رہے تھے۔ پکار پکار کر کہہ رہے تھے: ”یونانیو! یونانیو! تمہیں کس نے پیسے دے کر یہاں بھیجا ہے؟ تم عورتیں ہو کہ گھاگھرے پہن رکھے ہیں؟“

پارمینیو اس طعنہ و تشنیع سے بالکل متاثر نہ ہوا۔ اس نے دیکھا کہ پیچھے سلسلہ کوہ کی چوٹی کے ساتھ اور بہت سے سوار کھڑے ہیں جنہوں نے تیر کمان سنبھال رکھے ہیں۔ ایک مقام پر بہت سے پیادے لمبی لمبی برچھیاں ہاتھ میں لئے استادہ تھے۔ یہ تنخواہ دار یونانی فوج تھی۔ سوار اور پیادے ملا کر بھی یونانی فوج سے کم تھے۔ نیز جنگی ترتیب بالکل طفلانہ نظر آتی تھی۔ ان میں سب سے اچھے ہتھیار ایرانی سواروں کے پاس تھے جو جوش و خروش سے بہنے والے دریا کے کنارے شیخیاں بگھار رہے تھے۔

پارمینیو نے حالات کا پورا جائزہ لے کر تمام تفصیلات خود رائے سکندر کے سامنے پیش کر دیں جو تشویش کا پیکر بنا کھڑا تھا۔ ساتھ ہی کہا کہ ان لوگوں کے طعنہ و تشنیع پر کان نہ دھرو۔ دریا کو عبور کرنے کی کوشش سخت نامناسب ہے۔ یہ بڑا خطرناک ہے۔ بعض جگہ اس کا پانی بہت گہرا ہے۔ وہ ہمارے مقابلے میں جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کر لیں ہم آگے بڑھیں گے تو صف بندی قائم نہ رہ سکے گی۔ پھر ہمیں پانی سے باہر نکل کر بلند کنارے کی چڑھائی طے

Marfat.com

کرنی پڑے گی۔ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟

سکندر: ہیلس پانٹ (درۂ دانیال) کو عبور کرتے وقت تو تمہیں بال برابر بھی تشویش نہ ہوئی تھی، اب اس چھوٹی سی کمبخت ندی سے ڈر رہے ہو!

پارمیو: موقع ایسا ہے کہ اس وقت کچھ نہ کرنا چاہئے۔ فوج جس صورت میں مرتب کھڑی ہے اسے کھڑی رہنے دو اور چپ چاپ خیمے میں جا بیٹھو۔ غنیم کے پاس پیادہ فوج کا صرف ایک اچھا جیش ہے۔ رات ہو جائے گی تو وہ کبھی ہمارے قریب نہ ٹھہریں گے صبح تک وہ یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔ پھر ہم اطمینان سے دریا عبور کرلیں گے اور ایک آدمی کو بھی ضرر پہنچنے کا اندیشہ باقی نہ رہے گا۔

سکندر: پھر کیا ہوگا؟ وہ بدستور ہماری ہنسی اڑا رہے ہیں۔

پارمیو کو ایشیائیوں کی روش کے خلاف جوش اور غصے کا یہ اظہار سراسر طفلانہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ دریا کے اندر تجربہ کار مقدونوی فوج کو رسالے کے مقابلے کی دعوت دینا ایک بالکل نئی بات ہے لیکن سکندر کو گوارا نہ تھا کہ ایشیائیوں کی دعوت کا بروقت جواب نہ دیا جائے اس نے ہراول کو حکم دے دیا کہ فوراً دریا میں اتر پڑو اور خود فوج خاص میں سب سے آگے جا کھڑا ہوا جو دائیں بازو پر متعین تھی۔ اس روز بیوی فالس پر سوار نہ تھا وہ تیزی سے فلوٹس کے پاس پہنچا اور یہ کہتا ہوا دریا میں کود پڑا کہ میرے ساتھ آؤ۔

اگلی ساعت میں وہ سب مصیبتیں ایک دم ہجوم کر کے آ گئیں جن کا خدشہ پارمیو پہلے ظاہر کر چکا تھا۔ سکندر دریا میں اترا تو پانی گھٹنوں تک تھا۔ لیکن اتنا تیز بہہ رہا تھا کہ وہ نیچے کی طرف جانے لگا۔ اسی طرف ایرانیوں کے رسالے کا "قلب" متعین تھا۔ اس افراتفری میں صف بندی ٹوٹ گئی۔ سکندر کی فوج کے آدمی قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے اور پانی میں بہتے چلے جاتے تھے۔ اوپر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ دریا کے پانی میں تیر گرتے ہی پھوار پیدا ہوتی جس سے آنکھیں چندھیا جاتیں۔ یونانی کیچڑ میں سے ہوتے ہوئے پتھروں کے سہارے آگے بڑھے اور مقابل کے کنارے پر پہنچے۔ وہاں سواروں سے مڈبھیڑ ہوئی

Marfat.com

جنہیں بڑی ہنرمندی سے ادھر ادھر دوڑایا جارہا تھا۔ یونانیوں کی لمبی برچھیاں، ڈھالوں، پتھروں اور جھاڑیوں میں شیشے کی جھنجھناہٹ پیدا کررہی تھیں۔ گھوڑے گرتے اور سوار پانی میں بہہ نکلتے۔ اس اثناء میں سکندر بھی گر گیا۔ اس کے جو ساتھی زندہ تھے وہ سفید شہپروں کو دیکھتے ہوئے اس کے اردگرد آ کر جمع ہوگئے اور اپنی تلواریں کھینچ کر اس پر سائبان سا تان دیا۔ ایرانی سر عسکر سکندر کی طرف بڑھا۔ ایک برچھی سکندر کے سینہ بند کے جوڑ میں جا اٹکی اور اس کے شہپر نکل کر زمین پر گر گئے۔ اس نے نئی برچھی لینے کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ آدمی نے دستہ ہلا کر بتا دیا کہ وہ ٹوٹ چکی ہے۔

اسی اثناء میں سکندر کے خود پر تلوار کی ایک ضرب پڑی اور نیچے تک اتر گئی۔ اس کے ہوش وحواس گم ہوگئے اور تھوڑی دیر تک آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا رہا۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ کلائی ٹس بالکل پاس کھڑا ہوا اس پر سے وار روک رہا تھا لیکن سکندر کو وہ نظر نہ آیا۔ ایک ایرانی سردار نے جس کی زرہ چمک رہی تھی سکندر پر ایک اور ضرب لگانی چاہی لیکن کلائی ٹس نے تیزی سے اس کا بازو کاٹ ڈالا اور سکندر کو اپنی ڈھال کی پناہ میں لے لیا۔ مقدونوی فوج نے اپنے سردار کو بچانے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا۔ سکندر کی خاص گارد بے ترتیبی کی نذر ہو چکی تھی۔ کریٹ کے تیراندازوں نے اس گارد کے بچاؤ کا بندوبست کیا۔ پارمینیو نے لمبی برچھی ڈالی پیادہ فوج کو آگے بڑھایا۔ یہ لوگ ترتیب سے آگے بڑھتے ہوئے ایرانیوں کے مقابلے پر جا کھڑے ہوئے دفعتاً ایرانی سوار پیچھے ہٹے۔ گویا دریا میدانِ جنگ نہ رہا۔ کلائی ٹس نے پسینہ پونچھا اور سکندر کی طرف دیکھ کر کہا: ”اچھا آپ وہیں ہیں۔“

اب سکندر سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اس نے اپنے ہاتھ پاؤں بھی ہلانے شروع کئے۔ زبان سے کچھ نہ کہا لیکن اپنے ساتھیوں کو دوبارہ فوجی ترتیب میں جمع ہوتے دیکھتا رہا۔ پھر انہیں ساتھ لے کر تنخواہ دار یونانی فوج کے محکم مربع پر بجلی کی طرح جا گرا جس نے رسالے کے مقابلے میں بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا تھا۔ تنخواہ دار یونانی اپنی برچھیوں کی باڑھ کے پیچھے پتھر کے پیکروں کی طرح جمے کھڑے رہے۔ ایک برچھی سکندر کے گھوڑے کے لگی۔ وہ گرا

Marfat.com

اور سکندر بھی بھد سے زمین پر آ رہا۔ بدن پر جگہ جگہ خراشیں آ ئیں۔ وہ دوبارہ سوار ہوا تو بچے کھچے کرایہ دار یونانی جن کی تعداد دو ہزار تھی ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو فاتح کے حوالے کر چکے تھے۔

اس وقت تک تنخواہ دار یونانی رسالہ پہاڑیوں میں نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا اور مقدونوی سپاہی میدان میں پھر کر ہتھیار اور دوسری قیمتی چیزیں تلاش کر رہے تھے۔ دریائے گرینی کس وادی میں سے اسی جوش و خروش سے بہہ رہا تھا۔ سکندر کے آدمی سخت مصروف تھے۔ ایک گروہ کیمپ لگا رہا تھا۔ دوسرا زخمیوں کو اٹھا رہا تھا۔ تیسرا ہتھیار جمع کر رہا تھا۔ سکندر کو بڑی مشکل سے یاد آیا کہ جو گھوڑا اس کی سواری میں تھا وہ مارا گیا اور اسے نئے گھوڑے پر سوار ہونا پڑا۔ کلائی ٹس غائب تھا۔ فلوٹس کہہ رہا تھا کہ خاص محافظ فوج کے کم از کم سو آدمیوں کو یہیں دفن کرنا پڑے گا۔

سکندر ندی پر پہنچا۔ خود اتار کر پھینکا اور اپنا سر برفانی پانی سے دھویا۔ اب اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ وہ اپنے بال خشک کر رہا تھا کہ پارمینیو بھی چند افسروں کے ساتھ آ پہنچا۔ اس نے جچے تلے لفظوں میں کہا کہ آپ نے بھاری خطرہ مول لیا لیکن دریا سے بڑے اچھے انداز میں گزرے۔ اس سے ان آدمیوں کو بڑی تقویت ہوئی جو آپ کے ساتھ تے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تنخواہ دار یونانی جب تنہا رہ گئے تو انہوں نے صلح کی شرطیں طلب کیں۔ سکندر بولا اچھا تو وہ یونانی تھے اور پیسے لے کر یونان کے خلاف لڑے۔

پارمینیو: ''اگر آپ یونانیوں کے مقابلے یونانیوں کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں تو آپ کو ایسی بہت سی حیرانیوں سے سابقہ پڑے گا۔''

پارمینیو نے بتایا کہ ان تنخواہ دار یونانیوں میں سے پیشتر ایتھنز کے باشندے تھے۔ ان میں سے جو لوگ لاشوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے انہیں بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا۔ ان کا سالار مارا گیا۔ بہت سے ایرانی امراء بھی کھیت رہے۔ میدانِ جنگ میں دیکھ بھال کی گئی تو جو لاشیں ملیں ان میں سے ایک شہنشاہ ایران کے داماد کی تھی۔ اس کا چچا اور بہت سے ساتھی

Marfat.com

بھی مارے گئے۔ صوبوں میں سے ایک کا گورنر، ایک کا نائب السلطنت اور بہت سے افسر مقتولین میں شامل تھے۔ ایرانی رسالے کے سپہ سالارِ اعظم نے پسپائی کے وقت خودکشی کر لی۔

سکندر کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ سب کچھ واقع ہو چکا ہے اور اتنا لمبا وقت گزر چکا ہے حالانکہ اس کا احساس یہ تھا کہ صرف چند لمحے گزرے ہیں، دریا پر تاریکی چھا رہی تھی اور پہاڑ کی چوٹیوں پر غروب آفتاب کی آخری جھلک ناپید ہو رہی تھی۔ پارمینیو نے کہا آج بڑا نقصان ہوا۔ بہت سے ساتھی دریا میں مارے گئے۔ سکندر دو مرتبہ جانی خطرے سے بچا۔ ایک مرتبہ کلائی ٹس کی چابک دستی نے اسے بچا لیا۔ دوسری مرتبہ صرف خوش نصیبی اس کی یاور ہوئی۔ اس نے اپنے محافظ رسالے کو خطرے میں ڈالا۔ شکست کا قوی اندیشہ پیدا ہو چکا تھا۔ اگر شکست ہوتی تو آغاز مہم ہی پر یہ امر لوگوں کیلئے انتہائی حوصلہ شکنی کا باعث بن جاتا لیکن پیادہ فوج کی رائے یہ نہ تھی۔ ان کا نقصان رسالے کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ وہ کہتے تھے کہ کائی رونیا کی طرح آج بھی سکندر نے خود فوج کی کمان کرتے ہوئے فتح پائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے دیوتا اینالیوس[3] کی روح اس میں سرایت کر گئی ہے۔ اس لڑائی کے بعد فوج کی یہ حالت ہو گئی کہ سکندر جہاں بھی اسے لے جاتا کوئی آدمی سرتابی کیلئے تیار نہ ہوتا۔

رات ہو گئی تو سکندر نے فوج میں گشت لگانا شروع کی۔ جگہ جگہ الاؤ جل رہے تھے۔ وہ ہر الاؤ کے پاس پہنچتا۔ جہاں طبیب زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔ ان کے علاج معالجے کی نگرانی کرتا۔ سپاہیوں کے حالات پوچھتا اور جو کارنامے انہوں نے دن بھر میں انجام دیئے تھے انہیں توجہ اور محویت سے سنتا۔ اس نے حکم دے دیا کہ محافظ دستے کے ایک ایک سپاہی کو ہتھیاروں کے ساتھ دفن کیا جائے اور ان کے کنبوں کو اطلاع بھیج دی جائے کہ آئندہ سے نہ فصل کا عشر وصول کیا جائے گا اور نہ کوئی خدمت لی جائے گی۔ ساتھ ہی اس نے اپنے مجسمہ ساز لسی پولس[4] کو حکم دے دیا کہ جو لوگ میدانِ جنگ میں مارے گئے ان میں

Marfat.com

سے ممتاز آدمیوں کی یادگار میں کانسی کے مجسمے ڈھالے جائیں اور ان مجسموں کو اس ستون کے آس پاس نصب کر دیا جائے جو میدانِ جنگ میں بنایا جا رہا تھا تاکہ ان کی یاد تازہ رہے اور لوگوں کے دماغوں سے ان کے خدوخال محو نہ ہونے پائیں۔

ان انتظامات سے فارغ ہوا تو سکندر نے مالِ غنیمت بھرا ہوا ایک جہاز اولمپیاس اور اینٹی پیٹر کیلئے بھجوا دیا۔ ان میں سے تین سو ایشیائی زرہیں اس غرض سے بھیجی گئیں کہ انہیں ایتھنز میں پارتھیناں کے مندر میں چڑھاوے کے طور پر پیش کر دیا جائے اور یہ کتبہ لگا دیا جائے کہ فیلقوس کے بیٹے سکندر اور تمام یونانی بہ استثنائے اہلِ سپارٹا یہ چڑھاوا پیش کر رہے ہیں جو انہوں نے ایشیائی اجنبیوں سے بزور چھینا۔ سکندر نے روپیہ بھی مقدونیہ بھیج دیا اور یونانیوں کی حُبِ وطن کو خراج بھی پیش کیا۔ دریائے گرینی کس میں سرفروشانہ گھس پڑنے کی غلطی پھر اس سے کبھی سرزد نہ ہوئی۔ فوجوں کی کمانداری کے اصول اس نے بہت جلد سیکھ لئے۔

خاصا وقت گزر جانے کے بعد رومہ کے مشہور مؤرخ آریان[5] نے لکھا کہ سکندر کو بہت جلد اندازہ ہو گیا اسے کچھ کرنا چاہئے۔ دوسرے لوگ تذبذب اور بے یقینی میں مبتلا رہے۔ سکندر میں یہ صلاحیت پیدا ہو چکی تھی کہ حقائق کے مشاہدے سے فوراً پیش آنے والے واقعات کا زیادہ سے زیادہ صحیح اندازہ کر لیتا تھا۔ خطرے کا مقام ہوتا تو وہ اپنی بے باکی اور بے خوفی سے اپنے آدمیوں کا خوف زائل کر دیتا۔ بعد ازاں جو کچھ اسے کرنا تھا بڑی تیزی اور جواں مردی سے انجام دینے لگا۔ اگرچہ بعض حالات میں اسے نتیجے کے متعلق پورا یقین نہ تھا۔

جنگ گرینی کس کے بعد سب سے ضروری کام یہ تھا کہ تیزی سے کوچ کیا جاتا۔ ایک جیش اس مقام کی حفاظت کیلئے چھوڑ دیا گیا جہاں سے فوج نے سمندر عبور کیا تھا۔ باقی فوج ساحل ایشیا کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہو گئی۔ روزانہ کم و بیش بیس میل کا فاصلہ طے کیا جاتا۔ ارمینیو کو سکندر کی بے باکی پر بڑی تشویش تھی۔ اسے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ

Marfat.com

تنخواہ دار یونانیوں کا تجربہ کار کماندار میمنان گرینی کس کے میدانِ جنگ سے بچ کر نکل گیا ہے۔ جنگ سے پہلے ایرانیوں نے طریق کار کے متعلق مشورہ کیا تھا۔ تو میمنان نے یہ رائے دی تھی کہ مقدونوی فوج آگے بڑھے تو ایرانیوں کو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا چاہئے وہ لڑائی سے احتراز کریں۔ جہاں جہاں سے گزریں فصلوں کو تباہ کرتے جائیں، غلوں کے ذخیرے جلا دیں، دیہات کو باشندوں سے خالی کر دیں تاکہ حملہ آور کو راستے میں نہ چارہ مل سکے، نہ خوراک اور نہ کسی قسم کی امداد۔ اس طرح وہ ملک کے اندر پہنچ جائیں تو ایرانی فوج کی تیز نقل وحرکت سے آبنائے کی طرف لوٹنے کا راستہ منقطع کر دیا جائے۔ پارمینیو کو سب سے بڑھ کر اسی تدبیر کا خطرہ تھا۔

ایرانی قوت ملک کے اندر بالکل محفوظ تھی اور اس پر مقدونویوں کو دسترس حاصل نہ تھی۔ ایرانی بیڑا پورے ساحل کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ قوی اندیشہ تھا کہ وہ درۂ دانیال میں گھس کر مقدونوی فوج کے وسائل مخابرت کاٹ دے گا یا اہلِ سپارٹا کی امداد سے یا امداد کے بغیر یونان پر حملہ کر دے گا اور پارمینیو کو معلوم ہو چکا تھا کہ روڈز کا میمنان اسی غرض سے بحری بیڑے کی طرف چلا گیا ہے۔ مقدونوی فوج کو ایک طرف سے سمندر نے روک رکھا تھا اور اندرونِ ملک میں ایرانی فوج سے خطرہ تھا اور وہ چکر کاٹتی ہوئی ساحلی راستے سے نیچے کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔

○

Marfat.com

ساتواں باب

پہلا گرما اور پہلا سرما

یونانی فوج پُر رونق ساحل کی عمدہ سڑکوں پر تیزی سے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس وقت سکندر کو اندازہ ہوا کہ وہ اپنے اوّلین اور واضح مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہا ہے۔ نئی جمعیت متحدہ یونان کے سپہ سالار کی حیثیت میں ایشیا پر حملے کا اصل مقصد یہ تھا کہ یونانی نو آبادیوں کو شہنشاہ ایران کے جوئے سے نجات دلائے لیکن سکندر پر واضح ہو گیا کہ یونانی نو آبادیاں قطعاً آزادی کی خواہاں نہیں۔ زرخیز ساحل کے ساتھ ساتھ اسے بھوت نظر آ رہے تھے۔ کہیں کہیں باغ تھے اور نہایت عمدہ مرغزار، جنگل، کانیں اور صنعت گاہیں تھیں۔ اگرچہ اس کے پاس جاسوسی کا نظام نہایت عمدہ تھا لیکن ان بھوتوں کے متعلق اسے کوئی صحیح اطلاع نہ مل سکی۔ اب اسے معلوم ہو گیا کہ بھوتوں کو اتارنا بہت مشکل ہے۔ میزا کی درسگاہ میں ان کے متعلق اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا۔ ٹائٹون[1] کے عہدِ زریں میں قدیم زمانے کے انسانوں کے اندر الوہیت کا شعلہ پیدا ہوا تھا۔ اس کے بعد دھندلکے کا دور آیا تو یونانی قبیلے شمالی جنگلوں اور سطح مرتفع سے اتر کر مسطح زمینوں میں پہنچے اور بحیرۂ روم کے ساتھ ساتھ ساحلی علاقو میں آباد ہو گئے۔ مغربی سواحل کے خطے زیادہ زرخیز نہ تھے۔ لہٰذا بہت سے قبیلے ہمت کر کے سمندروں میں اتر گئے اور جزیروں میں پہنچ کر وہاں آباد ہوئے۔ انہیں ''بحری لوگ'' کہنے لگے جیسے قبیلہ ''سردانہ[2]'' جو انجام کار جزیرۂ سردانیہ میں آباد ہوا۔

ان میں سے جو لوگ مشرق کی طرف نکل گئے تھے انہیں بہت اچھی زمینیں اور نہایت

Marfat.com

عمدہ جنگل مل گئے، جن کا سلسلہ لبنان کی دیواروں تک پھیلا ہوا تھا۔ موسم سرما کی برف کے پانی سے خطے سیراب تھے۔ دردانہ [3] قبیلہ آبنائے (درۂ دانیال) کے دہانے پر مقیم ہو گیا۔ دوسرے یونانی قبیلے ترکِ وطن کر کے ایشیا کے اس علاقے میں پہنچ گئے جو یونان سے قریب تر تھا۔ ان میں سے جنگجو سمری [4] اس سطح مرتفع سے آئے تھے جو کریمیا کے شمال میں واقع ہے۔ سمیریا [5] مشرقی سمت کے تارکانِ وطن کو مغربی سمت کے تارکانِ وطن سے بدرجہا بہتر زمینیں مل گئیں۔

جو لوگ یونانی جزیرہ نما میں ٹھہرے رہے وہ تنگ وادیوں میں آباد ہوئے۔ ان کے آس پاس جو درخت تھے وہ کٹتے رہے اور پہاڑیوں کے ڈھلان درختوں سے بالکل خالی ہو گئے۔ پہاڑی خطوں میں بھی پیداوار کا اوسط گھٹ گیا۔ پھر باشندوں نے سمندر پار جانے کی کوششیں شروع کر دیں چنانچہ جگہ جگہ نو آبادیاں قائم ہوئیں جن میں سے مشرقی ساحل کی نو آبادیاں بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ یونان میں یا زیتون ہوتے تھے یا انگور ان کے مقابلے پر نو آبادیوں میں انواع واقسام کی فصلیں ہوتی تھیں۔ مٹی اتنی عمدہ تھی کہ اس سے خوبصورت چیزیں بنائی جا سکتی تھیں۔ لکڑی اتنی اچھی تھی کہ جہاز تعمیر کیے جا سکتے تھے۔ ان آبادکاروں کی زندگیاں اصل یونانیوں کی زندگیوں سے بدرجہا بہتر گزرنے لگیں۔ یہاں تک کہ انہیں کارنتھ تھیبز سپارٹا یا ایتھنز کی یاد بھی باقی نہ رہی۔ وہ ایشیائے کوچک کے نئے شہروں کے شہری بن گئے۔

سکندر اپنے ساتھ اس مندر کے مفصل نقشے لایا تھا جو یونان اور ایشیائے کوچک کے مابین واقع تھا یعنی بحیرۂ ایجہ [6] یہاں ایشیائی ساحل پر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ یونان سے کس قدر قریب ہے۔ ایک تیز جہاز موافق ہوا کہ لہروں میں ایشیائی ساحل سے صرف تیس گھنٹے کے اندر ایتھنز پہنچ سکتا تھا حالانکہ ایتھنز سے جو فوج خشکی کے راستے آئی تھی اسے یہ مسافت طے کرنے میں ایک مہینہ لگ گیا تھا۔ پھر اس سمندر میں جگہ جگہ جزیروں کا زنجیرہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ کوئی شخص سمندر کے راستے ایتھنز جانا چاہتا تھا تو زمین اس کی

Marfat.com

نظروں سے ہرگز اوجھل نہ ہوتی۔ جزیروں کے درمیان زیادہ سے زیادہ فاصلہ صرف پچیس میل کا تھا۔ بحیرۂ ایجہ کے بعض جزیروں میں عظیم الشان شہر آباد ہو گئے تھے جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے تھے مثلاً جزیرۂ روڈز اور جزیرہ لس بوس۔[7]

یہ تمام نوآبادیاں پھیل کر اور ترقی پا کر درجہ کمال پر پہنچ چکی تھیں اور بنجر مادرِ وطن کے شہروں سے انہیں رقابت تھی۔ ساحل پر نہایت اچھی بندرگاہیں بن گئی تھیں۔ خود یونان میں ایسی بندرگاہیں کہیں نہ تھیں۔ اندرونِ ملک سے جو مال آتا تھا اس کا آخری تجارتی مرکز یہی بندرگاہیں تھیں۔ آرمینیا اور عراق سے جو قیمتی جنسیں آتیں وہ انہیں بندرگاہوں سے مختلف سمتوں میں بھیجی جاتیں۔ ان میں جتنے جہاز چلتے پھرتے نظر آتے تھے وہ سب انہیں بحر پیا یونانیوں کی ملکیت تھے جنہوں نے ایشیا میں توطن اختیار کر لیا تھا۔ کارنتھ سے جو سنار وطن چھوڑ کر ان نوآبادیوں میں بس گئے تھے انہیں بافراط یہاں سونا مل رہا تھا۔ ملی ٹس کی بندرگاہ میں جو ناٹک دکھائے جاتے تھے ان کے ایکٹروں کو کارنتھ کے تھیٹر کے مقابلے میں تماشائیوں کی بہت بڑی تعداد دیکھنے آتی تھی۔

نقلِ وطن کے ان نیم فراموش شدہ واقعات کے بھوت آئی رونیا کے ساحل پر موجود تھے۔ ارسطو نے ایک مثالی شہر کیلئے جو جو چیزیں ضروری قرار دیں تھیں وہ بھی یہاں موجود تھیں۔ مثلاً امراء کا طبقہ بڑا دولت مند تھا۔ اس کے پاس مطالعے کیلئے فرصت کا خاصا وقت تھا۔ اندرونِ ملک سے جو غلام لائے گئے تھے وہ محنت و مشقت کا کام کرتے تھے۔ تنخواہ دار لشکر شہروں کی حفاظت کا فرض انجام دیتے تھے۔ ان نوآبادیوں میں ایک کثیر الافراد طبقہ پیدا ہو چکا تھا جس نے اعلیٰ تعلیم پائی۔ دامنِ کوہ کی خنکی میں باغات لگائے گئے جن کے کناروں پر دیودار کے درخت کھڑے تھے۔ باغوں کے اندر سنگ مرمر کے کوشک بنے ہوئے تھے۔ ان میں یہ لوگ رہتے، افسانوی سیمی رمیس [8] کی طرح اس طبقے کی عورتیں شہروں پر اکثر حکومت کرتیں۔ ان لوگوں نے مقدونوی افسروں کے اعزاز میں نہایت عالی شان دعوتوں کا انتظام کیا۔ ان دعوتوں میں ہنر مند غلام بربط اور بانسری بجا کر سامع نوازی کرتے تھے۔

Marfat.com

ارسٹوفین کے ہجو یہ اشعار اکثر پڑھے جاتے لیکن انہوں نے اپنے دلی خیالات کسی پر ظاہر نہ ہونے دیئے۔ ان میں بڑے بڑے دولت مند بادشاہ گزر چکے تھے۔ مثلاً مالی ڈاس کروئی سس، گارڈیس [9] اور خود ان کی دولت کا یہ حال تھا کہ قمار کی ایک ایک بازی میں بارہ بارہ ٹیلنٹ بے تکلف لگا دیتے۔ ان کی عورتوں نے ایک وضع کے موتیوں کے ہار اور سنگ یشب کی زنجیریں پہنی ہوئی تھیں۔ یہ عورتیں جزیرہ لس بوس اور جزیرہ چی اوس کی تھیں۔ نہایت عمدہ اور دلکش خوشبوئیں لگا کر باہر نکلتیں۔ غرض یہ لوگ دولت کی لہروں پر بہتے چلے آرہے تھے۔ اپنے خاندانی روابط پر انہیں بڑا فخر تھا۔ دل کے بھید کسی پر ظاہر نہ کرتے۔ انہیں نوآبادیوں میں راحت و آسائش کی فراوانیوں کا صحیح احساس تھا۔ مقدونوی بربریوں نے وہ راحت و آسائش کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔

بندرگاہوں میں رہنے والا یہ طبقہ امراء خالص یونانی زبان بولتا تھا۔ اندرونِ ملک کے ایرانی مادری زبان بھول چکے تھے۔ بندرگاہوں میں حالات کے تقاضے کی وجہ سے ایک نئی ملی جلی زبان پیدا ہو چکی تھی۔ مشرق میں بسنے والے ان یونانیوں کو میراتھان اور سلیمس کے شاندار کارناموں کا محض خفیف سا احساس تھا۔ وہ اعتراف کرتے تھے کہ یونان کا اتحاد اور اس کی قوت و طاقت کا احیاء ضرور مطلوب ہے جس میں بحیرۂ ایجہ کی پوری دنیا کو شامل ہو جانا چاہئے۔ یہ بھی کہتے تھے کہ آزاد جمہوریتوں کا وجود ہر اعتبار سے قابلِ قدر ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھتے تھے کہ دولت کی ریل پیل تجارت پر موقوف ہے اور تجارت کی ترقی کا انحصار ان علاقوں سے آنے والی جنسوں پر منحصر ہے جن پر شہنشاہِ ایران حکمران تھا۔ یونانیوں کے ساتھ شہنشاہِ ایران کا برتاؤ بہت اچھا تھا۔ کم از کم ان یونانی افسروں کے مقابلے میں یقیناً قابلِ قدر تھا جو اس کے پاس ملازم تھے مثلاً ہلکا سا محصول وصول کیا جاتا اور کبھی کبھی جنگی جہازوں میں خدمت کی جاتی۔

سکندر کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ آئی رونیا میں رہنے والے یہ یونانی حبِ وطن سے اتنے ہی بے بہرہ ہیں جتنے کہ اجنبی ہو سکتے ہیں وہ یونان کی آزادی اور عظمت و شوکت کی

Marfat.com

خاطر کوئی قربانی کرنے پر آمادہ نہیں۔ وہ خود اس کے نقشہ عمل کو اس وجہ سے قبول کر رہے تھے کہ اس کے پاس بھاری جنگی قوت موجود تھی اور انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ کل تقدیر کا پانسا کیا صورت اختیار کرے گا۔ نیارکس نے کہا یہ لوگ اہل کارنتھ سے بھی زیادہ جھوٹے ہیں لیکن ان کے پاس جو جہاز ہیں وہ بڑے شاندار ہیں۔ اس ظاہری اطاعت اور خفیہ مخالفت کی فضا میں سکندر پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ اسے حد درجہ مایوسی ہوئی، اس لئے کہ ایشیائی یونانیوں کی جو کیفیت تھی اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ بدنی اور مادی نہیں تو کم از کم فکری و اخلاقی اعتبار سے جنگ کی حالت قائم تھی۔

ابتداء میں اہلِ مقدونیہ کی پیش قدمی سراسر فاتحانہ تھی اور انہیں یقین ہو رہا تھا کہ وہ وقت کی اس دوڑ میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مشرقی سمت میں یونانیوں کی آخری منزل سارڈس تھی جہاں ایرانی حکمت کا ایک مرکز قائم تھا۔ سارڈس میں جو ایرانی فوج تھی وہ گورنر کے ساتھ شہر چھوڑ کر چلی گئی اور اہلِ شہر کے مشیروں نے پھولوں اور گیتوں سے سکندر کا استقبال کیا۔ وہ اس شہر کی سہ گانہ فصیلوں میں سے گزرتا ہوا بالا حصار کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ وہاں اس نے اپنی یادگاہ میں ایک نئے مندر کی تعمیر کا انتظام کر لیا۔ اس شہر میں جو ایرانی خزانہ موجود تھا اسے بدستور محفوظ چھوڑا۔ افی سوس میں غنیم کا جو لشکر موجود تھا وہ جہاز پر سوار ہو کر بھاگ نکلا۔ مقامی یونانیوں نے جلدی میں ایک جمہوری حکومت کا انتظام کر لیا۔ سکندر نے اس شہر کے محاصل آرٹی مس کے نئے مندر کو دے دیئے۔ یہاں کا پرانا مندر اس رات جل گیا تھا جس رات سکندر پیدا ہوا تھا۔ کاہن ایرسٹانڈر کا یہ پرانا وطن تھا۔ اس نے سکندر کو یقین دلایا کہ شگون بڑے نیک ہیں۔ شہروں میں فتح کے مینار تعمیر ہو رہے ہیں اور ان پر متحدہ یونان کے سپہ سالار اعظم کے ساتھ اتفاق و اتحاد کے کتبے لگائے جا رہے ہیں۔ اس نے کسی شہر پر کوئی محصول نہ لگایا۔ اعلان کر دیا کہ وہ سب آزاد ہیں اور اس عہد کی پابندی کی لیکن جب وہ آگے بڑھا تو قدم قدم پر رکاوٹیں حائل ہوئیں۔ سکندر پر واضح ہو گیا کہ جنوبی سمت میں رہنے والے یونانیوں کو آزادی سے استفادے کا اتنا خیال نہیں جتنا اپنے حقوق کے لئے

Marfat.com

سودابازی کا خیال ہے۔ رضاکاروں کی کوئی قابلِ ذکر جمعیت مقدونوی فوج میں شامل نہ ہوئی۔ ملی ٹس کی نوآبادی سب سے پرانی تھی۔ یہاں کے شہریوں نے دروازے بند کر لئے تاکہ بہتر شرطیں حاصل کرسکیں۔ اس اثناء میں ساحل پر بیڑا نمودار ہوا۔ لوگ اس بیڑے کی نقل وحرکت پر بھی نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ پارمیناو نے سکندر کو بتایا کہ اوور کا میمنان اس بیڑے کا کماندار ہے۔

اہلِ مقدونیہ صرف چند جہازوں کو جنگی جہازوں کی شکل میں تبدیل کر چکے تھے۔ ان کے ذریعے سے بندرگاہ میں داخل ہونے کا تنگ دہانہ روک لیا۔ شہریوں کے ساتھ گفت و شنید جاری رہی۔ ان شہریوں نے سکندر کے ساتھ انہیں شرطوں پر معاملہ طے کرنا چاہا جن کی بنا پر وہ ایرانیوں کی اطاعت قبول کئے بیٹھے تھے۔

فوجیوں کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ انہیں یورش کی اجازت دے دی جائے۔ دیاوس نے اپنی منجنیقیں مناسب مقامات پر نصب کر دیں۔ پارمیناو نے اصرار کیا کہ بندرگاہ میں جو جہاز کھڑے ہیں ان پر چند جمعیتیں سوار کرا دینی چاہئیں تاکہ وہ سمندر میں نکل کر میمنان کے بیڑے سے جنگ کریں۔ وہ کہتا تھا کہ ہمارے لئے کامیابی کا موقع ہے اور اگر ہم ایرانی بیڑے کو شکست دے سکے تو پورے ساحلی علاقے پر دھاک بندھ جائے گی۔ بالفرض ہمیں شکست بھی ہوئی تو تھوڑا سا جانی نقصان ہو جائے گا۔ وہ خود اپنے بیڑے کی کمان کیلئے تیار تھا۔ غالباً پارمیناو کی رائے درست تھی لیکن سکندر کے دل میں صورتحال کے متعلق اطمینان نہ تھا لہٰذا وہ سراپا احتیاط بن گیا تھا اور اس نے مذکورہ بالا رائے قبول نہ کی۔

پارمیناو نے اپنی رائے پر اصرار کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ہمیں ایک نیا نیک شگون ملا ہے۔ ہمارے آدمیوں نے دیکھا کہ ایک عقاب بلندی پر اڑتا ہوا نیچے اترا اور اس چٹان پر آ بیٹھا جس کے نیچے ہماری ایک جنگی کشتی کھڑی تھی۔ یوں عقاب نے فتح کی پیشگوئی کر دی۔ سکندر نے جواب دیا کہ اگر عقاب سمندر کے کنارے پر ٹھہر گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں خشکی پر ہی قدم جمائے رہنا چاہئے۔

Marfat.com

بہرحال سکندر نے جو طریقہ اختیار کیا اس سے نتیجے اچھے نہ نکلے۔ ہفتے چپقلشوں میں گزر گئے۔ مقدونویوں نے آب نوشیدنی کے ان تمام ذخیروں پر قبضہ کرلیا جو قریب واقع تھے۔ میمنان کا بیڑا پانی کے بغیر ناکہ بندی قائم نہ رکھ سکا اور اس غرض سے روانہ ہو گیا کہ جزیرہ لس بوس پر قابض ہو جائے۔ جنگی بیڑے کے اس پہلے مقابلے نے سکندر کیلئے غور و فکر کا خاصا ذخیرہ فراہم کردیا۔

ملی ٹس کی کیفیت دیکھ کر آئی رونیا میں مزاحمت نے شدت اختیار کرلی۔ میمنان یونانی تنخواہ داروں اور ایرانیوں کا جیش لے کر اپنے بیڑوں کے ساتھ ہیلی کارنیس پہنچ گیا جسے اپنے آثار کی وجہ سے خاص شہرت حاصل تھی۔ سکندر اپنے سالاروں کی رائے کے مطابق شہر کے اردگرد کی بلندیوں پر مورچے قائم کرنے کیلئے مجبور ہو گیا۔ ان فوجیوں کو مسولس کا بلند مقبرہ نظر آ رہا تھا جو مسولیم [10] کے نام سے موسوم تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سکندر نے محاصرے کا محض تماشا دکھانے پر اکتفا کیا۔ اس نے بڑے بڑے برج بنا لیے۔ منجنیقوں کے ذریعے سے فصیل کے مختلف حصے توڑ ڈالے۔ شہر پر سخت حملہ تو نہ کیا لیکن ایسے طریقے ضرور اختیار کیے جن سے شہریوں کو یقین ہو جائے کہ سخت حملہ ہونے والا ہے۔

ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس سے تھیبز کی تباہ کاری کے اعادے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ پرڈکاس کی فوج کے دو سپاہی بے سود مظاہروں سے تنگ آ گئے۔ وہ شراب پی رہے تھے اور بدمستی کے عالم میں دونوں بڑ ہانکنے لگے۔ دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ مجھ ایسا بہادر کوئی نہیں۔ اس بارے میں فیصلے کی صورت یہ قرار پائی کہ دونوں ہتھیار پہن کر فصیل کے پاس پہنچ گئے تو نعرہ لگایا کہ شہریوں میں سے جسے اپنی جواں ہمتی پر ناز ہے باہر نکلے اور مقابلہ کر دیکھے۔ یہ نعرہ سنتے ہی اندر سے سپاہیوں کا ایک سیل ابل پڑا۔ دونوں سپاہیوں نے ایک چٹان کے پیچھے مستحکم مقام پر قدم جما لیے اور دشمن کے حملوں کو روکنے لگے۔ تماشائی بھی ان آدمیوں کے ساتھ ہو گئے۔ دوسرے سپاہیوں نے سنا تو وہ بھی کارنیس کے دروازوں پر

Marfat.com

چھوٹی سی جنگ کا سروسامان ہوگیا۔ آخر کار دونوں سپاہیوں کو صحیح سلامت واپس لے آئے۔

جب میمنان نے یہ فیصلہ کرلیا کہ شہر خالی کر دینا چاہئے اور اس نے منجنیقوں اور ذخیروں کو آگ لگانی شروع کی تو سکندر بزور شہر میں داخل ہوا۔ میمنان بھاگ کر اپنے جہاز میں پہنچ گیا۔ محصور فوج، مستحکم مورچوں میں قدم جما کر بیٹھ گئی جہاں یونانی نہ پہنچ سکتے تھے سکندر نے حکم دے دیا کہ آگ بجھا دی جائے اور کوئی فوجی گھروں میں داخل نہ ہونے پائے۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ ہیلی کارنیس کو بالکل محفوظ رکھا جائے اس میں وقت بھی صرف ہوا اور جانیں بھی تلف ہوئیں۔ اس نے تھوڑی سی فوج پیچھے چھوڑی جو محصورین کو مستحکم مقامات میں سے نکالنے میں لگی رہی۔ شہر کی ہر عمارت گزند سے محفوظ رہی۔ مسولس کی ایک بہن کو مسندِ حکومت پر بٹھا دیا جس کا نام آڈا[11] تھا۔ مقدونوی فوج نے آڈا کے اعزاز میں مظاہرہ کیا اور آڈا نے سکندر کو بیٹا بنالیا۔

سکندر ہیلی کارنیس سے آگے بڑھا تو آس پاس کے قصبوں سے خراج کی پیشکشیں ہونے لگیں۔ ایک قصبے کے نمائندے اپنے ساتھ سنہری تاج لائے۔ ملکہ آڈا نے میوے اور نہایت لذیذ کھانے سکندر کی خدمت میں پیش کئے بلکہ اپنے باورچی ساتھ کر دیئے تاکہ وہ اچھے کھانے تیار کرتے رہیں۔ سکندر ان کھانوں میں اپنے سالاروں کو بھی شریک کرتا تھا اور اپنی منہ بولی ماں کو اس نے بتایا کہ میرے اتالیق لیونی دس نے کبھی ایسے لذیذ کھانے چکھنے کا موقع نہ دیا۔ میری حقیقی ماں بھی اچھے کھانے بھیجتی تو اتالیق انہیں روک لیتا۔

آئی رونیا کے تمام شہروں میں سکندر نے اپنے قاصد بھیج دیئے کہ یونانی نوآبادیاں آزاد ہوگئیں۔ اب جس طرح وہ چاہیں اپنے معاملات کا انتظام کرلیں۔ جمعیت متحدہ یونان نے اسے سپہ سالارِ اعظم کا لقب دیا تھا۔ سکندر نے اگرچہ بظاہر اسے قبول کرلیا تھا لیکن دل میں اسے یہ لقب پسند نہ تھا۔ یونانی شہر آزاد ہو چکے تھے۔ لیکن انہیں شہنشاہ ایران کے خلاف متحد کر دینے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ شاید یہ احساس ہو چکا تھا کہ ان علیحدگی پسند شہروں کو ملا کر ایک قوم بنانے کی کوشش کی گئی تو وہ انفرادی جمہوری خصوصیتیں کھو بیٹھیں گے۔ ان

Marfat.com

خصوصیتوں سے شہر حددرجہ وابستہ تھا۔ اوراس امر پر قانع کہ کوئی مستبد یا ڈکٹیٹران کا نظم ونسق سنبھال لے لیکن اسے شہر کا باشندہ ہونا چاہئے۔ سکندر میں ایسی کوئی بھی خصوصیت نہ تھی۔ یونانی فکرونظر کی ان پیچیدگیوں نے اسے بہت پریشان کردیا تھا۔

سکندران دولت مند ایرانی شہریوں کو لوٹنا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے روپے کی سخت ضرورت تھی۔ روپے کے سوا قدم آگے نہ بڑھایا جاسکتا تھا۔ اس نے شہروں کی حفاظت کا ذمہ اٹھالیا تھا۔ ان کی بندرگاہوں کے بغیر وہ یونان سے روابط قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ مگراس نے پیش قدمی میں ساحل کا دامن نہ چھوڑا اور پختہ ارادہ کرلیا کہ کسی نہ کسی شکل میں اپنی مشکلات کا حل نکال لے گا۔ اب آگے بڑھا تو بہرحال اسے مزاحمت کا ہی اندیشہ ہوسکتا تھا۔

اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے چھوٹے سے بیڑے کو ختم کردیا۔ جہاز بندرگاہوں میں ٹھہرادیئے۔ ملاحوں سے کہا تمہاری خدمت کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ تمہیں تنخواہ دینے کیلئے میرے پاس روپے نہیں۔ اگرچہ اسے اطلاع مل چکی تھی کہ دشمن بیڑے کے کماندار میمنان نے متی لین میں وفات پائی۔ تاہم وہ اپنے فوجیوں کو کسی بحری لڑائی کے خطرے میں ڈالنے کیلئے تیار نہ تھا لیکن خود سمندر اس کی فوج کیلئے خطرہ بن گیا اور یہ خطرہ ایسی شکل میں نمایاں ہوا کہ اہلِ مقدونیہ نے اسے شگونِ بد سمجھ لیا جس ساحلی سڑک پر وہ اب تک چلے جارہے تھے وہ سمندر کے ساتھ ساتھ چکر لگاتی ہوئی جارہی تھی۔ ایک کھاڑی پر پہنچ کر سڑک غائب ہوگئی۔ یہاں زمین اوپر ابھر آئی تھی اور راستہ ایک چھوٹی سے چٹان پر سے جاتا تھا۔ سمندر کی لہریں اس چٹان سے ٹکرارہی تھیں اوران کا پانی وقتاً فوقتاً اس تنگ گزرگاہ تک بھی آجاتا تھا۔ مقامی لوگ اس مقام کو سمندر کی سیڑھیاں کہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یہاں سمندر بہت گہرا ہے اور گہرا پانی بلند ہوکر خشکی تک جاتا ہے کہ لہروں کو اپنے دامن میں سمیٹ لے۔ قدرت جسے چاہے بچاسکتی ہے۔ سمندر کی ان سیڑھیوں پر سے فوجی دستوں کو گزارنا حددرجہ خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ لیکن سکندر نے یہ خطرہ قبول کرلیا۔

جب اس نے دیکھا کہ ہوا کا رخ خشکی سے سمندر کی جانب ہے تو اپنی فوج کو

Marfat.com

بار برداری کی گاڑیوں اور دوسری چیزوں کے ساتھ تیزی سے گزار کر لے گیا۔ سمندر کا پانی فوجیوں کی ٹانگوں کو بوسہ دیتا تھا لیکن وہ ڈوبے نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا یہ سکندر کی خوش نصیبی ہے سمندر نے بھی دشمنی کے بجائے دوستی کا اظہار کر دیا۔ نیارکس جانتا تھا کہ جب تک بادِ شمال موافقت میں چلے گی اس وقت تک کوئی خطرہ نہیں۔ بطلیموس بولا کہ ہوا کا رخ بدل گیا تو تم دوسرا گیت گانے لگو گے۔ بہر حال ہم پانسا پھینک چکے ہیں اب جو ہو سو ہو۔ غرض سمندر کی سیڑھیوں سے گزرتے ہی دشمن کی سرگرمیوں کے آثار نمودار ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایرانیوں نے مال و دولت کے ذریعے سے ساحلی علاقے کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور تنخواہ دار فوجیں خشکی پر اتر کر اندرونِ ملک کی طرف جا رہی تھیں۔ محافظ گارد کے آدمیوں میں سے ایک کے پاس اشرفیاں پائی گئیں تو معلوم ہوا کہ وہ یونانیوں کی نقل و حرکت کے متعلق دشمنوں کو خبریں بھیج رہا تھا۔ سکندر نے اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا لیکن کوئی سزا دینی مناسب نہ سمجھی اس لئے کہ فیلقوس کی موت پر یہ شخص سب سے پہلے ہتھیار لے کر سکندر کے پاس پہنچا تھا اور اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ اس سے پیشتر اس کی غداری کا کوئی واقعہ علم میں نہ آیا تھا۔ پارمینیو نے سکندر کو آگاہ کر دیا کہ دشمن نے تمہارے قتل کے لئے اندھا دھند روپیہ تقسیم کر دیا ہے۔

عقدِ ثریا کے غروب پر موسم خزاں کی سردی آ گئی تو یونانی فوج نے ایشیائے کوچک کے ساحل پر پڑاؤ کا انتظام کیا تاکہ جتنا علاقہ فتح ہو چکا تھا اس کا انتظام درست کر لیا جائے تو شادی شدہ فوجیوں کو رخصت پر وطن جانے کی اجازت مل گئی۔ کوئی نس[12] نامی ایک شخص کو ان کا سالار بنا دیا گیا۔ وہ خود بھی نوشادی شدہ تھا۔ فوجیوں نے اس رعایت کا پر جوش خیر مقدم کیا انہیں تاکید کر دی گئی کہ مقدونیہ اور یونان میں سے جتنے بھی رنگروٹ مل سکیں آئندہ موسم بہار میں انہیں ساتھ لے کر واپس آ جائیں۔ سکندر آزمودہ کار پیادہ فوج کے ساتھ اندرونِ ملک کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ برفستانی سطح مرتفع میں گشت کرے۔

اہلِ کائی رونیا کو یہ اقدام جس درجہ خطرناک معلوم ہوتا تھا حقیقت میں اتنا خطرناک

Marfat.com

نہ تھا۔ سطح مرتفع کے سلسلہ ہائے کوہ میں جو قبائلی لوگ آباد تھے وہ فریجیا[13] اور پیڈیا[14] کے باشندے تھے۔ وہ ہیٹوں اور سمیریوں کے اسلاف سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے ایک منظم فوج کو موسم سرما میں بلندیوں پر چڑھتے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے۔ اہلِ مقدونیہ خود پہاڑی باشندے تھے۔ پہاڑوں پر راستے پیدا کر لینا ان کیلئے ہرگز مشکل نہ تھا۔ سکندر پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ موسم سرما میں پہاڑی باشندوں کو مسخر کر لینا سہل ہے۔ اس لئے کہ برفباری کے باعث وہ گھر چھوڑ کر چوٹیوں پر نہیں جا سکتے۔ اس نے ساحلی علاقے میں سے گزرتے وقت کشمکش سے حتی الامکان احتراز کیا تھا، اب وہ بھی اسی مسلک پر کاربند رہا۔ وہ ان بربری لوگوں کو پھسلانا اور بڑی لڑائی سے برابر پہلو بچاتا ہوا بڑھتا گیا۔ راستے میں اس نے عجیب وغریب مذاہب کی بڑی بڑی خانقاہیں دیکھیں۔ ایک صورت یہ پیدا ہوئی کہ فریجیا کے باشندے اور اہلِ مقدونیہ ہم نسل تھے وہ آپس میں ملتے تو بڑے پیار اور محبت کا اظہار کرتے۔ دیوداروں کے جھنڈوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں میں پہنچتے ہی اہلِ مقدونیہ کو اپنے وطن کی یاد تازہ ہو جاتی۔ بہر حال انہوں نے یہ دن بڑے اطمینان سے گزارے۔ ایک شہر کے باشندے گھر بار چھوڑ کر ایک ایسی چٹان پر جا بیٹھے جسے مسخر کرنا سہل نہ تھا۔ تجربہ کار مقدونیوں نے اس چٹان کو گھیر لیا پھر ان لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ احمق نہ بنو، نیچے آؤ اور معاہدہ کر لو، انہوں نے جواب دیا کہ ہم احمق نہیں۔ دو دن میں ہمارے پاس کمک آ جائے گی، پیغام بھیجا گیا کہ اگر کمک دو دن میں نہ پہنچی تو پھر کیا نیچے آ جاؤ گے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ دو دن گزر گئے تو وہ نیچے اترے اور صورتحال کے متعلق بات چیت کے بعد فیصلہ کر لیا۔ ان لوگوں سے سکندر کو بہت زیادہ رضا کار مل گئے۔ اتنے آئی رونیا کے اسیروں سے نہ ملے تھے۔

یہ لوگ اہلِ مقدونیہ سے بھی زیادہ اوہام پرست تھے۔ اس پہاڑی علاقوں کے شہروں میں گارڈیم[15] سب سے بڑا تھا۔ سکندر نے سنا کہ وہاں ایک گاڑی مدت سے اپنے اصل مقام پر محفوظ ہے۔ شہر کا بانی اسی گاڑی پر پہنچا تھا۔ مرورِ زمانہ سے یہ گاڑی مقدس قرار پائی۔

Marfat.com

گارڈیم کے پروہتوں اور پجاریوں نے کہہ دیا کہ گاڑی جہاں ٹھہری ہے وہیں ٹھہری رہے گی۔ پھر ایک آدمی آئے گا جو جوئے کی گانٹھ کھولے گا اور جو آدمی یہ گانٹھ کھولے گا وہ ایشیا کا بہت بڑا بادشاہ بن جائے گا۔ پہاڑی لوگ سوچ رہے تھے کہ آیا یہ بلند بخت مقدونوی گانٹھ کھولنے کا حوصلہ کرے گا؟

اس گاڑی کے متعلق گردونواح کے علاقے میں بہت سی کہانیاں مشہور تھیں۔ مشہور رومی مؤرخ آریاں لکھتا ہے کہ جب سکندر گارڈیم پہنچا تو بالا حصار میں جانے کا بڑا مشتاق تھا تاکہ وہ گاڑی، اس کے رکشے اور جوئے کو دیکھے۔ اس لئے کہ سمجھا جاتا تھا جو شخص جوئے کا بندھن کھول دے گا وہ ایشیا پر حکومت کرے گا۔ رسے کی گانٹھ اس طرح لگائی گئی تھی کہ دونوں سرے گانٹھ کے اندر آ گئے تھے اور کسی کو نظر نہ آتے تھے۔ سکندر گانٹھ کو ڈھیلا کرنے کی کوئی تدبیر نہ سوچ سکا۔ اور اسے اندیشہ تھا کہ اگر ناکام رہا تو تماشائیوں پر بہت برا اثر پڑے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے تلوار نکالی اور گانٹھ کاٹ دی لیکن جو شخص موقع پر موجود تھا اس نے بتایا کہ سکندر نے گاڑی میں سے لکڑی کی ایک میخ نکال دی۔ اس وجہ سے وہ رسا ڈھیلا پڑ گیا جس سے جوا بندھا ہوا تھا۔ غرض کوئی بھی صورت پیش آئی ہو۔ خود سکندر اور اس کے ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے اور اس رات لوگوں نے شدید گرج کی آواز بھی سنی۔

اس موسم سرما میں برف سے ڈھکی ہوئی سطح مرتفع میں ہر طرف یہ افواہ پھیل گئی کہ مقدونیہ کے سنہرے بالوں والے نوجوان کو آسمانی حمایت حاصل ہے اور وہ ایشیا کا بادشاہ بن جائے گا۔ کسانوں کا خیال یہی تھا اور سپاہی اس خیال سے متفق تھے۔ اس افواہ سے ایک غیر متوقع نتیجہ پیدا ہوا۔ بعد ازاں سکندر جہاں کہیں بھی جاتا لوگ بے حد متاثر ہوئے اور ان پر دہشت سی چھا جاتی۔

جو مقدونوی گارڈیم میں مقیم تھے ان کے پاس بڑی خوشگوار خبریں پہنچیں۔ موسم سرما میں ہواؤں کی تیزی ختم ہو گئی تو ایرانی بیڑے نے اس صورتِ حالات سے فائدہ اٹھا کر بحیرہ ایجہ کے اکثر جزیروں پر قبضہ کر لیا اور ٹینی ڈوس کو اپنا مرکز بنا لیا جو درۂ دانیال کے دہانے پر

Marfat.com

واقع تھا۔

کوئی نوس جو رخصت پر گیا ہوا تھا، برف پگھل جانے کے موسم پر لوٹا تو اس کے ساتھ نئی فوج تھی ...... تین ہزار پیادے اور تین سو مقدونوی سوار متعدد کمپنیاں تھسلی کی بھی تھیں...... سکندر کو بتایا گیا کہ غنیم کا بیڑا یونان کے قریب نمودار ہوا تھا۔ اینٹی پیٹر نے عجلت میں چند جہاز تیار کر کے مقدونوی ساحل کی نگہبانی شروع کر دی تاہم اسے خوف تھا کہ کہیں ایرانی بیڑا اہلِ سپارٹا کو ساتھ ملا کر یونان پر ہلہ نہ بول دے۔ اہلِ مقدونیہ اس امر پر یقیناً پریشان تھے کہ سکندر کی فوج کے ساتھ وسائلِ نقل و حمل محفوظ نہ رہے تھے اور وہ فوج وطن سے منقطع ہو چکی تھی۔

اگرچہ حالات نازک تھے تاہم فیصلہ خواہ کسی نے کیا ہو سکندر نے اعلان کر دیا کہ یونانی فوج مراجعت نہ کرے گی۔ وہ آگے بڑھتی جائے گی اور ساحل ایشیا کی بندگاہوں پر ابھی قبضہ نہیں ہوا۔ ان پر قابض ہو کر ایرانی بیڑے کے خطرات زائل کر دے گی۔ ایرانی بیڑا تین دن سے زیادہ سمندر میں نہ رہ سکتا تھا۔ اس کے لئے لازم تھا کہ کسی بندرگاہ پر پہنچے۔ پینے کا پانی لے۔ نیز کھانے اور رسد کا انتظام کرے۔ اگر بندرگاہوں پر قبضہ ہو جاتا تو بیڑا خود بخود معطل ہو جاتا بلکہ باہر رہ ہی نہ سکتا تھا۔

آریاں لکھتا ہے: سکندر ایرانی بیڑے کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا مگر اسے یقین تھا کہ بندرگاہوں پر قابض ہو کر بیڑے کو توڑ دیا جا سکتا ہے، اس لئے بندرگاہیں چھن جانے کے بعد نہ نئے رنگروٹ مل سکتے تھے اور نہ رسد ہاتھ آ سکتی تھی۔

بہر حال ایک اور خطرہ بھی سامنے تھا یعنی یہ کہ ایرانی فوج سے مڈبھیڑ ہو جاتی جو اندرونِ ملک میں نقل و حرکت کیلئے جنوبی حصے میں تیار ہو رہی تھی۔ اگر مقدونوی فوج جنگ میں ہار جاتی تو اس کے لئے بچ کر درہ دانیال پہنچنا مشکل تھا۔ یہ تمام امور فوج کی مجلسِ شوریٰ کے روبرو واضح کر دیئے گئے جو بڑے بڑے افسروں اور امیروں پر مشتمل تھی۔ ان سب نے بالاتفاق رائے دی کہ پیش قدمی جاری رہنی چاہیے۔

○

Marfat.com

آٹھواں باب

جنگ اسوس

یونانی فوج آگے بڑھی اور جنوبی حصوں کی زمینیں دیکھیں تو دل پر ایک حد تک ناگوار اثر پڑا۔ ایک جگہ گھاٹی کا راستہ اتنا تنگ تھا کہ بمشکل ایک گاڑی اس میں سے گزر سکتی تھی۔ یہ پہاڑ کا آخری گوشہ تھا۔ اس سے آگے دور تک میدانی علاقہ چلا جا رہا تھا جس کی زمین کا رنگ سرخی مائل تھا۔ ہر طرف گرد و غبار نظر آتا تھا۔ کہیں کہیں گرم علاقوں میں پیدا ہونے والے درختوں کے سبز جھنڈ نظر آتے تھے۔ اب ان کے سامنے ایک طرف سیاہی مائل چٹانیں تھیں جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں اور موسم گرما میں بھی ان کے اندر برفانی ہوا چل رہی تھی۔ سامنے نشیب میں وہ خطہ پھیلا ہوا تھا جسے انہوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس گھاٹی کا نام عوام میں باب سلیشیا[1] مشہور تھا۔ سکندر کو انتہائی خوش نصیبی سے اس پر قبضہ جما لینے کا موقع مل گیا اور آئندہ چل کر خوش نصیبی کے بہت سے مواقع ایسے پیش آئے۔ اس گھاٹی کی حفاظت پر ایک فوج موجود تھی۔ سکندر نے اپنی بڑی فوج اور بار برداری کے قافلے کو ایک مناسب مقام پر روک دیا اور پہاڑی علاقے کے مقدونیوں کی چند کمپنیاں لے کر رات کے پچھلے حصے میں اس خیال سے آگے بڑھا کہ غنیم کی فوج پر اچانک جا پڑے اور اسے دم لینے کی مہلت نہ دے۔ یہ تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔ غنیم نے مقدونیوں کو دیکھ لیا لیکن جب سکندر آگے بڑھا اور دھندلکے میں اس کے خود کے سفید چیز دور سے نظر آئے تو غنیم کی فوج جگہ چھوڑ کر ہوا کی طرح رفو چکر ہو گئی۔

Marfat.com

یونانیوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سامنے جو سرخی مائل میدان موجود ہے یہ جہنم کا پہلا خطہ ہے۔ گویا وہ جتنا آگے بڑھیں گے زمین کے اندر بڑھتے چلے جائیں گے۔ گوارڈیم کے کاہن نے انہیں بتا دیا تھا کہ میدانی علاقوں میں عجیب و غریب دیوتاؤں کو اقتدار حاصل ہے۔ مثلاً داغون [2] اور بعل [3] جن کے سامنے بچوں کو قربان کیا جاتا تھا راتوں کو سمندر کے کنارے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتے پروں کے تین تین جوڑوں سے ہر لحظہ اُڑتے پھرتے ہیں اور کرنوس دیوتا موجود ہے جس کی چار آنکھیں ہیں۔ دو سو جاتی ہیں تو دو دیکھ بھال میں لگی رہتی ہیں۔ سوئی ہوئی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو بیدار آنکھوں میں نیند اتر آتی ہے۔ اسی حصے میں سمندر کے سینے پر فونیقیوں نے صور نام ایک شہر ایسا بسایا جو چٹانوں کے سہارے کھڑا تھا۔ وہ لوگ اپنے مردوں کو جلاتے تھے اور فلزاتی پتھروں کی پرستش کرتے تھے جو آسمان سے جلتے ہوئے گرے اور سب سیاہ لوہے کی مانند زمین پر پڑے تھے۔ ان میں سے ایک شہابی پتھر یروشلم میں بھی موجود تھا۔ اس کے نیچے ایک شگاف تھا جو زمین کے اندر چلا جاتا تھا۔ [4] یروشلم کی فصلیں نحویہ بنی نے بنائی تھی۔ پاس ایک ایسا زمین بند [5] سمندر موجود تھا جس کے اردگرد اگنے والی نباتات زہریلی تھیں۔ زمین شورزدہ اور پتھر سیاہ تھا۔

مقدونوی فوج باب سلیشیا سے گزرتی ہوئی نیچے سرخی مائل میدان میں پہنچی تو سورج کی حدت میں نمایاں اضافہ ہو گیا اور وہ لوگ پسینے میں شرابور ہو گئے۔ وہاں انہیں ایک چٹان نظر آئی جس پر نوکدار اور دانہ نما انداز میں کوئی کتبہ کندہ تھا۔ ایک مقامی عالم کو بلا کر یہ کتبہ پڑھوایا گیا تو معلوم ہوا کہ اشوری زبان کا کتبہ ہے اور الفاظ یہ ہیں:

ساروانا پالس [6] ...... نے شہر طرسوس ایک دن میں تعمیر کر دیا لیکن اجنبی تو کھا پی اور عیش و عشرت میں مشغول رہو۔ انسانی زندگی کا بہترین مشغلہ یہی ہے۔

یہ کتبے کی عبارت تھی۔ اس کے اوپر ایک انسانی شکل بنی ہوئی تھی جس نے شاہی لباس پہن رکھا تھا اور ہاتھ اس طرح اٹھائے ہوئے تھے جیسے دعا کر رہا ہو۔ اہلِ مقدونیہ دیکھ کر ہنسے بھی اور اس کے فلسفے پر بحث بھی کرنے لگے۔ موضوع بحث یہ تھا کہ آیا ساروانا پالس کا قول

Marfat.com

درست ہے یا غلط۔

فوج باب سلیشیا سے گزر کر آگے بڑھی اور نادیدہ دشمنوں کے خطے میں پہنچ گئی تو اس کی طرز و روش میں بھی فرق آ گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ سکندر تشویش میں مبتلا ہے اور پارمینیو کی قوتِ ضبط جواب دے رہی تھی۔ وہ سب ہر قدم پر انتہائی احتیاط سے کام لے رہے تھے اور جو خبریں ملتی تھیں ان کے جھوٹ سچ ہونے کا پورا اندازہ کر لیتے تھے۔ گزشتہ موسم سرما میں انہوں نے مخابرت کا ایک نہایت عمدہ سلسلہ مرتب کر لیا تھا ان کے پاس جاسوس بھی تھے اور طلایہ گرد سوار بھی لیکن ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اس نظام کا تفصیلی طریقہ کار کیا تھا۔ شاید تاجر یا مقدس مقامات کے زائر یا ملاح آگے آگے جا رہے ہوں اور انہیں جو خبریں ملتی ہوں اکٹھی کر کے جگہ جگہ فوج کے لئے چھوڑتے جا رہے ہوں۔

اہلِ مقدونیہ پیش قدمی کے ساتھ ساتھ گردو پیش کی چیزوں کے معائنے اور مشاہدے کا بھی خاص اہتمام کرتے تھے۔ مثلاً رات کے وقت ستاروں کے جھرمٹ پر ان کی نظریں ہوتیں۔ جتنا راستہ طے کرتے اس کی پیمائش کرتے جاتے۔ فوج کے ساتھ جو طبیب تھے وہ ہر علاقے میں نئی نئی بیماریوں کا حال معلوم کر لیتے۔ سکندر اور بطلیموس دونوں روزانہ واقعات تفصیل سے لکھ لیتے۔ جو جو نئی چیزیں ملتیں مثلاً نئے پودے، گھونگھے، جانوروں کی کھالیں، کیڑے مکوڑے یا پرندے، ان کے نمونے جمع کر کر کے ارسطو کی تجربہ گاہ کیلئے وطن جاتے جس مقام سے گزرتے باشندوں سے ہر قسم کے سوالات کرتے جاتے۔ مثلاً یہ کہ سڑکیں کیسی ہیں؟ غذائی اجناس کا کیا حال ہے؟ لوگ کس قسم کے ہیں؟ ایک طلایہ گرد جیش پہلے بھیج دیا گیا تھا۔ وہ تیزی سے طرسوس کے قریب دریائے سدنوس کے پر پہنچ گیا اور دشمن نے طرسوس کی حفاظت یا بربادی کا موقع نہ دیا۔

یہاں پہنچتے ہیں سکندر بیمار ہو گیا اور ہفتوں سخت بخار میں مبتلا رہا۔ یہ بیماری اس کی اپنی بے احتیاطی کا نتیجہ تھی۔ وہ ایک گرم اور ملیریائی وادی میں سے گھوڑا دوڑاتا ہوا جا رہا تھا۔ خوب پسینہ آیا ہوا تھا۔ اچانک کپڑے اتارے اور پہاڑی ندی میں کود پڑا جس میں پگھلی

Marfat.com

ہوئی برف کا پانی آ رہا تھا، اس کا جسم اینٹھ گیا اور پھر سخت بخار آ گیا۔ ساتھیوں کا خیال تھا کہ اسے زہر دے دیا گیا ہے۔

جب طبیب خاص بخار کو زائل کرنے میں ناکام رہے تو اس نے ارکانیا کے ایک طبیب کو بلایا جس کا نام فیلقوس تھا۔ فیلقوس نے تجویز کیا کہ تیز جلاب لینا چاہئے۔ عین اس موقع پر پارمیدیو کی طرف سے ایک قاصد خط لایا جس میں مرقوم تھا کہ فیلقوس پر بھروسا نہ کرنا چاہئے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس نے شہنشاہ ایران سے رشوت لے کر سکندر کو مار ڈالنے کی سازش کر رکھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر نے خط پڑھا اور کچھ نہ کہا۔ اس اثناء میں فیلقوس دوا کا پیالہ لے کر آ گیا۔ سکندر نے پیالہ لے کر دوا پینی شروع کی اور تکیے کے نیچے سے پارمیدیو کا خط نکال کر فیلقوس کے ہاتھ میں دے دیا۔ ادھر فیلقوس نے خط ختم کیا ادھر سکندر دوا پی چکا تھا جو لوگ خیمے میں موجود تھے انہوں نے بعد ازاں بتایا کہ سکندر یا فیلقوس کسی کے چہرے پر تشویش کی کوئی علامت نمودار نہ ہوئی۔ فیلقوس نے خط واپس دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ میری ہدایات پر عمل کرتے رہیں گے تو بیماری جاتی رہے گی عمل نہ کریں گے تو ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی۔

جلاب نے سکندر کو بہت کمزور کر دیا۔ لیکن اس نے فیلقوس کا علاج جاری رکھا اور جو لوگ اس کے گرد و پیش تھے ان پر پورا بھروسہ کیا۔ ہرپالوس فوجی خدمات سے تنگ آ گیا تھا۔ سکندر نے اسے سارڈس میں مال وزر کا انتظام سونپ دیا۔

سکندر کی بیماری نے طول کھینچا تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ فوج کی خوش نصیبی میں بھی فرق آ گیا ہے۔ سکندر کو پالکی میں سوار کرا کے لے جا رہے تھے۔ اس وجہ سے فوج کی رفتار میں کمی آ گئی اور انہیں اس میدان کو عبور کرنے میں خاصی دیر لگی جو طرسوس سے خلیج اسوس تک پھیلا ہوا تھا۔ اور وہاں موسمی بخار کا زور تھا۔ فوج کے اور بھی بہت سے آدمی بیمار ہو گئے۔ ساحل شام کے باشندوں نے یونانی فوج کی ہنسی اڑانی شروع کر دی جو دلدلی علاقے میں بمشکل راستہ تلاش کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دشمن ابھی تک نمودار نہ ہوا تھا۔ تاہم اس

Marfat.com

کے خفیہ کارندے قصبوں میں ہنگامے بپا کر رہے تھے۔ یہ سب علامتیں ایسی تھیں جنہیں خوش نصیبی پر محمول نہ کیا جا سکتا تھا اور فوج کی ہمت خاصی پست ہو گئی تھی۔

پارمینیو نے فوج کے بہترین جیش لے لئے اور وہ ان پہاڑیوں میں چلا گیا جو سمندر کے کنارے واقع تھیں۔ یہ اطلاع تو مل چکی تھی کہ ایرانی فوج صرف دو دن کی مسافت پر پہنچ گئی ہے لیکن اس کا کوئی نشان نظر نہ آتا تھا۔ سکندر نے بات چیت سے فوج کا حوصلہ بڑھانا چاہا۔ اس نے کہا کہ دیکھو شمالی علاقے سے بڑی خوشگوار خبریں آئی ہیں۔ بطلیموس نے رپورٹ بھیجی کہ دشمن کے جو دستے ہیلی کارنوسس میں لڑ رہے تھے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے پھر اس نے ایک دن مقرر کر کے گانے بجانے کا انتظام کیا اور فوجیوں کو اجازت دے دی کہ دن بھر اپنی پسند کے کھیلوں میں مصروف رہیں۔ رات کے وقت مشعلوں کی روشنی میں گھڑ دوڑ کا انتظام کریں اور جشن منائیں۔ پھر بیماروں کو اسوس میں ٹھہرا دیا اور فوج لے کر آگے بڑھا۔ اس کے دائیں ہاتھ سمندر تھا، بائیں ہاتھ پہاڑیوں کا سلسلہ سمندر سے بالکل قریب آ پہنچا۔ عین اس حالت میں بارش شروع ہوئی جو لگاتار ایک رات اور ایک دن جاری رہی۔ مطلع صاف ہوا تو ناقابلِ یقین خبریں پہنچیں یعنی جس ایشیائی فوج کی تلاش میں تیزی سے پیش قدمی کرتے آ رہے تھے وہ مقدونوی فوج کے عقب میں نمودار ہوئی۔ گویا اس نے پیچھے سے مقدونویوں کا راستہ کاٹ دیا تھا اور انہیں گھیرے میں لے لیا تھا۔ جن لوگوں کو بیماری کے باعث اسوس میں چھوڑ دیا گیا تھا معلوم ہوا کہ ایرانیوں نے انہیں قتل کر دیا ہے۔ مقدونوی افسروں کو یقین نہ آیا تھا کہ یہ خبر درست ہے۔

فوراً محافظ فوج کے چند منتخب آدمیوں کو تین چپوؤں والے جہاز میں بٹھا کر روانہ کر دیا گیا تاکہ وہ خود وادی اسوس کے حالات دیکھ کر صحیح اطلاعات لائیں۔ وہ گئے اور یہ رپورٹ لائے کہ غنیم کی فوج اسوس کے اردگرد بھاری تعداد میں جمع ہے۔ ساحلی علاقے میں سمندر سے پہاڑیوں تک آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ واپس جانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

Marfat.com

سکندر نے فوراً سپہ سالاروں کو بلایا۔ باہم مشورہ کیا پھر خود رجمنٹوں کے افسروں کے ساتھ جا کر آدمیوں کو یہ خبر پہنچائی۔ تشویش نے اس کے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا تھا لیکن اسے دور کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ تیزی سے باتیں کرتا اور مسلسل بولتا جاتا۔ خود اسے یقین تھا یا نہ تھا لیکن فوج کو یقین دلا دیا کہ جس واقعہ کو تم اپنے لئے بہت بڑی مصیبت سمجھ رہے ہو وہ دراصل کامیابی کی سب سے بڑی کلید ہے۔ اس نے کہا اب تک تمہیں کوئی قوت شکست نہیں دے سکی یقین رکھو کہ اب بھی تم شکست نہ کھاؤ گے۔ وہ مسلسل باتیں کرتا، ہنستا، فوج کی بلند حوصلگی کی تعریف کرتا۔ غرض اس میں مردانگی کی جو روح موجود تھی اس سے ایک ایک قلب معمور ہو گیا۔

اس نے کہا کہ دیکھو گرینی کس میں تمہیں صرف ایک رسالے سے سابقہ پڑا تھا اور بادشاہ کے نائب السلطنت تمہارے مقابلے میں آئے تھے اب ایران اور مادہ[8] کی پوری فوج مقابلے کیلئے آ گئی ہے۔ اور شہنشاہ ایران خود اس میں موجود ہے۔ یقین رکھو کہ تمہارا نصیبہ یاور ہوگا۔ بے شک اس فوج کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن محاذ تنگ ہے جس میں بڑی تعداد کوئی کام انجام نہیں دے سکتی۔ تمہاری تعداد تھوڑی ہے۔ لہٰذا اپنی قوت سے پورا فائدہ اٹھا سکو گے۔ بازوؤں کے بارے میں پریشانی کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک طرف سمندر تمہارا محافظ ہوگا اور دوسری طرف پہاڑ۔

اس نے اپنے ساتھیوں کو سابقہ کارنامے یاد دلائے اور کہا کہ اہلِ مقدونیہ اور ان کے ساتھی آزاد ہیں اور اپنی خوشی سے لڑ رہے ہیں۔ جن لوگوں سے مقابلہ درپیش ہے وہ تنخواہ دار ہیں اور پیسے کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ غنیم کے ساتھ جو یونانی ہیں ان کی حالت بھی یہی ہے وہ ایک شہنشاہ کے ملازم ہیں۔ اس جنگ میں کامیابی حاصل کر لو گے تو محنت مشقت کا دور ختم ہو جائے گا پھر ایشیا کی سرزمینوں پر قبضہ جما لینے کا کام باقی رہ جائے گا۔

اس نے سپاہ کیلئے کھانے کا انتظام کر دیا۔ جب اندھیرا چھا گیا تو پیچھے کی طرف لوٹ پڑا۔ اس تنگ گزرگاہ میں فوجی ترتیب قائم رکھنے کی بھی کوشش نہ کی۔ آدھی رات کے وقت

Marfat.com

مقدونوی اس درے میں پہنچ گئے جو خلیج اسوس کے سامنے واقع تھا۔ وہاں ٹھہر کر سکندر نے سپاہیوں کو سو جانے کی مہلت دے دی۔ صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو پھر پیش قدمی شروع ہو گئی۔ آگے، پہاڑیاں تدریجاً سمندر سے دور ہٹتی جارہی تھیں اور میدان کھلتا جارہا تھا۔ اب پیش قدمی اس ترتیب کے ساتھ جاری تھی جو میدانِ جنگ میں اختیار کی جاتی تھی۔ مقدونویوں کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ غنیم کی قوت ان سے کم از کم تین چار گنا[9] زیادہ ہے۔

اسوس کے میدان میں غیر متوقع طور پر جو کچھ پیش آیا، اسے سمجھنے کیلئے یہ مان لینا ضروری ہے کہ مقدونوی فوج ایک خاص نقشہ عمل پر کاربند تھی۔ وہ مدت سے لڑائیوں میں مشغول چلی آتی تھی اور اسے جنگوں کا وسیع تجربہ حاصل تھا۔ فوج کا ہر جیش ہم قبیلہ یا ہم گروہ آدمیوں پر مشتمل تھا جو مختلف خصوصیات میں ممتاز چلے آتے تھے۔ مثلاً اگر پانی کے پہاڑی باشندوں کو بے قاعدہ چھاپے مارنے میں کمال حاصل تھا ہر جیش کو اپنا مقام معلوم تھا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ اسے کیا کام انجام دینا ہے اور مسلسل وہ کام انجام دیتے رہنے سے خاصا تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ اس اعتبار سے یونانی فوج دراصل موجودہ زمانے کے تجربہ کار اور منظم لشکروں کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

اس وقت سے پہلے جو لڑائیاں ہوتی رہی تھیں ان کی کیفیت یہ تھی کہ جنگجو انسانوں کے دو گروہ آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے اور پھر ان میں سے کوئی ایک گروہ جگہ چھوڑ بھاگ نکلتا۔ یا اینٹی گونس کے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ کوئی ایک گروہ دوسرے سے مرعوب و دہشت زدہ ہو کر راہِ فرار اختیار کر لیتا۔ ایسے منظم گروہوں کو خار پشت کی مانند ترتیب دے کر ایک زبردست قوت بنا لیا جاتا۔ اہلِ سپارٹا نے اس فن میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ وہ لوگ انفرادی جوانمردی میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے اور اس وقت تک نہ رکتے تھے جب تک مارے نہ جائیں، لیکن پیادہ فوج کی ترتیب ٹوٹ جاتی تو وہ بالکل بیکار ہو جاتی۔ تھیبز کے رئیس اپی سی نانڈس نے دشمن کی صف بندی کو توڑنے کا ایک خاص طریقہ دریافت کر لیا تھا۔ وہ اپنے دائیں بازو کو دشمن کے مقابلے میں بدرجہا مضبوط بنا دیتا۔ ایک خاص وقت تک اہلِ

Marfat.com

تھبیز کی یہ تدابیر یعنی دائیں بازو کی طرف سے حملہ جنگ میں کامیابی کا سب سے بڑا حربہ مانا جاتا تھا۔

مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس نے اہلِ تھبیز کی اس تدبیر کا مطالعہ خوب غور سے کیا اور اس میں چند اصلاحات بھی کر لیں۔ پیادہ فوج حملہ کرتی تو اس کی رفتار زیادہ تیز نہ ہو سکتی تھی۔ اور برچھیوں کے ذریعے سے دشمن کو پیچھے دھکیلتی۔ فیلقوس نے مقابل کی صفوں کو توڑنے کیلئے رسالہ استعمال کیا۔ اس کے سوار بھاری ہتھیاروں سے مسلح ہوتے تھے۔ وہ ان سواروں کو خاص مقام پر چھپا دیتا تاکہ دشمن کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ پھر وہ اچانک گھات سے نکلتے اور دشمن کی صفوں پر عقب سے حملہ آور ہو کر اس کی قوتِ مزاحمت کو درہم برہم کر ڈالتے۔

مقدونوی فوج کی یہ خفیہ چالیں تھیں جن کی بنا پر وہ ہر میدان میں کامیابی حاصل کرتی رہیں۔ سکندر نے صرف اتنا اضافہ کیا کہ نیزہ بازوں کے حملے سے پیشتر دشمن کی فوج میں ایک راستہ پیدا کر لیتا۔ یہی اسباب تھے جن کی بنا پر پارمینیو بے تکلف کہا کرتا تھا کہ رسمی جنگ میں کوئی فوج اہلِ مقدونیہ پر بازی نہیں لے جا سکتی۔ اس تدبیر پر عمل پیرائی کا طریقہ یہ تھا کہ مقدونوی فوج کے بائیں بازو کی آخری حد پر تھوڑی فوج رکھی جاتی تھی۔ اس کی بنا پر دشمن کو وہ بازو بے حد کمزور نظر آتا یعنی کچھ تیر انداز بٹھا دیئے جاتے اور کچھ چھاپے مارنے والے لیکن ان کے پیچھے تھسلی کا رسالہ موجود ہوتا جس کے سوار بڑے آزمودہ کار اور گھوڑے بے حد تیز رفتار تھے۔ رسالے کو اس طرح چھپا دیا جاتا کہ دشمن کو نظر نہ آتا۔ فیلقوس کی جنگی تدبیروں کے مطابق بائیں بازو سے کوئی خاص کام لینا مقصود نہ ہوتا تھا اسے صرف بازو کی حفاظت کا فرض سونپا جاتا تھا۔ البتہ یہ ضروری تھا کہ وہ کسی بھی حالت میں پیچھے نہ ہٹے۔ لمبی برچھیوں والے پیادہ جیش، مقدونوی فوج میں روحِ رواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ یونان کے بھاری ہتھیاروں والے سپاہی تھسلی کے رسالے سے قریب تر تھے۔ زیادہ تر نیزہ باز، جفاکش مقدونوی کسان تھے۔ یہ قطار در قطار کھڑے ہوتے تو عموماً قطاریں بن

Marfat.com

جاتیں۔ سب سے پچھلی قطار کی برچھیاں سب سے لمبی ہوتیں۔ قریباً سولہ فٹ لیکن بالکل سامنے کی قطار کی برچھیاں چھوٹی ہوتیں۔ یہ آٹھوں قطاریں برچھیاں تان کر آگے بڑھتیں تو کوئی ان کے مقابلے پر ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ پیادہ فوج عموماً رجمنٹوں میں تقسیم ہوتی۔ ہر رجمنٹ میں جنگجوؤں کی تعداد ایک ہزار پانسو چھتیس ہوتی۔ پھر یہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم ہوتی۔ سب سے کم ٹولی آٹھ آدمیوں پر مشتمل ہوتی۔

اسوس کے میدان میں لمبی برچھی والی پیادہ فوج چودہ ہزار سے کم نہ تھی اور اس پر کوئی حملہ کارگر نہ ہوسکتا تھا، ان کے سینوں پر فولادی آئینے بندھے ہوئے تھے۔ سر پر فولادی خود تھے اور چھوٹی چھوٹی ڈھالیں تھیں۔ نیز ہر آدمی کے پاس چھوٹی مگر بھاری تلواریں بھی تھیں تاکہ دست بدست جنگ کی نوبت آجائے تو ان سے کام لیا جاسکے۔ کوچ کے وقت ہر آدمی اپنا سامان خود اٹھاتا تھا۔

نیزہ بازوں نے ایک غیر معمولی کارنامہ انجام دیا جس کا اندازہ دشمن نہ کرسکا۔ یعنی وہ پوری فوجی ترتیب کے ساتھ دائیں بازو کی طرف بڑھ گئے۔ پھر معاونوں کا ایک جیش نمودار ہوا۔ وہ لوگ بھی پیادہ تھے لیکن بھاری ہتھیاروں سے لیس تھے اور ان کی تعداد تین ہزار ہوگی۔ یہ پیش قدمی میں ویسے ہی تیزی دکھا سکتے تھے جیسی کہ سوار۔ یہ معاون جیش آگے بڑھا تو تھریس کے سوار بھی ان سے آگے آگے جارہے تھے۔ تھریس کے سواروں سے ذرا آگے اگریانی پہاڑیوں کی دو رجمنٹیں تھیں جنہوں نے سواروں کو چھپا رکھا تھا۔ ان کے ساتھ کریٹ کے تیرانداز تھے۔ بعدازاں یہ لوگ سکندر کی خاص فوج بن گئے۔ اس طرح مقدونیہ کی فوج نے اپنی جنگی تدبیر کو کامیاب بنایا ہر جیش دوسرے جیش کیلئے تقویت کا سامان تھا اور انہوں نے دائیں بازو سے حملہ کرکے دشمن کی صفوں میں بھاری خلا پیدا کردیا۔

اس خلا میں محافظ فوج کا رسالہ سرپٹ دوڑتا ہوا گھس گیا اور دشمن کے عقب کو درہم برہم کر ڈالا۔ محافظ فوج کے ہتھیار سب سے اعلیٰ تھے اور گھوڑے بھی بہت اچھے تھے۔ ان کی تعداد دو ہزار کے قریب ہوگی۔ عام دستور یہ تھا کہ دشمن کے بائیں بازو میں خلاف پیدا

Marfat.com

کر کے یہ لوگ قلب پر حملہ آور ہوتے۔ یہی انہوں نے کیا۔ معاون فوج کے سپاہی اور تھریس کا تجربہ کار رسالہ بھی ان کے ساتھ ساتھ جاتا۔ پھر نیزہ باز پیادہ فوج آگے بڑھتی تو جنگ کا پانسا پلٹ جاتا۔ دشمن بھاگ نکلتا اور صرف تعاقب کا کام باقی رہ جاتا۔ کائی رونیا کے میدان میں اس تدبیر پر قبل از وقت عمل ہوا۔ دریائے گرمی کس میں یہ تدبیر اگرچہ پوری طرح کارگر نہ ہوسکی تاہم یونانیوں کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔

پوری فوج میں سے صرف کریٹ کے تیرانداز تنخواہ دار تھے۔ اگرچہ یہ معلوم ہے کہ حلیف یونانی فوجیں اپنی رضامندی سے نہ آئی تھیں۔ بعض معاون دستے بھی شامل تھے۔ مثلاً قابل انجینئر جو دیاوس کی منجنیقوں سے کام لیتے تھے نیز طبیب اور سائنس دان بعض بربری سوار ضرورت کے وقت گاڑیاں بھی ہانک لیتے تھے اور جن چھاپے مار سواروں کے پاس ہلکے ہتھیار رتھے ان میں محافظ فوج کے ملازم بھی بوقتِ ضرورت شامل ہوجاتے تھے۔ پوری فوج ساڑھے ستائیس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ سکندر کی ذاتی فوج کیلئے تمام جیشوں سے مختلف کمپنیاں منتخب کرلی جاتی تھیں۔ بڑے بڑے سپہ سالار تعداد میں سات تھے۔ وہ عموماً سکندر کے پاس رہتے لڑائی پیش آتی تو اپنے اپنے لشکروں کی کمان سنبھال لیتے۔

جس روز جنگ اسوس پیش آئی اس روز صبح کے وقت سکندر معمول کے مطابق حملہ آور فوج کے ساتھ دائیں جانب کے پہاڑ پر چلا گیا۔ پارمینیو نے بایاں بازو سنبھال لیا وہ عین سمندر کے پاس مقیم تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سکندر رات کے وقت ایک لمحے کیلئے بھی نہ سویا تھا اور اس پر خاصی تشویش طاری تھی۔ ہلال نما خلیج پر پہلی نظر پڑتے ہی اسے آدمیوں کے ایسے جھنڈ نظر آئے جو شاید خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں۔ اس فوج میں مختلف قوموں کے افراد شامل تھے۔ مثلاً تنخواہ دار یونانی جیش اور کردستان کے پیادے جو دریا کے دور افتادہ کنارے پر استادہ تھے۔ باقی فوجیں دائیں جانب پہاڑی کے ڈھلان پر پھیلی ہوئی تھیں۔ رسالے کا دل اس انتظار میں کھڑا تھا کہ مقدونوی فوج قدم بڑھائے تو حملہ کرے۔ خط جنگ کے عقب میں بھی شہر اسوس تک ایشیائی فوج ہی نظر آرہی تھی۔

Marfat.com

خلیج کے کناروں نے ایک بڑے تھیٹر کی حیثیت حاصل کر لی تھی جس کے ایک تنگ دروازے سے یونانی فوج داخل ہو رہی تھی اور ویسے ہی دوسرے تنگ دروازے کے پرے شہر اسوس واقع تھا۔ سکندر کو اندازہ ہو گیا کہ اس کے پاس سوار بہت کم ہیں اور اس کی پیادہ فوج پیچھے نہ ہٹ سکتی تھی۔ اس میدان میں ایسی لڑائی نہ لڑی جاسکتی جس میں آخری فیصلہ معرضِ التواء میں ڈالا جاتا یا محض دشمن کی پیش قدمی کو روکنے پر اکتفا کیا جاتا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ جس فوج کو پیچھے ہٹایا جائے گا وہ نہایت تنگ گزرگاہ سے جانے پر مجبور ہو گی۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایرانی فوج ساحل والی سڑک پر اس کا تعاقب کر رہی تھی اور رات کی تاریکی میں وہ تیزی سے لوٹ آیا تو ایرانی فوج خلیج کے کنارے ہی پر رکی رہ گئی۔ سمندر کا کنارہ سکندر کے بائیں جانب تھا۔ صرف اس کے آس پاس ہی زمین ہموار تھی جس پر رسالے کو حملے کیلئے کھڑا کیا جاسکتا تھا۔

ایک گھنٹے تک سکندر اور پارمینیو کھڑے یہ مشاہدہ کرتے رہے کہ بلالی کنارے کے دور افتادہ حصے میں کیا سرگرمیاں جاری ہیں۔ اس اثناء میں مقدونوی فوج کا بڑا حصہ ایسے مقام پر ٹھہرا ہوا تھا کہ ایرانی اسے بخوبی دیکھ نہ سکتے تھے۔ سکندر اور پارمینیو نے دیکھا کہ ایرانی رسالے کا جو قلب دامن کوہ میں تھا وہ پیچھے ہٹا اور دریا کو عبور کر گیا۔ بظاہر وہ رسالے کو کنارے کے پاس کی ہموار زمین پر لے جا رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ دریا کے ڈھلوان کنارے پر لکڑی کے مورچے بنا کر انہوں نے اپنے آپ کو مضبوط کر لیا۔

اب یہ سوال سامنے آ گیا کہ جو ایرانی رسالہ کنارے کے پاس کھڑا تھا اور وہ یونانی فوج کے بائیں بازو کے سامنے تھا اس کے مقابلے اور روک تھام کا مناسب بندوبست ہو جانا چاہئے۔ سکندر نے تھریس کے سواروں کو اپنے پاس سے ہٹا کر پارمینیو کی کمان میں بھیج دیا۔ ساتھ ہی تاکید کر دی کہ نقل و حرکت دشمن سے خفیہ رہنی چاہئے۔ پھر کریٹ کے تیر انداز بھی وہیں بھیج دیئے۔ اس لئے کہ پارمینیو کی فوج ساحل کی ہموار زمین پر یونانی فوج میں مرکز پرکار کی حیثیت رکھتی تھی۔ تھریس اور تھسلی کے سواروں کا فرض تھا کہ وہ یونانی فوج

Marfat.com

کے بائیں بازو کو پیچھے نہ ہٹنے دیں اگر انہیں کمر کمر پانی میں مقابلہ کرنا پڑے۔

یہ انتظامات ہو چکے تو سکندر نے حملے کے منصوبے پر عمل شروع کیا جس حد تک ممکن تھا رسالے کو پیادہ فوج کے پیچھے دشمن کی نگاہوں سے مخفی رکھا۔ جب پیادہ فوج آگے بڑھتی ہوئی دریا کے کنارے پہنچ گئی اور دشمن کی فوج کے تمام حصے سامنے نظر آنے لگے تو سکندر بھی بیوسی فالس پر سوار ہو کر اپنی فوج میں چلا گیا۔ جاتے جاتے تمام کمپنیوں کے کمانداروں کو جلدی جلدی ہدایات دیتا گیا۔ فوجیوں نے اسے دیکھتے ہی پرجوش نعرے لگائے اور کہا کہ ہمیں پیش قدمی کی اجازت دی جائے لیکن سکندر نے بھاری ہتھیاروں والے چار ہزار یونانیوں کو محفوظ فوج کی حیثیت میں ایک جگہ ٹھہرائے رکھا۔ محاذ بہت تنگ تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ چھوٹی سے جگہ میں اس کے بہادر یونانیوں کو تنخواہ دار یونانیوں سے مقابلہ پیش آئے۔ اس اثناء میں اس کی نظر اپنی فوج کی طرف جمی ہوئی تھی جو پہاڑ کے دامن میں کھڑی تھی۔ وہ لوگ تیزی کے ساتھ ایرانی فوج سے آگے نکل گئے جو چوٹیوں کے نیچے ٹھہرے ہوئے تھے۔ یقین ہے کہ سکندر نے پہاڑی ڈھلوانوں کے چھوٹے چھوٹے درّوں اور دریا کے طول و عرض کا خوب اندازہ کر لیا ہوگا اس نے اگریانی جیش کو حکم دیا کہ پہاڑی ڈھلوانوں کو دشمن سے پاک کر دیا جائے۔ تیر انداز ان کے ساتھ بھیج دیئے چنانچہ انہوں نے ایرانی فوج کو بلندیوں پر سے ہٹا دیا۔

ڈھلوان عارضی طور پر فوج سے خالی ہوئی تو سکندر نے ہر چیز کا خوب مشاہدہ کر لیا۔ دوپہر ہو چکی تھی اور اس نے فوجیوں سے کہہ دیا کہ تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر کر کچھ کھا پی لو۔ راشن ان سب کے ساتھ تھا۔ اس اثناء میں ایرانی کچھ کھا پی نہ سکے۔ سکندر نے اگریانیوں کو بالائی ڈھلوانوں سے واپس بلا لیا تھا اور پیادہ فوج کے دائیں جانب جو معاون دستے تھے انہیں اگریانیوں میں شامل کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ سواروں کے دو یا تین جیش چوٹیوں والے ایرانیوں کی روک تھام کیلئے کافی ہوں گے۔ اب اسے اطمینان ہو گیا کہ رسالہ دامنِ کوہ میں بے تکلف نقل و حرکت کر سکے گا۔ یہ دیکھتے ہی دائیں بازو کی فوج کو ترتیب کے ساتھ پیش

Marfat.com

قدمی کا حکم دے دیا۔

ان رجمنٹوں نے دریا کو عبور کیا جو پائین کوہ بہہ رہا تھا اور اس کے کنارے بہت گہرے تھے۔ وہ دریا سے گزر کر اگلے کنارے پر جا پہنچے۔ دشمن نے انہیں روک دیا تو سکندر نے معاون فوج کو دائیں جانب سے آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔ ان کے پیچھے پیچھے قدم بہ قدم محافظ فوج آگے بڑھی۔ حملہ آور فوج کا سب سے اگلا حصہ دریا کو عبور کر گیا۔ اس فوج کا مرکزی حصہ ان چوبی مورچوں پر جا کر رک گیا جس کے پیچھے تنخواہ دار یونانی جمع تھے لیکن وہ فوجی معمول کے مطابق دائیں جانب سے ہوتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

اب وہ خطرہ پیش آ گیا جس سے سکندر گھبرا رہا تھا یعنی بھاری ایرانی رسالے نے دریا میں اتر کر حملہ کر دیا اور دریا سے گزر کر وہ تھسلی اور تھریس کے سواروں پر جا گرے جن کی تعداد بہت کم تھی۔ محافظ فوج رکی کھڑی تھی اور پیادہ فوج قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی تھی، سواروں پر تیروں اور برچھوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ گھوڑے تیر اور برچھے کھا کر اچھلنے لگے۔ اب رکے رہنا سخت خطرناک تھا۔ سکندر نے محافظ سواروں کو اس خلا میں سے آگے بڑھنے کا حکم دے دیا جو پہاڑ کے دامن کے ساتھ پیدا ہو چکا تھا۔ وہ مزاحمت کی ہر تدبیر کو ناکام بناتے ہوئے آگے بڑھے۔ پھر انہوں نے بائیں جانب کا رخ کر کے دامنِ کوہ سے تیز حملہ شروع کر دیا۔ جب وہ پیادہ ایرانی فوج کے عقب میں پہنچے تو معاون فوج بھی ساتھ تھی۔ تنخواہ دار یونانی اور ایرانی ایک جگہ جمے کھڑے تھے۔ انہوں نے از سرِ نو صف بندی کی کوشش کی لیکن حملے کی تندی نے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔

عین اس موقع پر اس شخص نے شکست قبول کر لی جس پر ایرانیوں کی مقاومت کا انحصار تھا حالانکہ ابھی شکست نہ ہوئی تھی۔ یہ ایران کا شہنشاہ دارا تھا۔ وہ ایرانی فوج کے قلب کے پیچھے جنگی رتھ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب دیکھا کہ محافظ فوج کے سواروں نے اس کے قلب کی صف بندی توڑ دی ہے تو حکم دے دیا کہ میرے رتھ کو پیچھے ہٹاؤ...... افراتفری میں ایک جگہ رتھ . . . . . . نیچے اترا، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اور محافظ فوج کو ساتھ لے کر اسوس

Marfat.com

کے قریب سے بھاگ گیا۔

یہ اتفاق تھا کہ دارا نے بزدلی کا ثبوت دیا لیکن جس تباہ کن حملے نے اسے ہراس زدہ کردیا تھا وہ اتفاق یا کرشمہ نہ تھا۔ اگر وہ اپنی جگہ جما رہتا اور اپنی زبردست محفوظ فوج سے علیحدگی اختیار نہ کرتا تو کیا ہوتا؟ اس سوال کا صحیح جواب ہمیں کبھی معلوم نہ ہوگا جو حالت پیش آئی وہ یہ تھی کہ دارا نے راہِ فرار اختیار کی تو اس کی محفوظ فوج جو اسوس تک پھیلی ہوئی تھی افراتفری کا شکار ہوگئی۔ فوج کے بعض دوسرے جیش بھی پیچھے ہٹے جس قلب کا نصف سے زیادہ حصہ یونانیوں کے نرغے میں آچکا تھا وہ کنارے کی طرف پیچھے ہٹنے لگا۔ وہاں ایرانی سوار بڑے کامیاب حملے کر رہے تھے لیکن جب انہوں نے اپنے عقب میں انتشار و ہراس کی کیفیت دیکھی تو باگیں موڑ لیں اور خود بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ قلب فوج کے پاس سے گزرے جو پیچھے ہٹ رہا تھا اور پیادوں کو پامال کرتے ہوئے نکل گئے۔

سکندر نے اپنے محافظ سواروں کی پیشدمی روک دی تھی تاکہ پارمینیو کی فوج کے بارے میں پورا اطمینان حاصل ہوجائے۔ اسے یقیناً نقصان پہنچ چکا تھا لیکن بچاؤ کا بندوبست ضروری تھا۔ ایرانی بھاگ نکلے تو یونانی سواروں نے دامنِ کوہ کے ساتھ ساتھ ان کا تعاقب شروع کردیا۔ باقی ایرانی فوج ان کے پیچھے پیچھے نکلی۔ خلیج کے آخری حصے میں ایک چھوٹا سا درّہ تھا۔ مفرور یونانی (تنخواہ دار) اس میں جمع ہوگئے۔ بطلیموس نے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے کہ بھاگنے والے سواروں اور بھاگنے والے پیادوں، دونوں کو اس مقام پر سخت نقصان پہنچا جب یونانی سوار وہاں گئے تو کشتوں کے پشتے سے گزرنا پڑا۔

تعاقب غروب آفتاب کے بعد تک جاری رہا تھا کہ اندازہ ہوسکے ایرانی آئندہ کیا کریں گے۔ یونانی سپاہی دارا کی ڈھال، کمان اور شاہی بالا پوش سکندر کے پاس لائے۔ یہ چیزیں دارا اپنے جنگی رتھ میں چھوڑ گیا تھا۔

بہرحال اسوس کے میدانِ جنگ میں سکندر نے یونانی فوج کو ایک ایسے خطرے سے نکال لیا جو بڑا ہی ہولناک تھا۔ یہ کارنامہ کسی ایسی قمار بازی کا نتیجہ نہ تھا جس کیلئے پانسا پھینکتے

Marfat.com

وقت کوئی خاص القاء ہوا ہو، لیکن یہ بڑی محنت ومشقت اور لامتناہی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اس نے صبح سے دوپہر کے قریب تک انتہائی محنت سے محافظ فوج کے رسالے کو دامنِ کوہ میں اس مقام پر پہنچایا تھا جہاں سے کامیاب حملہ ہوسکتا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ صبح کے وقت اس مقام پر ایرانی رسالہ جما کھڑا تھا۔ پہاڑی کے ڈھلوان سے سواروں کا حملہ جنگی ہنرمندی کا ایک غیر معمولی کارنامہ تھا۔ رسالہ اس طرح دشمن پر جاگرا جیسے پہاڑ کا کوئی بہت بڑا حصہ برسات میں نیچے آگرتا ہے۔ لیکن رسالے سے صحیح کام لینے کی یہی ایک ممکن صورت تھی۔ اسی پر سکندر کو بھروسا تھا اسی سے اس نے کام لیا اور عین وقت پر کام لیا۔[10]

گرینی کس کی جنگ میں سکندر پر خاصا اضطراب انگیز جوش جاری رہا تھا لیکن اسوس کی جنگ میں ایسی کوئی چیز پیش نہ آئی۔ اس نے دیر تک اپنی حملہ آور فوج کی پیش قدمی روکے رکھی۔ محافظ رسالہ اس باب میں معاونوں اور اگریانیوں کا مؤید رہا۔ جب سکندر کو یقین ہوگیا کہ سمندر کے کنارے تک اس کی فوج کے تمام بازو اپنی جگہ جمے کھڑے ہیں تو پھر حملے کا حکم دیا، لیکن اسوس کی جنگ میں ایرانی فوج کے نظم ونسق کو درہم برہم کرنے کا کارنامہ مقدونویوں نے تیز اور بے پناہ تعاقب میں انجام دیا۔ مشرقی افواج کو اس سے پیشتر ایسے سخت تعاقب سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ اس سے پہلے ان کا تجربہ بھاری ہتھیاروں والے چھوٹے چھوٹے یونانی دستوں تک محدود تھا۔ یعنی زینوفن کے دس ہزار فوجی۔

اسوس میں ایرانیوں کا تمام سازوسامان برباد ہوگیا اور فوج اس طرح بکھری کہ اسے دوبارہ جمع نہ کیا جاسکا۔ دارا کے اپنے اسلحہ، خیمے، افرادِ خاندان اور خدام خاص غرض ہر شے چھن گئی۔ اور وہ صرف چار ہزار منظم فوجیوں کے ساتھ مشرقی جانب بھاگا۔ یہ فرار جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ دریائے فرات کو عبور کرگیا۔ مقدونویوں نے اس پر ایک خاص دہشت طاری کردی تھی۔

جنگ اسوس کے بعد نوجوان مقدونوی بادشاہ نے کسی ایسے ہیجانی ردِ عمل کا ثبوت نہ دیا جیسا گرینی کس کی جنگ کے بعد نمایاں ہوا تھا۔ وہ بالکل تھکا ہوا معلوم ہوتا تھا اور اس کے

Marfat.com

کو لہے پر تلوار کا ایک زخم لگ چکا تھا جو خاصی تکلیف دے رہا تھا۔ اسے اٹھا کر جگہ جگہ پھرایا گیا اور کئی روز تک وہ بیوسی فالس پر سوار بھی نہ ہو سکا۔

دوسرے روز مقتولین کے دفن کا انتظام کیا گیا جو افسر مارے جا چکے تھے ان کی جگہ نئے آدمی مقرر ہوئے اور سکندر نے فوج کو جشن منانے کی اجازت دے دی۔ اس شادمانی میں اسوس کے باشندوں کو بھی شامل کر لیا گیا جو خراج ان کے ذمے عائد ہوا تھا اور ادا نہ کیا گیا تھا اسے معاف کر دیا گیا۔

ایران کے شاہی کیمپ میں خزانے کا بھی خاصا بڑا حصہ رہ گیا جس کی مقدار تین ہزار ٹیلنٹ سے کم نہ تھی۔ سکندر نے یہ مال ان افسروں میں تقسیم کر دیا جو جنگ اسوس میں ممتاز کارنامے انجام دے چکے تھے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ایرانیوں کا بہت سا ساز و سامان جس میں خزانہ اور نوکر چاکر شامل ہیں دمشق کے مرکز میں رہ گیا ہے جو ساحل سے ہٹا ہوا تھا تو اس نے پارمینیو کو حکم دے دیا کہ تھسلی کے سوار ساتھ لے کر فوراً دمشق جائے اور مالِ غنیمت پر قبضہ کر لے۔ تھسلی والوں کو اس بات پر بے حد خوشی حاصل ہوئی کہ انہیں سب سے پہلے لوٹ کا موقع دیا جا رہا ہے۔

پارمینیو دمشق پہنچا تو وہاں اسے یونانی سفیروں کا ایک گروہ ملا۔ وہ لوگ اس غرض سے آئے تھے کہ شہنشاہ ایران کے ساتھ گفت و شنید کریں۔ سکندر نے ان کا جرم نظر انداز کر دیا اور پارمینیو نے ان پر غداری کا جو الزام لگایا تھا اسے قبول نہ کیا۔ ان کی معافی کے لئے سکندر نے نہایت دلچسپ دلیلیں پیدا کر لیں۔ اس نے کہا دو سفیر تھیبیز کے ہیں۔ انہیں اس لئے مجرم نہیں سمجھا جا سکتا کہ اہلِ مقدونیہ نے تھیبیز کو برباد کر ڈالا تھا یعنی وہ حبِ وطن کے جوش میں شہنشاہِ ایران سے مدد لینے آئے تھے۔ بعض دوسرے کارندوں کو اس بنا پر معاف کر دیا گیا کہ وہ اولمپیائی کھیلوں میں امتیاز و اعزاز حاصل کر چکے تھے۔ اسیروں میں سے ایک شخص افی کریٹیز 11 بھی تھا جو تنخواہ دار یونانیوں کے سپہ سالار کا فرزند تھا۔ سکندر نے اسے اپنا مشیر بنا لیا۔ سپارٹا کے سفیر کو بھی کوئی گزند نہ پہنچایا البتہ اس کی نگرانی کا حکم دے دیا۔

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ سکندر ایشیائی ساحل پر مزید دشمن پیدا کرنے کا خواہاں نہ تھا اور اس نے انتہائی فراخدالی کی پالیسی اختیار کی۔ اسوس کی خوفناک جنگ کے بعد جس میں مقدونوی فوج تباہی کے کنارے پر پہنچ چکی تھی سکندر سے ایسی فراخدلی کے برتاؤ کی قطعاً امید نہ تھی۔ لوگوں پر اس سے بہت ہی اچھا اثر پڑا چنانچہ جزیرہ قبرص سے جہاز سازوں کا ایک قافلہ آ پہنچا۔ ان لوگوں نے نئے حالات دیکھے اور اپنی خدمات پیش کر دیں۔ جزیرہ ارادوس[12] کے قدیم مندروں کے محافظ یہ درخواست لے کر آئے کہ ہمیں اپنی قربان گاہوں پر قربانیوں کی اجازت دی جائے۔ بیروت کی تجارتی کوٹھیوں کے کارندے عمدہ تحفے لے کر حاضر ہوئے اور اپنے شہر میں تشریف آوری کی درخواست کی جو لبنان کے کنارے پر آباد تھا انہوں نے بتایا کہ یہ شہر بیروئی[13] بحری پری یا استارٹی[14] دیوی نے تعمیر کیا تھا جو شیر پر سوار ہو کر جنگل سے نمودار ہوئی تھی۔ (بیروت سامی نام ہے جس کے لفظی معنی کنویں کے ہیں) ان مشرقی لوگوں کا خیال یہ ہو گیا تھا کہ سکندر کو دیوتاؤں نے خاص قوت عطا کر رکھی ہے۔ ان کا یہ اندازہ بھی تھا کہ سکندر کم از کم دو سال تک تجارت کے وسائل کو متاثر رکھے گا۔

○

Marfat.com

نواں باب

خاتونانِ دمشق

نوجوان سکندر کا طرزِ عمل نہایت ہی نرم اور شکر گزارانہ تھا۔ جب رات ہوئی اور فوجی افسروں کو معلوم ہوا کہ ایرانی فوج بے طرح شکست فاش کھا چکی ہے تو ان کا جوش وخروش جنون کے قریب پہنچ گیا۔ سکندر جائے قیام کی طرف لوٹ رہا تھا تو اس کے بہت سے افسر شہنشاہ ایران کی خیمہ گاہ کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہاں انہیں بہت سے خیمے ملے جن میں کھانا تیار رکھا تھا۔ وہ سکندر کو ایک احاطے میں لے گئے جہاں کوئی پہرہ دار موجود نہ تھا۔ وہاں شامیانوں کا ایک جھنڈ تھا اور رنگین فانوسوں کے اندر چراغ جل رہے تھے۔ فرش پر اعلیٰ درجے کے قالین بچھے ہوئے تھے۔ افسروں نے سکندر کو سنگ سلیمانی کا ایک چھوٹا سا حوض دکھایا جس کے پانی سے نہایت عمدہ خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے فوراً اپنی آستینیں چڑھا لیں تاکہ منہ ہاتھ دھو لے اور کہا لو ہم اپنا گرد وغبار دارا کے حمام میں دھوتے ہیں۔ ایک افسر بولا: یہ حمام اب دارا کا نہیں سکندر کا ہے۔

اس نے چاندی کے آفتابے دیکھے جن ڈبوں میں ابٹنا رکھا ہوا تھا۔ ان پر سنہری گلکاری کا کام تھا۔ گلاب دان شیشے کے تھے۔ سکندر حوض میں بیٹھ گیا۔ اس میں تازہ پانی ڈالا گیا۔ بال چھڑ سے مالش کی گئی۔ ہوا گلاب کے عرق سے معطر تھی۔ وہ بولا: واہ یہ بادشاہی کی شان ہے تولئے ایسے نرم تھے جیسے بطخ کے بچے کے روئیں نرم ہوتے ہیں۔ رنگین روشنیوں میں اسے اپنے رفیقوں کے چہرے بڑے دلکش معلوم ہوتے تھے۔ وہ ایک بڑے تولئے میں

Marfat.com

لپٹا ہوا باہر نکلا اور کہا کہ ''کھانا لاؤ'' رفیق اسے پاس کے خیمے میں لے گئے۔ وہاں اردگرد پردے پڑے ہوئے تھے۔ خیمے کے بیچ میں لکڑی کی میزیں لگی ہوئی تھیں جن پر ہاتھی دانت کی نہایت خوبصورت گلکاری کی گئی تھی اور سنہری قابوں میں میوے، مسالے والے گوشت اور چاول چنے تھے۔

میزوں کے اردگرد نہایت عمدہ رضائیاں رکھی تھیں۔ سکندر نے بہت سا کھانا دوسرے افسروں کیلئے بھیج دیا۔ کارنتھ کے اجتماع میں بھی اس نے ایک جگہ اتنا کھانا نہ دیکھا تھا۔ وہ ایک رضائی اوڑھ کر بیٹھ گیا جس پر سوزن کاری سے وحشی جانوروں کی لڑائیوں کے منظر دکھائے گئے تھے۔ اس کا زخمی کولہا سوج گیا تھا۔

اس کے رفیق شراب پیتے گندے مذاق کرتے اور اپنی چوٹوں کو سہلا رہے تھے۔ اب ان کے دل میں اپنے لیڈر کیلئے ایک خاص احترام پیدا ہو گیا تھا جس کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی اور اس کی نیلگوں آنکھیں ہر لحظہ مستفسر نظر آتی تھیں۔ وہ کبھی اسے ایکی لیز قرار دیتے اور کبھی ہرقل۔ انہیں اشرفیوں کی بھری ہوئی تھیلیاں مل گئی تھیں اور سنہری قابوں میں نہایت عمدہ کھانا کھا رہے تھے۔ جو شخص تولئے میں لپٹا ہوا تھا وہ شہنشاہ کو جسے روئے ارض کا مالک سمجھا جاتا تھا، سر توڑ راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر چکا تھا۔ دارائے اوّل نے میراتھان کی جنگ کے بعد یونان کے خلاف جنگ کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور وہ اپنا بیڑا لے کر واپس آ گیا تھا۔ زرکسیز جنگ سلمیس کے بعد فونیقی بیڑے کے ساتھ لوٹ آیا تھا لیکن یہاں اس رات ایشیا کی سرزمین میں......

وہ سکندر کو دیوتا قرار دیتے۔ اس کے رخسار چومتے اور آفریں باد کہتے۔ خیمہ گاہ میں بہت سی ایشیائی عورتیں ملیں جن میں اکہرے بدن کی شامی لڑکیاں بھی تھیں۔ سجی سجائی قبرص کی عورتیں بھی اور ممفس کی نیم حبشی نژاد دوشیزائیں بھی۔ ایسی عورتیں بھی جن کے قوم و وطن کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ سکندر فوجیوں سے وعدہ کر چکا تھا کہ اس جنگ کے بعد کوئی تکلیف پیش نہ آئے گی۔ جنگ ہو چکی تھی فوجی کہتے تھے کہ اب اپنا وعدہ پورا کرو۔

Marfat.com

سکندر آہستہ آہستہ شراب پی رہا تھا اور ان کی باتیں سن رہا تھا۔ شراب سے اسے چنداں دلچسپی نہ تھی لیکن ان کی شادمانیوں کے باعث وہ بڑی راحت محسوس کر رہا تھا۔ عین اس موقع پر قریب سے آہ وفغاں کی صدائیں بلند ہوئیں۔ سکندر نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ رفیقوں نے بتایا کہ پاس کے خیمے میں شہنشاہ ایران کی خواتین موجود ہیں۔ انہیں معلوم ہوا چکا ہے کہ دارا کی ڈھال اور کمان آ گئی ہے اور وہ سمجھ رہی ہیں کہ دارا مارا گیا۔ لہٰذا رو رہی ہیں۔ سکندر نے پوچھا کون کون عورتیں ہیں۔ بتایا گیا کہ ایک دارا کی والدہ ہے، ایک ملکہ جس کا نام سٹے ٹیرا[1] سے ملتا جلتا ہے۔ وہ تھائس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ حسن اس پر ختم ہو گیا۔ دارا کی دو بیٹیاں ہیں اور ایک شیر خوار بیٹا۔

سکندر نے ہفااسشن کو بلایا (بعض کہتے ہیں کہ یہ لیوناٹس[2] تھا) اور شاہی خواتین کے بارے میں یوں ہدایات دیں۔ جاؤ اور ان کو بتا دو کہ میرے پاس دارا کی صرف ڈھال اور کمان ہے وہ زندہ ہے۔ انہیں یقین دلا دو کہ جس شان سے پہلے رہتی تھیں اسی شان سے اب رہیں گی۔ اگر ان کے ساتھ ملازم ہیں تو وہ سب بدستور ان کے ساتھ رہیں گے۔ ایک شخص بولا: خواجہ سرا بھی؟ سکندر نے جواب دیا: ''ہاں سب، جتنے روپے انہیں پہلے ملتے تھے وہ سب بدستور ملتے رہیں گے اور جیسے اعزاز کا برتاؤ پہلے ہوتا تھا ویسا ہی برتاؤ اب ہوگا۔''

اس مجلس میں جو سب سے بڑا شرابی تھا یہ سن کر دم بخود رہ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سکندر خاص لمبی مدت تک شاہی خواتین کو یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھے گا اور کوئی مقدونوی افسران کی قیام گاہ کے پاس نہ بھٹک سکے گا۔ اس لئے کہ بلند منزلت ایشیائی لوگ اپنی خواتین کو یونانیوں سے بھی زیادہ پردے میں رکھتے تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ سکندر کسی جسمانی استراحت کا خواہاں نہ تھا حالانکہ خدا نے دشمن کی بیوی اور بیٹیوں کو اس کے قبضے میں دے دیا تھا۔ ایک سپاہی نے کہا: سچ یہ ہے کہ ایرانی عورتیں بڑی ہی خوبصورت ہیں۔ سکندر نے جواب دیا کہ ان کی خوبصورتی میری آنکھوں کیلئے اذیت کا باعث ہے۔

یہ الفاظ رفیقانِ خاص کیلئے تسلی کا باعث نہ ہو سکے۔ وہ جانتے تھے کہ مشرقی عورتوں کی

Marfat.com

جسمانی خوبصورتی اذیت کا سامان نہیں۔ ان میں سے اکثر کو گھر بار سے الگ ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ صرف تھوڑے سے آدمیوں نے شادیاں کر لی تھیں۔ باقی سب رفاقت کے آرزومند تھے۔ سکندر کی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی۔

معلوم ہوتا تھا کہ سکندر پر راہبی کی خواہش غالب تھی۔ وہ رات دن قربانیوں کے خیال یا فاقہ کشی یا مطالعے میں مصروف رہتا۔ اگرچہ وہ جانتے تھے کہ اس کی بدنی صحت راہبی کی مقتضی نہیں اور فوج میں سے کوئی بھی راہب بننے کیلئے تیار نہ تھا۔ چند روز بعد سکندر نے ایک اور قانون جاری کر دیا اس کے پاس اطلاع پہنچی کہ دو افسرانِ فوج نے ایک اتحادی افسر کی بیوی کی آبروریزی کی ہے۔ پارمینیو کو حکم بھیجا کہ فوراً اس معاملے کی تفتیش کی جائے اور اگر جرم ثابت ہو جائے تو مجرموں کو قتل کی سزا دی جائے۔ ساتھ ہی ہدایت کر دی کہ اتحادی خواہ بربری ہوں یا ایشیائی یا یونانی ان کی عورتوں کا پورا احترام کیا جائے اور جو افسر دوسروں کی آبرو کا خیال نہ رکھیں دان کے ساتھ جنگلی درندوں کا سا برتاؤ کیا جائے۔

پارمینیو کو فوجیوں کی گفتگو کا علم ہوا تو وہ خود اس معاملے پر بات چیت کیلئے سکندر کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا آپ کی شادی نہیں ہوئی۔ کوئی عورت بھی اپنے پاس نہیں رکھی۔ کوئی یونانی طوائف بھی ساتھ نہیں لی۔ میرے بیٹے ہیں ان کی اولاد موجود ہے۔ فلوٹس اور نکانور[3] خود فوج میں ملازم ہیں۔ ہارپالوس[4] کا بیٹا فوج میں ایک افسر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر آپ کے بیٹا نہ ہوا تو وفات کی حالت میں جانشین کون بنے گا؟ یہ صورتِ حال غیر طبعی ہے اور اس سے صحت پر اثر اچھا اثر نہ پڑے گا۔ پھر جانشینی کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ بربری عورتیں بے روح گڑیا ہیں۔ آپ نے مقدونیہ میں شادی نہ کی۔ اب مناسب ہے کہ ایک بربری لڑکی کو اس رکھ لیں بے شک ایشیا کے شاہی خاندان کی کوئی عورت نہ رکھیں۔

سکندر عورتوں سے گریزاں رہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بڑی دیر کے بعد اپنی ماں کے ناخوشگوار تحکم سے اس نے آزادی حاصل کی تھی اور ہر عورت میں اسے اپنی ماں کا تحکم نظر آتا تھا۔ وہ بڑا احساس تھا۔ ہوسکتا ہے کہ قلوپطرہ کے بچے کی موت اور باپ کی

Marfat.com

عیاشیوں نے بھی اس پر اثر ڈالا ہو۔ اسے یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ بڑے بڑے افسروں کی خیمہ گاہوں میں طوائفیں رہیں۔ البتہ کسی کو بیوی بنا کر رکھ لینا قابلِ اعتراض نہ سمجھا جا سکتا تھا۔ چنانچہ پارمینیو کی رائے کے مطابق اس کے پاس عورتیں قید ہو کر آئیں تو ایک کو اس نے اپنے لئے چن لیا۔ یہ روڈز کے میمنان کی بیوہ برسین تھی جو دمشق میں گرفتار ہوئی تھی۔ برسین خاموش اور حلیم الطبع تھی۔ نسلی اعتبار سے اس کا تعلق ایران کے ایک امیر گھرانے سے تھا لیکن اس نے یونانی درسگاہ میں تعلیم پائی تھی۔ قیاس یہ ہے کہ عمر میں وہ سکندر سے چند سال بڑی ہوگی۔

برسین نے سکندر کے معاملات میں کبھی دخل نہ دیا۔ وہ اپنی خیمہ گاہ میں بیٹھی رہتی اور ملازموں کے ذریعے سے ضروری کاروبار انجام دیتی۔ آس پاس جو گفتگوئیں ہوتیں انہیں سن لیتی لیکن سکندر سے کبھی کچھ نہ مانگا۔ وہ خلوت پسندی پر قانع تھی۔ سکندر کی رفیقہ بن جانے کو نہ اس نے اپنے لئے باعثِ عزت سمجھا اور نہ موجب سزا۔ دوسرے آدمیوں کے نزدیک وہ ایک پردہ دار سایہ تھی جو اپنے شامیانے کے اندر رہتا۔ سکندر کو اس کی صحبت میں خاص آرام حاصل ہوتا۔ فوج اس بات پر بہت خوش ہوئی کہ سکندر نے برسین کو اپنے خیمے میں داخل کر لیا ہے لیکن فوج کی خیمہ گاہ میں عورتوں کے مسئلے کا حل اس کیلئے آسان نہ تھا۔

غالباً سکندر برسین کے مزاج کو کبھی نہ سمجھ سکا۔ سکندر کے پاس پہنچنے سے پیشتر وہ میمنان کی بیوی تھی، جو بڑا بہادر اور دور اندیش مانا جاتا تھا۔ وہ سلطنت کا ایک رکن تھا۔ اگرچہ اس نے شہنشاہ ایشیا کی وفاداری قبول کر لی تھی۔ اہلِ مقدونیہ میمنان کا بہت احترام کرتے تھے۔ دارا کے لئے ان کے دل میں کوئی احترام نہ تھا جس نے ڈر کر اپنی فوج، اپنی عورتوں اور اپنے ہتھیاروں کو چھوڑا اور بھاگ گیا۔ سکندر بھی کسی زمانے میں ڈرتا تھا لیکن ہجوم کار کے خنک اضطراب میں وہ جان گیا تھا کہ اب بچ نکلنے کیلئے نہ میں پیچھے ہٹوں گا اور نہ بھاگوں گا۔ جو قوت اسے خطرے کی جانب لے جا رہی تھی وہ بے پناہ تھی۔ یہ قوت اس کے خوف سے بدرجہا قوی تر تھی۔

Marfat.com

برسین کو سکندر کے خیالات کا کوئی علم نہ تھا۔ اسے سکندر کے کسی کام سے بھی سروکار نہ تھا۔ وہ صبح کے وقت اٹھتا تو شامیانوں سے باہر جا کر ان چٹانوں پر قربانی کرتا جو سمندر پر واقع تھیں۔ جب خیمہ گاہ میں واپس آ کر جو کی روٹی اور انگور کھاتا تو فوجی افسر ارد گرد بیٹھے ہوئے اس سے بات چیت کرتے رہتے۔ جب وہ ننگے سر اپنی فوج خاص کے پاس دھوپ میں کھڑا ہوتا تو سپاہیوں کے جھنڈ یا دیہاتی لوگ اپنی درخواستیں وغیرہ لے کر آ جاتے۔ سکندر کی عادت ہی یہ تھی کہ جس علاقے میں داخل ہوتا اس میں فوجی اور دیوانی مقدمات کو لازماً سنتا۔ اس کا خیال تھا کہ افراد کے حالات سن کر مجھے ملک کی ضرورتیں معلوم کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ایسے موقعوں پر نہ وکیل ہوتے تھے اور نہ ترجمان۔ لوگ خود اپنے حالات بیان کرتے۔ اکثر یونانی زبان بولتے یا وہ ملی جلی زبان جسے بآسانی سمجھا جا سکتا۔ جو لوگ آرامی یا سامی بولیوں کے سوا کچھ نہ جانتے تھے تو وہ اپنے ترجمان ساتھ لاتے۔

جب افسر یا درخواست گزار شاہی خیمے کے سامنے موجود نہ ہوتے تو سکندر اس وقت بھی بے کار نہ بیٹھتا۔ وہ ایک نوجوان یونانی محرر کو اسی تیزی سے خط لکھواتا جس تیزی سے مقدموں کا فیصلہ کرتا۔ جب کسی معاملے کا فیصلہ کر لیتا تو پھر اسے بھلا دیتا لیکن ضروری معلومات کی تمام تفصیلات اس کے ذہن میں تازہ رہتیں۔ دمشق میں جو خزانہ اس کے ہاتھ لگا اس میں سے آٹھ سو ٹیلنٹ اس نے ارسطو کے پاس بھیج دیئے تاکہ اپنے لئے نئی درس گاہ تیار کرا لے اور خوشبوؤں کا بہت بڑا انبار لیونی دس کے پاس بھیج دیا۔ ساتھ ہی خط لکھا کہ "لیونی دس یہ اس لئے بھیج رہا ہوں کہ دیوتاؤں کی قربانی میں ناپ تول کر خوشبوئیں استعمال نہ کرو۔" یاد ہوگا کہ دس سال پیشتر قربانی کے وقت سکندر نے مٹھیاں بھر بھر کر خوشبوئیں ڈالیں تھیں تو لیونی دس نے اسے ٹوکا تھا۔

سکندر کا ایک اور اتالیق لیسی مچس[5] خاصا بوڑھا ہو چکا تھا۔ وہ سائنس دانوں کے ہمراہ آیا تھا، اگرچہ یونانی زبان کے مخطوطے پڑھنے کے سوا اسے کسی کام میں مہارت نہ تھی۔ سکندر کی خواب گاہ میں مخطوطوں سے ایک صندوق بھرا ہوا تھا۔ یہ بوڑھا اتالیق انہیں کے

Marfat.com

مطالعے میں غرق رہتا۔ بعض اوقات سکندر استراحت کی غرض سے لیٹ جاتا اور لیسی مچس اسے اکیلس 6 کے ڈرامے سناتا۔ وہ عموماً آدھی رات گزر جانے کے بعد سوتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سکندر صبح کے وقت اٹھتا اور سر اپنے بازو میں رکھ کر چپ چاپ لیٹ جاتا، یہاں تک کہ دوپہر ہو جاتی۔ برسین پر واضح ہو گیا کہ خود فراموشی کے ایسے موقعے اسی وقت آتے ہیں جب کوئی کام نہیں ہوتا۔ فوج کوچ کی حالت میں ہوتی یا کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو ایسی صورت کبھی پیش نہ آتی۔ خود فراموشی کے اوقات میں برسین سکندر کو کبھی نہ جگاتی۔ کوچ میں سکندر سایہ دار پالکی کبھی استعمال نہ کرتا۔ وہ عموماً پیدل چلتا۔ کبھی ایک جیش میں ہوتا کبھی دوسرے میں۔ تمام لوگوں سے بے تکلف بات چیت کرتا۔ کبھی کمان اٹھا لیتا اور کسی طرف شکار کیلئے نکل جاتا۔ جب وہ جنگی رتھ میں بیٹھ جاتا تو گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتا۔ لیکن کھیلوں میں اسے تیزی و تندی ہرگز پسند نہ تھی۔

برسین نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ جب مقدونیہ سے خطوں کے بنڈل اس کے پاس آتے ہیں تو سب سے پہلے وہ اینٹی پیٹر کے خط کھولتا ہے جیسے جیسے وہ پڑھتا ہے چہرے پر مسکراہٹ طاری رہتی ہے۔ اولمپیاس کے خط کبھی کسی کو نہ دکھاتا تھا۔ گاہے گاہے یہ دیکھا گیا کہ ہفااسشن خاموش سائے کی طرح اس کے پیچھے آ کھڑا ہوتا اور خط کا کچھ حصہ پڑھ لیتا۔ پھر سکندر اپنی مہر ہفااسشن کے لبوں پر لگا دیتا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ خط کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے۔ لوگوں کی گفتگو سے برسین کو معلوم ہو گیا کہ اینٹی پیٹر خطوں میں اولمپیاس کی ویسی ہی شکایتیں کرتا تھا جیسی اولمپیاس اینٹی پیٹر کی۔ سکندر بعض اوقات اچانک پھوٹ پڑتا: کیا اس احمق کو معلوم نہیں کہ ماں کے ایک آنسو کے مقابلے میں اس کی تمام دلیلیں بے شکار و بے سود ہوں گی۔

لوگوں کے متعلق سکندر کی بے صبری اور اضطراب نے یقیناً برسین کو ایک حد تک پریشان کر دیا تھا۔ وہ حوادث یا ناکامیوں پر کبھی غصے میں نہ آتا۔ معاملات بگڑ جاتے تو صبر و استقلال کا پیکر بنا رہتا۔ لیکن جن کاموں کا وہ متوقع تھا ان کے سرانجام میں خلل پیدا ہو جاتا

Marfat.com

تو بے طرح بگڑ جاتا۔ بگڑ جانے کی حالت بڑی ہی عجیب تھی۔ اس کی نیلگوں آنکھیں سراپا سوال بن جاتیں۔ نہ ان میں خوشی کی جھلک ہوتی اور نہ حیرت کی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ آنکھیں آدمیوں کے گوشت کا پردہ نوچ پھینکنے کی خواہاں ہیں۔ وہ ان کے الفاظ پر متوجہ نہ ہوتا، یہ دیکھتا کہ الفاظ کی تہ میں کیا کچھ مستور ہے۔ مشاقی اور استادی سے جھوٹ بول کر اسے بآسانی فریب دیا جاسکتا تھا۔ لیکن جب وہ لوگوں سے دوچار ہوتا تو ان میں سے کوئی بھی اپنی اندرونی فطرت کے بارے میں اسے دھوکہ نہ دے سکتا تھا۔

تیز فہم، طعن دوست اور بے اصول بطلیموس نے بارہا دھوکہ دے کر سکندر سے کام کرا لئے اور یقین ہے کہ سکندر کو حقیقت کا علم ہوگا لیکن وہ بطلیموس کی گردن پر زیادہ سے زیادہ ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالتا جارہا تھا۔ اس کے برعکس پارمینیو کا بیٹا فلوٹس بہترین کماندار تھا۔ وہ معاونوں اور ماہروں کا جیش لے کر اس طرح کوچ کرتا، جیسے کوئی چھوٹا سا بادشاہ ہو۔ سکندر کے تمام احکام کی حرف بہ حرف تعمیل کرتا تاہم جب وہ ملاقات کر کے جاتا تو برسین دیکھتی کہ سکندر پر بے یقینی اور غصہ طاری ہے۔ بظاہر وہ بطلیموس اور فلوٹس سے یکساں سلوک کرتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دل میں بطلیموس کے متعلق سمجھتا تھا کہ اس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی اور فلوٹس کوئی بھی کام صحیح طریق پر نہیں کرسکتا۔ برسین کا خیال تھا کہ بطلیموس زیادہ خطرناک رقیب ہے جیسے جیسے سکندر کی طاقت وقوت بڑھتی جارہی تھی وہ خطرناک تر ہوتا جارہا تھا لیکن فلوٹس پارمینیو کا بیٹا تھا جس کی وفاداری محض کوئی پاگل اور فاتر العقل ہی معرضِ بحث میں لاسکتا تھا۔ برسین کو خود بھی سکندر کے سلیم العقل ہونے میں شبہ تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک معمولی زیور پہن لیا۔ دراصل وہ تانبے کا سانپ تھا جسے خاص انداز میں موڑ رکھا تھا۔ یہ زیور ایک غلام نے اسے دیا تھا۔ سکندر نے اسے دیکھتے ہی اس زور سے اتارا کہ برسین کے بازو کو صدمہ پہنچا۔ پھر اسے دور سمندر میں پھینک دیا اور اپنے اس فعل کیلئے کوئی عذر بھی پیش نہ کیا۔ بعد ازاں برسین کو ہر وقت یہ تشویش رہتی کہ کہیں سکندر اس کا راز معلوم نہ کرلے۔ یہ راز ہاتھی دانت کے چھوٹے سے ڈبے میں تھا جس میں جواہرات رکھے جاتے تھے۔ اس ڈبے میں

Marfat.com

قفل نہ تھا بلکہ اس کی بندش کیلئے خاص خفیہ گرفت کا انتظام تھا۔ اس ڈبے کو برسین ہمیشہ اپنی خاص چیزوں میں رکھتی اور جب تک بالکل اکیلی نہ ہوتی کبھی نہ کھولتی۔ عموماً چاندنی راتوں میں اسے دیکھتی جب کسی دوسرے کو معلوم نہ ہو سکتا کہ اندر کیا ہے۔

سانپ والا زیور پھینک دینے کے بعد سکندر برسین کیلئے ایک سنہری کنگن لایا جس پر سفید رنگ کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ برسین سکندر کو خوش کرنے کیلئے روزانہ یہ زیور پہنچتی۔ اگرچہ وہ جواہرات میں سے اور کوئی چیز استعمال کرنے کی عادت نہ تھی۔ جس بندھن سے وہ اپنے سر کے بال باندھتی تھی وہ بھی بالکل معمولی حیثیت کا تھا۔ سکندر کو اس کا علم تھا۔

ایک روز سپاہی سکندر کے پاس ایک قیمتی صندوقچہ لائے اور تحفے کے طور پر پیش کر دیا۔ اس پر بڑی خوبصورت تصویریں منقش تھیں اور انہوں نے اسے بادشاہ کیلئے شایاں تحفہ قرار دیا۔ سکندر نے پوچھا بھلا بتاؤ اس قیمتی صندوقچے میں کون سی قیمتی چیز رکھی جا سکتی ہے؟ ان میں سے کوئی کچھ بتاتا اور کوئی کچھ۔ سکندر نے ہومر کی نظم ایلیڈ کا ایک عمدہ نسخہ اٹھایا جو اس کے پلنگ کے پاس پڑا تھا اور کہا کہ میرے پاس اس سے زیادہ قیمتی چیز کوئی نہیں اور نسخہ صندوقچے میں بالکل ٹھیک آیا۔ برسین کو اس امر پر بڑی تشویش ہوئی کہ خود اس کی طرح سکندر بھی کوئی قیمتی چیز اپنے پاس نہ رکھتا تھا۔ جواہرات یا سنہری مورتیاں غرض جو کچھ بھی اس کے پاس آتا وہ عموماً دوسرے میں بانٹ دیتا۔ دارا کے مزین شامیانوں یا سنہری پلیٹوں سے بھی اس نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ البتہ سنگ سلیمان کا حوض اپنے پاس رکھا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ حوض میرے دل میں اسوس کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے۔

جب سکندر چاندی کا صندوقچہ اپنے پلنگ کے پاس رکھ رہا تھا تو برسین نے جواہرات کے ڈبے کو اس کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کی۔ جو کچھ اس کے اندر تھا وہ برسین کیلئے بے حد بیش بہا تھا۔ کچھ معلوم نہیں کہ آیا سکندر نے اسے ڈبے کو چھپاتے ہوئے دیکھ لیا تھا لیکن ایک شام شمعیں روشن ہو گئیں تو اس نے دیکھا کہ سکندر برسین کی خواب گاہ کے پاس کچھ تلاش کر رہا ہے جہاں اس کے کپڑوں کا صندوق، شالے، آئینے اور جوتے دھرے

Marfat.com

تھے۔ برسین کے پاس اور کوئی خاص چیز نہ تھی وہ اب پہلے کی طرح بہت چیزیں اپنے گرد جمع نہ کرنا چاہتی تھی۔ جس سے اس کے دل میں ماضی کی تلخ یادیں تازہ ہو جائیں لیکن ڈبے کے اندر جو چیزیں تھیں انہیں وہ الگ نہ کرنا چاہتی تھی۔

سکندر نے ہاتھی دانت کا ڈبہ اٹھا لیا۔ اس کا پردہ اتارا اور غور سے دیکھنے لگا۔ کھولنے کیلئے اسے جگہ جگہ سے دبانا شروع کیا۔ برسین نے کہا: ''یقین رکھئے اس میں میرے لئے یا آپ کیلئے زہر نہیں۔'' سکندر اسے غور سے دیکھتا رہا۔ نگاہیں صاف بتا رہی تھیں کہ وہ جاننا چاہتا ہے اس کے اندر کیا ہے۔ برسین کا احساس یہ تھا گویا اس کی نقاب اتر گئی اور سکندر کی نظریں جسم کے اندر پہنچ رہی تھیں۔ اس نے وہ الفاظ سوچے جو کہنا چاہتی تھی پھر آگے بڑھی ڈبے کی ایک سمت ذرا دبائی اور وہ کھل گیا۔ اندر چند چیزیں درخشاں تھیں جو بڑی ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ مثلاً بازوبند، ایک چھوٹا سا سہ گوشہ تاج، کانوں کی بالیاں۔ انہیں کو عورت اپنی خاص چیزیں سمجھتی ہے۔ ہر شے پر باریک حروف میں یہ عبارت کندہ تھی ''روڈز کے میمنان کی طرف سے تحفۂ محبت۔'' سکندر نے ایک چوڑی اٹھائی جو چاندی کی بنی ہوئی اور بڑی سبک تھی۔ دو لمحے اسے دیکھا پھر بدستور رکھ دیا۔ ڈھکن بند کر کے ڈبہ برسین کے حوالے کر دیا۔ ساتھ ہی کہا: ''تمہیں سکندر مقدونوی کی دی ہوئی چوڑیاں نہ پہننی چاہئیں۔'' پھر اسے اس واقعے کے متعلق سب کچھ فراموش ہو گیا۔ مہینوں بعد وہ مشرق کی طرف روانہ ہوا تو برسین کو اپنے ساتھ نہ لیا۔ بایں ہمہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ عورت سکندر پر اثر انداز ہوئی اور یہ مشرقی عورت تھی مقدونوی نہ تھی۔

سکندر نے دوسرے موسم سرما کے کئی مہینے شام کے ساحل پر گزار دیئے۔ وہ سمندر کا معائنہ کرتا رہتا۔ جانتا تھا کہ سمندر پر سواری کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہ تھا۔ تاہم اس کے حالات کی دیکھ بھال میں لگا رہتا۔ ماہی گیر جال لے کر مچھلیاں پکڑتے، تجارتی اور جنگی جہاز اس کے سینے پر سے گزرتے۔ لیکن ساحل سے دو دور رہتے۔ اس لئے کہ بندرگاہوں پر سکندر کا قبضہ تھا۔ شام کا ساحل اس کی ملکیت میں آ چکا تھا۔ سامنے برف پوش پہاڑ کھڑے

Marfat.com

تھے۔ان میں سے ندیاں بہتی ہوئی آ رہی تھیں جو سمندر میں گرتیں۔ان پر قصبے آباد تھے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ سڑک بنی ہوئی تھی جس سے اونٹوں، خچروں اور گاڑیوں کے قافلے گزرتے۔سواریاں ہانکنے والے موسم سرما کے گرم سورج کی مدح کے گیت گاتے۔

مقدونیہ کے ساحل پر ہمیشہ کہر کا پردہ پڑا رہتا۔وہاں بہت کم آدمی نظر آتے۔شام کا ساحل دنیا کا باغ بھی تھا اور دنیا کا دروازہ بھی۔مقدونوی ساحل کے پیچھے جنگلوں اور بربری لوگوں کے سوا کیا تھا۔شام کے ساحل پر لاکھوں انسان سرگرمِ عمل تھے۔تجارتی راستے قافلوں سے پررونق، ہزاروں لوگ ان مندروں میں جاتے جو پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بنے ہوئے تھے۔ہزاروں اپنے بچوں کو ان گلیوں میں سے لے جاتے جن میں بہت قدیم زمانے سے چہل پہل چلی آتی تھی جن چٹانوں پر وہ قربانیاں کرتا تھا ان پر ایسی تصویریں کندہ تھیں جیسی یونانیوں نے کبھی نہ بنائی تھیں۔اس ساحل کے آقا و مالک بدلتے رہے۔لیکن یونانی سواحل کی طرح اس کی فطرت وطبیعت کبھی نہ بدلی۔

چٹانوں سے لوگ پتھر نکالتے تھے۔دریاؤں کی تہ سے برتن بنانے کی مٹی لیتے تھے۔ لبنان کے جنگلوں میں لمبے اور سیدھے درخت کھڑے تھے۔وہ طبعی نشوو ارتقاء کی بنا پر لمبے جہازوں اور عالی شان عمارتوں کے کام آسکتے تھے۔سکندر کے کارکن پتھر اور شہتیر صور لے جارہے تھے۔سکندر کے آباؤاجداد کی حیثیت کیا تھی؟ وہ قبائلی سردار تھے، فصلیں بونے اور مویشی پالنے کا انتظام کرتے، بیماروں کو دوائیں دیتے، کوئی کسی کے ہاتھ سے مرجاتا تو اس کا خون بہا دلادیتے۔سکندر اس عجیب وغریب ساحل کو انتہائی غور سے دیکھ رہا تھا۔سوچ رہا تھا کہ یہاں کیا کچھ بنایا جاسکتا ہے۔کیا کچھ اگایا جاسکتا ہے۔اس کے آباؤاجداد کو ایسی ہی چیز سے سابقہ نہ پڑا تھا۔وہ نقشوں، منصوبوں اور قوانین پر نہیں بلکہ انسانی ضرورتوں کی چیزوں کے استعمال پر غور کرتا۔بلاشبہ وہ خود بربری تھا لیکن ارسطو کی درسگاہ میں تعلیم پائی تھی اور جانتا تھا کہ قدرت کی عطا کی ہوئی قوتوں کو بہترین مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہیے۔فکر ونظر ہی میں گم نہ رہنا چاہیے۔طبیعات کی دنیا میں کوئی بھی شے بے مقصد پیدا نہیں ہوئی۔یہ مقصد

Marfat.com

معلوم کرنا چاہئے اگر معلوم ہو جائے تو......

اسوس کی جنگ نے اسے مہینوں کیلئے تشویش سے نجات دلا دی۔ دمشق میں سونے اور جواہرات کے جو ذخیرہ تھے ان میں سے خاص ذخیرے یونان بھیج دیئے اور مہم کے مصارف کیلئے ایک سال کا خرچ اپنے لئے رکھ لیا۔ اب یونان سے مزید رضا کار آ گئے اور جانی نقصان کی تلافی ہو گئی۔ اب وہ جمعیت متحدہ یونان کا سپہ سالارِ اعظم نہ تھا۔ عین اس زمانے میں قاصد شہنشاہ ایران کا خط لے کر آئے جس میں بڑی لجاجت کا اظہار کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ صلح کی شرطیں طے کر لی جائیں۔ قاصدوں نے خود بھی معذرتوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انہوں نے کہا کہ ایشیائی ممالک کو نقصان نہ پہنچایئے۔ مصالحت پر تیار ہو جایئے اور شاہی خاندان کی عورتوں کو واپس بھیج دیجئے۔ سکندر نے جواب میں لکھا:

''میں تمام یونانیوں کا سپہ سالارِ اعظم ہوں۔ مجھے اس لئے یہاں آنا پڑا کہ تیرے کارندوں نے میرے باپ کے قتل کی سازش کی اور میرے دوستوں کو رشوت دے کر ساتھ ملایا۔ تم نے سپارٹا کو روپیہ دے کر میرے خلاف عداوت کی آگ بھڑکائی اور اس جمعیتِ متحدہ میں انتشار پیدا کیا جس کا سر عسکر و رئیس میں ہوں۔ تو کہتا ہے کہ لڑائی کا فیصلہ خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے تو پھر سمجھ لے کہ میں خدا کی مرضی کے مطابق تیرے علاقوں پر قابض ہونے کیلئے آ گیا ہوں۔ میں تیرے ان آدمیوں کی حفاظت کر رہا ہوں جو اپنی خوشی سے میرے پاس چلے آئے۔ میرا باپ مارا گیا۔ یہاں اس زمین کے حاکم اریسز ؒ کو تو نے مارا۔ تو غاصب ہے اور تیرا ہر فعل ایران و مادہ کے تمام ضوابط کے خلاف تھا۔

تو میرے پاس آ۔ اپنی ماں، اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو مجھ سے مانگ تو جو مانگے گا، دوں گا۔ اور تیری حفاظت کا ذمہ اٹھاتا ہوں۔ البتہ تجھے آ کر اس شہنشاہ ایشیا سے سوال کرنا چاہئے جو اب تیرا ہمسر نہیں بلکہ تیرا آقا ہے۔ اگر میرے اس منصب کو قبول نہیں کرتا تو ایک اور لڑائی کر دیکھو لیکن میدان چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس لئے کہ تو جہاں جائے گا میں ضرور تیرے پیچھے وہیں پہنچوں گا۔

Marfat.com

اس نے اپنے سفیروں سے کہہ دیا کہ یہ خط حوالے کر دینا اور خود کچھ نہ کہنا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کچھ کہیں گے تو دارا کے دل میں اضطراب پیدا ہو جائے گا۔ سکندر کے ساتھیوں نے دارا کے قلب کی حالت پر غور کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ جنگ میں رحم خارج از بحث ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ جنگ محض فوجیوں کے تصادم تک محدود نہیں ہوتی، انسانی قلب جنگ کو کنٹرول کرتے ہیں اور اس میں کامیابی و ناکامی انسانی قلوب ہی پر موقوف ہوتی ہے۔ مراد ہے قلب کے خاص اوصاف سے ٹھنڈا عزم مزاحمت، عزم یورش اور عزم مقاومت۔ ایرانیوں نے عیش و راحت کی چیزیں مہیا کر کے یونانیوں کے عزائم میں ضعف پیدا کر دیا تھا۔ دارا کو ابھی تک سمندروں پر کنٹرول حاصل تھا۔ اس لئے کہ اس نے بحری تجارت تو نیقیوں، قبرصیوں، اہلِ روڈز کیلئے فائدہ مند بنا کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اور وہ اپنی آزادی سے دست بردار ہو چکے تھے۔ یونانی جرنیلوں کو غداری اور دغا بازی کی قدر و قیمت بھی معلوم ہو چکی تھی جس چوبی گھوڑے کو اہلِ ٹرائے خود کھینچ کر اپنے شہر میں لے گئے تھے وہ آخر دغا بازی اور دھوکے کے سوا کیا تھا۔[8]

دشمن کے قلب کی حالت بگاڑ کر مطلب پورا کر لینا اس کے سواروں کے ساتھ لڑنے سے بہتر تھا۔ اینٹی گونس نے دھوکے اور فریب کا پورا طومار تیار کر لیا تھا۔ اور بطلیموس اس کا شاگردِ رشید بن رہا تھا۔ صرف سکندر جنگ کے اس نئے طریقے کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ سکندر کا طریقہ تھا کہ پیشِ نظر تعمیری کاموں کے متعلق خوابوں میں غرق رہتا۔ ایک ایک شے کی چھان بین کرتا جب مشکلات اسے گھیر لیتیں تو لڑ بھڑ کر ان میں سے راستے پیدا کر لیتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا انحصار صرف تقدیر پر ہے......

دارا کی قلبی حالت کے خلاف اس جنگ میں فلسطینیوں نے ساحل شام کے باشندوں کی دوستی حاصل کر لینے کا خاص خیال رکھا۔ اس حصے میں کسی غدار کو موت کی سزا نہ دی گئی۔ کسی قیدی سے بیگار نہ لی گئی۔ دولت مند شہروں پر خراج عائد نہ کیا گیا بلکہ انہیں اپنا نظامِ حکومت خود مرتب کر لینے کی اجازت دے دی گئی۔ جو لوگ فوج میں رضا کارانہ بھرتی ہونے

Marfat.com

کیلئے آتے ان کا خیر مقدم کیا جاتا۔ دارا کے اہل وعیال سے بھی اعزاز کا وہی سلوک کیا جاتا جس کے وہ حقدار تھے۔ البتہ دارا کے خلاف نفرت کا اظہار کیا جاتا۔ چنانچہ خط میں نفرت و حقارت ہی کا انداز اختیار کیا گیا۔ سفیروں نے خط دے دیا لیکن اس بارے میں گفتگو سے انکار کر دیا۔ دارا کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ وہ نئی فوج لے کر ساحل پر آتا اور دوبارہ جنگ کرتا، دوسرا یہ کہ ساحل سے ہمیشہ کیلئے ہاتھ دھو بیٹھتا اور اس طرف کبھی رخ نہ کرتا۔ سکندر نے خط کی عبارت سے اتفاق کیا تھا بلکہ عبارت خود اس کی بنائی ہوئی تھی۔

پارمینیو، اینٹی گونس اور بطلیموس قیاس کرتے رہے کہ دارا کون سا راستہ اختیار کرے گا۔ وہ کہتے تھے کہ ایشیا کا یہ شہنشاہ اعظم مقدونیوں کے سامنے بہت بری طرح بھاگا ہے اور اہل وعیال کی اسیری اس کیلئے سخت تکلیف دہ ہوگی۔ لہٰذا ان کا خیال تھا کہ اہل وعیال کیلئے وہ پورے ساحلی علاقے سے دست بردار ہو جائے اور مقدونیہ سے اعتراف کرا لے گا کہ وہ ان مشرقی سرزمینوں کا شہنشاہ ہے جو ساحلی علاقے چھوڑ دینے کے بعد بھی خاصی وسیع تھیں۔ واقعات نے ان کی رائے درست ثابت کر دی لیکن صور کے دانش مندوں کی رائے دوسری تھی اور اب صور مزاحمت کیلئے تیار ہو چکا تھا۔

○

Marfat.com

دسواں باب

سمندر کے دروازے

صور کے باشندے مشرقی بحیرہ روم کی دنیا میں سیاست وتدبر کے نقطہ نگاہ سے سب پر فائق تھے۔ وہ ایک ہزار سال سے خطرات کا موازنہ کرتے ہوئے فائدے اٹھا رہے تھے۔ اسی طرح انہوں نے اقبال مندی کا درجہ حاصل کیا اور طاقتور بن گئے۔ لوگ ان کے شہر کو ملکہ بحر...... نہ کہ ملک بحر...... قرار دیتے تھے۔ وہ لوگ فونیقی تھے اور ان کے شہر کو باب البحر کی حیثیت حاصل تھی۔ اہلِ مقدونیہ نے ان کے متعلق عجیب وغریب روایات سن رکھی تھیں۔ مثلاً زمانہ قدیم میں انہوں نے ''زمین سرخ'' کی تجارتی شاہراہوں کا کنٹرول سنبھال رکھا تھا۔ زمین سرخ سے مراد عرب کا وہ صحرائے عظیم [1] ہے جو بحیرۂ احمر کے سامنے ہے۔ انہیں تجارتی قافلوں کے ساتھ وہ سواحلِ بحر پر پہنچے۔ پھر جہاز سازی اور جہازوں کے ذریعے سے ساحلی تجارت شروع کردی۔ آہستہ آہستہ وہ بڑے بڑے جہاز بنانے لگے اور سمندر کو چیرتے ہوئے پہلے قبرص، پھر شمالی افریقہ پہنچ گئے۔ موسم سرما کے طوفانوں سے اپنے جہازوں کو بچانے کیلئے مائی بندرگاہیں، تجارتی کوٹھیاں، مال اسباب کے گودام اور ان کی حفاظت کیلئے قلعے تعمیر کرلئے۔ ان کے اردگرد نوآبادیاں قائم ہوگئیں اور یہ نوآبادیاں ان شہروں پر بھی فوقیت لے گئیں جو ان کے اصلی وطن تھے۔ صرف صور کو مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے جس نے مادا کے آغوش میں پرورش پائی۔ یہ پہلا باب البحر تھا جہاں دمشق کی طرف سے آنے والے تجارتی راستے جبل الشیخ [2] کے پاس سے گزرتے ہوئے ساحل پر ختم ہوتے

Marfat.com

تھے۔اب صیدا اوراس کے بالغ مولود صور کے درمیان ہلاکت خیز رقابت جاری تھی۔ایسی ہی رقابت صوراوراس کے نومولود قرطاجنا کے درمیان بپا تھی۔

صور کے ان فونیقی اور کنعانی باشندوں نے بے اندازہ دولت جمع کرلی تھی۔انہوں نے اپنے تمام رقیبوں کو پچھاڑ دیا اور اب ارغوانی رنگ، شیشے کے آلات، خوشبوؤں، جواہرات......اورغلاموں کی تجارت میں بحیرۂ روم کے اندراجارہ حاصل کرلینے کے درپے تھے۔صحرائی علاقوں میں ایل ان کا دیوتا تھا۔جسے وہ زمین پر واحد خالقِ حیات سمجھتے تھے۔ (مقدونویوں کے نزدیک ارسطو کا غیر متحرک محرک......لیکن اب وہ ایل کی پرستش کو لعل اور داغون کی پرستش کا لباس پہنا چکے تھےان دیوتاؤں کے دیوہیکل مجسموں کے روبرو وہ سوختنی قربانیاں کیا کرتے تھے جو عام روایت کے مطابق قابیل اور ہابیل نے کی تھی)۔

صیدا کے فونیقیوں نے مقدونوی فوج کی اطاعت شکریئے کے ساتھ قبول کرلی،سکندر نے اس شہر کی عقبی پہاڑی پر ایک بہت بڑا اسٹیڈیم بنانے کا حکم دے دیالیکن اہلِ صور نے یوں سوچنا شروع کیا کہ یونانی فوج بہت تھوڑی ہے۔ضروری ہے کہ وقت گزرنے پر وہ آگے بڑھ جائے۔بے شک وہ اسوس کی جنگ میں نمایاں کامیابی حاصل کرچکی ہے۔لیکن جنگی نقطہ نگاہ سے اس کا مؤقف چنداں مستحکم نہیں۔وہ صرف تنگ سے ساحلی علاقے پر قابض ہے۔اس کے ایک طرف شہنشاہ اعظم کی سلطنت واقع ہےاور دوسری طرف سمندر ہے جس پر صور کا بحری بیڑا مسلط ہے۔قبرص اور مصر کے بیڑے اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔

علاوہ بریں شہر صور ساحل سے ذرا ہٹ کر ایک چھوٹے سے جزیرے پر واقع تھا۔جہاں بری فوج اس کا محاصرہ نہ کرسکتی تھی۔پہلے جتنے محاصرے ہوچکے تھے وہ سب ناکام رہے تھے یہ حقیقت بھی واضح تھی کہ اہلِ صور کوشہر کے دروازے یونانیوں کیلئے کھول دینے میں کسی خاص فائدے کی امید نہ تھی۔اس کے برعکس انہیں صاف نظر آرہا تھا کہ مقابلہ ہی حقیقی فائدے کا موجب ہے۔خشکی اور تری کے درمیان انہیں اہم حیثیت حاصل تھی۔وہ

Marfat.com

سوچ رہے تھے کہ اگر مقابلہ کیا تو یونانیوں کی عارضی کامیابی کے بجائے اندرون ایشیا کی مستقل فاتح قوت کا ساتھ ان کیلئے نفع بخش ہوگا۔ شہنشاہ اعظم کا جو بیڑا بحیرۂ روم میں تھا اس کی حفاظت کا فرض انجام دے کر اہلِ صور کو امید تھی کہ صیدا کے مقابلے میں زیادہ حقوق زیادہ اجارہ داریاں اور زیادہ انعامات حاصل کر سکیں گے۔ صیدا پیچھے رہ جائے گا اس لئے کہ وہ یونانیوں سے مل گیا تھا۔

ان حالات میں اہلِ صور نے سودا بازی شروع کر دی۔ سکندر کا غصہ اس پر آگ کی طرح بھڑک اٹھا۔ سودا بازی اس کیلئے نا قابلِ برداشت تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ فریق مقابل یا تو پر خلوص دوستی کا اظہار کرے یا کھلم کھلا دشمنی پر آمادہ ہو جائے۔ درمیانی حالت کو وہ ہرگز پسند نہ کرتا تھا۔ ابتداء میں دونوں فریق فریب کاری سے کام لیتے رہے۔ مقدونوی کمانداروں نے کہا ہم صرف اس غرض سے صور میں داخل ہونا چاہتے ہیں کہ ہرقل کے اس مندر کی زیارت کر لیں جو شہر کے اندر واقع تھا۔ اہلِ صور نے یہ رائے دی کہ شہر کے اندر کا مندر دیکھنے کے بجائے خشکی کے اس مندر کی زیارت کر لو جو بہت پرانا ہے اور یہ بھی کہا کہ ہم نہ ایرانی کارندوں کو اندر آنے دیں گے نہ یونانی سپاہیوں کو۔

آخر یونانیوں کی فوجی کونسل منعقد ہوئی اور اس میں صور کے محاصرے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ رومی مؤرخ آریاں نے اس کے مندرجہ ذیل وجوہ پیش کیے:

''مصر کی جانب پیش قدمی اس وقت تک سلامتی کے منافی تھی جب تک ایرانیوں کو سمندر پر اقتدار حاصل تھا۔ اندرونِ ملک کی طرف بڑھنا بھی خطرے سے خالی نہ ہوتا۔ یونان میں صورتحال غیر یقینی تھی۔ اہلِ سپارٹا مقدونیہ کے خلاف اٹھنے کیلئے تیار تھے اور اہلِ ایتھنز صرف خوف کے باعث رکے ہوئے تھے۔ اگر یونانی فوج صور پر قبضہ کر لیتی تو فونیقی بیڑے پر اسے پورا اقتدار حاصل ہو جاتا کیونکہ اس کیلئے کوئی بندرگاہ باقی نہ رہتی جس میں وہ پناہ لے سکتا۔ قبرص خود اپنا بیڑا یونانیوں کے استعمال کیلئے دے دیتا اور وہ بے تکلف مصر پہنچ جاتے۔ مصر پر قبضہ ہو جاتا اور پورا سمندر زیرِ اقتدار آ جاتا تو یونان کے متعلق کسی تشویش کی

Marfat.com

گنجائش باقی نہ رہتی۔ اس کے بعد یونانی فوج زیادہ اطمینان ودلجمعی سے بابل کی جانب پیش قدمی کرسکتی تھی۔ اس لئے کہ تمام بحری مقامات اور دریائے فرات کا علاقہ ان کے قابو میں ہوتا اور ان کا اقتدار بہت بڑھ جاتا۔"

عمل کا یہ نقشہ...... اگر یہ واقعی مقدونویوں کا نقشہ تھا جیسا کہ آریاں اور بعض دوسرے لوگوں نے بتایا ہے...... دو وجہ سے بڑا حیرت انگیز تھا۔ اوّل انہوں نے یہ پہلو نظر انداز کردیا کہ صور پر قبضے سے پیشتر محاصرے کے دوران میں دارا حملہ آور ہوسکتا تھا۔ دوم اسی نقشے پر قدم بہ قدم عمل ہوا۔ اگرچہ آخری قدم پارمیبو اور بعض دوسرے کمانداروں کی مخالفت کے باوجود اٹھایا گیا۔ اس میں پے در پے ایسے خطرات تھے جنہیں قمار بازی کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن یہ جوا نہایت اہم مقاصد کیلئے کھیلا گیا۔ آئندہ دور میں سکندر اکثر ایسے ہی تحیّر خیز اقدامات کرتا رہا۔ وہ زیادہ سے زیادہ فائدے کے لئے انتہائی خطرات قبول کرلیتا اور چھوٹے چھوٹے فائدوں کیلئے اگرچہ وہ کتنے ہی یقینی ہوتے وقت یا کوشش یا آدمی ضائع کرنے سے احتراز کرتا۔

سپاہیوں کو محاصرے میں کامیابی کے متعلق شبہ تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ فیلقوس کبھی لمبے محاصروں کے چکر میں نہ پڑتا اور کاہنوں نے پہلے سے بتادیا تھا کہ سمندر سکندر کیلئے خطرناک ہوگا۔ عین اس زمانے میں سکندر نے ایک خواب بیان کیا کہ ہرقل میرے سامنے نمودار ہوا اور میرا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ ساحلِ بحر تک پہنچ گیا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ سکندر نے واقعی یہ خواب دیکھا تھا یا سابقہ پیشگوئی کا اثر زائل کرنے کیلئے یہ خواب وضع کرلیا گیا تھا۔ بہرحال ایرسٹانڈر کو بلایا گیا تاکہ اس خواب کی تعبیر بیان کرے۔ اس نے تھوڑی دیر غور کیا پھر اعلان کردیا کہ یونانی فوج صور کے محاصرے میں کامیاب ہوگی لیکن محاصرے میں بڑی محنت ومشقت اٹھانی پڑے گی۔ اس لئے کہ ہرقل نے جو معجزہ نما کارنامے انجام دیئے تھے وہ محنت ومشقت ہی کا نتیجہ تھے۔

یونانیوں کے سب سے بڑے انجینئر دیاوس کو کنعانیوں نے بتایا تھا کہ ایک مرتبہ بابل

Marfat.com

کے بادشاہ بخت نصر[3] نے خشکی کی جانب سے صور کا محاصرہ کیا تھا اور طویل محاصرے کے بعد شہر کو جوں کا توں چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔ دیاؤس نے پوچھا، کتنے سال کے بعد؟ جواب ملا پندرہ سال کے بعد۔

مستحکم شہر پر قبضے کے صرف تین ذریعے تھے۔ یا تو چند آدمی شہر کے اندر پہنچ کر کوئی دروازہ کھول دیتے یا فصیل کے کسی حصے پر قابض ہو کر دوسروں کو اندر داخل ہونے کا موقع دے دیتے جیسا کہ یونانی گلہ بانوں کے بھیس میں ٹرائے کے اندر داخل ہوئے تھے یا غداری کے ذریعے سے شہر پر قبضہ کیا جا سکتا تھا۔ یونانیوں کو پہلا طریقہ سب سے اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے کہ دروازہ کھول دینا اسے توڑنے کے مقابلے میں زیادہ آسان معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ فصیل پر پے در پے ضربیں لگا کر اس کے اتنے حصے کو توڑ دیا جاتا جس میں سے فوج کے حملہ آور جیش کا ہراول داخل ہو سکتا تھا لیکن اس میں قباحت کا بھی ایک پہلو موجود تھا اور یہ کہ محصورین فصیل کے شکستہ حصے کے اندر عموماً نئی فصیل تیار کر سکتے تھے۔ اس کے بعد شہر کے بازاروں اور گلیوں میں جگہ جگہ باڑیں کھڑی کر سکتے تھے۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ شہر کے گرد خشکی کے حصے میں گھیرا ڈال کر اس وقت کا انتظار کی جاتا کہ محصورین کے پاس خوراک ختم ہو جاتی یا وہ ہار مان کر حوالگی کیلئے آمادہ ہو جاتے لیکن صور کے تعلق میں کوئی بھی طریقہ موزوں نظر نہ آتا تھا۔

موقع اور محل کی طویل چھان بین کے بعد مقدونوی انجینئروں پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ جس چٹان پر شہر صور آباد ہے اس کی حیثیت ایک جزیرے کی سی ہے اور اسی چٹان میں سے پتھر کی فصیلیں اٹھائی گئی تھیں۔ یہ مستحکم جزیرہ کنارے سے کوئی نصف میل کے فاصلے پر ہوگا۔ درمیانی فاصلے کے بڑے حصے میں پانی کم تھا۔ سمندر کی سطح چٹانی اور سنگستانی تھی۔ شہر کے قریب پہنچ کر پانی کی گہرائی اٹھارہ فٹ ہو جاتی تھی۔

صور کی دو بندرگاہیں تھیں۔ اور دونوں بڑی ہی مستحکم تھیں۔ ایک جنوبی سمت میں جسے مصری بندرگاہ کا نام دے دیا گیا تھا۔ یہ پانی کی ایک تنگ سی کھاڑی تھی جو خشکی کے اندر چلی

Marfat.com

آ ئی تھی۔ اس کا مدخل بھی بہت تنگ تھا اور اسے شہتیروں سے بند کیا گیا تھا۔ جو بندرگاہ شمالی سمت میں تھی اسے صیدائی بندرگاہ کہتے تھے۔ یہ نسبتاً وسیع تھی لیکن یہ بھی کھاڑی کی شکل میں اندر کی طرف آ گئی تھی۔ اس کے دہانے پر تین جنگی کشتیاں ایک دوسری کے متوازی ٹھہرادی گئی تھیں۔ بندرگاہ کو اس طرح محفوظ کر لینے کے بعد صور کا جنگی بیڑا بے حد مفید کام انجام دے سکتا تھا۔"

ان جنگی جہازوں میں پیتل کی نوکدار چونچیں لگی ہوئی تھیں۔ نیز پتھر پھینکنے کیلئے منجنیقیں نصب تھیں۔ صور کا تجارتی بیڑا معمول کے مطابق کاروبار میں لگا ہوا تھا۔ وہ باہر سے ہر قسم کی مطلوبہ چیزیں لے کر آتا بلکہ قرطاجنہ سے محاصرے کے ماہر انہیں جہازوں پر صور پہنچائے گئے۔

اہلِ صور کے برعکس یونانیوں کے پاس کوئی بیڑا نہ تھا۔ لہٰذا قرار پایا کہ تین طریقوں میں سے پہلے اور تیسرے پر عمل پیرا ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ بلاشبہ پہلا طریقہ بہترین تھا یعنی چند آدمیوں کو رات کی تاریکی میں فصیل کے قریب پہنچایا جا سکتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کسی کو غداری پر آمادہ کر کے دروازہ کھلوا لیا جاتا لیکن یہ دونوں طریقے اسی حالت میں مفید مطلب ہو سکتے تھے جب حملہ آور فوج پانی میں سے گزرتی ہوئی شہر کے دروازے پر پہنچ جاتی۔

اب ایسی کوئی دستاویز موجود نہیں جس سے معلوم ہو سکتا کہ اہلِ مقدونیہ نے ان غیر ممکن طریقہ میں سے کسی ایک کو آزمایا بھی نہیں۔ بلاشبہ مقدونوی فوج نے موسم سرما میں برف پوش پہاڑ عبور کئے۔ موسم گرما میں بڑے بڑے صحراؤں کو طے کیا۔ دریاؤں کو نہروں کے ذریعے سے ملا دیا۔ بحری بیڑے تعمیر کئے اور ان پانیوں پر چلائے جہاں پہلے کوئی کشتی نہ چلی تھی۔ بڑے بڑے دریاؤں پر طغیانیوں کے موسم میں پل تعمیر کر لئے جہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا۔ وہاں اجنبی پودوں یا جانداروں سے خوراک حاصل کر لی۔ غرض اس نے ایسے کئی ناقابلِ یقین کارنامے انجام دیئے۔ یہ سب دائرہ امکان میں تھے لیکن صور میں

Marfat.com

امکانی طریقہ صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ فصیل کا کوئی حصہ توڑ کر فوج کو اندر پہنچا دیا جاتا۔ یہ کام اسی صورت میں انجام پا سکتا تھا کہ خشکی کے حصے کو کسی نہ کسی صورت میں فصیل تک پہنچا دیا جاتا، یعنی شہر کی فصیل تک پتھروں کے ذریعے سے ایک راستہ تیار کر لیا جاتا جو صور بظاہر ناقابلِ تسخیر نظر آ رہا تھا اس میں کمزوری کا ایک پہلو بالکل آشکارا تھا یعنی وہ اپنی جگہ سے ادھر ادھر حرکت نہ کر سکتا تھا۔

غرض سمندر کے مقابلے میں خشکی کی یہ جنگ شہر صور کے اندر انجینئری کے کمالات کی جنگ بن گئی اور اس میں مشینوں کے خلاف مشینیں استعمال ہوئیں۔ بھاری چٹانوں کو آگے بڑھایا جاتا۔ لکڑی کے اونچے برج تعمیر کیے جاتے۔ پھر اس سلسلے میں نفط اور رال کے ذریعے سے آتش بازی کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ ہجوم اور مزاحمت کے سامان استعمال کرنے میں بھی کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا گیا۔ اس کشمکش کے دوران میں سکندر عموماً تھوڑے سے آدمی لے کر اندرونِ ملک کی طرف نکل جاتا۔ وہ جبل الشیخ کی برف پوش چوٹیوں کے پاس سے ہوتا ہوا بحیرۂ طبریہ[4] تک چلا جاتا۔ یونانی اس اندرونی علاقے کو عرب کہنے لگے۔

ایک مرتبہ وہ رات کی تاریکی میں نکلا اور ان پہاڑیوں میں سے جا رہا تھا جہاں سست رفتار دریائے اردن کا منبع واقع ہے۔ اس اثناء میں تاریکی بہت بڑھ گئی۔ سکندر کے ساتھ اگرچہ یونانیوں کا چھوٹا سا جیش تھا وہ سامریوں کی پہاڑیوں میں رات نہ گزارنا چاہتا تھا۔ سامری بے شک دن کے وقت اس کے ہاتھ رسد فروخت کرتے تھے لیکن اکا دکا یونانی مل جاتا تو اس پر حملے کرتے اور اسے لوٹ لیتے۔ خاصی بلندی پر چلے جا رہے تھے کہ سکندر نے دیکھا لیسی مچس غائب ہے۔ سکندر کا یہ یونانی اتالیق ملک کی کیفیت دیکھنے کیلئے ساتھ آ گیا تھا۔ سکندر نے اسے غائب دیکھا تو ساتھیوں کو اطلاع دیئے بغیر پیچھے ہٹ گیا اور اتالیق کو ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیسی مچس دور پیچھے ایسے مقام پر ملا جہاں اردگرد سامریوں کے الاؤ جل رہے تھے۔ نہ یہ ممکن تھا کہ لیسی مچس اور سکندر جلد سے جلد یونانی جیش کے ساتھ جا ملتے اور نہ یہ ممکن تھا کہ سامریوں کو ان کا پتہ نہ چل سکتا۔ اس نازک صورتحال میں سکندر نے حد درجہ

Marfat.com

تحیر انگیز قدم اٹھایا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا اس الاؤ کی طرف گیا جو بہت قریب نظر آتا تھا۔ تھکا ماندہ اتالیق ذرا آہستہ آہستہ اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ سکندر نے قریب پہنچتے ہی پکار کر کہا: "لو کچھ تو مل گئے۔" سامریوں نے ایک یونانی سپاہی کو اسلحہ سے لیس تاریکی میں سے نمودار ہوتے دیکھا تو سراسیمہ وار بھاگ نکلے۔ سکندر نہایت اطمینان سے الاؤ کے پاس بیٹھ گیا۔ لیسی میچس کو بھی بٹھا لیا اور ہومر کی شاعری کے متعلق اس سے بات چیت شروع کر دی۔ اسے کوئی تشویش نہ ہوئی۔ آخر سپاہی تلاش کرتے کرتے اس الاؤ کے پاس پہنچ گئے۔

شہر صور تک راستہ تیار کرنے کا کام دلجمعی سے جاری رہا۔ دیاوس اور دوسرے انجینئروں نے اس پرانے شہر کے کھنڈر کھدوا ڈالے جو ساحل پر واقع تھا۔ اسی مسالے سے راستے کی تعمیر ہوتی رہی۔ اردگرد بڑے بڑے شہتیر گاڑ لئے گئے تاکہ وہ دونوں جانب سے حفاظت کا کام دیں اور ان کے اندر پتھر بھر بھر کر مستحکم بنیاد اٹھالی گئی۔ یہ راستہ کوئی دو سو فٹ چوڑا ہوگا جیسے جیسے تعمیر ہوتا گیا خشکی کی ایک تنگ راہ قرب شہر کے گہرے پانی کی طرف بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ صور کی بلند دیواریں قریباً ایک سو گز پر رہ گئیں۔ وہاں پہنچ کر تعمیر رک گئی۔ اس لئے کہ فصیل کے اوپر سے شدید آتش بازی ہونے لگی اور مزدوروں کے لئے ہر قسم کی حفاظتی تدبیریں کر لینے کے باوجود کام جاری رکھنا ممکن نظر نہ آیا۔ یہ بھی ظاہر تھا کہ سمندر کی اٹھارہ فٹ گہرائی کو پاٹ کر راستے کی تعمیر سہل نہ تھی۔

مقدونوی انجینئروں نے راستے کے آخری سرے پر دفاعی برج تعمیر کر لئے جو اتنے ہی اونچے تھے جتنی فصیل اونچی تھی۔ مدعا یہ تھا کہ اس طرح اندر کی آتش بازی کو روکنا ممکن ہوگا۔ یہ دیکھ کر صور کے جنگی جہاز راستے کے دونوں جانب نمودار ہوئے۔ انہوں نے تیروں، نیزوں اور منجنیقوں کی سنگ باری کے ذریعے سے برجوں اور کنارے کے درمیان نقل و حرکت حد درجہ خطرناک بنا دی۔ یونانی انجینئروں نے دفاع کی غرض سے راستے کے اطراف میں لکڑی کی مضبوط باڑیں کھڑی کر دیں۔ اہلِ صور نے فصیل پر سے آتش بازی شروع کر دی۔ لکڑی کی باڑ کو آگ سے محفوظ رکھنے کیلئے یونانیوں نے اس پر چمڑا منڈھ دی۔

Marfat.com

یکا یک اہلِ صور نے راستے کے برجوں کو تباہ کرنے کیلئے ایک عجیب تدبیر سوچی۔ بندرگاہ میں ایک بڑی کشتی نمودار ہوئی جسے بظاہر جہاز سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ اس کے عقبی حصے میں بہت بڑا بوجھ رکھا ہوا تھا۔ اس وجہ سے اگلہ حصہ اوپر کو اٹھ گیا تھا۔ اگلے حصے میں فالتو مستول بھی کھڑے تھے جن کے ساتھ بڑی بڑی دیگیں لٹک رہی تھیں۔ ان میں تارکول، گندھک اور تیل بھرا ہوا تھا۔ مستولوں کے نیچے لکڑی اور خس و خاشاک کے گٹھے بندھے ہوئے تھے جن پر خوب تارکول مل دیا گیا تھا۔ آتش گیر مادوں سے لدی ہوئی اس کشتی کے ملاح موافق ہوا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے برجوں کے سامنے لے آئے۔ انہوں نے اگلے حصے میں مشعلیں پھینکیں۔ کشتی کو دونوں برجوں کے درمیان خشکی کے ساتھ لگایا تو خود سمندر میں کود پڑے اور تیرتے ہوئے محفوظ مقام پر پہنچ گئے۔ ادھر یونانیوں کے تعمیر کئے ہوئے برجوں میں آگ کے شعلے اس طرح بھڑکنے لگے جیسے بادل گرج رہا ہو، کشتی کے عرشے کو بھی آگ لگ گئی۔ سامنے کے مستول گر کر برجوں سے ٹکرائے۔ دیگیں الٹ گئیں۔ ان سے آتش گیر مادے نکل کر آگ میں جا پڑے۔ یونانی فوج کنارے پر کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ برج دھواں بن کر ناپید ہو گئے۔

یونانیوں نے اس عجیب و غریب تدبیر کے بعد مناسب یہ سمجھا کہ راستے کو اور چوڑا کر لیا جائے تاکہ برج ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر رہیں اور مزید منجنیقیں لگائی جاسکیں۔ جس زمانے میں توسیع کا عمل جاری تھا بندرگاہوں سے چھوٹی چھوٹی کشتیاں رات کے وقت نکلتیں۔ مزدوروں اور انجینئروں پر حملے کرتی رہتیں۔ غرض ان وجوہ سے توسیع حقیقتاً ترک کر دی گئی لیکن دکھاوے کیلئے توسیعی سرگرمیاں جاری رکھی گئیں۔

سکندر اور اس کے مشیر بہت پہلے فیصلہ کر چکے تھے کہ شہر پر قبضہ جمانے کیلئے تیرتے ہوئے پلیٹ فارم استعمال کئے جائیں۔ انہوں نے ساحل پر رہنے والے تمام آدمیوں، ملاحوں اور مالکانِ کشتی کیلئے عفوِ عام کا اعلان کر دیا۔ اس کا اثر بہت اچھا پڑا۔ ماوا کے فونیقیوں اور جزیروں کی بحری قوت کے مالکوں پر واضح ہو گیا کہ سکندر صور کی تباہی کا فیصلہ کر چکا ہے۔

Marfat.com

چنانچہ روڈز اور جوبیل سے جہاز سازی کے ماہر آ گئے۔ قبرص کا جنگی بیڑا جو ایک سو بیس جہازوں پر مشتمل تھا غیر متوقع طور پر صیدا پہنچ گیا۔ چنانچہ تمام جہازوں پر منجنیقیں لگا دی گئیں۔ بڑے بڑے جہازوں پر برج تعمیر کر لئے گئے۔ ایک جہاز مقدونیہ کے ساحل سے بھی لے آئے۔

کریٹ کا نیارکس اور دوسرے افسر جنہیں بحریات کا تجربہ تھا مقدونیہ کے سپرداروں اور صیدا کے انجینئروں کو اسلحہ اور منجنیقیں جہازوں پر استعمال کرنے کی تعلیم روزانہ دیتے تھے۔ 332 ق م کے موسم گرما کا آغاز تھا جب یونانیوں نے محض جنگی جہاز ہی تیار نہ کر لئے بلکہ ایک ایسا زبردست بیڑا بروئے کار آ گیا جس میں محاصرے کا سامان، رسد رسانی کا انتظام اور منجنیقیں غرض ہر شے موجود تھی۔ یہ ایک عجیب بحری قوت تھی جس نے کناروں کے آس پاس اور یونانیوں کے بنائے ہوئے راستے کے اطراف میں کوئی جگہ خالی نہ چھوڑی۔ یہ منظر دیکھ کر اہلِ صور دم بخود رہ گئے۔

بے شک انہوں نے اپنے عمدہ جنگی جہازوں سے حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ کچھ جہاز ڈبوئے اور بعض کو نقصان پہنچایا۔ لیکن بیڑا بہت بڑا تھا لہٰذا اہلِ صور مقابلے پر ٹھہرے نہ رہ سکتے تھے۔ وہ چھاپے مارتے پھر بھاگ کر اپنی پناہ گاہوں میں پہنچ جاتے انہوں نے اپنی تیاریوں کو چھپانے کیلئے بندرگاہ صیدا کے مدخل کے سامنے پردہ سا تان دیا۔ سکندر دانش و تدبیر کی اس کشمکش کے مختلف مناظر سے خوب لطف اندوز ہوتا۔ وہ خود راستے کے دونوں جانب بہترین جنگجوؤں کو لے کر پھرتا رہتا اور جزیرۂ صور کے اردگرد پھر کر ان کے جنگی جہازوں کو بھاگنے سے روکنے کی کوشش کرتا۔

اب یونانیوں کی فصیل شکن منجنیقیں جہازوں کے ذریعے سے فصیل کے پاس پہنچ گئیں۔ (اہلِ صور نے فصیل کے اس حصے کو جو راستے کے سامنے تھا بہت مستحکم کر لیا تھا لہٰذا یونانیوں نے اس پر حملے کا خیال ہی ترک کر دیا)۔ یونانیوں کی منجنیقیں استعمال کرنے کے لئے جہازوں کے لنگر ڈالے بغیر چارہ نہ تھا۔ صور کے غوطہ خور تیرتے ہوئے آئے اور لنگروں

Marfat.com

کے رسے کاٹ دیئے۔ یونانیوں نے رسوں کی جگہ لوہے کی زنجیریں استعمال کیں۔ اہلِ صور کی منجنیقوں نے ان تمام مقامات پر بھاری شہتیر پھینک دیئے جہاں یونانی لنگر انداز ہونا چاہتے تھے۔ یونانیوں نے چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں ایسے آلے لگا دیئے جو شہتیروں کو اٹھا کر ایک طرف پھینک سکتے تھے تا کہ منجنیقوں والے جہاز مناسب مقامات پر لنگر انداز ہو جائیں۔ جن لوگوں کو حملے کیلئے آگے بڑھنا تھا ان کے استعمال کیلئے عارضی پل تعمیر کر دیئے گئے تا کہ وہ جہازوں سے اترتے ہی فصیل پر چڑھ جائیں۔ اہلِ صور نے اس کے مقابلے کی تدبیریں کیں لیکن بھاری منجنیقوں نے فصیل میں جگہ جگہ رخنے ڈال دیئے اور بندرگاہ کے مدخلوں کے قریب دو مقامات پر فصیل بالکل ٹوٹ گئی۔ اب مقابلہ مشینوں تک محدود نہ رہا اور آدمیوں کے خلاف آدمی لڑنے لگے۔ یوں صور کی تقدیر پر آخری مہر لگ گئی۔

اس وقت یونانی بالکل بے تاب تھے۔ مزاحمت کی شدت اور وحشت نے غصے کا پارہ آخری درجے پر پہنچا دیا تھا۔ اہلِ صور نے جو قیدی پکڑ رکھے تھے فصیل پر لے جاتے اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے سمندر میں ڈال دیتے لیکن ایک زبردست یورش نے مدافعت کو ختم کر دیا۔ ایک روز سمندر ساکت تھا۔ ہر طرف حملہ آور جہازوں نے حلقہ بنا لیا۔ مسلح یونانی ''اٹھاؤ پل'' سے فصیل پر پہنچ گئے۔ آٹھ ہزار اہلِ شہر مارے گئے۔ تیس ہزار اسیر ہوئے جنہیں غلام بنا کر بیچ دیا گیا۔

اب یونانیوں نے اپنے بنائے ہوئے راستے کو بڑھا کر جزیرے کی چٹان کے ساتھ ملا دیا۔ وہ بڑی بڑی منجنیقوں کو کھینچ کر اندر کے مندر میں لے گئے تا کہ ان کی تقدیس کی رسم پوری ہو۔ بڑے بڑے جنگی جہاز مندر کے چوک میں بطور یادگار رکھ دیئے گئے۔ پھر انہوں نے ہرقل کے مندر میں قربانی کی رسم ادا کی اور فتح کا جشن منایا جس میں کھیلیں بھی ہوئیں اور جلوس بھی نکلے۔ دیاؤس نے بعد میں کہا میں نے سکندر کی امداد سے صور کو فتح کیا۔ صور کا محاصرہ سات مہینے جاری رہا۔ یہاں سے سکندر آگے بڑھا اور غزہ پہنچا۔ اسے بھی دو ماہ کے محاصرے کے بعد فتح کیا۔

Marfat.com

فلسطین سے سرزمین فراعنہ تک کی ساحلی شاہراہ پر غزہ بہت مستحکم مقام تھا۔ اس کے لئے قطعاً مناسب نہ تھا کہ اپنے دروازے اہلِ مقدونیہ پر بند کرتا خصوصاً صور کا انجام دیکھ چکنے کے بعد تو مزاحمت مصلحت شناسی سے سراسر خلاف تھی۔ کم از کم اس وقت کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو دل پر اس کے سوا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اہلِ غزہ نے جب مزاحمت کا فیصلہ کیا ہوگا تو اغلب یہ ہے کہ انہیں شہنشاہِ ایران کی قوت قریب تر نظر آ رہی ہو اور مقدونیوں کو قرب کا ویسا احساس نہ ہو۔

غرض غزہ کی مزاحمت نے دیادس اور اس کے رفیق انجینئروں کو سب سے بڑا کارنامہ مہندسی انجام دینے کا موقع بہم پہنچا دیا۔ چنانچہ انہوں نے باہر کے میدان سے فصیل کے بالائی حصے تک ایک سنگ بستہ راستہ بنایا جو سطح میدان سے اڑھائی سو فٹ بلند تھا۔ اس عظیم الشان ڈھلاؤ کی تعمیر ہی اصل کارنامہ نہ تھی بلکہ اس کے نیچے سرنگیں کھودی گئیں جنہیں نیچے ہی نیچے فصیل تک پہنچا دیا گیا۔ ادھر سنگ بستہ راستہ فصیل کے سر پر پہنچا۔ ادھر فصیل زمین بوس کر دی گئی جو عرب اس شہر کی حفاظت پر مامور تھے ان میں سے ایک ایک مردانہ وار لڑتا ہوا مارا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر فروخت کر ڈالا گیا۔ لیکن غزہ نے سکندر سے ہرجانہ وصول کر لیا۔ ایک منجنیق سے پتھر کا گولہ یونانی بادشاہ کی ڈھال پر گرا اور ڈھال کو دولخت کرتے ہوئے اس نے مونڈھے کی ہڈی توڑ ڈالی۔ فتح غزہ کے بعد سنگ بستہ راستہ توڑ دیا گیا لیکن جو سنگ بستہ راستہ خشکی سے صور کی چٹان تک بنایا گیا تھا وہ بدستور باقی رہا اور یہ اب تک باقی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مقدونوی افسر ساحلی شاہراہ کے ساتھ ساتھ ہر اہم مقام پر قلعہ بنا کر ان میں تھوڑی تھوڑی فوج چھوڑ جانے کا ارادہ کئے بیٹھے تھے لیکن صور جیسے کسی بحری قلعے کو اس حال پر چھوڑنے کیلئے تیار نہ تھا۔

جس زمانے میں صور کا محاصرہ جاری تھا سکندر جہازوں کی دیکھ بھال بڑی توجہ سے کرتا رہا۔ اس نے جو جہاز تعمیر کرائے ان میں تبدیلیاں تجویز کیں۔ مختلف نمونوں کے جہاز بنوا کر تجربے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ہر ایک کے اوصاف و خصائص سے پوری طرح

Marfat.com

واقف ہوگیا۔اس پر یہ راز بھی آشکارا ہوگیا تھا کہ بادبان کھولنے کے بہترین طریقے کیا ہیں اور جہازوں کے تختوں کی درمیانی درزیں کیونکر بند کی جاتی ہیں۔ نیارکس کے علاوہ مختلف جزیروں سے بہتیرے ماہرینِ فن اس کے پاس پہنچ گئے تھے۔ سکندر ان کے ساتھ مختلف کاموں میں لگا رہا۔ بایں ہمہ یہ بھی واقعہ ہے کہ صور پر آخری یورش کے وقت کشتی میں بیٹھ کر جزیرے کے اردگرد گھومنے کے سوا اس نے سمندر کا سفر کبھی نہ کیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ بحیرۂ ایجہ کے جزیروں میں سے بھی کسی پر اس کا قدم نہ پڑا تھا۔

بحیرۂ ایجہ کے جزیروں نے اور ان جزیروں نے جو سائیکلیڈس کے نام سے مشہور ہیں سکندر کی اطاعت قبول کی۔ جزیرے ایسی جگہ واقع تھے کہ جنوبی یونان سے ایشیا پہنچنے کیلئے مسلسل قدم گاہوں کا کام دیتے تھے۔ جزیرہ ٹنی ڈوس اور جزیرۂ چیوس نے اپنی بندرگاہیں سکندر کیلئے کھول دیں۔ شہنشاہ ایران کی بحری قوت میں سے تھوڑے سے جہاز باقی تھے جنہیں مختلف افسر یا یونانی سنبھالے بیٹھے تھے لیکن ان کی حیثیت بحری قزاقوں کی سی تھی وہ کسی بڑی بندرگاہ میں گھسنے نہ پاتے تھے۔

یونانی فوج نے سمندر کے گھیرے کے ساتھ ساتھ کوہ ایتھوس سے مصر تک پندرہ سو میل کا سفر پیدل طے کر کے مشرقی بحیرۂ روم پر تصرف حاصل کیا تھا۔ بعدازاں بحیرۂ مذکورہ کے کسی مستحکم شہر نے کسی مقدونوی افسر کی مزاحمت نہ کی۔ سمندر میں یونانیوں کا کوئی بیڑا نہ تھا وہ صرف سواحل کی حفاظت کر رہے تھے۔ لیکن جب سکندر مصر گیا تو اس کے ساتھ جنگی اور باربردار جہازوں کا ایک بیڑا بھی گیا تھا۔ یہ بیڑا رات کے وقت ساحل کے پاس آ جاتا اور ملاح خشکی پر اتر کر بری فوج کے ساتھ قیام کرتے۔ سکندر نے روڈز، قبرص، فونیقیا اور مصر کے ماہر جہاز سازوں کا ایک نیا یونٹ بنا دیا۔ چند اعلیٰ درجے کے ملاح ان کے ساتھ کر دیئے۔ صور میں جو تجربات حاصل ہو چکے تھے انہیں پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ یونٹ اجنبی سمندروں کیلئے نئے بیڑے تیار کر سکتا تھا جن میں جہازرانی کا کوئی ریکارڈ موجود نہ تھا۔

آریاں لکھتا ہے:

Marfat.com

''وہ دریا کے راستے سمندر تک گیا۔ پھر اس نے جھیل مائی اوٹس 6 کا چکر لگایا اور خشکی پر اتر گیا۔ اس مقام کو اس نے ایک شہر کی تعمیر کیلئے موزوں قرار دیا۔''

دریا سے اشارہ دریائے نیل کی طرف ہے یا کہنا چاہئے نیل کی مغربی شاخ کے دہانے تک جو شہر تعمیر کرایا وہ سکندریہ تھا۔ سکندر نے اس نام کے تیرہ یا اس سے زیادہ شہر آباد کئے۔ ان میں سے پہلا یہی مصر کا سکندریہ تھا۔ یہ بات بڑی عجیب نظر آئے گی کہ 33 سالہ مقدونوی نے ساحل بحر اور کھاری پانی کی جھیل کے درمیان، جو سرکنڈوں اور مرغابیوں سے بھری ہوئی تھی ایک شہر اور گھاٹ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ لیکن واقعے کو عجیب سمجھنے کے بجائے ناگزیر سمجھنا چاہئے۔ یہ مقدونوی لوگ آبادکاری کے علمدار تھے۔ وہ ہر مقام کی چھان بین کرتے اور تعمیر کا کوئی نشان چھوڑتے۔ سکندر خود پیلا میں پرورش پا کر جوان ہوا تھا جہاں فیلقوس برابر تعمیرات میں لگا رہتا تھا۔ لیکن خود سکندر نے پیلا میں مویشی کیلئے ایک سائبان بھی بنایا اور نہ وہ اس کا خواہاں تھا۔ پھر وہ دیکھ چکا تھا کہ یونانیوں نے وطن سے باہر نکل کر کس طرح نوآبادیاں قائم کیں جنہوں نے آہستہ آہستہ بڑے شہروں کی حیثیت اختیار کر لی۔ وہ مہینوں سمندر کے کنارے کنارے سفر کر چکا تھا جس کے ساتھ جھاگ کے انبار نظر آتے اور وہ نیارکس نیز دوسرے ماہرینِ بحریات کے ساتھ جہازوں کے چلنے کی بابت باتیں کرتا رہتا۔

اب اس کا سفر ختم ہو چکا تھا اور بحری تجارت کو اپنی خواہش کے مطابق چلانے کا اختیار اس کے قبضے میں آ چکا تھا۔ نیز مصر پہنچ کر بحیرۂ روم کی مہم پایہ اتمام پر پہنچ چکی تھی۔ مصر بالکل خاموش اور مطمئن سرزمین تھی جس کیلئے مسلسل بہنے والے دریا نے زندگی کا سروسامان مہیا کیا تھا اور اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ صحرا میں سے پانی کو اس انداز میں بہانے کا کام یقیناً نادیدہ دیوتاؤں نے انجام دیا ہے۔ ہیلیو پولس 7 اور ممفس میں اس نے پتھر کے بنے ہوئے شہر دیکھے جن میں سیاہ سماق اور چمکیلا نیلا پتھر استعمال ہوا تھا۔ نیز پتھروں کو تراش کر دیوتاؤں اور شیطانوں کے بڑے بڑے مجسمے تیار کئے گئے تھے۔ سورج کی روشنی ان پر پڑتی تو ایسا

Marfat.com

معلوم ہوتا کہ وہ زندہ ہیں اور سانس لے رہے ہیں۔ ایتھنز کے بالا حصار کا سنگِ بنیاد رکھنے سے کم وبیش ایک ہزار سال پیشتر مصر کے بعض مندر تعمیر ہو چکے تھے۔

اسی زمانے سے یہ لوگ آباد چلے آتے تھے۔ ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی تھی۔ وہ اپنے رسم الخط و تصویروں کے ذریعے سے اپنی سرگزشتیں مندروں کی دیواروں پر کندہ کرتے جاتے وہ اپنی جگہ قائم تھے اور جو عمارتیں بنا چکے تھے انہیں بازار کا شوروشغب یا کسی حملہ آور کا ورود تباہ نہ کرسکتا تھا۔ سکندر نے بہت سے مشاہدات کئے اور بیشتر چیزیں حافظے میں محفوظ کرلیں۔ اس کی وسعت فکر قلب کے کسی بے قابو جذبے کا کرشمہ بلکہ اس وسیع مطالعے اور غور کا نتیجہ تھی جس میں اس نے خاصا وقت گزارا تھا۔ آئی اونیا والے ساحل کی چھان بین کے بعد وہ خشکی پر چلنے والے قافلوں کے راستے بھی دیکھ چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ دریائے نیل کے راستے آنے والے لوگ ساحل پر مل سکتے ہیں۔ بہر حال نیل کا دہانہ کریٹ نیز یونانی بندرگاہوں سے قریب تھا اور جانتا تھا کہ جہاز اگر کھارے پانی کی جھیل میں ٹھہرا کریں گے تو سمندر کی لہروں سے محفوظ رہیں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سکندر، سکندریہ کو بندرگاہ سے زیادہ وسیع مقاصد کا مرکز بنانا چاہتا تھا۔ نئے نمونے کے دارالحکومت کی یہ پہلی تعمیر تھی...... اگرچہ متعدد پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسے کارنتھ سے خاصی مشابہت حاصل تھی مثلاً کارنتھ کی طرح سکندریہ بندرگاہ بھی تھی، بین الاقوامی نوآبادی بھی اور مذہب وعلم کا مرکز بھی۔ جزیرہ فراس کے آخری گوشے پر روشنی کا ایک چھوٹا سا مینار بنا ہوا تھا۔ سکندر نے اس کی جگہ اور بہت بڑا اور بلند مینار بنانے کی تجویز سوچی جو رسدگاہ کا بھی کام دیتا۔ وہ بلندی میں ان اہرام سے کم نہ تھا جو دریائے نیل کے بالائی حصے میں واقع تھے اور اس کے سامنے ہیلی کارنیس میں مسوس کا مقبرہ تھا جو وضع قطع میں مربع تھا اور بلندی میں آسمان کو بوسے دے رہا تھا۔

سکندریہ میں سکندر نے بہت بڑی درسگاہ تعمیر کرنے کا حکم دیا جو میزا کی درسگاہ سے بدر جہا وسیع تھی لیکن اس کے ساتھ نہ باغ تھا اور نہ پریوں کے مجسمے۔ سارڈوس جیسے ایک مندر

Marfat.com

کی بنیاد رکھی گئی۔ نیز ایک جمنازیم اور کھیلوں کا میدان آراستہ کیا گیا۔ صیدا میں وہ دیر تک ٹھہرا رہا تھا تو وہاں بھی کھیلوں کیلئے ایک اکھاڑا بنایا۔ پھر ایک کتب خانے کی بھی تجویز تھی۔ یہ پوری عمارت کتابوں سے لبریز ہوتی۔ ایسا ہی کتب خانہ اس نے ممفس میں دیکھا تھا۔

دیاوس نے صور کا محاصرہ سکندر کی امداد سے کیا تھا، سکندر نے دارالحکومت کا نقشہ دیاوس کی امداد سے تیار کیا۔ انجینئر فوج کے ساتھ اس لئے آئے تھے کہ جنگی امور میں مدد دیں اور مختلف مقامات پر ان سے بربادی کا کام لیا گیا لیکن سکندر چاہتا تھا کہ بربادی کے بجائے ان سے زیادہ مفید کام لے۔ لہٰذا اس بات پر متعجب نہ ہونا چاہئے کہ سکندر نے سکندریہ تعمیر کرایا اور اس کیلئے مصر کا ساحل تجویز کیا۔

بیان کیا جاتا ہے، سکندر رخصت ہونے سے پیشتر شہر کی فصیل کا نشان قائم کر دینا چاہتا تھا لیکن نشان لگانے کیلئے کوئی موزوں چیز موقع پر موجود نہ تھی۔ اس وجہ سے سپاہیوں کی رسد میں جو نکالے گئے اور سکندر جیسے جیسے بتاتا گیا فصیل کے مقام پر جو کے ذریعے سے نشان لگائے گئے۔ یکایک دلدلی علاقوں سے جانوروں کے جھنڈ اڑے اور تھوڑی ہی دیر میں سارے جو چٹ کر گئے۔

سکندر اور معماروں کو یہ بدشگونی محسوس ہوئی چنانچہ ایرسٹانڈر کو بلایا گیا کہ حقیقت واضح کرے۔ وہ خود سرائی امیر حیران رہا۔ پھر بولا: شہر ضرور ترقی کرے گا لیکن زمین کی پیداوار کے بل پر۔ دوسروں نے کہا کہ شہر بڑے بڑے گروہوں کے گزارے کا سامان مہیا کرے گا۔ بہر حال سکندریہ تعمیر ہوا اور اس نے بڑی ترقی کی۔ یہ بڑھتا اور ترقی کرتا گیا۔ آج بھی جبکہ اس تعمیر پر دو ہزار دو سو سہتر سال گزر چکے ہیں۔ یہ بہت بڑا بحری مرکز اور ایک بین الاقوامی شہر ہے لیکن مذہب و علم کا عالمگیر مرکز قطعاً نہیں رہا۔

O

Marfat.com

گیارہواں باب

رودرمشرق

اہلِ مقدونیہ کو سامی یوتاؤں سے سابقہ پڑتا رہا لیکن ان میں کوئی دلچسپی انہوں نے ظاہر نہ کی۔ صور میں جو سامی شہر تھا انہوں نے ہرقل کو سب سے بڑا دیوتا بنا دیا، لیکن مصر میں انہوں نے نہایت عظیم الشان اور پر ہیبت دارالاصنام دیکھے جو دریائے نیل کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے تھے خصوصاً آمن رع[1] جسے وہ نیل کا دیوتا سمجھتے تھے۔ اس کے لئے ایک ہی پتھر کے اونچے اونچے مینار بنے ہوئے تھے جنہیں عرفِ عام میں سنگی مینار کہا جاتا ہے۔[2] یہ مینار اس مسطح وادی میں ایک روز کی مسافت تک صاف نظر آتے رہتے تھے۔ آمن رع کی تصویریں دیواروں پر بھی کندہ تھیں۔ وہ اس طرح جیسے جہاز پر بیٹھے ہوئے آمن رع آسمان کی طرف جا رہا تھا۔

یہ منظر اہلِ مقدونیہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکتا تھا اور انہوں نے آمن رع کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ آمن رع واقعی سب سے بڑا دیوتا ہے اور اسی نے انسانوں میں ملکوتی خصلتیں پیدا کیں تو کیا یہ وہی دیوتا نہیں جسے یونانیوں نے زیوس قرار دے رکھا ہے؟ یقیناً آسمانی جہاز میں آمن رع کے نام سے جو بے ریش ہیئت دکھائی گئی ہے وہ اس زیوس سے نہیں ملتی جس کا بت ایتھنز کے سنگ تراشوں نے تیار کئے تھے۔ لسی پس کو اس بات میں کوئی شبہ نہ تھا کہ لیکن اگر یونان میں زیوس کی ہیئت سنگ تراشوں نے ایک دوسرے سے الگ الگ تیار کی تو کیا یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ مصریوں نے

Marfat.com

اسی زیوس کو اپنے تصور کے مطابق دکھانے کی کوشش کی۔ ہم جانتے ہیں کہ سکندر نے اس بارے میں مصر کے ایک عالمِ دین سامن[3] سے بات چیت کی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ تخلیق ایک الٰہی قوت ہے جس کا منبع ہمارا سب سے بڑا دیوتا ہے۔ سکندر کو یہ سکھایا گیا تھا کہ اعلیٰ درجے کے انسانوں میں ملکوتیت کا جو شعلہ ہوتا ہے وہ زیوس سے پیدا ہوا اور ٹالٹسن اسے زمین پر لے آئے لیکن عام لوگوں کو وہ شعلہ نصیب نہیں ہوتا۔ پھر کیا زیوس دراصل آمن رع ہی نہیں؟ جس طرح اپالو اوزی رس[4] ہوسکتا ہے وہ اس لئے قتل ہوا کہ دوبارہ زندگی حاصل کرے۔ اس طرح یہ امر فانی انسانوں میں ملکوتی قوت کا بدیہی نشان بن گیا۔

سکندر اس بارے میں یقینی علم حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ آمن رع کا قدیم ترین مقدس مندر نیل کے کنارے پر نہیں بلکہ دور مغربی صحرا میں واقع ہے یعنی سیوہ[5] کے نخلستان میں اور وہیں مصر کے سب سے بڑے اور راست باز کاہن بھی رہتے تھے تو یہ سنتے ہی سکندر نے وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا۔ جب اسے بتایا گیا کہ سیوہ تک سفر خاصا خطرناک ہے تو اس کا ارادہ اور بھی پختہ ہوگیا۔ جس مقام پر سکندریہ کی آبادی کا فیصلہ ہوا تھا وہاں سے رہبر اسے ایک سو اسی میل مغربی جانب لے گئے۔ پھر انہوں نے بنجر صحرائی علاقے میں سے جنوب کا رخ اختیار کیا۔ گویا سمجھنا چاہئے کہ وہ پہلے موجودہ زمانے کے مشہور مقام العلمین کی طرف گئے پھر مشہور بندرگاہ مطروح کے پاس سے اندرونِ ملک کی طرف مڑے چونکہ سردی کا موسم تھا اس لئے پانی کی دقت محسوس نہ ہوئی۔ پہاڑیوں میں جگہ جگہ جوہڑ ملتے گئے جن میں پانی بھرا ہوا تھا لیکن آندھیوں نے انہیں بہت پریشان کیا۔ ایک مقام پر راستہ گم ہوگیا۔ پھر کوؤں کو اڑتے ہوئے دیکھ کر انہوں نے جنوبی سمت کا سراغ لگایا۔ غرض وہ نخلستان میں پہنچ گئے، جہاں زیتون اور تاڑ کے درخت تھے۔ چشموں کا پانی بہت ٹھنڈا تھا اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انہیں وہاں نمک کی شفاف چٹانیں نظر آئیں۔ وہاں پہنچ کر آمن رع کے چھوٹے سے سنگی مندر کی تاریکی میں سکندر کو جو کچھ پیش آیا اور اس نے اپنے مستقبل کے متعلق جو کچھ پوچھا اس کے باب میں روایات مختلف ہیں۔ خود سکندر

Marfat.com

نے صحیح حالات لکھ کر اپنی ماں اولمپیاس کے پاس بھیج دیئے تھے۔ لیکن تاکید کر دی تھی کہ وہ خط کسی کو دکھایا نہ جائے۔ مندر کے پروہتوں نے لمبے چغے پہن رکھے تھے۔ نوجوان مقدونوی بادشاہ کا انہوں نے پر جوش خیر مقدم کیا اور اسے دیوتا کے سامنے لے گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ سکندر نے پوچھا: آیا میں نے اپنے باپ کے قاتلوں کو پوری سزا دے دی ہے؟ پجاریوں نے کہا کہ اس سوال کا جواب لینا چاہتے ہو تو خوب سوچ بچار کر اپنے باپ کا صحیح نام بتاؤ۔ جب سکندر نے بتایا کہ میرے باپ کا نام فیلقوس تھا تو مندر کی طرف سے جواب ملا: ہاں فیلقوس، شاہ مقدونیہ کے قاتل ٹھیک ٹھیک کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔ پھر سکندر نے سوال کیا کہ میں نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اس میں مجھے کامیابی حاصل ہوگی؟ جواب ملا کہ ضرور حاصل ہوگی۔ سکندر نے مزید کوئی بات نہ کی۔ پروہتوں کو سنہری سکّوں سے نوازا جو لوگ اس کے ساتھ گئے تھے انہوں نے بعد میں بتایا کہ مندر کے کاہن نے سکندر کو آہن رع یا زیوس کا بیٹا قرار دیا تھا۔

سکندر نے واپسی کے وقت وہ راستہ اختیار کیا جس کی مسافت کم تھی۔ رہبروں نے ہر چند کہا کہ اس راستے سے جانا ممکن نہیں لیکن سکندر نے اسی پر جانے کیلئے اصرار کیا۔ وہ عموماً وہی طریقہ اختیار کرتا تھا جسے زیادہ سے زیادہ دشوار بلکہ غیر ممکن بتایا جاتا تھا۔ ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ وہ سیوہ تک نئے راستے کی چھان بین کرنے کا خواہاں تھا۔ اس راستے میں وہ خوفناک قطارہ کے جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا بحیرۂ فیوم[6] کے پاس سے گزرا ہوگا۔ لیکن مشکلات کے باوجود وہ ممفس پہنچ گیا۔ یہاں سے مشرق کی طرف طویل اور ناقابلِ تصور سفر کا آغاز ہوا۔

مصر میں دو چیزیں ہو رہی تھیں جو ابتداء میں زیادہ نمایاں نہ تھیں۔ سکندر اپنی فوج کے بڑے حصے سے الگ تھا۔ بحیرۂ روم کے ساحلی علاقے پر قبضہ جمانے کیلئے جو مہم شروع ہوئی تھی۔ اس مفتوحہ علاقے کے ساتھ ساتھ طرسوس تک بے شمار نو آبادیاں، جہاز سازی کے کارخانے اور تجارتی مرکز قائم ہو چکے تھے۔ فوج کے مختلف جیش ان مرکزوں میں بیٹھے

Marfat.com

ہوئے تھے۔ مقدونیہ کے بعض کسان ساحلی علاقوں میں نئی فصلوں کے تجربے کر رہے تھے۔ سائنس دان اپنی جانچ پرکھ کیلئے حیوانات، نباتات اور جمادات کے مختلف نمونے فراہم کرنے میں مشغول تھے۔ طبیبوں نے موزوں مقامات پر شفاخانے قائم کر لئے تھے۔ سکندر ضرورتاً فوج سے الگ ہوا تھا۔ لمبے نیزوں والی پیادہ فوج نے مدت سے اسے نہ دیکھا تھا۔ صرف محافظ فوج سکندر کے ساتھ ساتھ تھی۔ جب وہ اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ایک نو آبادی کے سامنے نمودار ہوا تو فوجی اس کی پیشوائی کیلئے بیتابانہ باہر نکل آئے۔ اس کے زانو چھوئے اور پوچھا کہ اب ہمیں کس کام کا حکم دیا جائے گا۔ وہ ممفس کے سایہ دار بازاروں میں سے گزرتا تو لوگ سر جھکائے پیچھے ہٹ جاتے یا کورنش کیلئے گھٹنوں کے بل جھک جاتے۔ اس لئے کہ وہ سکندر کو فرعونِ مصر سمجھ رہے تھے۔

اس منصب سے اسے مفر نہ تھا۔ مصر تجارت میں یا چاول اور غلے کی کاشت میں یا جہاز سازی میں بہت ترقی کر چکا تھا لیکن شاہی روایات میں وہ قدیم زمانے ہی کے آداب و رسوم پر قائم تھا۔ مصریوں کے دل میں اپنے مطلق العنان فرمانرواؤں کے اس عالی شان گھرانے کا بڑا ہی احترام تھا جن کے عہدِ حکومت میں سائنس نے غیر معمولی تیزی سے ترقی کی تھی۔ نیل کے پانیوں کو کھیتی باڑی کیلئے استعمال کرنے کی تدبیریں عمل میں لائی گئی تھیں اور وقت کا تعین ستاروں کو دیکھ کر کیا جاتا تھا۔ نیز نہایت عالی شان عمارتیں قائم ہوئی تھیں۔ مندر اور مقبرے شاہی محلات سے کہیں زیادہ پر شکوہ تھے۔ یہ عمارتیں عہدِ حاضر کے لوگوں کیلئے بھی باعثِ فخر ہیں اور حیات بعد الموت کی ایک بدیہی شہادت پیش کر رہی ہیں۔ مصر پر جو شخص بھی حکمران ہوتا اس کا فرعون ہونا لازم تھا اور فرعون کو غیر فانی دیوتاؤں سے گہرا تعلق تھا۔ سکندر، فرعون کی حیثیت میں لوگوں کے درمیان گھومتا تو وہ اس کے قریب نہ آ سکتے تھے۔ وہ دریا کے چمکیلے تار کو دیکھنے کیلئے کسی ہرم پر چڑھ جاتا۔ بے شک یہ حرکتیں عام انسانوں کی تھیں لیکن حکمران کی حیثیت میں وہ مطلق العنان تھا اور عام عقیدے کے مطابق اس میں ملکوتی خصائل پیدا ہو گئے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مصریوں کو اور خصوصاً حد درجہ بااثر پجاریوں

Marfat.com

کو فرعونوں کے متعلق پرانا تصور بدلنا پڑتا۔

لگوس کے بیٹے بطلیموس اور بعض دوسرے لوگوں کیلئے اس معاملے نے غور وفکر کا نیا سامان بہم پہنچا دیا۔ انہیں یہ صورتحال نا قابلِ تصور اور مہمل معلوم ہوتی تھی۔ بایں ہمہ اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ انہوں نے اپنے روزنامچوں کا مقابلہ کیا۔ بعض امور پر سب کی تحریروں میں ہم آہنگی تھی۔ مثلاً سکندر مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ ایک قبیلے کا سردار جسے کونسل نے چنا اور ڈلفی کے مندر کے پروہتوں نے مہرِ تصدیق ثبت کی۔ ساتھ ساتھ وہ متحدہ یونان کا سپہ سالارِ اعظم بن گیا۔ پھر اس نے ساحل آئی اونیا کے شہر فتح کر لئے۔ اور وہ رئیس اعظم تسلیم کر لیا گیا۔ صور، ساحل شام اور جزیروں نے اس کی فوجی حکومت قبول کر لی۔ مصر پہنچتے ہی اسے فرعون مان لیا گیا جس کی حیثیت ایک دیوتا سے کم نہیں۔ بطلیموس سے یونان کے سوفسطائی انگزارکس سے بات چیت کرتے ہوئے کہا: ان واقعات کی تفصیل چنداں مشکل نہیں لیکن جب معرضِ تحریر میں لے آئیں تو ان میں عقل کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ انگزارکس نے جواب دیا: عقل کی بات پوچھتے ہو تو خود اس مہم میں عقل کا کون سا پہلو ہے؟ بطلیموس نے دل میں اس بات سے اتفاق کیا۔ مقدونیہ کے کماندار بڑے فہیم اور حقیقت پسند لوگ تھے۔ وہ ہر موقع سے فائدہ اٹھانے کیلئے سرگرم رہتے تھے۔ ان کی رائے تھی کہ مصر پہنچ کر مختلف مقامات کو دیکھنا یا دینی بخشیں کرنا یا شہر اور عمارتیں بنانا محض وقت ضائع کرنا ہے حالانکہ یہاں بے شمار مالِ غنیمت ہے جس پر بلا تکلف قبضہ کیا جا سکتا ہے لیکن سکندر نے حکم دے دیا تھا کہ مصریوں کے ساتھ آئی اونیا والوں سے بھی بڑھ کر احترام کا سلوک کیا جائے۔ اگرچہ آئی اونیا والے اہلِ مقدونیہ سے قریب تر تھے۔ کم از کم وہ یونانی زبان ضرور بولتے تھے۔

ایک شخص نے کہا ہمیں تو خود سکندر کا معاملہ عقل سے بعید تر معلوم ہوتا ہے۔ بھلا اس کے خطابات اور القابات لکھنے کی کوشش تو کرو، دوسرے نے کہا: اس بات کو چھوڑ، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ تین سال میں اس نے معجزہ دکھایا۔ پہلا بولا: واقعی؟

Marfat.com

بطلیموس کی رائے تھی کہ معجزے شاعر بروئے کار لاتے ہیں ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہلِ مقدونیہ نے تین سال میں بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ وہ کانامے انجام دیئے جو قریباً غیر ممکن معلوم ہوتے تھے لیکن یہ کارنامے سکندر نے انجام نہیں دیئے۔ ہاں ہم یہ ماننے کیلئے تیار ہیں کہ سکندر کی وجہ سے یہ سب کچھ انجام پایا۔

ہفااسشن نے بطلیموس اور انگزارکس کو یہ کہہ کر کھانے کی دعوت دی کہ آج سکندر کی طرف سے مجھے ایک خاص تحفہ ملا ہے، وہ کھلاؤں گا۔ یونانی سوفسطائی کھانے کیلئے گیا تو یہ معلوم کر کے بے حد مایوس ہوا کہ تحفہ دریائی مچھلیوں کی ایک ٹوکری کے سوا کچھ نہ تھا۔ یونانی سوفسطائی مایوس ہوکر بے اختیار بولا کہ ہفااسشن تم نے وہ کارنامے انجام دیئے جو مشاہیر سے بھی انجام نہ پاتے۔ تمہیں ان بے سر کی مچھلیوں سے بدرجہا تحفہ ملنا چاہئے تھا۔ یہ سن کر ہفااسشن نے جواب دیا کہ سکندر کی میز پر بھی اس سے بہتر کھانا موجود نہیں۔ بطلیموس نے مچھلی کھا کر شراب پیتے ہوئے کہا کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ سکندر صرف انسان ہے؟

ایرسٹانڈر نے غزہ میں پیشگوئی کردی تھی کہ اگر سکندر خود حملے میں شریک ہوا تو اسے سخت نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ وہ کچھ دیر تک خطرے کے حلقے سے باہر رہا لیکن جب سنگ بستہ راستے پر اس کے فوجیوں اور محصورین کے درمیان جرح وقتل کا ہنگامہ گرم ہو گیا تو وہ رکا نہ رہ سکا اور اپنا مونڈھا اتروا کر واپس آیا۔ زخم سے خون بہہ رہا تھا اور مقام ماؤف میں سخت درد تھا جو لوگ اس کے آس پاس تھے ان سے کہا دیکھو یہ انسانی خون ہے۔ وہ سیال مادہ نہیں جو غیر فانی دیوتاؤں کی رگوں میں بہتا ہے۔ سوفسطائی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: بے شک خون ہوگا لیکن کیا سکندر نے یہ بھی بتایا کہ اس کا خون کس باپ کا تھا؟ کیا یہ حقیقت بھی واضح کی۔

ہفااسشن نے یہ پوری گفتگو سکندر کو بتائی تو اس نے یونانی سوفسطائی کو اپنے خیمے میں بلوالیا۔ وہ کچھ لکھنے میں مصروف تھا اور کاغذات کا ایک صندوق اس کے بازو میں رکھا تھا۔ شمع کی دھیمی روشنی میز پر پڑ رہی تھی لیکن سکندر نے شمع کو قریب تر لانے کی تکلیف نہ کی۔ خیمے

Marfat.com

کے ایک گوشے میں سیاہ رنگ کی ڈھال پڑی تھی جسے ایکی لیز کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ ڈھال کبھی جنگ میں استعمال نہیں ہوئی۔ ''سکندر نے کہا اہلِ ایتھنز کو میرا اسلام پہنچاؤ اور یہ ساتھ لے جاؤ'' یہ کہتے ہی اس نے ایک کاغذ پر دستخط کئے۔ موم کا ٹکڑا ایک منٹ کیلئے شمع کے لو پر گرم کیا۔ موم پگھلنے لگا تو اپنے لعاب دہن سے کاغذ کو تر کر کے موم لگایا۔ اس پر مہر ثبت کر دی اور کاغذ سوفسطائی کے حوالے کیا۔ انگزارکس نے روشنی کے قریب لے جا کر پڑھا تو لکھا تھا کہ ساموس کا جزیرہ شہر ایتھنز کے حوالے کیا جاتا ہے اور سکندر نے یونان کے سپہ سالار اعظم کی حیثیت میں دستخط کئے تھے۔

انگزارکس نے اس شاہی عطیہ پر شکریہ ادا کرنا چاہا۔ سکندر نے کہا: یہ میرا عطیہ نہیں، میرے خداوند اور میرے باپ فیلقوس شاہ مقدونیہ کا عطیہ ہے۔ میں نے ایک دفعہ اپنے والد کی زبان سے سنا تھا کہ جزیرہ ساموس اہلِ ایتھنز کو مل جانا چاہیے۔

سوفسطائی نے جواب میں عرض کیا اہلِ ایتھنز شکر گزاری کے آداب وضوابط سے خوب واقف ہیں۔ سکندر کا سر ایک طرف جھکا ہوا تھا۔ اس نے اپنی لمبی ٹانگیں ڈھال کی طرف پھیلا رکھی تھیں۔ سوفسطائی کی بات کے دوران میں کچھ نہ بولا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے سنا ہی نہیں۔ پھر کہا: ''ڈیماستھنیز کیا کر رہا ہے؟'' انگزارکس کی رائے یہ نہ تھی کہ ڈیماستھنیز کا نام تعریف کی شکل میں لیا گیا ہے بلکہ صرف استفسار کیا گیا تھا۔ بے شک ڈیماستھنیز از سرِ نو عوام کا محبوب بن چکا تھا اور وہ مقدونوی استبداد کے خلاف بدستور خطبے دے رہا تھا۔ انگزارکس کا خیال تھا کہ سکندر اس حقیقت سے واقف ہے۔ اس نے معذرت کے طور پر صرف یہ کہا کہ خطیب اب ویسا جوان نہیں رہا جیسا کہ پہلے تھے۔ اب صرف چند آدمی اس کے ہم رائے ہیں۔

یہ آخری قول سراسر غلط تھا، لیکن سکندر نے ایسے انداز میں سر ہلایا گویا وہ مطمئن ہو گیا۔ پھر سوفسطائی کو رخصت ہو جانے کا اشارہ کیا۔ وطن واپس آتے وقت اس کے دل میں بھی بدستور یہ خیال چکر لگاتا رہا کہ شاید سکندر نے مچھلیوں کے متعلق تبصرہ سن لیا تھا اور وہ اسے

Marfat.com

آزمانا چاہتا تھا لیکن سکندر کو ایسا کوئی احساس نہ تھا۔ اس نے ساموس کا عطا نامہ حوالے کیا اور ڈیماستھنیز کے متعلق پوچھ لیا۔

پارمینیو صور سے سکندر کے پس پہنچا تو پرڈکاس نے اسے بتایا کہ اب میرے پاس کوئی فوج نہیں اور میرے سپرد یہ کام ہوا ہے کہ فوجیوں کو جا بجا آباد کروں۔ وہ مشرقی عورتوں سے شادیاں کر کے بچے پیدا کریں نیز نئے نئے پھل اور غلے کی نئی نئی جنسیں کاشت کرتے رہیں۔ انہیں وطن سے جو انگور ملے ہیں ان کے باغات بھی لگا رہے ہیں لیکن پارمینیو کیلئے خود اپنی تشویشات کافی تھیں۔ ہرپالوس کو سارڈس کے خزانے کا منتظم بنایا گیا تھا۔ وہ بدبخت خزانہ لے کر بھاگا اور جزیرے میں جا کر پناہ لی۔ تھوڑی سی کشمکش کے بعد اسے گرفتار کر کے لایا گیا تو سکندر نے کوئی سزا دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اسے دوبارہ خزانے کا منصرم بنایا جائے۔ وجہ یہ پیش کی کہ ہرپالوس دوبارہ اسی غلطی کا مرتکب نہ ہوگا۔ اگر دوسرے شخص کو اس عہدے پر فائز کیا گیا ہے تو ہوسکتا ہے وہ خزانہ لے کر بھاگ جائے۔

بطلیموس نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فوجی کیمپ سے باہر نظم ونسق ناپید ہو چکا ہے۔ ہر کسان اور دلال جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ لوگ اطمینان سے چشمے پر طہارت کیلئے بیٹھ جاتے ہیں اور مقدونوی سپاہی پانی بھرنے کیلئے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں۔ اگر کوئی فونیقی لڑکی چشمے سے پانی بھر رہی ہو تو مقدونوی سپاہی کو اسے چھونے کی بھی ممانعت ہے۔ اگر کسی مقدونوی کو گھوڑے کی ضرورت ہو تو قیمت دیئے بغیر مل نہیں سکتا۔ کوئی شخص چوری کا گھوڑ بھی لئے بیٹھا ہو تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہاں اچھے اور خالص سنہری سکوں کی افراط ہے لیکن ان کی قدر کچھ نہیں۔ سکندر نے ایتھنز کے سکوں کو کاروبار کا معیار قرار دیا ہے لیکن یہاں کے کاروباری آدمی ہمارے سنہری سکے کو تولتے ہیں اور ایک سنہری سکے کے معاوضے میں چاندی کے گیارہ سکے نہیں دیتے۔

پارمینیو اور اور دوسرے افسروں پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ سکندر باشندوں کے کسی کام میں مداخلت کا خواہاں نہیں اور فوجیوں کو تربیت دے رہا ہے کہ ہر مداخلت سے باز

Marfat.com

رہیں۔اس نے دیسی باشندوں کے طور طریقے بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ممفس میں آمن رع کی قربان گاہ پر اسی طرح قربانی کی جس طرح پیلا میں زیوس کی قربانی کرتا تھا۔ ممفس میں تاڑ کے جو درخت تھے انہیں بھی نہیں کٹوایا۔البتہ وہاں نیل پر پل بنوادیا اور ایک نیا عظیم الشان دارالحکومت سکندریہ کے نام سے ایسے مقام پر بنوایا جہاں ریت اور دلدل کے سوا کچھ نہ تھا اور ایک جزیرے میں روشنی کا نیا مینار کھڑا کرادیا۔

قاصد اس کے خیمے میں اسی طرح ہجوم کرکے آتے جس طرح عقاب شکار دیکھ کر گرتے ہیں۔ سکندر ہر ایک کی درخواست منظور کر لیتا۔ اس نے تمام قیدی چھوڑ دیئے اور انہیں غزہ اور صور میں آباد کیا۔ اندرونِ ملک کے عرب قبائل نے ایک گورنر مقرر کردینے کی درخواست کی تو اس نے مشرقی علاقے کے ایک یونانی کو گورنر نامزد کردیا اور اسے تاکید کردی کہ دیکھو ان کی رسموں میں کوئی تبدیلی نہ کرنا۔

واقعہ یہ ہے کہ سکندر نے ٹرائے سے ممفس تک کسی بھی مقامی حکومت میں تغیر نہ کیا تھا۔ اگرچہ وہ نیل کی نہایت زرخیز اور دولتمند سرزمین کا فرعون سمجھا جاتا تھا لیکن اس نے پورے ملک کو دو مصریوں کی تحویل میں دے دیا۔ البتہ دو مقدونوی افسروں اور ایک بحری کپتان کو اس غرض سے ساتھ لگادیا کہ نظم ونسق میں مشورے دیں اور حفاظت کا انتظام کرتے رہیں۔ لیبیا میں اس نے مالیات کا ایک افسر مقرر کردیا۔

سکندر نے بحیرۂ روم کے حلقے میں جو طریقے اختیار کئے تھے ان میں دور اندیش اور تجربہ کار پارمینیو کو صرف ایک چیز نئی معلوم ہوئی یعنی اس نے ہر جگہ خراج وصول کرنے کیلئے ایسے آدمی مقرر کئے جن پر فوج کا کوئی کنٹرول نہ تھا۔ جو معمولی رقمیں یہ لوگ وصول کرتے انہیں سڑکوں، پلوں، ہسپتالوں وغیرہ یا آبی گھڑیوں کیلئے استعمال کیا جاتا۔ پورے ساحلی علاقے میں فوجی افسروں کو روپے کی ضرورت ہوتی تو سارڈس کے خزانے سے منگواتے۔ پارمینیو کو اس غیر معمولی طور طریقے سے اختلاف کی ضرورت نہ تھی لیکن اس پر آشکارا ہو چکا تھا کہ سکندر اگر زیادہ دیر کیلئے ساحل چھوڑ کر کسی دوسرے مقام کی طرف گیا تو فتنہ پیدا

Marfat.com

ہو جائے گا۔ اس کے سامنے ارسطو کا یہ زریں قول تھا کہ "جنگ میں فتح پانے سے صلح کا انتظام بدرجہا زیادہ مشکل ہے۔ اگر صلح کا انتظام اچھے پیمانے پر نہ کیا گیا تو جنگ میں فتح کے اثرات زائل ہو جائیں گے۔"

لیکن سکندر نے بحیرۂ روم کی نو مفتوح دنیا میں جو نظم و نسق جاری کیا تھا وہ کسی معلوم نظام یا حکمرانی کے طور طریقوں سے کوئی مشابہت نہ رکھتا تھا۔ پارمینیو جانتا تھا کہ ارسطو نظامِ حکومت کے تمام نمونوں کی ایک فہرست مرتب کر چکا ہے ان نمونوں کی کیفیت یہ تھی۔

1- شہری ریاست: اس میں تعلیم یافتہ شہری نمائندے نظامِ حکومت چلاتے ہیں۔

2- جمہوریت: اس کا نظامِ حکومت بے جائیداد عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

3- حکومت رؤسا: اس میں بہترین آدمیوں کی ایک مختصر سی جماعت کاروبارِ حکومت چلاتی ہے۔

4- حکومت امراء: اس میں نظامِ حکومت دولت مندوں اور ممتاز آدمیوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

5- ملوکیت: اس میں ایک حد درجہ جوہرِ قابل فرد حکومت کرتا ہے۔

6- استبداد: ایک فرد کی حکومت جو فوجی قوت کے بل پر کاروبار چلاتا ہے۔

پارمینیو کو سکندر کی حکومت مذکورہ بالا نمونوں میں سے کسی کے بھی مطابق نظر نہ آتی تھی۔ ارسطو کی یہ رائے بھی یاد تھی کہ سب سے بڑھ کر قابلِ عمل نظام وہ ہوتا ہے جو حکومت، امراء اور جمہوریت کے بین بین ہو۔ نیز ارسطو کے نزدیک مثالی حکومت قائم کرنے کی کوشش بالکل بے سود اور بے نتیجہ تھی۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ خاص احوال و ظروف میں جو نظامِ حکومت چلایا جا سکے اسے جاری کر دینا چاہئے۔ پھر اسے فرامین کے ذریعے سے نہیں بلکہ اجزائے ترکیبی کی اصلاح و درستی کے ذریعے سے بہتر بنانے کی سعی کرتے رہنا مناسب ہے۔ اس نظریے سے پارمینیو کو اتفاق تھا۔ مگر اس پر عمل اسے بہت مشکل نظر آتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ فیلقوس کبھی ایسا نہ کرتا۔ اس نے اہلِ مقدونیہ کیلئے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل

Marfat.com

کرنے کا اہتمام جاری رکھا۔ مثلاً چاندی کی کانیں، بندرگاہیں، فوجی کنٹرول۔

پارمینیو کے نزدیک زیادہ مصیبت خیز اور ہراس انگیز امر یہ تھا کہ سکندر جس نظامِ حکومت کی بنیاد رکھ رہا تھا اسے مندرجہ بالا نمونوں میں سے کسی ایک کا نام نہ دیا جا سکتا تھا اور یقیناً سکندر کی تمام سرگرمیاں بے مقصد و بے مدعا معلوم ہوتی تھیں۔ تین سال میں وہ اہلِ مقدونیہ کے نوجوانوں میں سے نصف کو وطن سے باہر لا چکا تھا۔ اس دوران میں اس نے خود کیا بھیجا؟ خطوط یا میدانِ جنگ میں کامیابی کے نشانات یا اینٹی پیٹر کے مصارف پورا کرنے کیلئے سونا مشرقی ساحل پر وہ سڑکیں اور جہاز سازی کی کارگاہیں بنا رہا تھا۔ شفاخانوں کیلئے دوائیں بہم پہنچا رہا تھا یا آئندہ کیلئے تھیٹروں، جمنازیموں اور درسگاہوں کے منصوبے تیار کر رہا تھا۔ وہ اجنبی لوگوں کے درمیان بیٹھ کر ان احوال و ظروف کی اصلاح و درستی میں لگا ہوا تھا جو ان کی زندگیوں کی تشکیل کا باعث ہو سکتے تھے۔ وہ بحیرۂ روم کی پوری دنیا کے حالات بدل کر اسے ایک خاص سانچے میں ڈھال رہا تھا......

پارمینیو کے نزدیک اس میں عقل کا کوئی پہلو نہ تھا بلکہ یہ سراسر مہمل سرگرمی تھی۔ یہ سرگرمی تو افلاطونی جمہوریت کا نظام جاری کرنے سے بھی زیادہ مہمل تھی جس میں انسان علم حاصل کر کے خیر و نیکی کو تقویت پہنچا سکتے تھے۔ پارمینیو کو تجربے کی بنا پر معلوم تھا کہ انسان زیادہ علم حاصل کر لیتے ہیں تو وہ خیر و نیکی کو تقویت نہیں پہنچاتے بلکہ ان میں برائیاں پرورش پانے لگتی ہیں۔ سکندر بھی اس حقیقت سے واقف تھا جس لائحہ عمل کے مطابق وہ کام کر رہا تھا۔ اس کے بارے میں صحیح تصور قائم نہ کر سکنے سے پریشان ہو کر پارمینیو، سکندر کے پاس چلا گیا۔ ایسے مواقع پر اس کا عام دستور یہی تھا۔ اس نے ایک محکم نکتہ سامنے رکھ لیا جو سمجھ میں آ سکتا تھا اور جس پر بات چیت ہو سکتی تھی۔ جاتے ہی سکندر سے پوچھا کہ متحدہ جمعیت یونان کا شیرازہ تو اسی روز بکھر چکا تھا جس روز ہم نے درۂ دانیال کو عبور کیا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اب تک اس جمعیت کے سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت میں فرمانوں پر دستخط کر رہے ہیں؟

سکندر: اس لئے کہ رسمی طور پر میں اب تک سپہ سالارِ اعظم ہوں۔

Marfat.com

پارمینیو: لیکن یونانیوں میں سے تو ایک فرد بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جسے نظریہ اتحاد پر اعتقاد ہو۔ وہ تو ایسی کوئی بات آج تک زبان پر نہیں لائے بلکہ ان کے خطبوں میں شہری حقوق پر بار بار زور دیا جاتا ہے۔

سکندر: مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے۔

پارمینیو: پھر حقیقت کو چھوڑ کر سراب کے پیچھے دوڑتے رہنے سے حاصل کیا ہے؟ فیلقوس نے حقائق سامنے رکھے تھے۔ وہ مقدونوی بادشاہی کو پورے یونان پر مسلط کر دینے کا خواہاں تھا صرف مقدونوی حکمرانی ہی کے ماتحت متحد رہ سکتا ہے۔

سکندر: یہ کام مختلف شہروں یعنی شہری ریاستوں کی آزادی کچلے بغیر پورا نہیں ہوسکتا اگر تم یونان کو متحد کرو گے تو شہری ریاستیں ختم ہو جائیں گی۔ شہری ریاستوں کی کمزوری یہ ہے کہ ان میں یونان کی حفاظت کیلئے پھیلاؤ کی گنجائش نہیں۔ یہ کام انہوں نے متحدہ جمعیتوں کے ذریعے سے انجام دینا چاہا اور جمعیتیں بن بن کر ٹوٹتی رہیں۔ اگر بیرونی حملے کی طرف سے حفاظت کا انتظام کر دیا جائے تو شہری ریاستیں، بہ اطمینان باقی رہ سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایتھنز کو لے لو۔ ایتھنز اگر ایتھنز نہ رہے اور متحدہ یونان کا ایک شہر بن جائے یہ امر حد درجہ تکلیف واذیت کا باعث ہوگا۔

پارمینیو: تکلیف واذیت؟ تکلیف واذیت کس کے لئے؟ آپ کیلئے جو فیلقوس کا محض سایہ ہیں؟

سکندر: ڈیماستھنیز کیلئے۔

پارمینیو نے سکندر کی ذہنیت کو اس خطرناک سطح پر پہنچ جانے کے بعد مزید تحقیق اور چھان بیان کا سلسلہ ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا، لیکن کہا:

"ڈیماستھنیز نے فیلقوس کے خلاف خطبوں کا سلسلہ اس لئے ترک کیا کہ سکندر اسے نفرت انگیزی کیلئے اچھا موضوع مل گیا ہے۔ اگر آپ انفرادیت پسند بننا چاہتے ہیں تو ڈیماستھنیز کو آپ کا ساتھی بن جانے میں تامل نہ ہوگا۔"

Marfat.com

سکندر نے اس بات کا جواب نہ دیا تو پارمینیو نے تعریض کا طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کی اور کہا:

''چند روز ہوئے آپ نے مجھ سے مشورہ کرنے کے بعد ایک حکم جاری کیا تھا کہ قبرص کے جنگی بیڑے کا کماندار ایک سو جہازوں کے ساتھ یونان کے جنوبی سواحل کی طرف بڑھے اور سپارٹا کے ساحلی علاقے کا چکر لگائے۔ ظاہر یہ کرے کہ بحری قزاقوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہے لیکن دراصل اسے معلوم کرنا چاہئے کہ آیا اہلِ سپارٹا اپنا بیڑا جمع کر رہے ہیں؟ وہ اب تک شہنشاہِ ایران سے وابستہ ہیں۔ میں نے سنا ہے آپ نے یہ حکم جمعیت متحدہ یونان کے سپہ سالار اعظم کی حیثیت میں جاری کیا تھا حالانکہ آپ سپہ سالار نہیں اور ابھی میرے سامنے اعتراف کر چکے ہیں کہ جمعیت متحدہ یونان نہ حقیقت میں موجود ہے اور نہ وجود پذیر ہو سکتی ہے اس حکم پر عمل کیوں نہ ہوا؟''

سکندر: اس لئے کہ اہلِ سپارٹا حماقت کی حد تک مغرور ہیں۔ اگر انہیں خیال ہو گیا کہ بیڑا ان کے خلاف بھیجا گیا ہے تو ہتھیار باندھ کر ساحل پر آ کھڑے ہوں گے اور لا انتہا مدت تک وہیں ٹھہرے رہیں گے کیا آپ کے نزدیک اس کام کو انجام دینے کا کوئی بہتر طریقہ نہیں؟

پارمینیو نے یہی مناسب سمجھا کہ چھان بیان ترک کر دے۔ اسے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ سکندر کے سامنے عمل کا کوئی نقشہ نہیں اور سب کچھ ایک موقع سے دوسرے موقع کی طرف، ایک مہلت سے دوسری مہلت کی طرف بہے چلے جانے کے انداز میں ہو رہا ہے۔ جو کچھ خاص وقت پر مناسب معلوم ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کر لیا جاتا ہے۔ نیارکس جیسے آدمیوں کیلئے یہ صورتحال بڑی موزوں تھی۔ اس لئے کہ وہ غور و فکر کا عادی نہ تھا لیکن بطلیموس ذی رائے تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سکندر اپنے آپ کو اس لئے تکلیفوں اور مشقتوں میں ڈال رہا ہے کہ شاید فیلقوس کے حادثۂ قتل کی تلافی ہو جائے۔ ہرقل کی پیروی میں ان کا کماندار اعظم (سکندر) بھی محنت و مشقت اٹھا رہا ہے۔ یقیناً اس کی روش سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ

Marfat.com

اپنے آپ کو دیوتاؤں کی اولاد سمجھتا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ اب وہ اپنے آپ کو کسی وجود کا کارندہ سمجھ رہا ہے لیکن کس کا؟ اس امر کا علم دیوتاؤں کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔ سپاہیوں کے دل میں ایسا کوئی وسوسہ نہ تھا۔ وہ جب سکندر کو دیکھتے تو بے اختیار پکار اٹھتے:
''انیالیوس، جنگلی دیوتا''

بطلیمو بادل ناخواستہ ممفس سے رخصت ہوا۔ جب وہ سوار ہو کر نئے پل کو عبور کرنے لگا تو اس نے اپنے پیچھے اونچے اونچے مندروں کے میناروں اور اہرام کی چوٹیاں دیکھیں۔ ممفس کو سکون کی حالت میں دیکھ کر اس پر یہ اثر ہوتا تھا کہ نہایت حسین و جمیل عورت محوِ خواب ہے۔ ممفس میں اس نے تھائس کو بھی دیکھا۔ اس کا چہرہ معصوم دوشیزہ کا سا تھا۔ روحانیت مندر کی پجارن کی سی تھی اور ہنر مندی طوائف جیسی۔

موسم بہار کے آغاز میں حکم جاری ہو چکا تھا کہ یونانی فوج صور میں جمع ہو جائے۔ صور ہی میں سکندر، پارمینیو اور بہت سے دوسرے سالاروں کے درمیان پہلی مرتبہ تلخ کشمکش کی نوبت آئی۔ موسم سرما میں شہنشاہ ایران نے صلح کی شرطیں پیش کر دی تھیں۔ وہ بالکل واضح تھیں اور بظاہر خلوص پر مبنی معلوم ہوتی تھیں۔ شرطیں یہ تھیں:

1- میں اپنے اہلِ وعیال کے بدلے میں دس ہزار ٹیلنٹ کی رقم پیش کروں گا۔
2- اپنی ایک بیٹی کو سکندر سے بیاہ کر باہم دوستی اور حلیفی کے رشتوں کو مستحکم کر دوں گا۔
3- دریائے فرات سے یونانی سمندروں تک تمام علاقوں سے دستبردار ہو جاؤں گا۔

اس پر سکندر اور پارمینیو کے درمیان جو جھگڑا ہوا، اس کی کیفیت مرافوں نے مکالمے کی شکل میں یوں پیش کی ہے۔

پارمینیو: سکندر کی جگہ ہوتا تو ان شرطوں پر صلح قبول کر لیتا۔

سکندر: میں بھی قبول کر لیتا بشرطیکہ میں پارمینیو ہوتا۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ 331 ق م کے موسم بہار میں جو یونانی مدبرین صور کے اندر موجود تھے ان کے درمیان رائے کا واضح اختلاف موجود تھا۔ قدامت پسندوں کا کہنا یہ تھا

Marfat.com

کہ فیلقوس...... نیز اسو کریٹیز...... نے جو خواب دیکھا تھا وہ پورا ہو چکا ہے بلکہ اس سے کچھ زیادہ کام انجام پا چکا ہے۔ بلقانی خطوں کو شامل کرتے ہوئے اہلِ مقدونیہ اپنی سلطنت کے ابتدائی حدود سے قریباً نو گناہ زیادہ علاقہ لے چکے تھے۔ اب وطن میں اتنے آدمی ہی نہ رہے تھے جنہیں میدانِ جنگ میں بلایا جاسکتا۔ ساحلی علاقہ ہر خطرے سے محفوظ تھا۔ اس لئے کہ اس کی پشت پر صحرا واقع تھا۔ البتہ صرف شمال کا زرخیز خطہ اس حفاظت سے مستثنیٰ تھا جو دریائے فرات کے منبع سے قریب تھا۔ انہیں بہت کچھ ملا تھا۔ اب مزید کیلئے خطرہ مول لینا کس بنا پر مناسب تھا۔

جو لوگ خطرات قبول کر رہے تھے ان کا استدلال یہ تھا کہ جب تک ایرانی فوج اندرونِ ملک میں محفوظ ہے اس وقت تک کسی بھی علاقے کو محفوظ نہ سمجھنا چاہئے۔ اس فوج کو شکست دے کر ختم کئے بغیر ساحلی علاقے کا تصرف محض ایرانیوں کی مرضی پر موقوف رہے گا۔ سکندر نے اس بارے میں جو کچھ کہا، وہ معلوم نہیں، جو کچھ کیا، وہ یہ ہے کہ فوج کو مشرق کی جانب کوچ کا حکم دے دیا۔ اس فیصلے سے مقدونوی معاملات میں تغیر پیدا ہوا۔ سکندر نے امراء اور کاروان جرنیلوں سے اپنی رائے بالجبر سنوائی اور فوج نے اس کے حکم کے مطابق کوچ شروع کر دیا۔

صور کی مجلسِ شوریٰ کے بعد پارمینیو کی روش میں بھی نمایاں تغیر پیدا ہو گیا۔ اب اس کا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ جو حکم ملتا اس کی تعمیل کر دیتا۔ مزید ایک سال گزرنے سے پیشتر ہی اسے ایک مرکز کی کمان سونپ دی گئی۔ اور سکندر کا انحصار صرف جواں سال مشیروں کی رائے پر رہ گیا۔ مثلاً ہفاسشن، بطلیموس، پرڈکاس، نیارکس۔

صور میں سکندر کو قطعاً اندازہ نہ تھا کہ مشرقی سمت میں اسے کس حد تک جانا پڑے گا اور فرات و بابل کے آگے کیا کچھ ہے۔ اس کے پاس ایسے نقشے بھی نہ تھے جن سے براعظم کے اس حصے کی وضع و ہیئت کا کوئی اندازہ کیا جاسکتا، جن علاقوں کو وہ پیچھے چھوڑ رہا تھا۔ یونانی تاجروں اور آبادکاروں کو صرف انہیں کا علم تھا۔ دستاویزوں میں سے اس کے پاس یا تو

Marfat.com

ہیروڈوٹس کی کتاب تھی یا زینوفن کی کتاب یا ہیکٹائس کا نقشہ کرۂ ارض۔

جبل الشیخ کا چکر لگا کر وہ اندرونِ ملک گیا تو دمشق سے گزر کر شمال کی طرف مڑ گیا تا کہ اس حاشئے کے ساتھ ساتھ چلے جہاں جانوروں کو چارہ مل سکتا تھا، نیز فوج وسطی شامی میدان کی گرمی سے محفوظ رہے۔ پل پہلے سے تیار کر لئے گئے تھے۔ ان کے ذریعے سے دریائے فرات کو عبور کیا جہاں اس کا پانی بہت معمولی رفتار سے چل رہا تھا اور یہ جگہ منبع کے قریب ہی تھی۔ اب وہ اس شاہراہ پر پہنچ گیا جو سیدھی بابل جاتی تھی۔ فوج کے مختلف جیش الگ الگ جا رہے تھے۔ عبورِ دریا کیلئے انہیں پل پر جمع ہونا پڑا۔ وہاں سکندر کو اندازہ ہوا کہ فوج کی تعداد نئے رنگروٹوں کی آمد کے باعث کتنی بڑھ چکی ہے۔ بار برداری کی گاڑیاں بھی بہت زیادہ ہو چکی تھیں۔ اس لئے کہ انجینئروں نے بہت سی منجنیقیں بنالی تھیں اور کچھ عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ ترجمانوں کے علاوہ صیدا سے جہاز ساز اور صنعت گر اور ممفس سے ریاضی دان بھی لے لئے گئے۔ کل تعداد شاید پینتیس ہزار سے کم نہ تھی اور طلایہ گرد دستے فرات و دجلہ کے درمیانی علاقے میں مناسب راستوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔

○

Marfat.com

بارہواں باب

ملکہ وحوش

شمالی حصے کے اس میدان میں بھی موسم گرما کی حدت نے گھاس کو جلا ڈالا تھا۔ دیہات میں فصلیں کٹ رہی تھیں، دنوں تک فوج اس زمین پر سے گزرتی رہی جس کی سطح سمندر کے برابر تھی۔ شدید گرمی اور خشک ہوا میں وہ آگے بڑھتی رہی۔ ہوا چلتی تو افق پر گردوغبار سا رقص کرتا ہوا دکھائی دیتا۔ پھر پانی کی سفید لہریں نمودار ہوتیں لیکن فوج قریب پہنچتی تو لہریں غائب ہو جاتی۔ حقیقت یہ سراب کے جلوے تھے لیکن فوج بڑھتی گئی۔

یونانی مورخ کہتے ہیں کہ اس مقام پر فوج نے نئے دیوتا کیلئے قربانی کی۔ یہ خوف و دہشت کا دیوتا تھا۔ فوجیوں نے دو سال پیشتر ساحل کے ساتھ ساتھ اس شاہراہ پر چلنا شروع کیا تھا جس پر جابجا قدیم شہر آباد تھے۔ ان کے دل پر خوف و ہراس کا کوئی اثر نہ تھا۔ لیکن یہاں وہ مردہ گھاس کا مندر عبور کر رہے تھے اور اس مقام کی طرف جا رہے تھے جس کے طبعی کارفرماؤں کے بارے میں انہیں کچھ علم نہ تھا۔ نئے یونانی رنگروٹوں میں سے بعض نے شکوہ شروع کر دیا۔ وہ کہتے تھے اس طرف آنے میں ہمارے کمانڈر کا مدعا کیا ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے؟ اس شخص نے اپنا وطن چھوڑا اور اپنے باپ سے پدری رشتے کا انکار کر دیا، لیکن جو مقدونوی سپاہی مدت سے جنگی کام انجام دے رہے تھے انہوں نے نئے رنگروٹوں کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ ہمیں سکندر کا نصب العین معلوم ہے وہ خز[illegible]اصل کرنا اور جنگ ختم کر دینا چاہتا ہے۔

Marfat.com

بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس زمین میں وہ اب جا رہے تھے وہ بالکل نئے قسم کی تھی۔ ایسا میدان پہلے کسی یونانی نے نہ دیکھا تھا۔ طلایہ گرد دستے آگے بڑھ کر حالات معلوم کر رہے تھے۔ لیکن کوئی بھی ٹھیک ٹھیک نہ بتا سکتا تھا کہ فوج کو کن حالات سے سابقہ پڑنے والا ہے۔ دریائے فرات کے ساتھ ساتھ چند ایرانی سوار نظر آئے۔ انہیں قید کر لیا گیا۔ قیدیوں نے بتایا کہ ایشیائی فوج اس سے اگلے دریا کے پار کسی مقام پر جمع ہو رہی ہے۔ قیدیوں نے جو کہانیاں سنائیں ان سے سال خوردہ سپاہیوں نے اندازہ کر لیا کہ اب جو فوج مقابلے کیلئے جمع ہو رہی ہے وہ اسوس والی فوج سے بدر جہا بڑی ہوگی۔ اس امر نے ان میں تشویش پیدا کر دی۔ وہ حیران تھے کہ سکندر اس سطح میدان میں سواروں کے بہت بڑے ہجوم سے کیوں کر مقابلہ کر سکے گا؟ ابھی تک ان کے دل میں خوف پیدا نہ ہوا تھا لیکن تعجب ضرور پیدا ہو چکا تھا۔

دریائے فرات کو عبور کرنے کے بعد دریا کی طرف پیش قدمی کا رخ ٹھیک مشرق جانب ہونا چاہئے تھا لیکن سکندر فوج کو شمال مشرق جانب لے گیا، جہاں زمین کا رنگ پھر سرخ ہو گیا۔ اس سے پیشتر جو دیہات ملے تھے ان کے مکانوں کی چھتیں مسطح تھیں لیکن اب پھر ایسے مکان نظر آنے لگے جو اگرچہ مٹی کے بنے ہوئے تھے لیکن ان کی چھتیں شہد کے چھتوں کی طرح مخروطی تھیں۔ اسی طرح فوج دوبارہ پہاڑ پر پہنچ گئی اور اتنی بلندی پر چلی گئی جہاں پہاڑیوں کے دامن میں دیودار کے درخت کھڑے تھے۔ جگہ جگہ چٹانوں میں سے ندی نالے بہہ رہے تھے۔ یہاں ہوا ٹھنڈی ہو گئی۔ پانی بلندیوں سے نشیب کی طرف تیزی کے ساتھ گرتا تھا اور سپاہیوں کو یقین تھا کہ ان پہاڑوں میں کسی دشمن سے سابقہ نہ پڑے گا لہٰذا وہ اطمینان سے کوچ کر رہے تھے۔ بعض سال خوردہ سپاہیوں نے اندازہ کر لیا کہ وہ دوبارہ گارڈیم کی سطح مرتفع پر پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے وہاں کے پہاڑوں کا تذکرہ بھی چھیڑ دیا۔ ان پہاڑوں پر پہنچ جانا ان کیلئے بڑی تسلی کا باعث ہوا۔ جب انہوں نے ایک تیز رو دریا کو عبور کیا جس کا پانی گدلا تھا تو وہ اور بھی مطمئن ہو گئے۔ سردیوں

Marfat.com

نے انہیں بتا دیا کہ یہ دریائے دجلہ کا وہ مقام ہے جس کے قریب اس کا منبع واقع ہے۔
بہرحال فوج نے دریائے دجلہ کو عبور کیا۔ یہ دوآبہ عراق کا دوسرا دریا تھا لیکن ایشیائی فوج انہیں کہیں نظر نہ آئی۔ عین عبورِ دریا کے وقت چاند گرہن کے باعث بالکل سیاہ ہو گیا۔ یہ اس امر کا نشان تھا کہ بہت نازک صورتحال سے سابقہ پڑنے والا ہے۔ انجینئروں میں فونیقی بھی تھے ان کے نزدیک چاند کے سیاہ ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ عالمِ اسفل کی ملکہ نمودار ہونے والی ہے۔ اسٹرئی اس کا نام ہے اردو دریاؤں کی درمیانی زمین پر اسے بڑا اقتدار حاصل ہے۔ تین دنیاؤں کے وحوش اس کی خدمت گزار ہیں۔ اول آسمان کی دنیا، دوم زمین کی دنیا اور سوم عالمِ اسفل...... ممکن ہے وہ کسی دیوپیکر جانور یا شیر یا بہت بڑے اژدھے پر سوار ہو کر آ جائے...... بہرحال اس کی نمود مصیبت کا سامان ہو گی۔ یہ فونیقی جو اپنی بندرگاہوں سے دور آ گئے تھے اس ملکہ کے نمودار ہونے سے بہت ڈر رہے تھے۔

دریائے دجلہ کو بحفاظت عبور کر لیا گیا۔ تھوڑی دیر تک فوج کے تمام دستے دریا کے ساتھ ساتھ اکٹھے جنوب کی طرف چلتے رہے۔ پھر دریا کا کنارہ چھوڑ کر کھلی وادی میں چلنے لگے۔ جہاں بادلوں اور کہر نے اردگرد کی بلندیوں کو چھپا رکھا تھا۔ وہ بادلوں کی بھی سطح سے نیچے اتر آئے تو سیاہی مائل بھینسے ملے جنہیں صرف بے ضرر اور قوی ہونے کے لحاظ سے بیلوں کے ساتھ مشابہت تھی۔ ممکن ہے سرسی[1] نے یا اس ملکہ وحوش نے بیلوں کی شکل بدل کر بھینسے بنا دیے۔ نیچے سیاہی مائل میدان نظر آیا جو طلایہ گردسوار اس کا چکر لگا کر آئے انہوں نے نئے عجائبات کی کہانیاں سنائیں۔ طلایہ گردسواروں کو پتھر کے بہت بڑے بڑے وحوش ملے جس کے پر اور سم تھے۔ البتہ سر بادشاہوں کے سے تھے۔ یہ پہرے دار دیوپیکر ایک خالی شہر کے دروازے کے دونوں جانب کھڑے تھے۔ وہاں مسلح جوان اور خواجہ سرا بھی کھڑے نظر آئے، لیکن ان میں جان نہ تھی۔ ان کے کچھ حصے دیواروں سے باہر نکلے ہوئے تھے اور سب کے چہروں سے نمایاں ہو رہا تھا کہ کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔

طلایہ گردسواروں نے ایک پختہ نہر دیکھی جو بالکل خشک تھی۔ یہ ایک سنگ بست

Marfat.com

راستے پر بنی ہوئی تھی اور پہاڑوں میں غائب ہو جاتی تھی۔ اگلے روز فوج ایک ٹیلے کے پاس سے گزری جس پر دیو پیکر بادشاہوں یا دیوتاؤں کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں۔ تجربہ کار فونیقوں نے ایسی کندہ تصویروں پر چنداں توجہ نہ کی۔ محض یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا کہ یہ اشوری بادشاہ اور دیوتا ہیں۔ مدت ہوئی مر چکے ہیں اب نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں۔

جب طلایہ گرد سواروں کے نیچے میدان میں پہلا اجنبی رسالہ نظر آیا تو فوراً سوار بھیجے گئے کہ اس کے متعلق خبر لائیں جو قیدی پکڑے گئے ان سے معلوم ہوا کہ شہنشاہ ایران کی فوج اس مقام پر جمع ہے جہاں پہاڑ کے دامن سے ملا ہوا کھلا میدان شروع ہوتا ہے۔ اس میں شہنشاہ کی محافظ فوج بھی ہے اور نیزہ بردار بھی جنہیں غیر فانی کا لقب دے دیا گیا ہے۔ مسلح رسالے بھی ہیں، تیرانداز سوار بھی، جو اندرونِ ملک سے آئے ہیں یعنی سِتھی اور باختری......فوج میں سوار زیادہ ہیں اور پیادے کم۔ 2

اب سکندر کو سواروں کی ایک بہت بڑی قوت سے کھلے میدان میں مقابلہ درپیش تھا وہ تین روز تک پہاڑوں کے آخری حصے میں ٹھہرا رہا۔ مقصد یہ تھا کہ فوج کو ستانے کا موقع مل جائے۔ ممکن ہے یہ امید بھی ہو کہ شاید ایرانی فوج بلندی پر چڑھ کر حملہ کرے۔ پھر اس نے رات کی تاریکی میں کوچ کا حکم دے دیا اور تیزی سے چلاتے ہوئے طلوعِ آفتاب کے وقت پوری فوج کو اس ٹیلے پر لے آیا جہاں سے دشمن کے لشکر کا ایک ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔ مقدونیوں کو امید تھی کہ معاً فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا تا کہ صف بندی کر کے جلد حملہ کر دیا جائے لیکن سکندر نے سب کو ٹھہرنے کا حکم دے دیا۔ صف بندی ہو چکی اور سب آرام کرنے لگے۔ انجینئروں نے فوج کے پیچھے کیمپ کا بندوبست کر لیا جسے چاروں طرف سے مورچوں کے ذریعے سے مستحکم کر لیا گیا تھا۔ افسر دن بھر موقع اور محل نیز فوج غنیم کی ترتیب کا معائنہ کرتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اب تک کسی مقدونوی نے سواروں کا اتنا بڑا ہجوم نہ دیکھا تھا جو اب ان کے مقابلے پر گاگا میلہ 3 کے گاؤں کے پاس جمع تھا۔

Marfat.com

کوچ کے دوران میں اہلِ مقدونیہ پر جو خوف طاری ہوا تھا وہ اس دن بہت بڑھ گیا اور شام کے وقت اس میں اور اضافہ ہوگیا۔ اس لئے کہ رات کی تاریکی میں انہیں اپنے سامنے شعلوں اور الاؤں کی بہت لمبی قطار نظر آ رہی تھی جس سے غیر مشتبہ طور پر واضح ہوتا تھا کہ تعداد بہت زیادہ ہے جب رو بہ زوال چاند طلوع ہوا اور زمین پر سائے پھیلے ہوئے نظر آئے، ہوا کی لہریں جھاڑیوں کو جنبش میں لے آئیں تو پہرے داروں کو محسوس ہونے لگا کہ زمین پر دشمن قوتیں متحرک ہو رہی ہیں۔ رات ان کے لئے دہشت کا سامان بن گئی۔ افسر بھی سہمے ہوئے تھے اور انہوں نے دفاعی تدبیریں اختیار کرلیں۔ کیمپ کے اردگرد مزید استحکامات کر لئے گئے لیکن ظاہر ہے کہ اگر مقدونوی فوج کی ترتیب میں خلل پڑتا تو کیمپ کے استحکامات قطعاً اسے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکتے۔ یہ خطرہ موجود تھا کہ غنیم کی فوج کہیں چکر لگا کر مقدونوی فوج کو نرغے میں نہ لے لے۔ اس سے بچاؤ کیلئے افسروں نے انتظامات کر لئے۔ چنانچہ پیادہ فوج کے عقبی حصے کو حکم دے دیا گیا کہ وہ ایسی ترتیب میں کھڑی ہو جس میں رخ پھیر کر کامیاب مقابلہ کیا جا سکے۔

پارمینیو اور دوسرے بڑے افسروں کے قلوب بھی خوفزدہ تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ فوج کو حرکت کا حکم دیا جائے اور رات کی تاریکی میں دشمن پر حملہ کر دیا جائے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ سواروں کے مقابلے میں پیادہ فوج رات کی تاریکی میں بے تکلف حملہ کر دے گی۔ ممکن ہے اس چال سے مقدونوی فوج کیلئے کامیابی کے مواقع بڑھ جائیں اور اس بے درد ہجوم سے نجات مل جائے جو ہمیں تباہ کر دینے کیلئے تیار کھڑا ہے لیکن سکندر نے شبخون کا حکم دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ رات کی نقل و حرکت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ دشمن کے کیمپ میں مشعلیں جل رہی ہیں اس کی روشنی ہمارے آدمیوں کی آنکھوں کے سامنے ہوگی۔ جب اس پر واضح ہوگیا کہ ایرانی فوج جنگی ترتیب میں کھڑی ہے اور جا بجا مشعلیں جل رہی ہیں تو اس نے افسروں کو حکم دے دیا کہ آرام و استراحت کا جتنا موقع ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ بھی بتا دیا کہ اگلے دن جو جنگ ہوگی وہ آخری جنگ ہوگی اسی دن

Marfat.com

فیصلہ ہو جائے گا کہ ایشیا پر مقدونوی حکمران ہوں گے یا ایرانی رہیں گے۔ افسروں کو یہ بھی تاکید کر دی کہ ہر حکم کی تعمیل فوراً کر دینے کا خاص خیال رکھا جائے ذرا سی تاخیر بھی شدید خطرات کا باعث ہو گی۔

سکندر کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے گرد و پیش خوف موجود ہے جو رات کی تاریکی میں انسانی قلوب کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے اور اس کا دباؤ واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا لیکن اس نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے تشویش ظاہر ہو، افسر آئندہ لڑائی کے متعلق بحث کر رہے تھے۔ سکندر اطمینان کے ساتھ چھوٹے سے خیمے میں پہنچا اور بے فکر ہو گیا۔ جن لوگوں کو رات بھر نیند نہ آئی تھی وہ صبح کی روشنی نمودار ہوتے ہی اس کے خیمے کے پاس جمع ہو گئے لیکن سکندر مزے سے سو رہا تھا۔ پارمینیو بھی آ پہنچا تو سکندر بدستور سویا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس نے معمول سے زیادہ نیند لے لی تھی۔ جب سورج کی کرنیں مشرقی جانب سے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر نمودار ہوئیں تو پارمینیو نے حکم دے دیا کہ سپاہی کھانا کھا لیں۔ پہاڑیوں کے نیچے اس نے گرد و غبار کا پردہ دیکھا اور خود اندر جا کر سکندر کو جگایا۔ اس سلسلے میں دو مرتبہ اس کا نام لیا۔ اس نے گرد و پیش پر نظر ڈالی، ہلکی نمدے کی صدری پہنی جو اسوس میں اس کے ہاتھ آئی تھی جلا کیے ہوئے لوہے کی پتلی چادر کا ہلکا خود سر پر رکھا۔

سیاہ جنگی گھوڑا بیوسی فالس خیمے کے دروازے پر موجود تھا لیکن آدمیوں نے دیکھا کہ سکندر اس کے بجائے دوسرے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اگرچہ وہ لڑائیوں میں عموماً بیوسی فالس ہی پر سوار ہوتا تھا۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ لڑائی کو ٹالنا چاہتا ہے۔ اگرچہ گزشتہ موسم بہار اور موسم سرما کے دوران میں اس کیلئے تمام ممکن تیاریاں ہوتی رہی تھیں۔ مقدونوی یقیناً ڈرے ہوئے تھے اور فوج جب اپنی اور دشمن کی درمیانی زمین میں بڑھتی ہے تو یقیناً ہر آدمی پر یہ خوف طاری ہوتا ہے کہ شاید وہ مارا جائے یا ہڈی پسلی ٹوٹ جائے یا اس کی بینائی ضائع ہو جائے۔ فوجی اس لئے آگے بڑھتے ہیں کہ بڑھنے کا حکم دے دیا جاتا ہے اور ہر لڑائی میں آگے بڑھنا ان کا کام ہے۔ جب مدِ مقابل آگے بڑھ رہا ہو تو پیچھے ہٹنے کا کسی کو خیال بھی

Marfat.com

نہیں آ سکتا۔ جیسے جیسے درمیانی فاصلہ گھٹتا جاتا ہے خوف زائل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ دل قوت پا کر فوجیوں کو حرب و قتال پر آمادہ کرتا ہے اور وہ خطرے سے بالکل بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔

کچھ دیر گزر گئی تو سکندر بیوسی فالس پر سوار ہو کر بھاری ہتھیاروں والی رجمنٹ کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس کا دستور یہی تھا اور رسالہ بھی اسی مقصد کیلئے ترتیب پا چکا تھا۔ ان کے سامنے جو بے پناہ ہجوم کھڑا تھا اس میں کوئی خلا پیدا نہ ہوا تھا۔ دو مرتبہ سکندر کے پاس پیغام پہنچا کہ کمک بھیجی جائے۔ دشمن مقدونوی صفوں کو توڑتا ہوا عقبی کیمپ کے پاس جا پہنچا تھا۔ سکندر کی فوج کا بایاں بازو ٹوٹ چکا تھا اور پارمینیو نے ذاتی طور پر کمک کی التجائیں کی تھیں۔ رسالہ خاص منتظر کھڑا رہا۔ چند قدم آگے بڑھا۔ پھر ٹھہر گیا۔ فوج کے جو یونٹ ان کے دائیں جانب تھے وہ نرغے میں آ گئے۔ بری طرح جھنجھوڑے گئے اور انہیں اٹھا کر پیچھے پھینک دیا گیا۔ رسالہ خاص اس کے سوا کچھ نہ کر سکتا تھا کہ اس وقت کا انتظار کرے جب لمبے نیزوں والے مقدونوی سپاہی جنگی ترتیب میں قدم بقدم آگے بڑھیں اور ان کا سب سے اگلا حصہ دشمن کے ہجوم میں پہنچ جائے۔ اگریانی سوار اور تھریس کے سوار خانے کے دوسرے حصے کو آگے لے گئے۔ یکایک انہوں نے کیا دیکھا کہ سامنے انسانوں کا جو سمندر موجزن تھا اس میں حرکت پیدا ہوئی۔ سواروں کا ایک گروہ اپنی جگہ سے چلا اور اس نے چکر کھا کر دائیں جانب کا رخ کیا۔ یوں ایک خلا پیدا ہو گیا تو رسالہ خاص نے بجلی کی تیزی سے حملہ کر دیا۔ یہ لوگ ایرانی سواروں کی خالی کی ہوئی جگہ میں جا پہنچے اور آس پاس کی فوج کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے عقب پر حملہ آور ہوئے جہاں بادشاہ کی خاص گارد اور غیر فانی نیزہ بردار کھڑے تھے۔ اس تیز حملے نے گارد کو درہم برہم کر ڈالا۔

ساتھ ہی شہنشاہ دارا کے دل پر بے اندازہ خوف طاری ہو گیا۔ وہ یقیناً بزدل تھا، اپنے جنگی رتھ میں بیٹھا ہوا یونانی حملہ آوروں کے راستے میں جما نہ رہ سکا۔ یوں وہ دوسری دفعہ میدانِ جنگ سے بھاگا اور یونانی سواروں سے بچتا ہوا نکل گیا۔ شروع میں اس کے فرار نے

Marfat.com

فوج کے بڑے حصے کی ترتیب پر کچھ زیادہ اثر نہ ڈالا۔ البتہ جو آدمی اس کی گارد میں شامل تھے وہ تتر بتر ہو گئے۔ اس کا اثر فوج کے قلب تک جا پہنچا۔

وہ فوج اس لئے گاگا میلہ میں جمع ہوئی تھی کہ شہنشاہ کا حکم یہی تھا۔ اس کے بعض حصے بابل سے آئے تھے، بعض کردستان اور آرمینیا کے پہاڑوں سے اور بعض باختر، سغد اور ستھیا سے۔ اس لئے کہ شہنشاہ نے تمام صوبوں کے عاملوں کے نام یہی حکم بھیجا تھا۔ ارمنوں اور کردوں کے سوا یہ مختلف جنگی گروہ پہلی مرتبہ ایک میدان میں جمع ہوئے تھے۔ ان کے دل میں اجنبی مقدونیوں کے خلاف نہ نفرت کا کوئی خاص جذبہ موجزن تھا اور نہ وہ ان کی مزاحمت ضروری سمجھتے تھے۔ وہ صرف اپنے افسروں کے ساتھ ادھر آ گئے تھے۔ جب سلطنت ایران کی فوج کے ایک ایک حصے میں دارا کے فرار کی خبر پہنچ گئی تو پوری فوج کو اکٹھا رکھنے کا کوئی مرکزی سلسلہ باقی نہ رہا۔ چنانچہ پوری فوج درہم برہم ہو گئی اور ہر افسر اپنے آدمیوں کو خطرے کے مقام سے باہر لے گیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اس فوج کو شکست ہوئی۔ کہنا چاہئے کہ فوج باقی ہی نہ رہی۔

سکندر نے جب غنیم کی فوج میں شکست کے آثار دیکھے تو وہ اپنے رسالے کے ساتھ پارمینیو کے پاس پہنچ گیا جس کی فوج خاصی تکلیفیں اٹھا چکی تھی۔ وہاں اس نے تھسلی کے سواروں کو کمک پہنچائی جو زبردست ضربیں لگ جانے کے باوجود اپنی جگہ جمے کھڑے تھے۔ اس وقت تک ایرانی لشکر نے میدان چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ وہ لوگ سوار تھے۔ اس لئے جلد سے جلد رخصت ہو گئے۔

گاگا میلہ کی یہ لڑائی جسے مدت تک اربیلہ کی لڑائی کہا جاتا رہا رومی مؤرخوں نے بڑی تفصیل سے بیان کی ہے لیکن یہ تفصیل اصل واقع کے بہت دیر بعد معرضِ ترتیب میں آئی۔ رومی مؤرخ کہتے ہیں کہ اس لڑائی میں کم تعداد والی فوج نے جو زیادہ تر پیادوں پر مشتمل تھی بہت بڑی تعداد والی فوج جس میں سوار زیادہ تھے کھلے میدان میں حملہ کیا اور فتح پائی۔ اس لحاظ سے گاگا میلہ کی لڑائی کو مثالی حیثیت حاصل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ مقدونوی

Marfat.com

فوج کی اعلیٰ تنظیم اور سکندر کی فقید المثال قیادت کا کرشتہ تھا۔ لیکن وہ اس خوف کا قطعاً تذکرہ نہیں کرتے جو مقدونیوں کو ایرانی لشکر کی طرف کشاں کشاں لے گیا حالانکہ جنگ کے آغاز میں ان پر بہت کم ہراس طاری تھا۔ مقدونوی فوج گاگامیلہ سے پیچھے نہ ہٹ سکتی تھی۔ اس لئے صرف ایک راستہ تھا کہ بکھر جاتی اور مدِ مقابل کے سواروں سے بہت دور ہو جاتی۔ اس طرح وہ بچ سکتی تھی۔[4] اس کے برعکس ایرانی سوار چنداں نقصان اٹھائے بغیر پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ اہلِ مقدونیہ کیلئے دشمن کی صفوں کو بہت بری طرح اور کاملاً توڑے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ خوف نے ان کے اتحاد، نظم ونسق اور ترتیب میں زیادہ قوت پیدا کر دی۔ سکندر کی شخصیت کے محرک جذبے نے اس قوت میں اضافہ کر دیا۔ ایک رومی نے بعد کے دور میں اپنے سپاہیوں کے متعلق کہا تھا کہ جب ان پر ہراس طاری ہو تو ان سے بہت زیادہ ڈرنا چاہئے۔ یہی قول مقدونوی فوج پر بھی صادق آتا تھا۔

اس روز مقدونیوں کے ہاتھ نہایت عجیب اور حد درجہ قیمتی مالِ غنیمت آیا جس میں بکتر بند ہاتھی بھی تھے اور سینکڑوں جنگی رتھ بھی جن کے پہیوں کے ساتھ تیز تلواروں کے پھل لگے ہوئے تھے۔ وہ برچھیاں بھی تھیں جن پر سونے کا ملمع پھیرا ہوا تھا۔ بہت سے فوجی ہاتھ آئے ان میں پہاڑی لوگ بھی تھے جو عجیب وغریب زبان بولتے تھے یعنی آرمن...... اور اعلیٰ درجے کے سوار بھی تھے جنہوں نے ڈھیلے پاجامے اور طرے دار پگڑیاں باندھ رکھی تھیں۔ یعنی کرد۔

جب پارمینیو کی فوج غنیم کے دباؤ سے محفوظ ہوگئی تو سکندر نے ان سواروں کو جمع کیا جنہیں جنگ میں زیادہ مشقت نہ اٹھانی پڑی تھی اور وہ غنیم کے تعاقب میں انتہائی تیزی سے جنوبی شاہراہ پر روانہ ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ بڑے بڑے شہر اسی حصے میں واقع ہیں اور یہ شبہ بھی تھا کہ دارا بھاگ کر اس سمت گیا ہے۔ چند گھنٹے بعد پارمینیو بھی پوری فوج کے ساتھ سکندر کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ اس نے صرف اس لئے توقف کیا کہ زخمیوں کو گاڑیاں پر سوار کرا دے۔ نیز قیمتی مالِ غنیمت یعنی اسلحہ اور سونا ساتھ لے لے۔ اس فتح کی یادگار میں

Marfat.com

کوئی جشن نہ منایا گیا۔ تاخیر کا موقع ہی نہ تھا۔ آفتاب غروب ہوگیا تو سکندر نے ایک ندی کے کنارے ٹھہر جانے کا حکم دیا۔ پانچ گھنٹے تک اپنے سپاہیوں کو آرام کا موقع دے دیا پھر تعاقب میں چل پڑا۔ چالیس گھنٹے میں ساٹھ میل[5] کا فاصلہ طے کر کے وہ اربیل کے پہاڑی قلعے میں پہنچ گیا جو ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ اس بلندی سے اسے دور دور تک میدان نظر آرہا تھا۔ کہیں کہیں گرد و غبار کے طوفان اٹھ رہے تھے جو اس امر کی شہادت دے رہے تھے کہ دارا کی فوج کے مختلف حصے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ بظاہر وہ جنوب اور مشرق کی سمت میں پہاڑیوں کے اندر پناہ گزیں ہو رہے تھے۔

اربیل میں بھی اسے دارا کا سنہری رتھ اور سنہری ترکش ملا۔ اسے معلوم ہوگیا کہ دارا باختری سواروں، تنخواہ دار یونانی فوجیوں اور اپنے خاص نیزہ برداروں کے ساتھ ایک پہاڑی راستے سے مشرقی سمت چلا گیا۔ سکندر ان پہاڑوں میں اس کا تعاقب جاری نہ رکھ سکتا تھا۔

اربیل پہنچ کر سکندر کو اس عجیب و غریب اور پریشان کن صورتحال کا اندازہ ہوا جو مشرقی عراق کے میدانی علاقے میں داخلے سے اسے پیش آگئی تھی۔ گاگامیلہ کی لڑائی نے جنگی نقطہ نگاہ سے کسی بھی امر کا فیصلہ نہ کیا تھا۔ غنیم کی فوج جنوب اور مشرق میں بدستور موجود تھی۔ گاگامیلہ میں وہ فوج منتشر ضرور ہو چکی تھی لیکن اسے تباہ نہ کیا گیا تھا۔

اس نے سابقہ حالات پر غور کیا تو واضح ہوگیا کہ دریائے گرینی کس کی کشمکش میں جو فوج اس کے مقابلے پر آئی تھی اس میں رسالے کے چند افسروں کے سوا کوئی بھی جیش اسوس کی جنگ میں موجود نہ تھا اور گاگامیلہ میں جس فوج سے سابقہ پڑا وہ تنخواہ دار یونانیوں یا چند بابلی جیشوں کے سوا اسوس کی جنگ میں موجود نہ تھی۔ اس سے جو نتیجہ نکلا وہ بالکل غیر مشتبہ تھا۔ وہ اپنے تیس ہزار فوجیوں کو لاکھوں آدمیوں کے مقابلے پر لے جا رہا تھا۔ یہ آدمی میدانوں، پہاڑیوں کی چوٹیوں پر اور صحرائی علاقوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ بحیرۂ روم کا ساحلی علاقہ ان کے مقابلے میں بہت تنگ تھا۔ اور وہ اسی طرح بڑھتا گیا اور اس کے

Marfat.com

مقابلے میں نئی فوجیں آتی رہیں تو اسے شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہر جنگ میں اس کی قوت گھٹتی جائے گی اور نئے علاقوں سے تازہ دم ایشیائی رنگروٹ فراہم ہوتے رہیں گے۔ یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ ایشیا کی سرزمینوں سے نئے لشکر بھی تیار کئے جاتے ہیں جو ہتھیاروں سے بخوبی لیس ہوں اور خطرناک رسالے بھی ترتیب دیئے جاتے ہیں اور ہر دن کا سفر مقدونیوں کو بحیرۂ روم کے مرکز سے دور لے جا رہا تھا۔

ہفا اسشن نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک عجیب الخلقت وجود سے لڑ رہے ہیں اس کا ایک سر کاٹ دیا جائے تو دوسرا حملے کیلئے تیار ہو جاتا ہے جس درندے کے متعدد سر ہوں اس سے نجات پانے کی صورت صرف یہ ہے کہ آخری سر کاٹ دیا جائے۔ بطلیموس نے کہا: ہم عجیب الخلقت وجود سے نہیں لڑ رہے بلکہ ایک ایسے دیو سے لڑ رہے ہیں جس کا ایک ہی سر ہے اور وہ شہنشاہ ایران ہے۔ البتہ اس کے جسم بہت ہیں۔ زمانہ قدیم کے بہادروں میں سے کسی کو ایسے دیو سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ یہ صورتحال بالکل غیر طبعی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی شے ہمیشہ کیلئے غیر طبعی نہیں رہ سکتی۔ جب گردوپیش کی حالت کا پورا اندازہ ہو جائے تو شر کے خفیہ امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ سکندر نے اپنے نوجوان ساتھیوں کو پاس بٹھا کر صورتحال کا جائزہ لیا تاکہ فیصلہ کیا جا سکے فائدے کے پہلو کیا کیا ہے۔

فائدے کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ جوں جوں آگے بڑھے گا دشمن کی قوت کے متعلق اسے زیادہ سے زیادہ صحیح حالات معلوم ہوتے رہیں گے۔ البتہ یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ دشمن نے اپنے پیچھے محفوظ قوت کس قدر جمع کر رکھی ہے۔ یہ بھی یقین تھا کہ سکندر کی فتح مندیوں کے حالات جگہ جگہ گہرا اثر پیدا کریں گے جو ایشیائی فوج مقدونیوں کے خوفناک حملے کا تجربہ کر چکی تھی امید نہ تھی کہ وہ دوبارہ ایسا کوئی خطرہ مول لے گی۔ کم از کم یہ حقیقت سب پر آشکارا ہو چکی کہ مقابلہ تنخواہ دار یونانیوں سے نہ تھا جنہوں نے پیسے لے کر ایک فریق یا دوسرے فریق کی حمایت کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ گاگامیلہ میں ایرانیوں پر جو معجزہ نما کامیابی حاصل ہوئی

Marfat.com

تھی اس نے اطراف ملک پر فالج کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔ یونانیوں کے نقطہ نگاہ سے یہ اثر کم از کم دو مہینے تو باقی رہے گا۔ اس کے بعد نئے معجزے کا انتظام کر لیا جائے گا یا زینوفن کے دس ہزار فوجیوں کی پیروی کرتے ہوئے ساحل کی طرف مراجعت اختیار کر لی جائے گی۔

مقدونویوں کو دارا پر ایک لحظ سے غیر معمولی فوقیت حاصل تھی اور وہ یہ کہ بے پناہ ایشیائی فوجوں کا سپہ سالار اعظم محض بزدل ہی نہ تھا بلکہ جو جرنیل اس کے ماتحت تھے۔ ان میں سے کسی کے بھی دل میں اس کا چنداں احترام نہ تھا اور اس کی بزدلی یونانیوں کے مقابلے میں ہچکچاتی تھی اور یوں کسی متحدہ اقدام کا سر و سامان نہ ہو سکتا تھا۔

یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ایشیائی جتھے اس لئے دارا کی فرمانبرداری نہیں کرتے کہ اسے محترم سمجھتے ہیں محض اس لئے اس کا حکم مان رہے ہیں کہ شہنشاہ اعظم مالک ممالک روئے ارض، دارائے اول اور زرکسیز کے جانشین کیلئے ان کے دل میں احترام ہے جس نے اشوری باشندوں کا طرزِ حکومت اختیار کیا وہی اشوری بادشاہ جن کی تصویریں چٹانوں پر محل کی سنگی دیواروں پر کندہ تھیں۔ وہ اس انسانی وجود کے وفادار تھے جو شہنشاہ تھا اور جسے الوہی قوت کا پیکر سمجھا جاتا تھا۔ یوں مقدونیوں کا مقابلہ اس دارا سے نہ تھا جو انسان تھا...... یہ مقابلہ ان کیلئے بے حد فائدہ مند تھا...... اصل مقابلہ اس تصور سے تھا جو تخت پر بیٹھنے والے حاکم کیلئے ایشیائی لوگوں کے قلوب میں جاگزیں تھا۔

یہ حقیقت واضح ہو گئی تو سکندر نے فوراً اس پر عمل شروع کر دیا۔ اسے بہت تھوڑے وقت میں بڑی وسیع سرزمین کا چکر لگانا تھا۔ لہٰذا وہ انتہائی تیزی سے روانہ ہوا۔ اس کے ایک طرف دریائے دجلہ تھا اور دوسری طرف پہاڑی دیوار...... اب وہ اپنی فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔ خود مالِ غنیمت کے ایک رتھ میں سوار ہو گیا۔ شیروں والا خود سر پر تھا سفید ریشمی لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ اسیران جنگ کے وسیع گروہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جلوس کا یہ منظر ہر شخص کے دل پر خاص اثر پیدا کرتا تھا۔

Marfat.com

اس نے اپنے دو افسروں کو حکم دیا کہ تیزی سے قریب ترین دارالحکومتوں میں پہنچ جاؤ۔ چنانچہ ایک بابل چلا گیا اور دوسرا اشوش[6] ان افسروں نے جا کر اطلاع دے دی کہ سکندر آ رہا ہے وہ دشمن نہیں بلکہ دوآبہ[7] کا نیا حاکم ہے۔ قدرت نے اسے مغرور دارا کا جانشین بنایا ہے۔ انہوں نے دونوں شہروں کے لوگوں کو پیغام پہنچایا کہ تم سے محض اطاعت مطلوب نہیں بلکہ تمہیں نئے شہنشاہ کا استقبال کرنا چاہئے جو مندروں میں عبادت کی آزادی دے دے گا۔ کسی صوبائی حکومت میں ردّ و بدل نہ کرے گا اور نہ کسی شخصی جائیداد پر ہاتھ ڈالے گا۔

بہرحال سکندر بابل کے قریب پہنچا تو اس نے حفاظت کی تمام تدبیریں کر رکھی تھیں۔ وہ گھنے زرخیز باغوں میں سے گزرا جنہیں پانی کی ایک وسیع نہر سیراب کر رہی تھی۔ راستے میں کھجوروں کے جھنڈ نیز نیبو اور سنگتروں کے بے شمار درخت دیکھے جو سڑک کے اردگرد کھڑے تھے۔ پروہتوں اور سرکاری افسروں کے ایک جلوس نے اس کا استقبال کیا وہ اپنے ساتھ جواہرات، سونا اور کامدار پارچے لائے۔ سکندر نے ان کا خیر مقدم قبول کیا اور بڑی نہر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اس نے کنارے پر بہت اونچی دیواریں دیکھیں جو منزل بہ منزل اوپر اٹھی ہوئی تھیں اور مستحکم چھتوں پر درجہ بہ درجہ باغ لگے ہوئے تھے۔

بہرحال وہ جلوس کی شکل میں محرابوں کے طویل حلقے میں سے گزرتا ہوا بابِ اشتر پر پہنچ گیا جس کے برج اتنے عظیم الشان تھے کہ ممفس کے مندر بھی ان کے سامنے بے حقیقت معلوم ہوتے تھے۔ وہ محل تک چلا گیا اسے ہر طرف اونچی عمارتیں نظر آتی تھیں۔ نیچے سبز درختوں کے جھنڈ تھے اور سورج کی روشنی مندروں کے برجوں پر پڑتی تو ان کے سنہری سیاہ اور فیروزہ گوں رنگوں میں چمک پیدا کر دیتی وہ اس مقام پر جنگی رتھ سے اترا جہاں پہرے دار کھڑے ہوتے تھے یوں مقدونیہ کا سکندر اپنے دارالحکومت بابل میں پہنچ گیا۔

بابل نے مقدونیوں پر حد درجہ گہرا اثر ڈالا۔ یہ شہر اجنبی ہاتھوں نے بنایا تھا۔ حد درجہ عظیم الشان، پائیداری اور استحکام میں بے مثال نظر آتا تھا۔ یہاں یونانیت کی کوئی جھلک نہ پائی جاتی تھی۔ بت تراش لسی پس مختلف گیلروں میں سے گزرا اسے کہیں کوئی بت نظر نہ آیا

Marfat.com

لیکن ہر جگہ خوبصورت ٹائلیں لگی ہوئی تھیں اور عجیب وغریب جانوروں کے جلوسوں کی تصویریں نظر آتی تھیں دروازہ کی پیشانی پر ملکہ وحوش کا نشان یعنی ہلال ہر مقام پر موجود تھا۔ لسی پس کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بابل کی عظیم الشان دیواریں اور اونچی اونچی عمارتیں مٹی سے بنائی گئی تھیں۔ غلاموں نے اینٹوں کے سانچے تیار کئے پھر یا تو انہیں بھٹوں میں پکا لیا گیا یا دھوپ میں خشک کر لیا گیا۔ آرائشی ٹائلیں بھی مٹی سے بنائی گئی تھیں اور ہنر مندی کے ذریعے سے ان میں جلا پیدا کر دی گئی تھی۔ گلدانیہ کے عالموں نے سکندر کو مٹی کی تختیوں کا ایک کتب خانہ دکھایا۔ مٹی کی سبک مربع تختیوں پر نوک دار خط میں کچھ لکھ کر خشک کر لیا گیا تھا اور زمانے کی کوئی گردش اس خط کو مٹا نہ سکتی تھی۔ ان تختیوں پر صدیوں پہلے کی شادیوں، قرضوں اور تحفوں کا ذکر تھا۔ نچلی دیواروں کی اینٹوں پر بخت نصر کی مہر لگی ہوئی تھی۔

مٹی سے عمارتیں بنا کر اہلِ بابل نے یہ کوشش کی تھی کہ اپنے آپ کو سطح ارض سے بلند کر لیں اور خنک تر ہوا میں پہنچ جائیں۔ ایسی ہی ایک تعمیر کا نام برج باب ایل رکھا گیا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہودی دریائے بابل کے کنارے آباد تھے اور کوہ صیہوں کے سفر کا انتظار کر رہے تھے۔

ارسطو بھی اس خطے کی زرخیزی دیکھ کر حیران رہ جاتا۔ یہاں دھوپ خاصی تیز تھی۔ نہروں کے ذریعے سے زمین کی آبیاری ہوتی تھی۔ ایک ایک چپے پر درخت اگے ہوئے تھے یا لوگ آباد تھے۔ غذائی اجناس کی افراط تھی۔ مقدونیوں کو زمین کے ان پانیوں پر بہت حیرت ہوئی انہیں یقین ہو گیا کہ بابل کے یہ معلق باغ ہیل کارنیس میں مسولس کے مقبرے یا دریائے نیل کے کنارے کے اہرام سے بڑھ کر دنیا کا عجوبہ ہیں۔

سکندر نے صوبہ بابل کی حکومت کا انتظام انتہائی تیزی سے کر دیا۔ اس نے اپنے وعدے کے مطابق بیل اور مردوخ کے مندر از سرِ نو کھول دیئے اور ان کی افتتاح کی رسم میں خود شریک ہوا۔ دارا کے اہل وعیال کو محل میں ٹھہرایا۔ ایرانی شہنشاہ کی حسین وجمیل بیگم دورانِ سفر میں بحالتِ زچگی فوت ہو چکی تھی۔ وہ اسوس کی جنگ کے بعد گرفتار ہوئی تھی تو امیدواری کی حالت میں تھی۔ سکندر نے شاہی آداب کے ساتھ اسے دفن کرایا۔

Marfat.com

شہر بابل کے بیچ میں سے جو تنگ نہر گزرتی تھی اس میں کشتیاں چلنے کا معائنہ کیا۔ یہ نہر دارالحکومت کو دریائے دجلہ سے ملاتی تھی۔ وہ اپنے ناظروں کو لے کر رات کے اوقات میں دیر تک بیٹھا رہتا اور کارندوں سے بابل کے نظام مال گزاری کی کیفیت سنتا۔ انہوں نے بتایا کہ ہماری زمینیں بڑی خلیج یا زمین بند سمندر تک پھیلی ہوئی ہیں اور سڑکیں مشرقی سمت میں پہاڑی دیواروں کے اندر تک چلی گئی ہیں۔

بابلیوں نے یہ بھی بتایا کہ ان پہاڑیوں سے آگے سلطنت کے تین اور دارالحکومت ملیں گے جن میں شاہی خزانے رکھے جاتے ہیں۔ ایک شوش اور دوسرا پرسی پولس [8] اور تیسرا ایکبتانا [9] سکندر کے یونانی سیکرٹری نے تینوں کے نام لکھ لئے۔

بابل میں جو شاہی خزانہ تھا اسے قبضے میں لے لیا گیا۔ نظم و نسق کا فیصلہ چند لفظوں میں کر دیا۔ وائسرائے کے نائب کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ ایک مقدونوی افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہاں متعین کر دیا۔ دارالحکومت میں جو درس گاہیں اور مندر تھے یا عشر یا خیرات کے جو انتظامات پہلے سے چلے آتے تھے، بدستور باقی رکھے۔ گاگا میلہ میں جو مالِ غنیمت تھا اسے نیز فوج کے بھاری ساز و سامان اور عورتوں کو بابل ہی میں چھوڑ دیا۔ ایتھنز کی تھائس کو بھی وہیں رہنے کا حکم مل گیا جو بطلیموس کی رفیقہ تھی۔ پھر فرمان جاری کر دیا کہ جلد سے جلد روانگی کی تیاری کر لی جائے۔

گرم راتوں میں سرکاری کام ختم ہو جاتا تو سکندر کپڑے اتار ڈالتا اور دریا میں تیرتا رہتا پھر جسم کو خشک کر کے کسی اونچے ڈھلوان چبوترے پر جا بیٹھتا۔ بلند عمارتوں کی روشوں پر اس کی نظر ہوتی اور ترجمان اسے بتاتے کہ کلدانیوں نے ستاروں کے متعلق اپنے نقشے کن اصولوں کے مطابق تیار کئے تھے۔ وہ شراب بہت کم پیتا حالانکہ اس کے افسر پی پی کر مدہوش ہو جاتے اصل بات یہ ہے کہ افسر موسم سرما کی آمد کے ساتھ پہاڑیوں میں سے کوچ کے اتنے مشتاق نہ تھے جتنا کہ سکندر مشتاق تھا۔ انہیں قطعاً یہ خیال نہ تھا کہ مشرقی سمت میں وہ بلند دیواریں موجود ہیں جو معلوم دنیا کا آخری کنارہ ہیں۔

جس شخص کو بابل کا حاکم بنایا گیا تھا اس کی نظر ہر لحظہ سکندر پر رہتی جو دارا کی رتھ میں

Marfat.com

بیٹھ کر آیا تھا اور شاہی محل میں رہنے لگا تھا۔ مقدونوی افسر اس بات کا مذاق اڑاتے کہ سکندر کس طرح شہنشاہِ ایران کے طور طریقے اختیار کر رہا ہے۔

جب وہ باب اشتر کے راستے بابل سے نکلے اور مشرقی شاہراہ پر پہاڑوں کی طرف جا رہے تھے تو وہ افسر آملا جس پہلے شوش بھیجا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ شوش سکندر کی پیشوائی کیلئے تیار ہے اور شہر میں شاہی خزانے یا توشہ خانے میں جو کچھ موجود اس پر مہریں لگا دی گئی ہیں جو سکندر کے پہنچنے پر کھلیں گی۔ شوش کو پہاڑوں میں وہی حیثیت حاصل تھی جو ایتھنز میں بالا حصار کو حاصل تھی۔ یہاں کا بالا حصار پہاڑیوں سے محصور تھا اور اس کے اطراف دریا تک پھیلے ہوئے تھے۔ دارا کو یہ جگہ بہت پسند آئی۔ بہار اور خزاں کا موسم وہ یہیں گزارتا۔ سردی کا موسم آتا تو بابل چلا جاتا۔ یہاں کے خزانے سے پچاس ہزار ٹیلنٹ نکلے یہ رقم اتنی بڑی تھی کہ مقدونیہ کی کانوں سے پچاس سال میں اتنا سونا چاندی نکلتا۔[10] اسی مقام پر وہ بت مل گئے جو زرکسیز نسلوں پیشتر ایتھنز سے اٹھا لایا تھا۔ یہ ہارموڈیس[11] اور ارسٹوجیشن[12] کے کانسی کے بت تھے۔ سکندر نے انہیں ایتھنز بھیج دیا۔

اہلِ مقدونیہ کو ان بتوں کا ملنا بہت نیک شگون معلوم ہوا۔ لسی پس انہیں دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ سکندر نے انہیں اجازت دے دی کہ یہاں جشن مناؤ، کھیلوں سے دل بہلاؤ اور مشعلوں کی روشنی میں گھڑ دوڑ کا انتظام کرو۔ فوجی چاہتے تھے کہ موسم سرما میں بھی آگے بڑھتے جائیں انہیں اس بات کا کوئی خیال نہ رہا تھا کہ آگے بڑھیں گے تو دور افتادہ ساحل کی طرف مراجعت کا آخری راستہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ شوش میں اگرچہ موسم خزاں تھا لیکن گرمی اتنی زیادہ تھی کہ مقدونیہ کے پہاڑی لوگوں کو خوشگوار معلوم نہ ہوئی (شوش موجودہ شہر اہواز سے شمال میں زیادہ دور واقع نہ تھا) وہ کہتے تھے کہ جو چیز سائے میں نہ ہو اسے سورج کی حدت پکا دیتی ہے۔ گرگٹ گلیوں میں سے گزرتے ہیں تو وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے سے پیشتر جل جاتے ہیں ہمیں یہاں کھانے کی چیزیں پکانے کی ضرورت نہیں انہیں صرف پتھروں پر پھیلا دینا کافی ہے۔

○

Marfat.com

تیرھواں باب

پرسی پولس

شہنشاہ ایران کے چار دارالحکومت دراصل زمانہ ماضی میں چار مختلف قومی حکومتوں کے مرکز تھے۔ ان میں شوش غالباً سب سے زیادہ پرانا تھا۔ یہ عیلامیوں کا نہایت اہم مرکز تھا۔ ایکبتانہ (موجودہ ہمدان) مادی قبیلے کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بابل نوبالیوں کا مرکز تھا جو اشوریوں کی طاقت تباہ ہونے کے بعد مادیوں کے ساتھ ساتھ بروئے کار آئے۔ پرسی پولس یعنی شہر ایرانیاں شہنشاہ ایران نے خود اپنے وطن یعنی سطح مرتفع پر تعمیر کیا تھا۔

اب مقدونوی فوج انتہائی تیزی سے قلب ایران کی طرف بڑھ رہی تھی اور اسے امید تھی کہ دارا کوئی فوج فراہم کر لینے کا موقع دیئے بغیر اس پر جا پڑیں گے۔ شوش کے اردگرد جو نشیبی پہاڑیاں تھیں ان سے گزر کر وہ فوج پہاڑی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک لمبی وادی میں داخل ہو گئی۔ یہ راستہ چڑھائی کا تھا اور فوج کا رخ جنوبی اور مشرقی جانب تھا۔ اس اثناء میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آ گیا۔ پہاڑی علاقہ کے خود مختار قبیلوں کا گزارا بھیڑ بکریوں اور مویشیوں کی پرورش پر تھا۔ وہ ان تمام بڑے بڑے آدمیوں سے راہداری وصول کرتے تھے جنہیں ان کے علاقے میں سے گزرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ ان میں سے ایک قبیلہ ہوزہا[1] تھا۔ وہ لوگ اس علاقے کے دوسرے باشندوں کی طرح بیرونی دنیا کے حالات اور سیاسی تغیرات سے چنداں آگاہ نہ تھے اور اپنے قدیم حقوق و مراسم کی پابندی میں کوئی خلل گوارا نہ کرتے تھے۔ انہوں نے سکندر کے پاس پیغام بھیجا کہ گزر کی اجازت اس وقت تک نہ دی

Marfat.com

جائے گی جب تک راہداری کی رقم ادا نہ کی جائے گی۔ شہنشاہ ایران خود با قاعدہ یہ رقم ادا کرتا تھا۔ سکندر نے پیغام کے جواب میں کہلوا بھیجا کہ تم لوگ بلندیوں سے اتر کر وادی میں آ جاؤ اور اپنی رقم لے جاؤ، وہ لوگ بڑے اطمینان سے سڑک پر جمع ہو گئے۔ ان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مقدونوی فوج عجلت میں کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اگلے روز صبح کے وقت ان کی آنکھیں کھلیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ مقدونوی فوج کے دستے سڑک کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ کھڑے ہیں اور سڑک کے آس پاس قبیلے کے جتنے دیہات ہیں ان سب پر مقدونوی قابض ہیں۔ گویا راتوں رات وہ بے چارے نرغے میں آ گئے۔

بعد ازاں افراتفری کی جو حالت پیدا ہوئی اس میں زیادہ خونریزی کی نوبت تو نہ آئی البتہ بھاگ دوڑ بہت ہوئی۔ قبیلے کے لوگ گرتے پڑتے دور افتادہ بلند چوٹیوں پر پہنچ گئے اور بچے کھچے ریوڑ بھی ساتھ لے گئے۔ آریان ان بچے کھچے ریوڑوں کو سکندر کے تحائف احترام قرار دیتا ہے۔ دارا کی والدہ ہر مناسب موقع پر سکندر کو مخلصانہ مشورے دیتی رہتی اور سکندر اس کی بہت قدر کرتا تھا۔ اب اسی خاتون نے اس قبیلے کے معاملے میں مداخلت کی اور ان کی نفسیات واضح کرتے ہوئے سکندر کو بتایا کہ وہ مخالف نہ تھے بلکہ ان کا گزارہ ہی ایسی چیزوں پر ہے۔ سکندر نے انہیں مملوکہ زمینوں پر آباد ہونے کی اجازت دے دی لیکن یہ شرط لگائی کہ ہر سال ایک سو گھوڑے، پانچ سو مویشی اور تیس ہزار بھیڑیں بطور خراج دیا کریں۔ ان کے پاس نہ روپیہ تھا نہ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے لہٰذا خراج جانوروں کی صورت میں لئے بغیر چارہ نہ تھا۔ وہ بے چارے اس امر پر حیرت زدہ ہو گئے کہ یہ عجیب شیطانی شہنشاہ ہے جو روپیہ ادا کرنے کے بجائے جانور لیتا ہے۔

اہلِ مقدونیہ پر واضح ہو گیا کہ سکندر مشرقی حصوں میں قیامِ امن کیلئے خاص جدوجہد کر رہا ہے۔ ہوزا قبیلے اور شوش کے رہبروں سے مشورے کے بعد اس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ سارا ساز و سامان گاڑیوں میں سوار کرا کے پارمینیو کے حوالے کر دیا کہ وہ بڑی فوج کے ساتھ چکر کھاتا ہوا سڑک پر سے آہستہ آہستہ آئے۔ خود فوج کے منتخب

Marfat.com

دستے لے کر بلند راستے سے پرسی پولس کی جانب روانہ ہوا۔

راستے میں پھر مزاحمت کی صورت پیش آ گئی لیکن مقدونویوں نے اس سے بھی بہت جلد چھٹکارا حاصل کرلیا۔ یہ مزاحمت اس فوج کو پیش آئی تھی جو براہِ راست سکندر کی کمان میں جا رہی تھی۔ راستے میں ایک تنگ گھاٹی آ گئی جس سے گزر کر درے میں پہنچنا تھا۔ اس گھاٹی کو مزاحمت کرنے والوں نے بند سے مسدود کردیا اور مقابلے پر فوج بٹھا دی۔ مقدونویوں نے بند پر حملہ کیا لیکن پہلے دن انہیں پسپا ہونا پڑا۔ لہٰذا وہ ہٹ کر قیام گزیں ہوگئے تا کہ صورتحال پر غور کر کے تدبیر نکالیں۔ چند قیدی ان کے ہاتھ آ گئے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ پہاڑوں کے دائیں بازو سے ایک راستہ گزرتا ہے جو درے کے اس پار دریا پر پہنچا دیتا ہے۔ سکندر نے منتخب مقدونوی حبشیوں کو ساتھ لے کر یہی راستے اختیار کرلیا۔ قیدی رہبری کا فرض انجام دے رہے تھے جو کیمپ وادی میں تھا اسے بدستور چھوڑ دیا گیا اور کریٹرس 2 کو اس کا کماندار مقرر کردیا گیا۔ یہ نیا سالار تھا جسے لوگوں کو رام کر لینے میں اک گونہ مقناطیسی قوت حاصل تھی۔ یہ دبلا پتلا کماندار اپنی خوش گفتاری سے فوجیوں کو خوش رکھتا اور جہاں چاہتا لے جاتا۔ اگرچہ وہ کماندار تھا لیکن اپنے ماتحتوں سے بات چیت اس طرح کرتا گویا حکم نہیں دے رہا بلکہ مشورے دے رہا ہے اور تمام فوجیوں کو یقین دلاتا کہ ہم جنگ میں سب سے بڑھ کر عزت واحترام حاصل کریں گے۔

سکندر خود راتوں رات بارہ میل کا فاصلہ طے کر گیا۔ کریٹرس کے پاس تھوڑی سی فوج چھوڑ دی، اسے یقین تھا کہ مزاحمت کرنے والے ایرانی آگے بڑھ کر کیمپ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کریں گے۔ پہاڑوں کی بلندی پر پہنچ کر سکندر ایک روز ٹھہرا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ راستے کا باقی حصہ بھی رات کی تاریکی ہی میں طے کرے۔ دن کے وقت چلتا تو اندیشہ تھا کہ ایرانی اسے دیکھ لیں گے شام کے وقت اس نے فلوٹس اور کوئینس 3 کو سواروں اور انجینئروں کے ساتھ آگے بھیج دیا کہ وہ دریا پر پہنچ کر عبور کرنے کیلئے پل تعمیر کریں۔

اب دونوں طرفیں مقدونویوں کو صاف نظر آ رہی تھیں۔ چوٹیوں پر برف جمی ہوئی

Marfat.com

تھی۔ سپاہیوں نے ایک چوٹی کا نام ایشیائی اولمپس رکھا اور درے کو ابواب ایران قرار دیا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ شگون بڑا اچھا ہے۔ عجیب امر یہ ہے کہ جو شخص ان کی رہبری کر رہا تھا اس کا نام ایرانی زبان میں بھیڑیا تھا۔ انہیں یہ پیشگوئی یاد آ گئی کہ بھیڑیا سکندر کو فتح دلائے گا۔ چنانچہ وہ نیچے طرف اترے اور درے پر پہنچے تو فتح نے ان کے پاؤں چومے۔ درے کے پاس ایرانی پہرے داروں کی تین قطاریں کھڑی تھیں۔ یہ سب گرفتا ہو گئے اور جو ایرانی فوج نیچے کیمپ میں مقیم تھی اسے خبر تک نہ لگ سکی۔ دن کی روشنی نمودار ہونے سے پیشتر یونانی فوج کیمپ کے عقب میں پہنچ چکی تھی۔ یکا یک تریاں بجیں۔ کریٹرس کو سمجھا دیا گیا تھا کہ جیسے ہی تریوں کی آوازیں کانوں میں پہنچیں راستے کے بند پر حملہ کر دینا۔ ایک طرف سے کریٹرس دوسری طرف سے سکندر نے ایرانیوں کو بری طرح مارا۔ وہ بھاگے اور دریا پر پہنچے تو وہاں یونانی فوج کے مزید دستے کھڑے تھے۔ آریاں لکھتا ہے کہ ان کے فرار نے بے حد خوفناک صورت اختیار کر لی، بعض آدمیوں نے اپنے آپ کو چٹانوں سے نیچے گرا دیا۔

اب سکندر ذرا بھی آرام لئے بغیر دریا کی جانب بڑھا جہاں پل تیار ہو چکے تھے۔ عبورِ دریا کے بعد اترائی شروع ہو گئی۔ پرسی پولس وہاں سے صرف 45 میل تھا۔ نیچے اتر آئے تو گھنے جنگل شروع ہو گئے۔ پھر غلے کے کھیت آ گئے جہاں ہر گاؤں کے پاس سے کوئی نہ کوئی ندی نالہ بہتا تھا۔ سکندر سواروں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ میدانی علاقے میں پہنچ گیا۔ اس علاقے کے کھیتوں میں غلام بھینسوں کے ذریعے سے کھیتی باڑی کر رہے تھے۔ اس زرخیز اور ہری بھری وادی کے سامنے پرسی پولس تھا جس کی پتھریلی دیواریں سورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ اپنی آمد کی خبر سے پہلے وہ اس شہر کے سامنے پہنچ گئے تھے۔

چار مرکزی شہروں میں سے جہاں شاہی خزانہ رہتا تھا پرسی پولس سب سے زیادہ دولت مند سمجھا جاتا تھا۔ یہی شہنشاہِ ایران کا محفوظ ترین مقام تھا۔ یونانی بلندیوں سے اتر کر اس انداز میں پرسی پولس پہنچے گیا گویا میراتھان کی دوڑ آخری منزل پر آ گئی تھی۔ انہیں جا بجا

Marfat.com

پانی کی چھوٹی چھوٹی نالیاں عبور کرنی پڑیں جن سے گیلاس کے باغ سیراب ہوتے تھے۔ پھر وہ اس راستے پر پہنچ گئے جس میں بھاری پتھر بچھے ہوئے تھے اور ایرانیوں کے مخفی بالا حصار کا یہی راستہ تھا۔ انہوں نے دوڑنا شروع کیا کہ جلد سے جلد موقع پر پہنچ کر، اشرفیوں، سونے کے ورقوں، ارغوانی رنگ، خوشبوؤں اور دوسری قیمتی چیزوں پر قبضہ کرلیں اور ایرانی افسروں کو یہ چیزیں ادھر ادھر کردینے کی مہلت نہ دیں۔

ایران کے مشہور کمانچی راستہ روک کر کھڑے ہو گئے تھے۔ یونانیوں نے انہیں چند لمحوں میں تتر بتر کر دیا۔ وہ تکان سے چور تھے بااین ہمہ جوشِ مسرت کا یہ عالم تھا کہ قہقہے مار رہے تھے۔ بہر حال وہ باب زاکسیز کے بند ہونے سے پیشتر اندر پہنچ گئے۔ انہوں نے صد ستون ایوان کے دروازے توڑ ڈالے ان کے سامنے دہشت زدہ خدام کی ایک جماعت کھڑی تھی اور وہ محل میں سے پھر نکلے جس کی چمکدار روپہلی چھت کو لکڑی کے بھاری ستونوں نے تھام رکھا تھا۔

اب ان کی یہ کیفیت تھی جیسے شکاری کتے خرگوشوں کے جنگل میں پہنچ جائیں۔ انہوں نے دارا کے محلات اور اردشیر کی چھوٹی سی عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا۔ انہیں احساس تھا کہ دوڑ میں کامیاب ہو چکے ہیں اور پری پولس کی پوری دولت ان کے ہاتھ آ گئی ہے۔ وہ ایوان کی خنک فضا میں بے ڈر شراب پینے لگے جس کے خم بھرے رکھے تھے۔

مشعلیں جل گئیں تو اس وقت بھی دولت کی تلاش جاری تھی۔ یکا یک ایک مشعل سے زرکسیز کے تخت گاہ کے پردوں کو آگ لگ گئی اور شعلے تیزی سے آس پاس کی بارکوں اور زنان خانے تک پہنچ گئے۔ آگ بجھانے کا انتظام شروع ہونے سے پیشتر تخت گاہ جل چکی تھی اور آگ کے شعلے اوپر اٹھ رہے تھے۔ دروازوں اور چھتوں پر چاندی کے جو خول چڑھے ہوئے تھے وہ پگھل کر ندی کی شکل میں بہہ نکلے۔ سکندر بھی آگ بجھانے والوں میں چکر لگا رہا تھا اس نے ایک پتھر کی سل دیکھی جس پر زرکسیز کی تصویر بنی ہوئی تھی اور وہ تخت پر بیٹھا تھا۔ وہ تصویر الٹ گئی تھی۔ سکندر اس کے سامنے ٹھہر گیا اور پوچھا یہ کس کی تصویر ہے۔

Marfat.com

تھوڑی دیر اسے غور سے دیکھتا رہا۔ سب کو علم تھا کہ یہ اسی شہنشاہ کی تصویر ہے جس نے چند نسل پیشتر ایتھنز کو برباد کیا تھا۔ سکندر نے پوچھا آیا اسے سیدھا کر دیا جائے؟ پھر سل کو اسی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

دوسرے روز فارس کا حاکم سکندر سے ملنے کیلئے آیا تو اس نے اردشیر کے تخت پر بیٹھ کر ملاقات کی جس پر دارا بیٹھا کرتا تھا۔ بعض سال خوردہ مقدونیوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو امڈ آئے یا سمجھ لینا چاہیے کہ شراب کی خوشبو ابھی تک ان پر اثر انداز تھی۔ کارنتھ کے ایک بوڑھے آدمی نے آنسو پونچھے اور کہا کہ آج ہمارا سالار ایران کے تخت پر بیٹھا ہے تو ہمیں ان مقدونیوں اور ایرانیوں کی یاد تازہ ہو گئی جنھوں نے ہم سے پہلے جانیں دیں۔ سال خوردہ لوگوں کے نزدیک یہ جنگ اور لامتناہی نقل و حرکت کا اختتام تھا۔

یہ روایت اب تک بدستور چلی جارہی ہے کہ سکندر نے پرسی پولس کو نذرِ آتش کرادیا۔ ایران میں سے گزریں تو ہر جگہ یہ روایت سننے میں آتی ہے۔ سب لوگ اسے دہراتے ہیں اور بار بار کے اعادے سے یہ ایسی حیثیت اختیار کر چکی ہے گویا سکندر کی زندگی کے اس واقعے پر ساری دنیا متفق ہے لیکن سکندر کی موجودگی میں جو کچھ پیش آیا اسے سکندر کا فعل قرار دے لینا ایک خطرناک مفروضہ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سکندر نے پرسی پولس کے محلات جلانے کا حکم دیا تو یہ حکم کیوں دیا؟ یقیناً بابل یا شوش اور بعد ازاں ۔نہ میں اس سے ایسا کوئی فعل سرزد نہ ہوا تھا (اگرچہ اس نے آگے چل کر مشرق میں تباہی کے حکم دیئے خصوصاً ان خطوں میں جو آج کل ترکستان اور ہندوستان کہلاتے ہیں) یونانی اور بعد ازاں رومی وقائع نگاروں نے اس آتش زنی کی کئی روایات بیان کی ہیں۔ ان میں سے جو روایات خاص رومانی حیثیت رکھتی ہے اس میں تھائس کا ذکر بھی آیا ہے۔ یہ روایت پلوٹارک نے خوب بیان کی ہے جسے لڑائیوں کی کیفیت بیان کرنے کے مقابلے میں انسانی روح کی سرگرمیوں سے زیادہ دلچسپی ہے۔

پلوٹارک لکھتا ہے کہ دارا کا تعاقب دوبارہ شروع کرنے سے پہلے سکندر نے فوجی

Marfat.com

افسروں کو شراب نوشی کی دعوت دی۔ یہ اجازت بھی دے دی کہ ہر ایک افسر اپنی داشتہ کو پہلو میں بٹھا لے۔ ان میں ممتاز ترین ہستی تھائس کی تھی۔ اس کا وطن ایتھنز تھا اور وہ بطلیموس کی محبوبہ تھی جو بعد میں مصر کا بادشاہ بنا۔ تھائس نے اس دعوت میں بڑی بے باکی سے گفتگو کی۔ اگرچہ یہ بے باکی قابلِ معافی تھی اس لئے کہ ایتھنز اس کا وطن تھا۔ اس نے کہا کہ فوج کے ساتھ ساتھ ایشیا آنے میں جو مشقتیں مجھے اٹھانی پڑیں ان کا کچھ بدلہ آج مل گیا میں ایرانی بادشاہوں کے محل میں بیٹھی شراب پی رہی ہوں لیکن مزا جب ہے کہ مشعل اٹھاؤں اور زرکسیز کے ایوان کو آگ لگا دوں جس نے اپنے عہدِ حکومت میں ایتھنز کو آگ لگائی تھی۔ مجلس میں سے ہر ایک نے تھائس کے اس خیال کی تحسین کی۔ بادشاہ نے خود ایک ہار اپنے سر پر باندھا اور مشعل ہاتھ میں لے لی۔ وہ ہال میں پہنچا اور پردوں کو آگ لگا دی جو مقدونوی ایوان کے باہر بیٹھے تھے۔ انہیں اندر کے حالات کا علم ہوا تو وہ بھی مشعلیں لے کر دوڑے ہوئے آئے۔ ان پر انتہائی خوشی طاری تھی۔ محلات کی بربادی سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ سکندر ان بربریوں کے درمیان رہنے کا خواہاں نہیں بلکہ اپنے وطن واپس جانا چاہتا ہے۔

اس منظر نے شاعروں اور ڈرامہ نگاروں کو صدیوں تک مسحور رکھا۔ تاہم یہ بالکل غیر اغلب ہے کہ اگر تھائس پرسی پولس پہنچی تھی تو اس نے سکندر کے لشکر کے ساتھ بلندیاں عبور کی تھیں اور اگر سکندر نے ایک محل تھائس کو خوش کرنے کیلئے برباد کیا تو ہم جانتے ہیں کہ اپنے پورے دائرہ حیات میں وہ ایسے کسی فعل کا مرتکب نہ ہوا۔

دوسرے لوگوں نے اسے معقول بنانے کی کوشش کی۔ وہ کہتے ہیں: سکندر نے پرسی پولس کو اس لئے جلایا کہ ایرانیوں کے ہاتھوں یونان کو جو نقصان پہنچ چکا تھا اس کا بدلہ لے یا پرسی پولس کو اس لئے جلایا گیا کہ اس سے ایشیائیوں پر اچھا اخلاقی اثر پڑے گا یا سکندر کے نزدیک ایرانی بادشاہی کے خاتمے کا اعلان کرنے کی مؤثر صورت یہی تھی اور وہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ اب پرانے شاہی خاندان کی طرف نہیں بلکہ نئے بادشاہ کی طرف دیکھنا چاہئے۔

Marfat.com

آریان کہتا ہے کہ پارمینیو نے پرسی پولس کو جلانے کی تجویز سے اختلاف کیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر سکندر ایشیا کے اندرونی علاقے میں رہنے کا خواہاں ہے تو شہر کو جلانا ہرگز مناسب نہ ہوگا حالانکہ تاریخی حقیقت اس کے خلاف ہے۔ پارمینیو اندرونِ ملک میں جانے کا خواہاں ہی نہ تھا۔ اس کے نزدیک صرف مغربی خصے پر قبضہ کر لینا کافی تھا۔

علاوہ بریں ہمارے سامنے واضح آثار موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زرکسیز کی تخت گاہ اس افراتفری میں جلی جو مقدونیوں کی بھاگ دوڑ سے پیدا ہوئی تھی۔ آگ نے ایوان میں سونے چاندی کی تمام تزئین و آرائش تباہ کر دی۔ بظاہر سکندر اور اس کے افسروں نے آگ بجھانے کا حکم دیا۔ بہرحال آگ سے صرف محلات کا مرکزی حصہ تباہ ہوا۔ سارے محلات تباہ نہ ہوئے اور یہ یقینی امر ہے کہ سکندر نے بعدازاں کوروش[4] کے مقبرے کو محفوظ رکھنے کی انتہائی کوشش کی جو پرسی پولس میں واقع تھا۔ اغلب ہے، آگ اتفاقیہ لگی ہو اور جس قدر جلد ممکن تھا اسے بجھا دیا گیا۔

مقدونوی فوج پرسی پولس میں ایک یا دو مہینے ٹھہری رہی۔ اس اثناء میں موسمِ سرما ختم ہو گیا اور برف پگھل جانے کے باعث دروں میں سے گزرنے کی شکل نکل آئی۔ پارمینیو بھی سامان کی گاڑیاں اور فوج لے کر پہنچ گیا۔ رسد کا سامان اردگرد کے علاقے سے حاصل کیا جاتا تھا۔ وہ اس وجہ سے بھی اطمینان سے بیٹھے رہے کہ اطلاع مل چکی تھی۔ دارا مادہ کے پہاڑوں میں بیٹھا ہے اور برف پڑ جانے کے باعث کہیں جا نہیں سکتا۔ نیز چوتھی مرتبہ فوج فراہم کرنے میں اسے مشکلات پیش آ رہی ہوں گی۔ مقدونوی سپاہیوں کے نزدیک استراحت کا یہ موقع ضرورت کی بنا پر پیش آ گیا اور انہیں مہم کو ختم کرنے کیلئے آخری قدم لازماً اٹھانا تھا۔ پرسی پولس میں جو دولت ان کے ہاتھ آئی اس نے ہوش و حواس گم کر دیئے۔ شوش کے مالِ غنیمت کے بعد انہوں نے اپنے دل میں جو تصور قائم کیا تھا یہ دولت اس سے کہیں بڑھی ہوئی تھی۔[5]

فوج کے ساتھ جو سرویئر آ رہے تھے ان کے نقشوں سے ایک نئی حیرت انگیز حقیقت

Marfat.com

آشکارا ہوئی۔ گزشتہ دس مہینوں میں فوج بہت بڑے علاقے سے گزر چکی تھی جس کا رقبہ تین لاکھ ساٹھ ہزار مربع میل سے کم نہ تھا۔ سرزمینِ مشرق کے ان وسیع علاقوں میں آئی اونیا کا ساحل، جزیرے مصر اور لیبیا شامل کیے گئے تو اندازہ ہوا کہ مقدونیہ جیسے بارہ ملک ان علاقوں کے اندر سما سکیں گے لیکن سرویئروں کو روئے زمین پر اپنی صحیح پوزیشن کے متعلق کچھ یقین نہ تھا۔ ان کے سامنے ایسی متعارف خبریں نہ تھیں جن سے شناسائی ہو۔ البتہ میکاٹائس نے زمین کا جو نقشہ بنا رکھا تھا اس کی غلطیاں واضح ہو گئی تھیں اور سرویئر ان غلطیوں کی تصحیح کر رہے تھے۔

جو افسر باقاعدہ روزنامچے لکھ رہے تھے مثلاً لگوس کا بیٹا بطلیموس وہ بھی تشویشات میں مبتلا تھے۔ وہ کہتے تھے فوج نے نو مفتوحہ علاقے میں سرکاری جاگیریں ضبط کر لیں، دولت سمیٹ لی، جگہ جگہ کے لئے خراج مقرر کر دیئے، سڑکوں کی حفاظت کا بندوبست ہو گیا۔ بڑے بڑے شہروں اور تجارتی مرکزوں میں فوج کے دستے مقرر کر دیئے گئے۔ گویا تمام ذمہ داریاں اٹھا لی گئیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اصل مقصد کیا ہے؟ سکندر کے آدمی اگرچہ خاصے تجربہ کار تھے لیکن نظم و نسق کا کام بڑا ہی مصیبت خیز تھا۔ فوج غیر محسوس طور پر بہت بڑھ گئی تھی جن عورتوں کو بابل میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ بار برداری کی گاڑیوں میں بیٹھ کر پراسرار طریقے پر پرسی پولس پہنچ گئیں۔ تھیسالس[6] بڑا ہر دلعزیز ایکٹر تھا وہ بھی چلا آیا اور اس نے پرسی پولس کے پاس کی پہاڑی پر چاندنی راتوں میں تماشے دکھانے شروع کر دیئے۔ ملازموں کی تعداد میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ فوج کے ساتھ ساتھ پہلوان اور گوئیے ہی نہیں محبوب انگوروں کی جڑیں بھی سفر کرتی چلی آ رہی تھیں۔ مقدونیہ کے کاشتکار جہاں پہنچتے اور زمین کو نم آلود پاتے وہاں انگوروں کی جڑیں لگا دیتے حالانکہ یہ سب کچھ کسی اذن و حکم کے بغیر ہو رہا تھا۔ غرض پرسی پولس میں بھی وہ سب کچھ پیش آیا جو ممفس میں پیش آ چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فوج کے ساتھ بعض مادی متعلقات وابستہ ہیں جنہیں الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان متعلقات میں اب بہت اضافہ ہو چکا تھا۔ مثال کے طور پر روپے کو

Marfat.com

لیجئے۔ سپاہی اپنا روپیہ چھوڑنے کیلئے تیار نہ تھے۔ اگرچہ انہیں یقین دلایا جاتا تھا کہ یہ روپیہ تمہارے لئے محفوظ رہے گا۔ ایک مرتبہ کوچ کے دوران میں سکندر نے ایک شخص کو دیکھا جس نے خچر پر بھاری گٹھے لاد رکھے تھے اور خچر بوجھ کے نیچے دبا جا رہا تھا۔ سکندر نے پوچھا یہ کیا لاد رکھا ہے؟ آدمی نے جواب دیا یہ آپ کی قیمتی چیزیں ہیں۔ سکندر بولا: تم انہیں کیمپ میں پہنچا دو۔

سکندر کیمپ میں پہنچا تو گٹھے کھول کر ہر چیز اسی آدمی کے حوالے کر دی جو خچر ہانک رہا تھا۔ یعنی ذاتی طور پر سکندر کو اس نئی دولت کا قطعاً کوئی خیال نہ تھا۔ جو دولت آتی اس کے متعلق سوچے سمجھے بغیر فیصلے کرتا جاتا۔ البتہ خاص خاص لوگوں کو تحفے بھیجنے کا خیال ضرور رکھتا۔ بہرحال اتنی دولت ہاتھ آ گئی تھی کہ ہر شخص اس سے من مانا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

لوگوں نے اندازہ کر لیا کہ سکندر سے عطیات مانگے جائیں تو بہت خوش ہوتا ہے۔ ایک ایکٹر نے شام کے وقت تماشا دکھایا تو بعد میں بڑے پرتاثیر طریقے پر عرض کیا کہ مستحق تمثیل نگاروں کو رقم دی جائے۔ سکندر ہنس پڑا اور رقم دے دی۔ ایک نوجوان افسر ادائے فرائض کے سلسلے میں ہر وقت سکندر سے قریب رہتا تھا۔ اس نے کبھی کچھ نہ مانگا۔ سکندر نے ایک مرتبہ پوچھا: ''تم کیوں کچھ نہیں مانگتے؟'' افسر نے اس وقت کوئی جواب نہ دیا۔ شام کے وقت وہ گیند اچھال اچھال کر کھیل رہے تھے۔ افسر سب آدمیوں کی طرف گیند پھینکتا رہا۔ سکندر کی طرف گیند نہ پھینکی۔ جب سکندر نے پوچھا ایسا کیوں کیا تو افسر نے جواب دیا آپ نے مانگی نہ تھی۔ سکندر بے اختیار ہنس پڑا اور فوراً اسے خاصی رقم عطا کی۔

بے شک وہ روپے کے معاملے میں بے پرواہ ہو گیا تھا لیکن نظم و نسق میں ڈھیل نہ پیدا ہونے دی۔ وہ حتی الامکان فیصلے خود کرتا۔ لوگ کہتے تھے کہ مقدمات سنتے وقت وہ ایک کان پر انگلی رکھ لیتا۔ مدعا یہ ہوتا ہے کہ اسے دلیلیں نہ سننی چاہئیں۔ صرف انصاف پر نظر رکھنی چاہئے۔ ایک مرتبہ اس نے سنا ایک مقامی مجرم بھاگ کر ایک مندر میں پہنچ گیا ہے جو ایرانیوں کے نزدیک مقدس ہے۔ یونانی اسے گرفتار کرنے کیلئے جا رہے تھے۔ سکندر نے

Marfat.com

یونانیوں کو تاکید کردی کہ تم باہر ٹھہرے رہنا اور کسی تدبیر سے کام لے کر اس آدمی کو مقدس مقام سے باہر نکال لینا۔ اہلِ مقدونیہ کا خیال تھا کہ مقامی مراسم کا یہ احترام سراسر غیر ضروری ہے اور وہ وقتاً فوقتاً منشیوں اور عقاب کے پروں پر الزام دھرتے رہتے تھے۔

پر عقاب کے تھے جو مقبروں کے سنگ ہائے در پر کندہ کردیئے گئے تھے۔ مصر میں بھی ایسے ہی دیکھے گئے تھے جنہیں سورج دیوتا اور زیوس کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ بابل میں بھی یہ پر بھیانک دیوتا مردوخ کے کندھوں پر بنے ہوئے تھے۔ ایران میں یہ پر اہوار کے سر سے وابستہ تھے۔ اہوار کو دانش کا دیوتا مانا جاتا تھا اور سورج کی قوت میں بھی اسے شریک سمجھا جاتا تھا۔ اگر اہوار نے قرص خورشید میں اپنے سہارے کیلئے ایک خیالی عقاب کے پر لے لئے تھے تو یونانی سپاہیوں کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ ایرانی بادشاہوں نے کیوں سورج دیوتا اور عقاب کے پروں سے خاص انتساب پیدا کیا۔

جب اسے معلوم ہوا کہ ایران میں مندر نہیں البتہ اونچے مقامات پر پتھر کے ستون بنے ہوئے ہیں جن پر آگ جلتی رہتی ہے تو اس نے آگ کے پاس رہنے والے زرتشتیوں سے اس کا سبب پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ عقاب بہت بڑا جانور ہے جو سورج سے قریب رہتا ہے وہی انسان اور آسمان کے درمیان اتصالی کڑی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ سیمرغ عقاب کی روح ہے جو انسانوں کی امداد کیلئے پہاڑ کی چوٹیوں سے اترتی ہے۔

ان زرتشتیوں کی رائے یہ تھی کہ انسانوں کی قسمت کا فیصلہ پہلے سے نہیں ہوا اور اس کا راز ستاروں کی گردش سے معلوم نہیں کیا جا سکتا حالانکہ بابلیوں کا دعویٰ یہی تھا۔ زرتشتی کہتے تھے کہ انسانی روح کو دوام حاصل ہے۔ وہ اندھیرے سے روشنی کی طرف آنے کیلئے جدوجہد کرتی رہتی ہے۔ جب وہ شر کے تصرف میں آجاتی ہے تو اپنی قوت کھو بیٹھتی ہے۔ خیر کی طرف پیش قدمی کرتی ہے تو اس کی قوت عود کر آتی ہے۔ سامیوں کے ایہوا یا دانشمند بابل کے بیل کے خلاف زرتشتیوں کے اہورا کو جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ صرف شر کے خلاف جدوجہد میں الجھا ہوا تھا۔ اس اعتبار سے اہورا یونانیوں کے بڑے دیوتا زیوس سے مختلف

Marfat.com

تھا۔ سپاہیوں نے زرتشتیوں کے متعلق کہا کہ آسمان اس کا زیوں ہے۔

زرتشتیوں میں ایک افسانہ چلا آتا تھا کہ آسمان سے ایک دیوی زمین پر اتری۔ اس کا نام متھرا تھا۔ وہ اعتدال شتائی کی ایک رات میں ایک غار کے اندر پیدا ہوئی جو ثور اور جوزا کے درمیان واقع تھی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب رات کے وقت آسمان پر سنبلہ کا طلوع ہو رہا تھا۔ بالکل اسی طرح دیوتی سوس دیوتا پیدا ہوا تھا گویا متھرا دیوتی سوس کی توام تھی۔ سکندر کو ایسا معلوم ہوا کہ ایران کے زرتشتیوں نے بھی اس سرچشمے سے علم حاصل کیا جس سے قدیم یونانیوں نے حاصل کیا تھا۔ یونانی انہیں مجوسی یا جادوگر کہتے تھے۔ غرض دیوتاؤں کے سلسلے میں صرف ناموں کا فرق تھا۔ سکندر کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایرانیوں کی قدیم کتاب ژند کا اسلوب یونان سے مشابہ ہے اور شہنشاہانِ ایران کا خاندان ہخامنشی تھا نہ کہ ایکائی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمانہ قدیم میں یونانیوں اور ایرانیوں کے درمیان ایک رشتہ تھا لیکن سوال یہ تھا کہ ایرانی کہاں سے آئے۔

زرتشتی کہتے تھے کہ شمال مشرق کی سمت سے آئے۔ ان کا پہلا وطن ایران تھا جس کی حیثیت فردوس کی تھی وہ اب فردوسِ گم شدہ ہے۔ یہاں سے بہت دور برفانی علاقوں میں وہ رہتے تھے اور الوہی طاقتوں سے انہیں بہت قرب حاصل تھا۔ وہاں سے نکلے تو وہ گھوڑے پالتے تھے اور گھوڑوں ہی پر سوار ہوتے تھے۔ اس قدیم نسل کا نام انہوں نے نسائی رکھا تھا۔ نیز وہ دھاتوں سے کام لیتے تھے۔ یہ قدیم ایرانی قبائل اپنے گم شدہ فردوس سے نکلے تو سغد باختر اور پارتھیا میں سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے اور زمین بند سمندر کے ارگرد آباد ہوئے ان میں سے ایک قبیلے کا نام پارسا تھا جس خطے میں وہ آباد ہوئے اس کا نام پارس رکھا تھا۔ وہاں سطح مرتفع پر بڑی اچھی گھاس پیدا ہوتی تھی۔ اس میں وہ گھوڑوں کے گلے چراتے تھے۔ اس پارسی قبیلے کی قیادت کا منصب ہخامنشی قبیلے کو حاصل تھا۔

ہخامنشی قبیلے میں سے ممتاز ترین حیثیت کوروش کو حاصل ہوئی جسے یونانی سائرس کہتے ہیں۔ اس نے پہاڑی علاقے کے مادیوں پر غلبہ پایا اور اپنے سواروں کے ساتھ فتح

Marfat.com

کے پھریرے اڑاتا ہوا مغربی سمت میں بحیرۂ روم تک چلا گیا۔ صرف دو صدی پیشتر کوروش سمندر پر حکمران تھا۔ اس نے اپنے ماتحت تمام قوموں کو متحد کر لیا تھا۔ بحیرۂ روم کے ساحل پر لیڈیا کے بادشاہ کروسس نے جو سونا جمع کر رکھا تھا کوروش نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اپنے اسپ سواروں اور شتر سواروں کے ساتھ لیڈیا کو پامال کر ڈالا۔

کوروش یونانی شہریوں کے طور طریقوں کی ہنسی اڑاتا تھا۔ اس نے کہا یہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں جس کا نام انہوں نے منڈی رکھ چھوڑا ہے۔ وہاں سے خوراک لیتے ہیں ان کا کام یہ ہے کہ بخشیں کریں اور جو کچھ کھاتے ہیں اس کی قیمت دیں۔ یون قوم میں خوراک دی جاتی ہے فروخت نہیں کی جاتی۔ اس کوروش کا مقبرہ پہاڑیوں کے اندر برہنہ درختوں کے نیچے ایک چھوٹی سی ندی پر ہے۔ یہ بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر ہوا تھا۔ سورج کی حدت میں جلتے رہنے اور کہنہ و بوسیدہ ہونے سے اس نے سنہری رنگ اختیار کر لیا ہے۔

کوروش کے لئے سکندر کے دل میں احترام پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ کوروش کی قبر دیکھنے کیلئے گیا۔ یہ قبر ایک چبوترے پر واقع تھی۔ سکندر اس چبوترے پر چڑھ کر سب سے اونچے درجے پر بیٹھ گیا۔ تابوت والا کمرہ اس کے پاس تھا اور اس کی چھت مخروطی تھی۔ وہاں بیٹھ کر ادھر ادھر ایوان دیکھنے لگا تو اسے کھیتوں کے پار وسیع زینے نظر آئے جو کوروش اول کے تعمیر کئے ہوئے اور متعلقہ عمارتوں تک جاتے تھے۔ اس مقام کا نام پارساگرد[8] رکھا گیا تھا۔

سکندر پارساگرد بھی گیا لیکن وہاں کوئی متنفس موجود نہ تھا جس جگہ ایوان تعمیر ہوا تھا وہ پہاڑ کے پہلو میں تھا اور اسے خوب ہموار کر لیا گیا تھا۔ وہاں دفاعی استحکامات کوئی نہ تھے۔ چوڑے زینے سے اوپر چڑھتے ہوئے آدمی سائے میں پہنچ جاتا ہے وہاں پہ کھیتوں کا منظر بڑا اچھا تھا جو سرسبز ہو رہے تھے۔ گھوڑوں کی پرورش کیلئے یہ خطہ بہت موزوں تھا۔ صرف چند زرتشتی اس کوروش کی قبر پر موجود تھے جس نے اپنے ماتحت مغربی ایشیا کو یکجا کر لیا تھا۔ لوگ متحد ہو گئے تھے لیکن کوروش نے انہیں پوری آزادی دے رکھی تھی۔ سکندر نے زرتشتیوں ز

Marfat.com

تاکید کردی کہ قبر پر پہرہ دیتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اس کی بے حرمتی کا مرتکب ہو۔ سکندر کو محسوس ہو رہا تھا۔ چرنے والے گلوں کے درمیان سفید رنگ کے اس تنہا مقبرے کی تعمیر میں کوئی خاص راز ہے۔ یہ راز اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا لیکن اس کا دل اسے محسوس کر رہا تھا۔

پرسی پولس واپس ہوتے ہوئے جہاں سڑک مڑی تھی وہاں سکندر نے دوسرے ہخامنشی حکمرانوں کے مقبرے دیکھے جو چٹانیں کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ مثلاً وزرائے اعظم اور رہا سیورس کے مقبرے آخر الذکر کو یونانی زرکسیز کہتے ہیں ان سب کے مقبروں کے دروازے پر عقاب کے پروں اور قرص خورشید کی تصویریں بنی ہوئی تھیں لیکن پاس کوئی شہر آباد نہ تھا۔ البتہ ایک جگہ آگ جل رہی تھی۔

سکندر کو یقین ہو گیا کہ پرسی پولس بھی ایک شہر کی حیثیت میں آباد نہ کیا گیا تھا بلکہ ایک محل تھا جس کے گرد متعلقہ خدام کی عمارتیں بن گئیں۔ ستون ایسے نظر آتے تھے جیسے جنگل میں درخت ہوں۔ ان پر سائبان سے کھڑے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہاں نوردنے رات بھر کے بسیرے کیلئے خیمہ نصب کر لیا ہے۔ شروع میں ہخامنشی اس محل میں رہتے تھے لیکن جب ان کی حکومت کا دائرہ بہت پھیل گیا تو نظم و نسق کے تقاضے انہیں کھینچ کھینچ کر باہر لے جاتے رہے اور شاذ ہی انہیں اپنے اس اصلی وطن میں آنے کی مہلت ملتی تھی۔ وہ دنیا کی پہلی عظیم الشان سلطنت کے شہنشاہ تھے۔ زرتشتی بتاتے تھے کہ دو صدیوں تک اس مقام کے آس پاس کبھی کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ اس لحاظ سے ہخامنشیوں نے اپنے وطن کو قدیم آریاؤں کے ایران کی حیثیت دے دی تھی۔

سکندر کا خیال تھا کہ ایران یعنی گم شدہ مقام مقدس مشرقی سمت میں پارتھیا، باختر اور سغد سے آگے برفستانوں کے قریب ہوگا۔ یونانیوں کے علم میں وہ مقام نہ آیا تھا۔ سکندر کو اس کا راستہ بھی یاد تھا اور وہ ایسی تمام چیزوں کو خوب یاد رکھتا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق مشرقی سمت کے آخری گوشے میں دیوتاؤں کا وطن تھا۔ بہت سی باتیں اس کی سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ لہٰذا اس نے ارسطو کو لکھا کہ خود نہ آسکو تو اپنے کسی شاگرد کو اس نئے خطے میں بھیج دو۔ ارسطو خود تو نہ آیا مگر اپنے بھتیجے کیلستھینز[9] کو بھیج دیا۔

Marfat.com

پہاڑوں پر برف پگھل گئی تو 330 ق م کے موسم بہار میں مقدونیہ کی فوج نے ازسرنو ایران کے شہنشاہ دارا کا تعاقب شروع کیا۔ وہ پہلے ان چٹانوں کے پاس سے گزرے جن میں سکندر نے مقبرے دیکھے تھے پھر شمالی و مغربی سمت میں اونچے پہاڑوں پر چڑھے اور اتنی بلندی پر پہنچ گئے جتنی بلندی پر بادل چلے جاتے ہیں۔ وہاں گھوڑوں کے چرنے کیلئے تازہ گھاس تھی۔ پس سمجھنا چاہئے کہ وہ لوگ موسم خزانہ میں جس راستے سے آئے تھے اسے ایک حد تک دوبارہ طے کیا۔ البتہ وہ زردہ کوہ کی مشرقی سمت میں رہے اور وہاں جو قبیلے رہتے تھے ان سے غذائی اجناس بہ افراط ملتی رہیں۔ سکندر نے چلتے چلتے ان پہاڑی علاقوں کے نظم و نسق کا بندوبست بھی کر دیا۔ پر فوج نے رفتار تیز کر دی اور وہ اس وادی میں چلی گئی جو ایکبتانہ جاتی تھی۔ پرسی پولس سے فاصلہ قریباً چھ سو میل ہوگا۔

ایکبتانہ کے پاس پہنچے تو مقدونیوں کو صورتحال بدلتی ہوئی نظر آئی۔ جو جنگجو قبیلے مقدونیہ کی قوت کے کرشمے گاگامیلہ میں دیکھ چکے تھے۔ وہ دارا کی حمایت کے لئے دوبارہ اٹھنے پر مائل نہ تھے۔ اس کے برعکس مادی اور کرد قبیلے شرائطِ مصالحت طے کرنے کیلئے سکندر کے پاس پہنچ گئے چنانچہ مقدونوی بڑے اطمینان سے ایکبتانہ میں داخل ہو گئے اور ان کے سپہ سالار نے سلطنتِ ایران کے نصف مغربی حصے کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ ایکبتانہ ایرانیوں کے چار دارالحکومتوں میں سے آخری تھا۔

دارا مقدونویوں کی پیش قدمی کی خبر ملتے ہی پھر بھاگ نکلا تھا۔ اب اس کے ساتھ دو ہزار تنخواہ دار یونانیوں اور معمولی سواروں کے سوا کوئی جمعیت نہ تھی۔ وہ ایران کی سطح مرتفع سے گزرتا ہوا مشرق کی سمت چلا گیا تاکہ اپنی جان بچا سکے اور ممکن ہو تو نئی فوج بھرتی کر سکے۔ ایکبتانہ سے دارا کے تعاقب کی آخری منزل شروع ہوئی۔ سکندر مشرق کی جانب روانہ ہوا تو اس کے ساتھ تھوڑی سی فوج تھی۔ یعنی رسالہ خاص، مقدونوی پیادے، تیرانداز اور سوار نیزا گریانی۔

یہاں سے تعاقب جفاکشی و تیز رفتار کا معیار امتحان بن گیا۔ ایکبتانہ کے پہاڑی علاقے سے اترنے کے بعد سکندر گیارہ دن میں تین سو میل نکل گیا۔ جو مجوسی ساتھ تھے وہ رستہ بتا رہے

Marfat.com

تھے کہ اب وہ اسی راستے پر جا رہا ہے جس سے ایرانی زمانہ قدیم میں اپنے وطن سے نکل کر ایران پہنچے تھے۔ شمالی سمت میں انہیں وہ پہاڑ نظر آیا جسے مجوسی کوہِ ارزق (وماوند) کہتے تھے۔ اس کی چوٹی برف پوش تھی، نیز ہوا نے چوٹی سے کچھ برف اڑائی جو فضا میں ناپید ہو گئی۔

دماند کے پاس قدیم شہر کی فصیل کے اندر سکندر نے قیام کیا، اسے اطلاع ملی کہ دارا کئی روز پیشتر وہاں سے گزر چکا ہے۔ وہ اس گھاٹی سے گزرا تھا جسے باب قزوین[10] کہتے ہیں۔ کوئی نس کو پہلے ہی سے روانہ کر دیا گیا کہ رسد کا انتظام کرے۔ سکندر ان دستوں کا انتظار کرتا رہا جو پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کے پہنچنے اور کوئی نس کے واپس آنے سے پیشتر نئی اطلاع ملی اور وہ یہ کہ دارا کو اس کے ایک ماتحت حاکم نے گرفتار کر لیا ہے۔ سکندر نے یہ سنتے ہی رسالے اور قوی الجثہ پیادہ دستوں کو ساتھ لیا اور دو روز کا راتب لے کر تیزی سے روانہ ہوا۔ کوئیرس کو رے میں چھوڑ گیا تا کہ سلسلہ روابط قائم رکھے۔

تعاقب کرنے والی فوج رات بھر چلتی رہی۔ طلوعِ آفتاب کے بعد باب قزوین کی سیاہ دیواروں سے گزر گئی۔ دوپہر کے وقت ایک ندی پر قیام کیا کہ آدمی ستالیں اور چند گھنٹے سو لیں۔ وہ رات بھر چلتے رہے تھے۔ آدمی تھک گئے۔ بعض گھوڑے تکان کے باعث گر کر مر چکے تھے۔ اس طرح وہ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں ڈیڑھ دن پیشتر ایرانی شہنشاہ نے قیام کیا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی اطلاع ملی کہ حاکم نے مقابلہ کرنے والی فوج کی کمان سنبھال لی ہے اور اس کا قصد یہ ہے کہ شہنشاہ کے ساتھ مشرقی سمت ہٹ جائے اور باختر پہنچ کر نئی فوج تیار کرے۔

سکندر تین چار گھنٹے سو چکنے کے بعد پھر روانہ ہوا۔ ایک دن اور ایک رات کہیں نہ ٹھہرا۔ یوں ہی بجلی کی رفتار سے چلتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں مفرورین بیس گھنٹے پیشتر موجود تھے۔ اب تک وہ اس راستے پر چلے جا رہے تھے جس سے تجارتی قافلے جاتے آتے تھے۔ یہ دامنِ کوہ کے ساتھ ساتھ جاتا تھا۔ صحرا ان کے دائیں ہاتھ تھا۔ اب سکندر کو معلوم ہوا کہ ایک راستہ سیدھا صحرا میں سے جاتا ہے جو قریب تر ہے، البتہ اس میں پانی نہیں ملتا۔ جو فوجی اس کے ساتھ تھے انہیں خوب دیکھا۔ پانسو سوار بالکل تھکے ہوئے تھے انہیں گھوڑوں سے

Marfat.com

اتار دیا اور ان کی جگہ قوی پیادوں کو سوار کر لیا۔ باقی سب کو وہیں چھوڑا اور چاند کی رات میں صحرا کا راستہ اختیار کر لیا۔

اب ٹھہرنے کا سوال خارج از بحث تھا۔ دن کے سفر میں جیش کے اندر کمی ہونے لگی۔ دوپہر کی تیز دھوپ میں وہ سکندر کے ساتھ بندھے جا رہے تھے۔ پانی ان کے پاس باقی نہ رہا تھا۔ بعض طلایہ گرد سوار چمڑے کے کسی مشکیزے یا اپنے خود میں چٹانوں سے پانی تلاش کر کے لائے اور سکندر کی خدمت میں پیش کیا۔

سکندر نے پوچھا: ''یہ تم کس کیلئے لائے؟''

آدمی: ''آپ کیلئے۔''

سکندر کے آس پاس سینکڑوں آدمی کھڑے تھے اور ان کی نظریں پانی پر جمی ہوئی تھیں۔ کسی نے کچھ نہ کہا۔ سکندر نے پانی ریت پر گرا دیا اور کہا: ''تنہا ایک آدمی کا پانی پی جانا قطعاً مناسب نہیں۔''

عصر کے وقت انہیں دو پہاڑوں کے پاس سڑک پر گرد و غبار اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ مفرورین کا نشان تھا۔ صحرائی سفر میں سینتالیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ فوجی اس حالت میں نہ تھے کہ لڑائی شروع کر سکیں لیکن سکندر انہیں آگے بڑھاتا گیا۔ یہاں تک کہ مفرورین کے پسماندہ آدمیوں اور چھوڑی ہوئی گاڑیوں سے بھی وہ آگے نکل گئے۔ (تنخواہ دار یونانی اس سے پیشتر ہی دارا کا ساتھ چھوڑ کر ادھر ادھر کے پہاڑوں میں جا چھپے تھے)۔ حاکم بچ کر نکلا اور ایک ندی میں جا چھپا۔ جو آدمی میدان میں رہ گئے تھے وہ اتنے تھکے ماندے تھے کہ چنداں مزاحمت نہ کر سکے اور جیسے ہی مقدونوی ان کے پاس پہنچے وہ زمین پر گر گئے یعنی اطاعت قبول کر لی لیکن دارا کا کوئی سراغ نہ تھا۔ ایک گاڑی کو دو خچر کھینچ رہے تھے۔ بظاہر اس میں کوئی سوار نہ تھا۔ پیاسے جانوروں کو پانی کی خوشبو آ گئی تھی۔ اور وہ چشمے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دن نکلنے سے پیشتر اسی گاڑی میں دارا کی لاش ملی۔ اسے خود اس کے افسروں نے قتل کر دیا تھا۔ سکندر نے اپنا سفید لبادہ مقتول شہنشاہ کی لاش پر ڈال دیا۔[11]

○

Marfat.com

چودہواں باب

عقاب، آفتاب اور سلطنت

اپنے ایک ملازم کے خنجر سے دارا کی یہ ذلت خیز موت چنداں اہم نہ تھی۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ یہ شخص شہنشاہی کا تاج اور دوشالہ پہنے ہوئے تھا اور اب اس کی قیادت ختم ہو چکی تھی۔ یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ دارا نے خود اپنے پیشرو کو قتل کر کے تخت سنبھالا تھا جو ہخامنشی خاندان کا آخری فرد تھا۔ پرسی پولس پہنچنے کے وقت سے سکندر کو مقدونیہ کی مغربی سرزمینوں پر اقتدار حاصل ہو چکا تھا اور ایکبتانہ میں داخل ہوتے ہی اس نے فرمانروائی کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔

ایکبتانہ طبعی اور مادی لحاظ سے سکندر کے نزدیک زیادہ موزوں تھا۔ اس کے اردگرد سات فصیلیں تھیں جو شاہراہ سے شروع ہو کر اندر تک جاتی تھیں اور ساتوں کے رنگ الگ الگ تھے۔ بالا حصار پر سنہری رنگ پھرا ہوا تھا اور وہ خوب چمکتا تھا۔ اس کی ہوا ویسی ہی خنک تھی جیسی کہ پیلا کی تھی اور اس کا طرزِ تعمیر یونانیوں کے فنِ تعمیر سے مشابہ تھا۔ سکندر نے دیکھا تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ ایتھنز تباہی کی آغوش سے اٹھ کر از سرِ نو کھڑا ہو گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ایکبتانہ کے پاس سے بلند پہاڑوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوتا تھا جس کے سامنے یونان کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بالکل بے حقیقت نظر آتی تھیں۔ شمالی سمت میں ارارات پہاڑ موجود تھا جو نظر نہ آتا تھا۔ تاہم اس کی چوٹیاں برف پوش تھیں۔ ارارات کی جانب سے آرمن آئے اور انہوں نے سکندر کو بتایا کہ ہمارے پہاڑوں میں اتنی بڑی جھیلیں

Marfat.com

موجود ہیں جو زمین بند سمندروں سے مشابہ ہیں۔ نیز کانیں ہیں جن سے اب تک دھاتیں نہیں نکالی گئیں۔ یہ آرمن ان پرجلال شہنشاہوں کی اطاعت قبول کر چکے تھے جن کے عہدِ حکومت لڑائیوں سے بالکل پاک رہے۔ وہ لڑائیوں کو بالکل پسند بھی نہیں کرتے تھے۔ یہ زرتشت کے امن پسندانہ طرزِ عمل کا نتیجہ تھا جو ان جھیلوں کے پاس ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتا تھا۔ یہ پہاڑی لوگ یعنی ارمن اور کرد قبیلے زرتشت کا مذہب قبول کر چکے تھے اور انہوں نے بلندترین مقامات پر آتش کدے تعمیر کر رکھے تھے۔

یقین ہے کہ ان حالات نے سکندر کے ذہن میں میزا کے اندر پڑھے ہوئے سبق تازہ کر دیے ہوں گے۔ ارسطو اوہام پرستی کا دشمن تھا۔ وہ کہتا تھا کہ انسانوں کے مختلف گروہ اپنے آپ کو ماحول کے مطابق بنا لیتے ہیں اور اسی جدوجہد میں ان کی روح اعلیٰ مدارج طے کر لیتی ہے۔ ان زرتشتیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ اس جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں وہ کسی دیوتا کی مورتی کے سامنے نہیں جھکتے۔ یہ آریائی جب معمولی چیزوں یعنی آگ، پانی اور زندگی کے متعلق بھی بات کرتے تو سکندر ان کے مطالب سے آگاہ ہو جاتا اس لئے کہ ان کے الفاظ سے یونانی روشناس تھے۔ ان لوگوں کی لوک کہانیوں میں یہ ذکر بھی موجود تھا کہ کوہستان ارارٹ کے اردگرد ایک بہت بڑا طوفان آیا اور یہ لوگ اس میں بچے رہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ایک دمدار تارا کسی وقت زمین سے ٹکرائے گا اور آگ کا طوفان ہر طرف پھیل جائے گا۔ یہ اس میں محفوظ رہیں گے۔ کچھ بہ اطمینان دائمی بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔

انہوں نے سکندر کو ایک ایسی جگہ دکھائی جہاں ہمیشہ آگ جلتی رہتی تھی۔ زمین کے شگافوں سے سیاہ رنگ کا ایک سیال مادہ ابل رہا تھا اور پانی کی طرح بہہ کر ایک چشمے میں جا گرتا تھا جہاں مسلسل آگ شعلہ زن رہتی۔ وہ کہتے تھے کہ چٹانوں کے درمیان ایسی آگ چمکتی ہے اور اس میں سے دھواں نکلتا ہے۔ مقدونوی سائنس دانوں کا خیال یہ تھا کہ یہ ایک نیا عنصر دریافت ہوا ہے۔ نفط اور رال دونوں سے مشابہ تھا۔ اگر جلتی ہوئی مشعل اس کے

Marfat.com

قریب لاتے تو اس میں فوراً ہی اشتعال پیدا ہوتا۔ بھاپ اور سیال کے اس آتش گیر مرکب سے اہلِ مقدونیہ نے جو تجربات کئے وہ پٹرول کے امتحان کے دنیا میں پہلے ریکارڈ تھے:

"بربریوں نے اس مادے کی قوت کا تماشا دکھانے کی تدبیر یہ سوچی کہ سکندر کی قیام گاہ کے سامنے جو بازار تھا اس میں یہ سیال مادہ چھڑک دیا رات ہوئی تو وہ بازار کے آخری حصے میں مشعلیں لے کر کھڑے ہو گئے۔ نم آلود زمین سے مشعل چھوئی تو پورے بازار میں اتنی تیزی سے شعلے بھڑک اٹھے کہ انسانوں کے خیال میں یہ بات نہ آ سکتی تھی۔ فوراً پورا بازار آتش زار بن گیا۔"

ایک اور تجربہ کیا گیا۔ ایک یونانی نے کہا اس عجائب خیز شعلے کو میں قابو میں لا سکتا ہوں اور مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس نے اپنے جسم پر اس سیال مادے کی مالش کر لی اور ساتھیوں سے کہا کہ اب آگ میرے پاس لاؤ اس تجربے کا انجام قطعاً خوشگوار نہ ہوا۔ جب جسم جل اٹھا تو اس پر پے در پے پانی ڈالا گیا۔ آگ بجھنے تک اس بچارے کے جسم کا خاصا حصہ جل چکا تھا۔ دیاوس اور دوسرے انجینئر اس نئی قوت کے عجائبات سے مسحور ہو گئے۔

سکندر کو پرسی پولس میں ایک حد تک اور ایکبتانہ میں واضح طور پر کوروش کے جانشین ہخامنشی کی حکمرانی میں مختلف قسم کی ایک نئی قوت نظر آئی۔ اب اس کے دل میں ہخامنشیوں کا احترام پیدا ہو چکا تھا۔ اس نے دیکھ کہ مقدونیوں کی طرح کوروش کے ایرانی بھی گھوڑے کی سواری کو پسند کرتے تھے اور آزادی سے انہیں محبت تھی۔ وہ اکھڑ سے لوگ تھے۔ ان کی عورتیں باہر پھرتیں اور برسرِ عام تمام کام انجام دیتیں لیکن ان شہنشاہوں نے وہ کام انجام دیا جو ان سے پہلے کبھی انجام نہ پایا تھا۔ ان میں حکمرانی کا خاص جوہر تھا اور اپنی سلطنت میں انہوں نے اقوام کی ایک دولتِ متحدہ قائم کر لی۔

سکندر کو ایرانیوں، کردوں، ارمنوں اور مجوسیوں نے بتایا کہ ہخامنشیوں سے پیشتر حکمرانی کے طور طریقے کیا تھے۔ مثلاً بابلیوں نے ایک شہری ریاست قائم کی۔ یہ بہت عظیم الشان تھی لیکن دراصل ایک شہر تمام شہروں پر حکومت کرتا تھا۔ اشوریوں نے مختلف قوموں کو

Marfat.com

فتح کرلیا اور سب کو اشوری سلطنت کی رعایا بنالیا۔ ان کے برعکس ایرانی ہخامنشیوں نے دوسری قوموں پر حکمرانی اانتظام ضرور کیا تاہم ان کو قوموں کی حیثیت میں محفوظ رکھا۔ گویا انہوں نے ''اجزاء'' کو محفوظ رکھتے ہوئے ایک ''کل'' تیار کرلیا۔

ہر حصے کے لئے ایک گورنر مقرر تھا۔ انہوں نے نہروں کے ذریعے سے دریاؤں کو سمندروں کے ساتھ ملایا۔ شہروں کو سمندروں سے قریب تر لانے کیلئے سڑکیں تعمیر کردیں۔ ان ہی سڑکوں پر سے طارس کی کانوں سے چاندی لاتے تاکہ پرسی پولس کے محلات کی چھتیں بنائیں۔ عرب سے خوشبوئیں آئیں تاکہ کمروں کی فضا معطر رہے۔ ان شہنشاہوں نے جو واقعی روئے زمین کے فرمانروا تھے اپنی سلطنت میں ہخامنشی امن کا قانون جاری کیا۔ انہوں نے پہلے عالی شان سوار تیر اندازوں سے کام لے کر سب کو دائرہ امن میں داخل کیا جو درہ دانیال سے شروع ہو کر مشرق میں دریائے سندھ تک پھیلا ہوا تھا۔

نظر بظاہر کورش کے زمانے سے آخری دارا کے زمانے تک ہخامنشیوں کی حیثیت میں تبدیلی آچکی تھی لیکن مشرق کے دانشمند لوگ اطمینان بخش طریق پر بتا نہ سکتے تھے کہ تبدیلی کیا تھی؟ مثال کے طور پر کورش نے ابتداء میں بابل کے مندروں پر کوئی توجہ نہ کی تھی لیکن جب اسے بابلیوں کا عقیدہ معلوم ہوا کہ بادشاہ ان کے دیوتا مردوخ کی قوت سے حکمرانی کرتا ہے تو اس نے مردوخ کے مندر کو بند کردینے کا حکم دے دیا۔ اسی طرح دارائے اول نے مصر میں آمن رع کے مندر بند کرادیئے تھے۔

تدریجاً ہخامنشیوں اور ایرانیوں میں تبدیلی آتی گئی۔ شروع میں وہ حکمرانی کے فرائض انجام دینے کیلئے ضرورت کے مطابق شہر بہ شہر جاتے تھے۔ جب حکومت کا دائرہ بہت پھیل گیا تو جگہ جگہ دورے کا طریقہ چھوڑ دیا۔ ان کے پاس بہت دولت جمع ہوگئی اور وہ اپنی حفاظت کیلئے اس محافظ فوج پر انحصار کرنے لگے جس کا نام ''غیر فانی'' رکھا گیا۔ ضرورت پڑتی تو امراء سے روپے وصول کرلیتے انہیں تنخواہ دار یونانی فوجیوں یا فونیقی بیڑوں سے کام لینے میں بہت سہولت نظر آئی۔ ابتدائی شہنشاہ اپنے کل کی تمام قوموں کا انتظام خود کرتے

Marfat.com

تھے۔ بعد کے شہنشاہوں کا طریقہ یہ نہ رہا بے شک مختلف قومیں ان کی حمایت کرتی تھیں لیکن خود ان کی حیثیت کٹھ پتلیوں کی سی تھی جن کے گرد وپیش سازشوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ البتہ کورش نے جو نظام قائم کر دیا تھا وہ بدستور باقی رہا۔ اس لئے کہ اندرونِ ملک میں امن قائم تھا۔ مقدونیوں کی آمد تک کسی قوم کو ان شہنشاہوں کے مقابلے پر کھڑے ہونے کا حوصلہ نہ ہوا۔

سکندر نے ایکبتانہ کے پہاڑوں میں کورش کے نظام پر غور کیا تو اپنی زود فہمی سے اس کی انتہائی اہمیت کا اندازہ کر لیا۔ اس نے سوچا کہ مختلف قوموں کی یہ متحدہ دولت جو ایک مرتبہ کامیاب ہو چکی ہے مغربی دنیا کی تمام قوموں کو شامل کر کے بدستور جاری رکھی جا سکتی ہے۔ اس کے سامنے اس نظام کو چلانے کیلئے صوبے داروں اور مشیروں کا پرانا طریقہ موجود تھا۔ اس نے صرف ایک تبدیلی کی اور وہ یہ کہ سیاسی نظم ونسق میں صوبے داروں کے اختیارات محدود کر دیئے اور بیت المال کیلئے جگہ جگہ مستقل عمارت تعمیر کر دی۔ اس نے ہرپالوس کو ایکبتانہ بلایا اور وہاں پارمینیو کی سرکردگی میں زبردست لشکر متعین کر دیا (ہرپالوس بیماری کی حالت میں آیا تو ان تمام پودوں کی قلمیں اور بیج اپنے ساتھ لایا جو مقدونیہ میں پیدا ہوتے تھے۔ صرف عشق پیچاں مشرقی زمین میں فروغ نہ پا سکا)۔

سکندر نے امن ونظم کی نگرانی کا کام سال خوردہ مقدونوی فوجیوں کو سونپنے کا نظام تیار کر لیا تھا۔ سڑکوں کی پیمائش ہو چکی تھیں مختلف علاقوں کے ابتدائی نقشے بن چکے تھے۔ نیارکس نے ساحلی علاقوں کے خاکے بنا لئے۔ اس دولتِ متحدہ میں ایتھنز سپارٹا سے الگ رہ سکتا تھا۔ اور سپارٹا میں زندگی کے جو عجیب وغریب طریقے رائج تھے ان میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کل کی حکمرانی میں شاید یونانیوں کی تباہی خیز گروہ بندی بھی ختم کی جا سکتی تھی۔ اس لئے کہ وہ بے سود رہ جاتی تھی۔ وہ سوچتا تھا کہ آہستہ آہستہ خانہ جنگیوں کی وبا بھی ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ سب پر ایسی جنگوں کی بے منفعتی واضح ہو جائے گی۔ البتہ یہ بتانا مشکل ہے کہ اس منصوبے میں سکندر کی اپنی عقل ودانش کا کتنا حصہ تھا۔ اور کورش کے

Marfat.com

ابتدائی نظامِ حکومت کے بارے میں بات چیت سے اس نے کیا حاصل کیا۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے ایک عالمی سلطنت کے امکان کا تصور قائم کرلیا۔ جو تمام انسانوں کی کائنات پر مشتمل ہوتی۔ اس میں عورتیں بھی شریک کی جاسکتی تھیں اور تمام حصوں کی آزادی کے درمیان توازن قائم رکھا جاسکتا تھا۔ یوں ربع مسکوں کو ایک کل کی شکل دی جاسکتی تھی۔

اہلِ مقدونیہ زمان و مکان کے متعلق اپنے تصورات میں ترمیم کرچکے تھے۔ یہاں پیغامات تیزی سے جابجا پہنچانے کیلئے یہ دستور قائم تھا کہ راستے کے مختلف مقامات پر تازہ دم گھوڑے موجود رہتے اور قاصد ہر مقام سے نئے گھوڑے پر سوار ہوجاتے۔ مقدونوی شاہراہ کی طرح یہاں بھی ایک سرحد سے دوسری سرحد تک سڑکیں موجود تھیں اور ان کی دیکھ بھال کا انتظام بخوبی ہوتا تھا۔ ان میں ایسی سڑکیں بھی تھیں جو اندرونِ ملک کے سمندر کے دروازوں تک جاتیں تاکہ بحری تجارت کا سلسلہ جاری رہے۔ صحرائی علاقوں میں سے بھی گزر کے انتظامات کئے گئے تھے۔ (مقدونیہ کی سڑکیں بہت معمولی حالت میں تھیں۔ وہ دراصل گاڑیاں چلنے کے راستے تھے جو چکر کھاتے ہوئے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے۔ دیہاتیوں نے خود یہ راستے بنالئے تھے اور وہی ان سے کام لیتے۔ سرزمینِ مشرق میں اہلِ مقدونیہ نے گزشتہ آٹھ مہینے میں اتنا راستہ طے کیا تھا جو ان کی وطن کی چوڑائی سے دس گنا تھا)۔

سکندر کے قبضے میں اب جو کچھ آیا تھا وہ کورش کے قبضے میں کبھی نہ آیا یعنی سمندروں کا کنٹرول اور جہاز رانی...... سمندروں سے مراد بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم ہیں۔ سکندر اپنے ساتھ جہاز رانی کے تمام فنی اوزار لے کر آیا تھا تاکہ ان سمندروں میں جہاز چلانے کا بندوبست کرے جس میں پہلے جہاز نہ چلتے تھے۔ اس کے ساتھ جہاز ساز تھے۔ ملاح تھے اور جہاز راں۔ اس کی آرزو تھی کہ ان غیر معلوم سمندروں کے کنارے جلد سے جلد پہنچ جائے۔ قوموں کے درمیان مخابرت کا ذریعہ اس کے پاس موجود تھا یعنی یونانی زبان......

Marfat.com

جس نے ہمہ گیر تجارت کے سلسلے میں ایک ملی جلی زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور وہ بابل تک تمام علاقوں میں سمجھی جاتی تھی۔ بابل سے مشرقی جانب ایرانی زبان سرکاری دفتروں، عدالتوں اور تجارتی مرکزوں میں ذریعہ مخابرت بن سکتی تھی۔ فوج کے ساتھ جو اہلِ علم آئے تھے انہوں نے دونوں زبانوں میں مشابہت معلوم کر لی تھی۔ بڑے بڑے مقدونوی افسر بات چیت میں یونانی زبان ہی استعمال کرتے تھے لیکن نوجوان افسروں نے بہت جلد فارسی زبان سیکھ لی تھی۔ وہ اوستاؤں کا مطالعہ بھی کر سکتے تھے۔ جو ژند کے مقدس خط میں لکھی ہوئی تھی یعنی قدیم فارسی زبان میں۔ اوستاؤں کا بیان یہ تھا کہ خیر اور شر، نیکی اور بدی کی دو قوتوں کے درمیان ایک ہمہ گیر کشمکش جاری ہے جس میں ہر فرد اپنے نجات کے لئے جدوجہد کر رہا ہے۔

ایکبتانہ میں سکندر کے پاس تھوڑے سے دانشمند لوگ موجود تھے جو نیا نظامِ حکومت تخلیق کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ یونانی اہلِ علم نے اب کلدانیہ کے ریاضی دانوں اور مجوسیوں کے موبدوں سے مشورے شروع کیے۔ ان اہلِ مشرق کو اتنا وسیع علم حاصل تھا کہ فلسفی یونانی بھی ان کے سامنے کم حیثیت نظر آنے لگے۔ اس میں شبہ نہیں کہ علم و دانش کے نئے معیار کے مطابق وہ واقعی کم حیثیت تھے لیکن وہ اس اعتراف کیلئے تیار نہ تھے۔ ایکبتانہ میں سکندر نے پہلی مرتبہ مشرقیوں کو اجازت دی کہ اسے شہنشاہ بہت سے بادشاہوں اور روئے زمین کا فرمانروا قرار دیں۔ کسی نے اسے بتایا کہ ایکبتانہ سے تھوڑے فاصلے پر یہ خطاب دارائے اول نے ژند کی عالم گیر زبان میں بے ستون پر کندہ کرا رکھا ہے۔

بطلیموس جیسے لوگوں نے فوراً اس نئے لقب پر اعتراض کیا۔ وہ کہتے تھے کہ سکندر مقدونیہ کا بادشاہ ہے لہٰذا نہ وہ فرعون بن سکتا ہے اور نہ ایشیا کا مطلق العنان فرمانروا۔ بے شک اسے مصر پر حکومت کا موقع مل گیا۔ اب ایشیا بھی اس کے زیرِ نگیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مقدونیہ کا بادشاہ نہ رہا یا اسے بطلیموس کا سوتیلا بھائی نہ سمجھنا چاہئے۔ بطلیموس نے کہا کہ اگر میں اپنے وطن خط بھیجوں اور سکندر کو شہنشاہ قرار دوں تو لوگ

Marfat.com

ہنسی اڑائیں گے اور ہنسی اڑانے میں وہ بالکل حق بجانب ہوں گے۔

بوڑھا پیشگو اریسٹانڈر ڈلفی کے پجاریوں سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ اسے یہ شکایت پیدا ہوئی کہ بابل میں بیل اور مردوخ کے مندر از سرِ نو کھول دیئے گئے اور اب لوگ پردار شیطان مردوخ کی قوت کے سامنے جھکنے لگیں گے۔ سکندر کو اس پر تعجب ہوا اور بولا: اگر وہ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو کیوں اعتراض ہے؟ اریسٹانڈر نے جواب دیا: اعتراض کیوں نہ ہو؟ بابلیوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو چکا ہے کہ تمہیں اقتدار مردوخ سے حاصل ہوا۔

سکندر بے تاب ہو کر بولا: ''بابلی لوگوں کے خیالات سے مجھ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ان کے خیالات میری فطرت نہیں بدل سکتے۔''

اریسٹانڈر: لوگ جو خیالات قائم کر لیتے ہیں ان کی خاصی اہمیت ہوتی ہے۔

سکندر: وہ ہمارا شکریہ ادا کر چکے ہیں اور ہماری تعریف کرتے ہیں۔

اریسٹانڈر: ہاں، مگر الفاظ کی حد تک، جو خیالات الفاظ کا جامہ پہن کر زبان پر نہیں آتے ان کے معنی بہت گہرے ہوتے ہیں۔ سکندر نے خفگی کی حالت میں بوڑھے کو رخصت کیا۔ اریسٹانڈر نے محسوس کر لیا کہ سکندر پہلے کی طرح ان شگونوں کی اہمیت کا قائل نہیں رہا جو الوہی قوتوں کے رجحانات کا نشان ہوتے ہیں اور مجھے صرف اس لئے ساتھ رکھتا ہے کہ لوگوں کے اوہام کی تسکین ہوتی رہے۔ ہفاسشن اس پر مسکرایا اور سکندر کو مطلق العنان کہہ کر اس خیال کی تلخی مٹا دینے کی کوشش کی۔ دوسرے لوگوں کی طرح ہفاسشن بھی جانتا تھا کہ سکندر نئے اوزاروں اور نئے دستوروں کا تجربہ کرنے کا کس درجہ مشتاق ہے۔ اس کے علم کے مطابق سکندر میزا میں ارسطو سے سن چکا تھا کہ افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریت میں جس مثالی حکومت کا نقشہ کھینچا تھا وہ ابھی قائم نہیں ہوئی لہٰذا قائم ہو نہیں سکتی۔ محض خوش آئند خیالات کے ذریعے سے ایسی حکومت تخلیق نہیں پا سکتی۔ البتہ انسانی ضرورتوں کے مطابق نشو و نما پا کر ایک اچھی حکومت بن سکتی ہے اور سکندر مہینے دو مہینے نئے ہسپتالوں یا داووں کے انتظام یا شاید بیڑوں کی تعمیر کے منصوبے سوچتا رہے گا۔ بشرطیکہ اسے کہیں سمندر مل جائے۔

Marfat.com

ہفااسشن کا یہ استدلال صحیح بھی تھا اور غلط بھی۔ سکندر ان انتظامات کے متعلق یقیناً غور و فکر کرتا رہا لیکن اس نے نئے عقیدے سے کبھی دست کشی اختیار نہیں کی اور وہ یہ تھا کہ ربع مسکوں کی تمام قوموں کو یکجا کیا جا سکتا ہے۔

لسی پس چاندی کے نئے سکوں کیلئے سکندر کے چہرے کا خاکہ تیار کر رہا تھا۔ اسے یہ شکایت پیدا ہوئی کہ مشرق سرزمینوں میں بت سازی کا فن کسی کو نہیں آتا۔ ایرانیوں میں انسان کی تصویر بنانے کی صلاحیت مفقود ہے۔ وہ چٹانوں یا پتھر کی تختیوں پر آرائشی یا افسانوی منظر تو کندہ کر لیتے ہیں لیکن انسانی تصویر نہیں بنا سکتے۔ وہ تزئین و آرائش کیلئے جانوروں کی ایک ہی شکل کے نمونے بار بار دہراتے جاتے ہیں مثلاً دوڑتے ہوئے ہرنوں یا عقابوں کی اڑتی ہوئی قطاریں سکندر کے نزدیک یہ امر قطعاً موجبِ شکایت نہ تھا۔ اس کی رائے تھی کہ یہاں کے اہلِ فن دراصل صنعت گر ہیں۔ وہ عمارتوں کی دیواروں پر تزئین کیلئے اس غرض سے نقش و نگار بناتے ہیں کہ انسانی آنکھیں انہیں دیکھ کر خوش ہوں۔ وہ پہاڑیوں کے دامن میں ایسی موزوں عمارتوں کے نقشے تیار کرتے ہیں کہ دیکھتے ہی یقین ہو جائے کہ اس سے موزوں تر کوئی نقشہ نہ ہو سکتا تھا۔ وہ ایسے سائبان بناتے ہیں جن میں لوگ جمع ہوں اور گرمی سے محفوظ رہیں۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ عمارت کے سامنے ایک چھوٹا سا روکار بن جائے۔

بہر حال سکندر کے سر کا نقشہ تیار ہو کر سامنے آیا تو لسی پس نے اس پر شیر کی گردن کی طرح لمبے لمبے بال بنا دیئے تھے اور تھوڑی کے نیچے شیر کے پنجے کی شکل تھی۔ سکندر اس قسم کا نقشہ بنوانا چاہتا تھا لیکن فیصلہ کیا فی الحال یہ نئے سکوں پر استعمال نہ ہونا چاہئے۔

ایکبتانہ میں ایک نیا توجہ طلب مسئلہ پیدا ہو چکا تھا اور وہ ان سپاہیوں کا مسئلہ تھا جنہیں مقدونیہ کے ساحل سے روانہ ہوئے چار سال گزر چکے تھے۔ سکندر ان سے وعدہ کر چکا تھا کہ گاگامیلہ کی جنگ آخری جنگ ہے۔ سوال یہ تھا کہ اب ان آدمیوں سے کیا کہا جاتا۔

جن آدمیوں نے اس کے ساتھ درہ دانیال کو عبور کیا تھا ان میں سے غالباً نصف بھی یہ سوال پیدا ہونے کے وقت ایکبتانہ میں موجود نہ تھے۔ کچھ مر چکے تھے کچھ زخمی ہو چکے تھے

Marfat.com

کچھ بیماری کے باعث واپس بھیجے جا چکے تھے۔ بہت سی کمپنیاں راستے میں مختلف مقامات پر متعین کردی گئی تھیں اور وہ وطن سے جو رنگروٹ تیسرے سال آئے وہ شوش میں بڑی فوج سے آملے تھے اور خود مشرقی سرزمین سے بھی بہت سے جیش بھرتی ہو چکے تھے۔ لیکن سکندر وعدہ کر چکا تھا اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ہچکچاہٹ کا روادار نہ تھا۔ ایکبتانہ شہنشاہ ایران کے چار دارالحکومتوں میں سے آخر تھا جس پر قبضہ ہوا۔ سپاہی اور افسر جانتے تھے کہ جنگ میں آخری کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ سکندر نے یہ مسئلہ یوں حل کیا کہ جو جیش گھر واپس جانے کیلئے تیار ہو وہ چلا جائے۔ اس کے کچھ آدمی ایشیا میں رہنے کیلئے تیار ہوں تو وہ دوسرے جیشوں میں شامل ہو جائیں (بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پرانے مقدونوی لشکریوں کو ایسی اجازت نہ دی اور اجازت دے بھی دیتا تو وہ چھوڑ کر جا نہ سکتے تھے) تھسلی کے سواروں اور مقدونیہ سے باہر کے یونانی لشکروں نے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔

ان کی تنخواہیں ادا کر دی گئیں اور یہ انتظام کر دیا گیا کہ ساحل پر پہنچ کر گھوڑے فروخت کر دیں اور نئے جہازوں میں بیٹھ کر یونان چلے جائیں۔ سکندر نے دو ہزار ٹیلنٹ (جو آج کل کی قوتِ خرید کے مطابق دو کروڑ ڈالر بنتے ہیں) اپنے ذاتی روپے میں سے بطور انعام دے دیئے۔ دوسرے جیشوں کو ایکبتانہ میں ٹھہرنے کی اجازت مل گئی لیکن اس وقت تک سکندر مشرقی جانب حرکت کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اسی لئے اس نے کلائیٹس کو حکم بھیج دیا کہ اپنے سواروں کو لے کر پارتھیا میں فوج کے ساتھ شامل ہو جائے۔ وہ بیماری کے باعث پرسی پولس میں ٹھہرا ہوا تھا۔

بعض آدمیوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ اب کسی مقصد کے بغیر آگے بڑھنا پاگل پن ہے لیکن سکندر کی روز افزوں کامیابیوں سے فائدہ اٹھانے والوں کے پرجوش نعروں میں ان کی شکایت دب گئی۔ بعض افسروں نے شکایت کی کہ مقدونوی فوج کی ہیئت بدل کر اسے فوجی آبادکاروں کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ رسالہ خاص کا بریگیڈیئر فلوٹس باہر نکلتا تو بڑی شاندار وردی پہن لیتا اور دھوم دھام سے اپنا جلوس نکلواتا۔ اس کے باپ پارمینیو نے اسے

Marfat.com

متنبہ کر دیا کہ تم سکندر سے بھی بڑھ کر اپنے آپ کو نمایاں کرتے ہو۔

خزانے میں جتنی رقم جمع ہو چکی تھی اس کا حساب کیا گیا تو خاص کارکنوں کی توقع سے بھی بہت زیادہ نکلی۔ یہ رقم جس میں سکے، سونا، چاندی، بیش قیمت جواہرات یا مال اسباب ہر چیز شامل تھی ایک لاکھ اسی ہزار ٹیلنٹ تھی۔ مقدونیہ میں چار سال پیشتر دولت کے اس انبار کا کسی کو خیال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اسے محفوظ طریق پر وطن پہنچا دیا جاتا تو مقدونیہ کی چھ لاکھ آبادی دو پشتوں تک فارغ البالی سے زندگی گزار سکتی اور ہر کنبہ دولت مند بن جاتا۔

اصل سوال اسے وطن پہنچانے اور روپے کے طور پر استعمال کرنے کا تھا۔ اہلِ مقدونیہ کے علم کے مطابق یہ خزانہ ربع مسکوں کی دولت کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اس کا ایک جز بھی سکوں کی شکل اختیار کر لیتا تو مغربی دنیا کی تمام منڈیوں میں دولت کا طوفان آ جاتا اور دوسرے لوگوں کے علاوہ یونان کے تجارت پیشہ شہروں کا بھی دیوالہ پٹ جاتا۔ اس دولت کو استعمال کرنا ممکن ہی نہ تھا۔

مشرق میں یہ انبار ایران کی زوال پذیر حکومت نے زرِ محفوظ کے طور پر رکھ چھوڑا تھا۔ سکندر اسے بدستور محفوظ رکھنا چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اس سے نظامِ حکمرانی کی نئی ترتیب میں کام لے۔ اس نے انعاماتِ جنگ تقسیم کر دیئے۔ افسروں اور سال خوردہ سپاہیوں کو تحفے بھی دے دیئے لیکن انبار کا صرف ایک معمولی سا جز وخرچ ہوا۔ پورا انبار قلعہ ایکبتانہ کے خزانے میں رکھ دیا گیا تھا جس کا انتظام پارمینیو کے سپرد تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سکندر نے ایکبتانہ میں بیٹھے بیٹھے چند روز کے اندر یہ سارے انتظامات کر دیئے۔

اب اسے بہت سے غیر محسوس رشتے مشرق کی طرف کھینچ رہے تھے جہاں سے سورج طلوع ہوتا تھا۔ خزانے کا سب سے زیادہ قیمتی حصہ سونے کے وہ ذرات تھے جو دریائے سندھ کی سرزمینوں سے حاصل ہوئے تھے۔ سکندر جانتا تھا کہ یہ سرزمیں ربع مسکوں آخری مشرقی حصے میں واقع ہیں جہاں دریائے سندھ پہاڑوں سے نکل کر بہتا ہے۔ وہی مقام اب اس کے افکار وخیالات کا نصب العین تھا۔ وہی غیر معلوم خطہ جو آخری پہاڑی سرحد کے

Marfat.com

پار واقع تھا یہ خطہ ان زرد پہاڑوں سے بدر جہا زیادہ وسیع تھا جن سے وہ گزر آیا تھا۔ مجوسی کہتے تھے کہ دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ دوسرے آریائی قبیلے رہتے ہیں۔ اس طرف راستے میں باب قزوین کے اوپر ایک زمین بند سمندر پھیلا ہوا ہے اور کسی ایک مقام پر جس کا علم آدمیوں کو نہیں پانی کا ایک ناپیدا کنار خطہ واقع ہے جس نے کرۂ ارض کو گھیر رکھا ہے۔

یہ تمام رشتے مل گئے اور سکندر کے دل میں یہ کشش پیدا کر دی کہ اسے خطے کا سراغ لگانا چاہئے جو لوگ اس کے گرد و پیش جمع تھے انہوں نے دانستہ سکندر کے اشتیاق کیلئے تازیانوں کا کام دیا۔ ان کی خواہش یہی تھی کہ سکندر ایران میں رہ کر اپنے مجوزہ منصوبے کو پورا نہ کرے بلکہ نئے علاقوں کی دولت سمیٹنے پر متوجہ ہو جائے۔ وہ ایکبتانہ سے اس عجلت کے ساتھ نکلا کہ نئی حکومت کا جو نظام مقدونوی افسر اور ایرانی کارندے سنبھالے بیٹھے تھے وہ بھی پوری طرح تشکیل پذیر نہ ہوا تھا اور نہ اسے عمل میں لایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس کا رخصت ہونا ہی بڑھتے ہوئے اختلال اور مشکلات کا پیغام بن گیا۔ وہ 330 ق م کے موسم بہار میں اس ارادے کے ساتھ دارا کے تعاقب کیلئے روانہ ہوا تھا کہ ایک یا دو سال میں واپس آ جائے گا لیکن واپسی میں سات سال سے بھی زیادہ مدت گزر گئی۔

O

Marfat.com

پندرھواں باب

عیش و عشرت کی تباہ کاری

اس تباہ کاری کا آغاز چھوٹی چھوٹی چیزوں سے ہوا۔ مثلاً ذاتی عیش و عشرت کا سامان، تفریحی مشغلے اور ملازمین۔ یہ غیر محسوس طور پر بڑھی اور اس نے شخصیتوں کے درمیان کشاکش کی شکل اختیار کر لی۔ اغلب ہے اس کا آغاز بہت پہلے ہو چکا ہو، یعنی ایشیائی مہم کے ابتدائی دور میں لیکن زیادہ نمایاں مغربی ایشیا کے سہ ماہی تصرف کے زمانے میں ہوئی۔

مقدونیہ کے فوجی پیادوں سے کمانداروں تک بڑے تجربہ کار مہم باز تھے یعنی وہ اپنے آرام و آسائش کے انتظامات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ مزید براں ایشیائی یونانیوں یعنی اہلِ آئی اونیا نیز مصری اور یونانی امراء کے مقابلے میں وہ کم تہذیب یافتہ تھے۔ اپنے وطن میں انہوں نے صرف دو پیشوں میں مہارت حاصل کی تھی۔ ایک رزم و پیکار دوم کھیتی باڑی۔ اب انہیں تجارت اور کاروبار سیکھنے کا موقع ملا تھا ان میں سے تھوڑے سے افراد تھے جو اہلِ ایشیا کی ذہنیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً سکندر ہفااشن اور پیوسس[1] تاس۔ لیکن ہر منزل پر انہیں آرام و آسائش کے جن سامانوں سے سابقہ پڑ تا رہا ان سے سب کے سب بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ متصرفہ علاقوں میں کھیتی باڑی اتنی محنت و مشقت کی متقاضی نہ تھی جو انہیں مقدونیہ کے پہاڑی علاقوں میں برداشت کرنی پڑتی تھی۔ وہ بیج مہیا کر دیتے، نہروں سے پانی مل جاتا، غلام مزدوروں کی افراط تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فصلیں جادو کے ذریعے سے تیار ہو جاتی ہیں۔

Marfat.com

سکندر کی دولت بخشی نے مقدونوی معیاروں کے مطابق فوج کے چھوٹے چھوٹے افسروں کو بھی دولت مند بنا دیا تھا۔ایک رجمنٹ کے کمانداد کے پاس بھی اتنا روپیہ جمع ہو گیا تھا جس سے وہ ایک پورا گاؤں خرید سکتا یا دریائی کشتیوں کا ایک بیڑا تیار کر لیتا اور سکندر نئی سرزمین میں اس طرح روپیہ لگانے کی کھلم کھلا حوصلہ افزائی کرتا تھا لیکن سپاہیوں کے دوسرے افکار و اعمال سے وہ خوش نہ تھا۔مثلاً ان میں مشرقی خوشبوؤں یا حماموں کا ذوق ترقی پا رہا تھا وہ چاہتے تھے کہ سادہ تیل کے بجائے مصری ابٹنا ان کے جسم پر ملا جائے۔وہ چاندی کے برتن پسند کرتے اور شام کے ماہرِ فن مالشیوں سے مالش کا کام لیتے تھے۔سکندر نے ایک فوجی افسر کو دیکھا جو اپنی چپلوں میں چاندی کے کیل لگواتا۔ایک اور افسر ایک خاص سفوف اپنے جسم پر ملواتا جو ممفس سے اونٹوں پر لد کر آتا۔

فلوٹس شکار کیلئے نکلتا تو سیکرٹریوں اور خادموں کی ایک بہت بڑی جماعت ساتھ ہوتی۔اس نے بطور خاص ایسے جال بنا رکھے تھے جو نصف میل گھیر لیتے۔ہرنوں،بھیڑیوں یا سوروں کو گھیر کر اس طرف لے جاتے اور بہت زیادہ شکار مار کر لاتے۔شکار کے بعد وہ شاہی پیمانے پر دعوتوں کا انتظام کرتا اور مہمانوں کو وہ شراب پلاتا جو برف ڈال کر ٹھنڈی کی جاتی۔سکندر کے پاس بھی مجوسیوں،ترجمانوں اور جغرافیہ دانوں کی ایک بڑی جماعت جمع ہو گئی تھی۔اس وجہ سے اس کے دسترخوان کا خرچ بڑھ گیا تھا لیکن وہ سب کو سادہ غذا کھلاتا اور اپنے باورچی خانے کا خرچ حدود کے اندر رکھتا۔

اولمپیاس کی طرف سے خطوط کا سیل برابر آتا رہتا۔اس نے ایک خط میں سخت شکایت کی کہ سکندر خود بہت کم روپیہ لیتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو حد درجہ دولت مند بنا رہا ہے۔نتیجہ یہ ہوگا کہ انجام کار وہ مفلس رہ جائے گا اور ساتھی بادشاہوں کا سا درجہ حاصل کر لیں گے۔سکندر اس نصیحت پر تو متوجہ نہ ہوا لیکن وہ اپنے ان سپاہیوں کی مذمت ضرور کرتا تھا جنہوں نے اپنے ساز و سامان کی صفائی اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کیلئے نوکر مقرر کر لئے تھے۔وہ پوچھتا کہ جو سپاہی ذاتی ضرورتیں اپنے ہاتھ سے پوری نہیں کر سکتا کیا وہ سپاہی سمجھے جاتے

Marfat.com

کے قابل ہے۔

جب فوج شہروں میں ٹھہری ہوتی تو مختلف افراد سے ملازموں کے ہجوم کو الگ کرنا آسان نہ تھا۔ فوج کسی جگہ قیام پذیر ہو جاتی تو نوکروں اور چاکروں کے لشکر اسی جگہ جمع ہو جاتے جس طرح اچھی چراگاہوں میں مویشیوں کے ریوڑ جمع ہو جاتے ہیں۔ عورتیں بچے پیدا کرتیں۔ ترجمان اپنے بوڑھے والدین کو ساتھ لے لیتے جن کی دیکھ بھال ان کیلئے ضروری تھی اور رہبر مختلف لوگوں سے برادری کا رشتہ پیدا کر لیتے۔ پھر ایک مصیبت یہ آئی کہ جن ایرانیوں کو ساتھ لیا گیا تھا ان میں سے ہر ایک کے پاس فنی معاونوں کی ایک جماعت ہوتی۔ پارتھیا اور ہرکینیا کے گورنر نئے بادشاہ کے رسمی سلام کیلئے حاضر ہوتے تو مشیروں، طبیبوں، اصطبل کے منتظموں، محاسبوں اور قاصدوں کی بڑی بڑی جماعتیں ان کے ساتھ آئیں۔ ان کی بیویوں کے حاشیہ نشینوں کی جماعتیں اس سے الگ ہوتیں۔

اہلِ ایشیا صدیوں سے اپنے شہنشاہ کے پاس آنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اسی عادت کے مطابق اب وہ سکندر کے پاس آتے جس سے وہ ڈرتے بھی تھے اور اس کا احترام بھی کرتے تھے۔ وہ اسے سکندر شاہ اور فرسادۂ خدا کہتے اور انہیں روکا نہ جاتا تو سکندر کو دیکھتے ہی زمین بوس ہو جاتے۔ شہنشاہ کے روبرو سجدہ عجز و تذلل کا فعل نہ تھا بلکہ احترام کا فعل تھا اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے شہنشاہ کو خدا نے خاص قوت عطا کر رکھی ہے۔ وہ سورج دیوتا اہورا کے شکوہ و جلال اور کورش کی یاد میں جھکتے۔ اس عمل سے انہیں روکنا آسان نہ تھا۔ فلوٹس ہمیشہ اس روش کا مذاق اڑاتا رہتا۔

سکندر اپنے ساتھیوں کے پاس ملازموں کی فوج دیکھتا تو ان کی ہنسی اڑاتا۔ وہ کہتا کیا ان لوگوں کو اس لئے رکھ چھوڑا ہے کہ تمہارے لئے غور و فکر بھی یہی کریں گے اور تمہارے سارے کام بھی یہی انجام دیں گے؟ اگر یوں اپنا کام دوسروں پر چھوڑ دو گے تو ظاہر ہے کہ نہ تمہاری تندرستی بحال رہے گی اور نہ تم پہلے کی طرح گہری نیند سو سکو گے۔ لیکن اس قسم کے انتباہات چنداں مؤثر نہ تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سکندر کے پاس نئے ایرانی

Marfat.com

معلموں اور ہفااسشن کے مجوسیوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ ہفااسشن بھی سکندر کی طرح ایرانیوں کے ساتھ دوستانہ روابط پیدا کرنے میں لگا رہتا۔ وہ کھانا بھی ان کے ساتھ کھاتا تاکہ ان کے طور طریقوں میں مشاقی بہم پہنچا لے۔ فلوٹس اور کریٹرس جیسے کماندار کا طریقہ یہ تھا کہ ایرانیوں کو مفتوح سمجھ کر برابری کا درجہ نہ دیتے اور بالادست مقدونوی حکمرانوں کی طرح ان سے برتاؤ کرتے۔2

کریٹرس ہمیشہ ہفااسشن پر چوٹیں کرتا رہتا۔ وہ کہتا کہ ہفااسشن ایرانیت کا محب وطن بن گیا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو گرا لیا ہے۔ سکندر اس قسم کے ذاتی جھگڑوں پر متوجہ نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ اس نے کہا: ہفااسشن سکندر کا دوست ہے کریٹرس بادشاہ کا دوست ہے۔ دونوں یکساں وفادار ہیں اس سلسلے میں فلوٹس کا ذکر قطعاً نہ کیا۔

جب نئے علاقوں کی طرف فوج کے کوچ کی نوبت آتی تو سکندر کو اندازہ ہوتا کہ اس کے ساتھ لاؤ لشکر کتنا وسیع ہو چکا ہے۔ وہ ایسے ساتھیوں سے یہ تو نہ کہتا کہ ملازموں کو چھوڑ دو لیکن کوچ کے دوران جگہ جگہ ان تمام افراد کو الگ کرتا جاتا جن کی ضرورت نہ ہوتی۔ راستے کے مختلف مقامات پر رجمنٹوں کو بھی چھوڑنا پڑتا تاکہ وہ پہاڑی سلسلوں کو کاٹ کر راستے بنائیں اور گردوپیش کے علاقوں کی چھان بین کریں لیکن وہ بھی جانتا تھا اور فوج بھی جانتی تھی کہ اب کوچ کیلئے کوئی فوجی ضرورت باقی نہ رہی۔

سکندر اپنے افسروں کو زیادہ خطرناک شکار کرنے کیلئے اکساتا۔ ایشیائیوں کو ایسے خطرناک مشاغل سے بڑی دلچسپی تھی۔ خود سکندر گھوڑے سے اتر کر اور ایک چھوٹی برچھی لے کر شیروں کے پیچھے نکل جاتا۔ ظاہر ہے کہ شکار کا یہ طریقہ ہرگز حفاظت کی مصلحتوں کے مطابق نہ تھا۔ سپارٹا کا ایک یرغمال بھی ساتھ تھا جسے اہلِ سپارٹا نے شہنشاہِ ایران کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے شکار کے ایک موقع پر سکندر کو خطرہ مول لیتے ہوئے دیکھا تو تعریف کے طور پر کہا: میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ دونوں وحشیوں میں سے زیادہ شاندار کون ہے یعنی شیر یا سکندر۔

Marfat.com

سکندر کو اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ اسے اپنے افسروں کے شخصی معاملات سے پہلے کی طرح زیادہ تعلق نہیں رہا۔ صرف ان رجمنٹوں کو چھوڑ کر جو ہر وقت سکندر کے ساتھ تھیں۔ مقدونوی فوج کے عناصر ساڑھے چھ لاکھ مربع میل کے عناصر ہیں۔ وسائلِ نقل و حمل پر جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ اگرچہ قاصدوں کے نظام کو نئے اصول پر مرتب کرلیا گیا تھا لیکن سکندر کی پیش قدمی کے مرکز سے مصر میں سکندریہ تک خط پہنچتے پہنچتے قریباً دو ماہ لگ جاتے۔ بلند پایہ فوجی افسر دور افتادہ مرکزوں میں بٹ گئے تھے۔ مثلاً صور، بابل، ایکبتانہ اور رے۔ سکندر نے ان کے ساتھ قاصدوں کے فیصلے سے تعلق قائم رکھنے کی کوشش کی لیکن ظاہر ہے کہ فاصلہ بہت زیادہ تھا اور گہرا تعلق قائم رکھنا ممکن نہ تھا۔ جیسے جیسے وہ مشرق کی طرف بڑھتا گیا اسے خود ہی تمام معاملات کے فیصلے کی نوبت آتی رہی۔ گویا ذمہ داری کا پورا بوجھ صرف ایک آدمی پر آپڑا تھا۔ ایک اہم معاملہ یہ تھا کہ فوج کو رسد کیوں کر ملے، اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے لازم تھا کہ وہ ان تمام مقامات میں موسمی پیداوار کا پورا اندازہ کرلے جو پیچھے چھوڑ رہا تھا اور جن کی طرف پیش قدمی جاری تھی۔ پیداوار میں غلہ اور چارہ دونوں شامل تھے۔ وسیع صوبوں کے انتظامات میں دوعملی نے لاانتہا پیچیدگیاں پیدا کردی تھیں۔ اس نے ایرانی گورنروں کو بحال رکھا تھا اور ان کے ساتھ مقدونوی افسر بطور مشیر لگا دیئے تھے۔ ضروری تھا کہ دونوں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رہتے۔ لیکن اختلافات ناگزیر طور پر رونما ہوتے رہتے تھے۔ سکندر کو انہیں دور کرنا پڑا۔ فلوٹس کو یہ اعتراض تھا کہ جن علاقوں کو پیچھے چھوڑ کر آ رہے ہیں ان میں نظم و نسق کے ذمہ داروں کو فوجی حاکموں کے برابر درجہ دے دیا گیا ہے۔ وہ اسے ایک بہت بڑی مصیبت سمجھتا تھا اور خود اس نے تجارتی شاہراہوں کی حفاظت کے سلسلے میں دیوانی حاکم کے ساتھ تعاون سے انکار کردیا اور کہا کہ ہم ان زمینوں کے حکمران ہیں، لوگوں کے خدمت گار نہیں۔

سکندر غیر مساوی آزادی کی حفاظت کے معاملے پر کسی اختلاف کا روادار نہ تھا۔ وہ بار بار سمجھاتا کہ یہاں معاملہ فتح و تسخیر کا نہیں بلکہ ہم ایک عالمی نظامِ حکومت پیدا کرنا

Marfat.com

چاہتے ہیں۔ اس نے دارا کی لاش پر سی پولس میں دفن کرنے کا حکم دیا تو تمام آداب ملحوظ رکھنے کے متعلق تفصیلی احکام جاری کئے۔ دارا کی اولاد کو اپنے ساتھ رکھا اور دارا کی والدہ کے مشورے سے ان کی تعلیم کا انتظام کیا۔ انہیں یونانی زبان بھی سکھائی اور فوجی تربیت بھی دی۔

نئے فوجی مرکزوں سے کوچ کے احکام اور معمولی رپورٹیں آتیں تو انہیں پڑھنے میں گھنٹوں صرف ہوتے۔ بہ ایں ہمہ سکندر یہ کام بھی انجام دیتا۔ ایک حکم اس کی نظر سے گزرا جس میں آئی گائی کے یوری لوچس[3] کے متعلق لکھا تھا کہ اسے جسمانی اعتبار سے نااہل قرار دے کر گھر جانے کی اجازت دی جائے۔ سکندر نے سبب پوچھا تو واضح ہوا کہ یوری لوچس کو کوئی جسمانی تکلیف نہیں، البتہ وہ واپس جانا چاہتا ہے۔ سکندر نے اپنے پاس بلالیا۔ یوری لوچس نے اقرار کیا کہ میری صحت اچھی ہے بیماری پر رخصت لے کر اس لئے جانا چاہتا ہوں کہ بندرگاہ پر میں ایک محبوبہ کو چھوڑ آیا ہوں۔ سکندر نے پوچھا تم اسے چھوڑ آئے ہو تو اب وہ کس کے پاس ہے؟ یوری لوچس نے جواب دیا وہ کسی کے پاس نہیں۔ ایک آزاد طوائف ہے۔ لیکن میرے ساتھ یونان جائے گی۔ سکندر نے لکھ دیا کہ اگر وہ طوائف یوری لوچس کے ساتھ جائے تو اسے مقدونیہ جانے کی اجازت دے دی جائے ساتھ نہ جائے تو یوری لوچس کو واپس کر دیا جائے۔

سکندر کی پختہ رائے تھی کہ ایشیائی عورتوں سے مقدونوی عورتوں کا سا سلوک ہونا چاہئے۔ ہفاسشن اور پیوسیس ٹس جیسے افسر سکندر کی ان رائے سے متفق تھے۔ مقدونیوں کو یونانی عورتوں کے ساتھ برتاؤ کے ضوابط کا پورا علم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بیویوں کو مردوں سے الگ رہنا چاہئے اور گھر کا کام کاج کرنا چاہئے۔ البتہ طوائفیں ہر آنے جانے والے سے آزادانہ میل جول رکھ سکتی ہیں لیکن ایشیا میں جو عورتیں باہر پھرتی تھیں وہ صرف نچلے درجے کی تھیں۔ باقی تمام عورتوں کے ساتھ بیویوں اور بیٹیوں جیسا سلوک ہوتا تھا۔ اگر مقدونوی افسر بھی ان سے نامناسب برتاؤ کرتے تو وہ شکایتوں کی مجاز تھیں۔ سکندر اس کی پابندی

Marfat.com

کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اہلِ مقدونیہ کو یہاں رہنا ہے تو ان پر لازم ہے کہ عورتوں سے ویسا ہی سلوک کریں جیسا حملے سے پیشتر ہو رہا تھا۔

مشغولیتوں کی فراوانی نے اس کی طبیعت پر خاصا اثر ڈالا تھا۔ مثلاً اس کی نیند گھٹ گئی۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ دیر تک بیٹھا رہتا اور شراب زیادہ پیتا۔ پھر طلوعِ آفتاب کے ساتھ رسمی عبادت کرتا۔ ناشتے میں بھی مشوروں کا سلسلہ جاری رہتا۔ سو جاتا تو چھتیس چھتیس گھنٹے بے خبر لیٹا رہتا۔ شراب پی چکنے کے بعد اکثر نہالیتا۔ عام کاروبار میں وہ کسی غفلت یا تساہل کا روادار نہ تھا۔ صحت پر اثر پڑا تو اس کے مزاج میں زود رنجی پیدا ہو گئی۔ افسروں کو جو کچھ کہنا ہوتا وہ مختصر سے مختصر لفظوں میں کہتے۔ اگر کوئی شخص اس کی بات سے اختلاف کرتا تو اسے سختی سے روک دیتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ اس کے مشیروں میں داخل تھے وہ صرف ایسی باتیں کہتے جن سے وہ خوش ہوتا۔ اختلافی بات قطعاً زبان پر نہ لاتے اس لئے کہ وہ خفا ہو جاتا۔ مطلب یہ نہیں وہ خوشامد پسند ہو گیا تھا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کی مدح وستائش بڑے ذوق وشوق سے سنتا اور جو لوگ دیانتدارانہ نکتہ چینی کر سکتے تھے وہ خاموش رہتے۔ اس وجہ سے سکندر کو پہلے کی طرح نہ صحیح حالات معلوم ہو سکتے تھے اور نہ کسی معاملے کے تمام پہلو اس پر واضح ہوتے۔

اب پارمینیو سکندر سے بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ لہٰذا اس کی رائے سے بھی محرومی ہو گئی اور دوسرے پرانے فوجی افسر بھی ادھر ادھر بکھر گئے۔ ہفاسٹن بڑا اچھا نائب السلطنت تھا۔ ایرانیوں نے اسے وزیر کا لقب دے دیا تھا۔ کریٹرس گوڈویژن کا بہترین کماندار تھا لیکن ان دونوں جیسے افسران آدمیوں کی پختہ کاری کا بدل نہ بن سکتے تھے جنہوں نے فیلقوس کی آنکھیں دیکھی تھیں اور جو فوج کو مقدونیہ سے صور تک بڑے اطمینان کے ساتھ لے آئے تھے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سکندر کے دل میں حکمرانی کا جو نیا تصور پیدا ہو چکا تھا اس میں پرانے فوجی افسروں کیلئے موزوں جگہ بھی باقی نہ رہی تھی۔

فلوٹس کے قتل کے متعلق بہت سی کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دمشق میں

Marfat.com

اسے ایک طوائف مل گئی تھی جس کا نام اینٹی گون[4] تھا اور وہ پدنا[5] کی رہنے والی تھی۔ ممفس کے قیام کے زمانے سے اس نے فلوٹس کے متعلق مبالغہ آمیز باتیں کہنی شروع کر دی تھیں۔ مثلاً یہ کہ فلوٹس نے بتایا: مقدونیہ کی فتح مندیاں میری اور میرے والد (پارمینیو) کی ہمت و کامرانی کا نتیجہ ہیں۔ نوجوان اور ناتجربہ کار سکندر ایسے کارنامے انجام نہ دے سکتا تھا۔ سکندر نے یہ سنا تو اینٹی گون کو بلوایا اور اس سے استفسار کرتا رہا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ باتیں اس نے بھلا دی ہیں۔

بلاشبہ فلوٹس بڑا سرکش اور متمرد آدمی تھا۔ وہ سکندر کی طرح روپیہ اور خلعت بے پروایانہ دیتا رہتا اور انتہائی حماقت سے ذاتی معاملات میں برابر سکندر کی مخالفت کرتا۔ چونکہ وہ منتخب فوج خاص کا کماندار تھا، اس لئے فوج میں اسے سکندر کے برابر اثر ورسوخ حاصل تھا۔

اس اثناء میں اطلاع ملی کہ ایک لڑکے نے سکندر کے خلاف سازش کی کہانی سنی اور فوراً فلوٹس کو جا کر سنا دی۔ فلوٹس نے اس بارے میں سکندر سے کوئی ذکر نہ کیا۔ جب اسے غفلت کا ذمہ دار قرار دیا گیا تو اس نے کہا کہ میرے نزدیک یہ کہانی ناقابلِ اعتماد تھی۔ بس اس واقعہ پر سکندر کا غصہ بھڑک اٹھا۔ حقیقت یہی ہے کہ سکندر نے غصے کے جنون میں فوج خاص کے سپاہیوں کو حکم دے دیا کہ فلوٹس کو برچھیاں مار مار کر قتل کر دے۔ ساتھ ہی تین افسروں کو انتہائی تیزی سے ایکبتانہ بھیج دیا گیا تاکہ پارمینیو سے کمانداری کا منصب لے لیا جائے اور اسے کسی پرسش یا مقدمے کے بغیر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ آریان لکھتا ہے کہ فلوٹس کو قتل کرا چکنے کے بعد سکندر کو غالباً یہ ڈر پیدا ہو چکا تھا کہ پارمینیو کو ایسے اہم مرکز میں فوج کا کماندار اور خزانے کا محافظ نہ رکھنا چاہئے۔ پارمینیو کے دو بیٹے اس سے قبل مختلف لڑائیوں میں مارے جا چکے تھے۔

سابق سپہ سالار اور فوج خاص کے کماندار سے اس درجہ بے رحمانہ سلوک کے لئے سکندر نے کوئی معذرت پیش نہ کی۔ بلاشبہ اس فعل کا ارتکاب غصے کی حالت میں ہوا لیکن اس سے پہلے وہ مدت تک اس پر غور و فکر کر چکا تھا۔ اس واقعہ نے دوسرے افسروں کے دل میں

Marfat.com

حد درجہ دہشت پیدا کر دی۔ ایکبتانہ کا انتظام دو افسروں کے درمیان تقسیم کر چکنے کے بعد سکندر نے فوج خاص کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک کی کمان ہفاا سشن کو دے دی اور دوسرے کی کلائٹس کو جو بیماری سے صحت یاب ہو چکا تھا۔ یہ دونوں کماندار بے چون و چرا سکندر کے حکم کی تعمیل کرتے اور اس کے حکم کو پورا کرنے کے سوا انہیں کوئی کام نہ تھا۔

پھر سکندر نے ایشیائیوں کے نمونے پر سواروں کی ایک رجمنٹ ترتیب دی جن کے پاس ہلکے ہتھیار ہوتے تھے۔ مقدونوی رسالے کے لمبے لمبے نیزے نہ ہوتے تھے۔ تھسلی کے جن سواروں نے ایشیا میں ٹھہرے رہنے پر رضامندی ظاہر کی تھی وہ اس رجمنٹ میں شامل تھے۔ ایرانی افسر بھی اس میں بھرتی کر لئے گئے تھے۔ اس طرح فوجی کونسل کی وہ ہیئت بھی تبدیل ہوگئی جو ابتداء سے مقدونیہ کے خاص افسروں اور امیروں پر مشتمل تھی۔ غرض آہستہ آہستہ مقدونیہ کی وہ فوج جو جاگیرداری کے نام پر مبنی تھی تبدیل ہو کر مفتوحہ علاقے میں انتظامی پولیس کی حیثیت اختیار کر گئی اور تنہا سکندر کو آمر و حاکم کی حیثیت حاصل تھی۔ عام سپاہ کا انحصار بھی صرف سکندر پر رہ گیا اور اب اسے سکندر کے سوا کوئی واپس بھی نہ لے جا سکتا تھا۔

اس اثناء میں مقدونوی فوج کا وہ حصہ جو سکندر کے ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا ایک عجیب الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ فوج کو یہ معلوم تھا کہ وہ سطح ارض پر کہاں ہے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ خود وہ مقام کس جگہ ہے۔ جس نقشے کے مطابق وہ لوگ کوچ کرتے آ رہے تھے اس کی آخری حد ختم ہو چکی تھی اور اب وہ ایسے حصے میں سفر کر رہے تھے جو ابھی تک نقشے پر نہ آیا تھا۔ سرویئر روزانہ کوچ کا فاصلہ لکھتے جاتے تھے۔ صحرائی علاقوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ پیمائش غالباً چھڑی کے سائے کی بنا پر ہوتی تھی۔ ہر آدھ گھنٹے کے بعد وہ سائے کی پیمائش کر لیتے۔ سب سے چھوٹا سایہ دوپہر کے وقت ہوتا۔ اس طرح وہ دن بھر کے طے کردہ فاصلے کا اندازہ کر لیتے۔ اب مصر اور کلدانیہ کے ہیئت دان بھی فوج کے ساتھ تھے اور ان کی امداد سے زیادہ صحیح اندازہ کر لینا مشکل نہ رہا تھا۔ یہ ستاروں کی حرکت کا نقشہ سامنے رکھ کر طول البلد کا

Marfat.com

اندازہ کرتے۔ غرض قدونیہ کے سرویئروں کو پرسی پولس یا ایکبتانہ یا قدیم شہر رے کے پاس دماوند پہاڑ کے تعلق میں تو اپنے مقام کا اندازہ ہوسکتا تھا لیکن یونانیوں کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق زمین کے متعلق جو اندازہ اس کے سامنے تھا وہ بابل، دجلہ اور فرات پر ختم ہو چکا تھا۔ ارسطو اور یونانیوں کے اندازے کے مطابق ربع مسکوں کی مشرقی حد دوآبے پر ختم ہو جاتی تھی۔ گویا اہلِ مقدونیہ صور یا جبل الشیخ یا دہانہ نیل کے تعلق میں اپنے مقام کا اندازہ نہ کر سکتے تھے اور ایرانی سائنس دان بھی اس مسئلے پر روشنی ڈالنے سے قاصر تھے۔ دارا کے تعاقب میں انہیں ان امور کے غور و فکر کا نہ موقع مل سکا اور نہ مہلت۔

دارا مر چکا تو اہلِ مقدونیہ کو یہ سوچنا پڑا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ اب مشرق و مغرب کے درمیان اس بڑی تجارتی شاہراہ پر جا رہے تھے جس کے کنارے ایک ایک دن کی مسافرت پر گاؤں بکھرے ہوئے تھے۔ جنوبی سمت میں صحرائی میدان واقع تھا جہاں دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی میں خیالی شہر نظر آتے اور غروبِ آفتاب کے ساتھ وہ غائب ہو جاتے۔ شمالی سمت میں دماوند کی پہاڑی دیوار کھڑی تھی یہ وہی دیوار تھی جو ایکبتانہ سے نظر آ رہی تھی اور جسے وہ باب سلیشیا پر چھوڑ کر سرخ رنگ کے گرم میدان میں داخل ہوئے تھے۔ باب سلیشیا پر انہیں بتایا گیا تھا کہ اس سلسلہ کوہ کا نام طارس ہے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ابھی تک وہ طارس کے سامنے موجود ہیں لیکن ایرانیوں کو ایسے کسی نام کا علم نہ تھا۔

پھر وہ ایک خم دار ندی پر نمودار ہوئے جس کا پانی حد درجہ ٹھنڈا تھا اور اس کے کنارے بہت سے درخت کھڑے تھے (سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس ندی پر پہنچ گئے تھے جو چاشکیر انامی گاؤں کے پاس سے گزرتی ہے۔ دامغاں نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ دامغاں کا پرانا نام ہیکاٹوم فی لائی یعنی سو دروازے تھا)۔ اس ندی کے ساتھ ساتھ شمالی جانب مڑے تو مقامی لوگوں نے بتایا کہ اس پہاڑی دیوار سے گزر کر وہ اس بڑے زمین بند سمندر میں پہنچ جائیں گے جو خدا جانے شمالی سمت میں کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سمندر کے کنارے تک چار منزلیں تھیں۔

Marfat.com

سکندر تجارتی شاہراہ کو چھوڑ کر فوراً غیر معلوم سمندر کی طرف گیا۔ فوج چیڑ کے جنگلوں میں سے گزری جہاں کے جنگلی باشندے بلند پہاڑیوں پر کھڑے حیرت سے ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ اسی طرح وہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے جہاں کا پانی میٹھا تھا۔ اس لئے کہ بہت سی ندیاں اس مقام پر سمندر میں گرتی تھیں۔ یہاں بحری پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ موجود تھے اور ماہی گیری کیلئے چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھیں۔ دراصل یہ بحیرۂ قزوین کا جنوبی کنارا تھا لیکن اہلِ مقدونیہ کے پاس اس کا صحیح نام معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ماہی گیر اسے پرندوں کا سمندر یا بحیرۂ گیلاں یا بحیرۂ پارتھیا قرار دیتے تھے۔ لیکن اس سے اصل مسئلہ حل نہ ہوا۔ بلاشبہ کنارا بڑا بارونق اور زرخیز تھا اور سمندر بہت بڑا معلوم ہوتا تھا۔ اب یونانی نقشے کے عالموں اور سرویئروں کے درمیان بحث کا سلسلہ گرم ہو گیا۔ نقشے کے عالم کہتے تھے کہ مشرقی سمت میں سمندروں کا ایک زنجیرہ پھیلا ہوا ہے۔ پہلے بحیرۂ روم ہے پھر بحیرۂ اسود پھر ایک چھوٹا سا سمندر ہے (جسے آج کل بحیرۂ کریمیا[6] کہتے ہیں)۔ یہ بھی سمجھا جاتا تھا اس آخری سمندر کے کھڑے پانیوں اور نمکین تہ میں بے شمار سانپ پھر رہے ہیں۔ دریائے تنائس[7] اسی میں گرتا ہے اور اس کے آگے وہ سطح مرتفع ہے جو سرزمین[8] تاریکی کے آخری کنارے تک چلی جاتی ہے جہاں دیونیاں رہتی ہیں۔ یونانی نقشے پر یہ آخری سمندر تھا۔ البتہ بتادیا گیا تھا، اس کے آگے مشرقی سمت میں ایک بڑی جھیل پھیلی ہوئی ہے لیکن اس کو صحیح اتا پتا نہ بتایا گیا تھا۔ غرض نقشے کے عالم کہتے تھے کہ ہم کوہ قفقاز کو عبور کر کے بحیرۂ فیئڈ[9] کے کنارے پہنچ گئے ہیں جہاں سے دریائے تنائس قریب ہے جو سمندر سامنے تھا اس کا پانی میٹھا تھا مگر سانپ وہاں نظر نہ آتے تھے لیکن اس کے برعکس سرویئر اور ایرانیوں کی رائے دوسری تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ہم طارس کے بڑے سلسلے سے گزر چکے ہیں جسے زمین میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اب نیم افسانوی مشرقی سمندر کے کنارے پہنچ گئے ہیں جو شمالی جانب کے سمندر سے ملا ہوا ہے اور اس آخری سمندر نے زمین کو گھیر رکھا ہے۔

سکندر نے ابتداء میں نقشے کے عالموں سے اتفاق کیا۔ پھر اسے یقین ہو گیا کہ

Marfat.com

سرویئروں کی رائے درست ہے اور یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ وہ مشرق کی طرف بہت آگے نکل آئے ہیں اور ربع مسکوں یونانیوں یا ارسطو کے اندازے سے کہیں آگے مطلع آفتاب کی طرف پھیلی ہوئی ہے۔

اس امر سے سکندر کے دل پر بہت خوشگوار اثر پڑا لیکن فوج کے اکثر آدمیوں میں تشویش پھیل گئی۔ انہوں نے سن رکھا تھا قفقاز کی بلندی پر پرومیتھیس کو زنجیروں سے باندھا گیا تھا اور اس کے پاس ہی سے بہادر ارگونات واپس ہوئے تھے۔ اگرچہ شجاعت کا دیوتا ہرقل ان کے ساتھ تھا جن کا مقابلہ کوئی نہ کر سکتا تھا اور ساحرہ میڈیا بھی اپنے جادو کے کرشمے دکھانے کیلئے موجود تھی۔ تھریس کا عامی سے عامی گھوڑے پال بھی جانتا تھا کہ ارگونات والوں نے سنہری اون لے لی تھی۔ پھر وہ بھاگ کر دریائے تنائس میں داخل ہو گئے تھے۔ پس اگر فوج قفقاز کو پیچھے چھوڑ آئی تھی تو وہ غیر معلوم مشرقی سمندر کے پیچھے پہنچی ہوئی تھی اور زمین کے آخری حصے کے قریب آ گئی تھی۔ اس کے بعد تاریکی کا پردہ چھایا ہوا تھا یا وہ بھوت پریت رہتے تھے جنہیں انسانوں کا دشمن سمجھا جاتا تھا۔ ممکن ہے دیونیاں بھی وہیں رہتی ہیں۔

بطلیموس نے کہا ہم اتنی فوجوں کو شکست دے چکے ہیں اب دیونیوں سے ڈرنے کی کون سی وجہ ہے۔ جن افسروں نے یونانی کتابوں میں ارگونات کے کارنامے پڑھے تھے انہوں نے کہا یہ سمندر تو زمین کے آخری کنارے سے مشابہ ہے۔ اس کے اردگرد درختوں کے جھنڈ کھڑے ہیں جہاں خاموشی کبھی نہیں چھا سکتی۔ لہروں کا شور مسلسل جاری رہتا ہے۔ دریائے آشیرون کے اوپر سے ہوائیں آتی ہیں اور یہ دریا مشرقی سمندر میں گرتا ہے۔

وہیں انہیں ایک شہر نظر آیا جہاں کے سادہ لوح باشندے بڑے عمدہ برتن اور سونے کے پتروں کے پیالے بناتے تھے۔ ان لوگوں نے فوج کبھی نہ دیکھی تھی۔ اہلِ مقدونیہ نے اس کا نام زدرہ کارٹا[10] (موجودہ استراباد یا جرجان) رکھا۔ وہ زمین کی زرخیزی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ پاس ہی ایک پہاڑ لامتناہی مرغزاروں میں سے بہتا آ رہا تھا۔ وہاں انگوروں کی کاشت نہ ہوتی تھی۔ جہاں شراب بنائی جاتی لیکن مقدونوی کاشتکار جانتے تھے

Marfat.com

کہ یہ خطہ انگوروں کی کاشت کیلئے بہت موزوں ہے۔

وہ کچھ دور آگے گئے تا کہ مرغزاروں کا معائنہ کرلیں جہاں لمبی لمبی گھاس کھڑی تھی۔ ہوا چلتی تو اس گھاس کا رنگ بدلتا رہتا۔ مقدونیہ کی تنگ وادیوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انہیں یہ وسیع میدان بہت غیر طبعی معلوم ہوتا تھا۔ ایسے ہی معائنوں کے دوران میں خانہ بدوش بربری ایک گھوڑا چرا کر لے گئے اور سائیسوں کو بھی ساتھ ہی پکڑ کر لے گئے۔ یہ گھوڑا سکندر کا بیوسی فالس تھا۔ اس نے فوراً اردگرد پیغامات بھیج دیئے کہ اگر گھوڑا واپس نہ ہوا تو خانہ بدوشوں کے خیمے جلا دیئے جائیں گے لیکن گھوڑا بہت جلد واپس کر دیا گیا اور امن قائم ہو گیا لیکن سکندر نے دریا کے ساتھ مستقل گارد مقرر کر دی تا کہ پھر حملہ نہ ہو سکے۔ پہاڑی سلسلے کے ساتھ ایک دیوار بنائی گئی تھی جسے بعد کے زمانے میں سد سکندر...... ''سکندر کی دیوار'' اور آج کل کے ترکمان قبیلوں نے اس کا نام سرخ سانپ رکھا ہے۔ اس لئے کہ وہ سرخ پتھر سے بنی ہوئی ہے اور ترکمان سطح مرتفع کے جنوبی ڈھلوان پر خم کھاتی آئی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بحیرۂ قزوین کے دوسرے کنارے پر شہر دربند کے نزدیک بھی ایک دیوار بنی ہوئی ہے جس کا نام سد سکندری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر نے یہ دیوار تباہ کار یاجوج اور ماجوج[11] کو روکنے کیلئے بنائی تھی۔

سکندر نے فوج کو ٹھہر کر ستانے کی اجازت دے دی اور اس اثناء میں مشرقی سرزمینوں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا۔ جو اطلاعات ملیں ان سے دل میں آگے بڑھنے کا جوش پیدا ہو گیا۔ یہاں بحیرۂ روم یا مغربی خطوں کے متعلق کسی کو کچھ معلوم نہ تھا (لوگ اہلِ مقدونیہ کو یونانی کہتے تھے) اب ان کا رخ مشرقی سمت میں اشکانیوں کی طرف تھا یعنی ستھیا کے گھوڑے پالنے والے قبیلے جو مشرقی مرغزاروں میں رہتے تھے اور زبردست نسائی گھوڑے پالتے تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ اب سکندر آگے بڑھے گا تو اس راستے پر جائے گا جہاں سے آریا سرزمین آفتاب یا سرزمین کروش کی جانب آئے تھے۔ اسی طرح وہ ان دو دریاؤں پر پہنچ جائے گا جو بہشت سے نکلے۔ ایک دریائے ریگ اور دوسرا دریائے

Marfat.com

بحر...... جس طرح وہ دجلہ وفرات سے گزر کر آیا تھا اسی طرح بڑھتا چلا گیا تو عظیم الشان پہاڑوں کے سلسلے پر پہنچ جائے گا جن کی چوٹیاں درختوں سے لبریز ہیں۔ وہاں پرندے نہیں ملتے اور زدرہ کارٹا کی پہاڑیاں اس کے سامنے ہیچ رہ جاتی ہیں۔ سکندر اسی جانب جانے کیلئے تیار ہوگیا۔ مصلحت اور احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ایکبتانہ واپس جا کر اپنے نظامِ حکومت کو مکمل کرتا یونانی عالموں نے اپنے نقشے ایک طرف رکھ دیئے۔ سائنس دان غیر معلوم خطے کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں لگ گئے۔ ایرانی افسروں کو بھی زدرہ کارٹا سے آگے صرف مبہم معلومات حاصل تھیں۔ فوراً رے اور ایکبتانہ کی طرف احکام بھیج دیئے گئے کہ ملکی فوجیں مشرقی جانب روانہ کی جائیں اس لئے کہ سکندر دنیا کے آخری حصے کی طرف روانہ ہوگیا ہے۔ فوجیوں کے نزدیک یہ عمل سراسر دیوانگی پر مبنی تھا۔

عام سپاہی بھی ان باتوں کو سمجھ رہے تھے جو فلسفیوں کو کبھی سکھائی نہ گئی تھیں۔ انہیں آگے جانے کی کوئی معقول وجہ نظر نہ آتی تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ سکندر اپنے دل میں ان حالات پر قابو پالینے کا جذبہ محسوس کر رہا ہے جس پر آج تک کوئی انسانی قائد قابو نہ پاسکا۔ یہاں سرحدیں گم ہوچکی تھی اور یونان کی طرف انہیں کسی سرزمین کے حدود قائم شدہ دکھائی نہ دیتے تھے۔ بے شک تجارتی شاہراہ مشرق کی طرف جارہی تھی اور ان سرخ پہاڑوں کے درمیان وہ پیچ وخم کھاتی ہوئی نظر آتی تھی جس پر کوئی روئیدگی نہ تھی اور اس کا نام انہوں نے طارس رکھا تھا۔ یہ طارس آہستہ آہستہ بلند ہوتا جارہا تھا اور فوجی دن بھر کے کوچ کے بعد بھی یہ نہ سمجھ سکتے تھے کہ وہ قریب تر آگئے ہیں۔ اب وہ متعارف نشان نظر نہ آرہے تھے بلکہ کہیں اجڑا ہوا مندر یا اگتی ہوئی بیل دیکھتے تھے۔ ہوا برفستانی تھی۔ اس میں سے گزرتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ سکندر ان میں سے آگے کہاں پہنچا ہوا ہے اور اس کی منزلِ مقصود کیا ہے۔ خنکی آئی گائی کے موسم سرما سے بھی کچھ بڑھ گئی تھی۔ ہرکارے کہتے کہ سکندر اپنے نام پر مزید شہر آباد کرنے کا خواہاں ہے۔

وہاں عجیب وغریب نمونے آئے جنہیں فوراً ساحلی علاقے کی طرف بھیج دیا گیا تاکہ

Marfat.com

انہیں یونان پہنچا دیا جائے مثلاً تارپین کا درخت جس کی چھال میں شگاف کر دینے سے مہکیلا رس بہ نکلتا تھا (تارپین کا تیل) سلفیم جس کی خوشبو تارپین سے بھی تیز تھی۔ ان درختوں کے رس سے طبیب مرہم بناتے تھے۔ پتھروں کی مہین اور شفاف سلیں بھی آئیں جنہیں انگلیوں سے پھاڑا جا سکتا تھا اور ایسی بکریاں بھی جن کے بال ریشم کی طرح ملائم تھے۔ تجارتی شاہراہ پر محافظ فوج کے جو رستے جا بجا بیٹھے تھے وہ ہر کاروں سے پوچھتے سکندر کیا کر رہا ہے۔ انہیں بتایا جاتا کہ کھانا کھانے کے وقت وہ ایک سنہری پلنگ پر استراحت پذیر ہوتا ہے۔ اس نے اپنے خود کے اوپر دو سفید پر لگا لئے ہیں جو عقاب کے پروں سے مشابہ ہیں۔ اس نے ایک بے رئیس قبیلے کو اس بنا پر احترام کے قابل سمجھا کہ اس قبیلے نے ایک سابق شہنشاہ کروش کو مدد دی تھی اور جب وہ تنہا ہوتا ہے تو اپنے خیمے میں خوشبوئیں جلاتا ہے۔

جب وہ بلندیوں پر پہنچ گئے تو رسد ٹھہر گئی۔ اس لئے کہ سردی کا زمانہ تھا۔ 29-30 ق م کا موسم سرما...... ان بلندیوں پر کھانے پینے کی چیزیں نہ ملتی تھیں۔ سپاہی سمجھ رہے تھے کہ زمین کا سب سے اونچا حصہ ہے۔ اب وہ جو اور پنیر نیز خچروں کے گوشت اور سلفیم پر گزارا کرنے لگے۔ مہم کے دوران میں انہیں پہلی مرتبہ بھوک سے سابقہ پڑا تھا (وہ اس وقت افغانستان کی شمالی سرحد کے قریب تھا)۔ وہ اثل فرنگی جلاتے تھے اور تیز ہوا سے بچنے کیلئے چٹانوں کی پناہ لیتے تھے۔ وہاں انہوں نے نیا چاند دیکھا۔ وہ سمجھتے اس نئے چاند کی گاڑی میں ملکہ وحوش سوار چلی جا رہی ہے۔ گرد و غبار اور سوکھا ہوا گوبر ان کے ارد گرد موجود تھا۔ یہ چیزیں انہیں پسند نہ تھیں۔ آدمی انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ شہر اور باشندے، مویشی اور کتے ان کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ کبھی کبھی روشنیاں نظر آتیں اور وہ سمجھتے کہ جن نظر آ رہے ہیں جب وہ مشعلیں لے کر ان کے تعاقب میں دوڑتے تو تنگ گھاٹیوں میں گر جاتے۔

غرض اوپر نیچے بدشگونیوں ہی کا زور تھا۔ کریٹرس نے ایک بہت بڑے گرگٹ کا تعاقب کرتے ہوئے ران میں زخم کھایا۔ جن آدمیوں نے اس حادثے کا مشاہدہ کیا تھا

Marfat.com

انہوں نے بتایا کہ گرگٹ دراصل ایک اژدھا تھا۔ ممکن ہے وہ ملکہ وحوش کا خدمت گار ہو اس لئے کہ جب کریٹرس کے زخم لگا تو یہ اژدھا فوراً غائب ہو گیا۔ سپاہی یہ خبر سن کر اداس ہو گئے۔ وہ کریٹرس کو بہت چاہنے لگے تھے۔

اب سکندر غیر محسوس طور پر سپاہیوں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں کریٹرس ہی سے کام لیتا۔ اس لئے کہ خود اسے میل جول کا زیادہ موقع نہ ملتا تھا اور سال خوردہ سپاہی کریٹرس کو اس لئے بھی پسند کرتے تھے کہ اس نے مقدونوی عادات و خصائل برقرار رکھے تھے اور ایشیائیوں کے سے طور طریقے اختیار کرنے پر راضی نہ ہوا تھا۔ ہفااسشن نے ایرانی طریقے بڑے شوق سے اپنا لئے تھے اور سکندر اسے ایشیائی عناصر کے تعلق میں کام لیتا جن کی تعداد روز افزوں تھی۔

ان حالات نے کریٹرس اور ہفااسشن کے درمیان کشمکش کے اسباب پیدا کر دیئے اور وہ روزانہ کے معاملات میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے یعنی کیمپ کہاں لگے؟ چارے کا کیا انتظام ہو؟ ایرانی مردہ جانوروں کا گوشت نہ کھاتے تھے اور مقدونویوں کو بھیڑوں کے گوشت کے سوا اور کچھ کھانے کو نہ ملتا تھا۔ جب رسد میں کمی آئی تو طبیعتوں کی تیزی میں اضافہ ہو گا ایک مرتبہ فوج خاص کے دونوں کماندار آپس میں جھگڑ پڑے۔ سکندر موقع پر آ پہنچا۔ اس نے ہفااسشن کو ڈانٹ پلائی اور کریٹرس کو ایک طرف لے جا کر سمجھایا۔ پھر انہیں ایک دوسرے کے گلے ملا دیا۔ ساتھ ہی آمن رع کی قسم کھا کر کہا کہ اگر پھر بھی ایسا جھگڑا ہوا تو دونوں کو فوجیوں کے سامنے قتل کرا دوں گا یا کم از کم اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑوں گا جو جھگڑا شروع کرنے کا مجرم ٹھہرے گا۔ پھر ان کے درمیان جھگڑے کی نوبت نہ آئی۔ وہ دونوں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ نیز دوسرے زیادہ توجہ طلب مسائل سامنے آ گئے تھے یعنی فوج پر حملے شروع ہو گئے تھے۔

دنیا کے اس انتہائی بالائی حصے کی ہوا کی طرح حملے بھی بڑے ہی تیز تھے۔ کم از کم اس قسم کے حملوں کا تجربہ یونانیوں کو مغربی حصوں میں نہ ہوا تھا۔ حملہ آور ندی نالوں کی گہرائیوں

Marfat.com

سے اچانک گھوڑوں پر نمودار ہوتے اور نقصان پہنچا کر انتہائی تیزی سے رفو چکر ہو جاتے۔ سڑک پر جو چوکیاں قائم کی جاتیں رات کے وقت ان پر حملے ہوتے اور پہریدار ختم کر دیئے جاتے۔ جب فوج کو انتقامی اور تادیبی کارروائیوں کیلئے پہاڑوں میں بھیجا جاتا تو آدمیوں یا مویشی اور بھیڑ بکریوں کے گلوں کا کوئی نشان نہ ملتا۔ البتہ زمین پر آدمیوں کے چلنے کے نشان ضرور ہوتے۔ سکندر کے فوجیوں کو ایسا محسوس ہوتا کہ خود پہاڑوں نے اپنے آپ کو مقابلے کیلئے مسلح کر لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اب خود مقامی باشندوں نے مزاحمت شروع کر دی تھی۔ یہاں وہی آریا رہتے تھے جنہوں نے مقدونویوں کی طرح کبھی کسی فوجی قوت کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا۔ وہ مقدونویوں کو فرنگی، اجنبی اور کافر سمجھتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ رے سے جو مشرقی سمت میں سلطنت ایران کا آخری بڑا شہر تھا کوئی ایک ہزار میل آگے آ چکے تھے۔ سکندر چاہتا تھا کہ ان قبائل کو اپنی شیرینی گفتار سے رام کرے لیکن مصیبت یہ پیش آئی کہ انہیں جمع نہ کر سکتا تھا اور نہ ان سے بات چیت کا موقع پیدا ہوتا تھا۔ جن دو گورنروں نے دارا کو قتل کیا تھا وہ بھی بھاگ کر یہیں آ پہنچے تھے۔ ان میں سے ایک گورنر پکڑا گیا۔ سکندر رتھ پر سوار جا رہا تھا۔ گرفتار شدہ گورنر سے پوچھا کہ تم نے شہنشاہ کو کیوں قتل کیا، اس نے جواب دیا: صرف میں نے اسے قتل نہیں کیا تھا۔ سکندر تھوڑی دیر تامل میں پڑا رہا، پھر حکم دیا کہ اس کے کپڑے اتار لئے جائیں اور گاڑی کا جوا اس کے کندھوں پر باندھ دیا جائے۔ اس طرح اسے جگہ جگہ پھرایا گیا۔ جب اس کا ساتھی پکڑا گیا تو اس کی چمڑی اتروا دی گئی۔ پھر پہلے اسیر کو سزا دی۔

اب ایک تیز رو دریا پر پہنچے جس کا پانی گدلے رنگ کا تھا۔ رہبروں نے بتایا اس کا نام پرندوں کا دریا ہے۔ کہا جاتا تھا کہ یہ ام البلاد (مرد) کی طرف جاتا ہے۔[12] دریا کے کنارے بھی برف کی گہری تہہ جمی ہوئی تھی۔ پگڈنڈیاں بنی ہوئی تھیں۔ انہیں پر سے گھوڑے اور آدمی گزرتے رہے۔ جاندار کی شکل ہرگز نظر نہ آئی۔ یہاں پہنچ کر سکندر پیچھے کی

Marfat.com

طرف مڑا۔ تیز رو دریا کے معاونوں میں سے اس کیلئے فوج کو گزارنا آسان نہ تھا جبکہ دشمن کی طرف حملے ہو رہے تھے۔ اس کا رخ مشرق کی جانب تھا اور اب مغرب کی جانب مڑ گیا تا کہ موسم سرما کی برف سے لدی ہوئی چوٹیوں کو ایک طرف چھوڑ سکے۔

پہلے وہ صرف چھان بین کیلئے جنوب کی طرف چلا تا کہ معلوم ہو سکے کہ فوج کو کہاں سے رسد مل سکے گی۔ گھوڑوں کو دانہ چارہ پورا نہ ملا تو وہ مرنے لگے۔ ان کی حفاظت کے لئے لازم تھا کہ چارے کے ذخیروں یا عمدہ چراگاہوں پر پہنچتے۔ پھر مقدونیوں نے اس نئے دشمن کے خلاف مؤثر کارروائی کا گر معلوم کر لیا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ پیشِ نظر خطے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کریں اور ایک ایک کو تدریجاً صاف کرتے جائیں۔ یوں آریائی قبیلے پیچھے ہٹتے جائیں گے۔ جو مقامات جنگی نقطۂ نگاہ سے اہم ہوں گے وہاں شہر آباد کر دیں گے۔ ان کے ارد گرد فصیلیں بنا دیں گے اور ہر مقام پر فوج متعین کر دیں گے۔ شہروں کے اس زنجیرے سے حسبِ ضرورت ایک دم فوجیں ابل پڑیں گی۔ ان شہروں میں جو لوگ آباد ہوں گے وہ فوج کی حفاظت میں کھیتی باڑی کریں گے اس طرح ہر جگہ غلے اور چارے کے ذخیرے جمع ہوتے جائیں گے۔

سکندر نے ابتداء میں تو نہ بتایا لیکن آگے چل کر کہا کہ جو لوگ بیمار یا بوڑھے ہوں گے انہیں ان شہروں میں آباد کیا جائے گا۔ وہ تاجر بھی کہیں نہ کہیں بسا دیئے جائیں گے جو فوج کے ساتھ آ رہے تھے۔ محکوموں اور مفتوحوں میں سے قابلِ اعتماد بھی اس غرض سے چن لئے جائیں گے۔ اس طرح مقدونوی فوجی افسروں اور غیر فوجی ایرانیوں کی مدد سے ہر شہر میں مخلوط آبادی بس جائے گی اور اس کی حیثیت بین الاقوامی ہو جائے گی۔ یہ قبض و تصرف کا نہایت سخت گیرانہ نقشہ تھا۔ اس سے دو باتیں ظاہر ہو گئیں اوّل یہ کہ یہاں مقدونیوں کیلئے مقامی نظامِ حکومت کو بحال رکھنے کی کوئی شکل نہ تھی جیسا کہ انہوں نے مصر میں کیا تھا اور پورے علاقے کو فوجی اعتبار سے فتح کرنا لازم تھا۔ دوم یہ کہ سکندرؒ نے ان آزاد اور بے چین گروہوں پر مستقل نظامِ حکومت قائم کرنے کی کوشش کی تھی اور سکندر کو معلوم ہو چکا تھا کہ

Marfat.com

کورش اسی کوشش میں مارا گیا تھا۔ اسے اشکانیوں یا سِتھیوں نے شمال و مشرقی ایشیا کے قلب میں مارا تھا۔

یہ کہہ لینا آسان ہے کہ خیال پرست اور بے باک سکندر نے کورش کی پیروی کرنی چاہی اور اس کا مدعا یہ تھا کہ سابقہ ایرانی سلطنت کے تمام علاقے اپنے قبضے میں لے آئے۔ واقع یہ ہے کہ وہ تمام قوموں پر یوریشیائی دولتِ متحدہ کا نظام عائد کرنے پر تلا بیٹھا تھا وہ چاہتا تھا کہ مختلف قوموں کو ملا دے اور ہخامنشی کورش کی طرح امن و رواداری کی بنیادوں پر ایک پائیدار اتحاد قائم کر دے۔ اس نے ایشیائے کوچک میں ایرانی سلطنت کی قدیم حدود بحال کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ سِتھیا اور شمالی ہندوستان کی طرف آیا تھا تو ان حدود سے تجاوز کر گیا تھا۔ اس نے ایشیا میں پرانے شہروں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے نئے شہروں کی بنیاد ایسے مقامات پر رکھی جہاں ان کی ضرورت محسوس کی اور ان میں بالکل نئے انداز پر آبادیوں کا انتظام کیا۔ اسے یونان کے اقبال مند شہروں کا تجربہ فراموش نہ ہوا تھا۔ وہ ان زرخیز سرزمینوں میں ایشیائی ایتھنز تعمیر کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ خواہش نہ تھی کہ ایشیا میں یونانی پیلا یا ایتھنز کو ان کی اصل شکل میں زندہ کرے۔ سپارٹا کا اسے خیال بھی نہ آ سکتا تھا۔ بہرحال اس نے ستر سے زیادہ شہروں کی آبادی کا حکم دیا۔

جب اس نے بلندیوں کا چکر کاٹ کر جنوب کا رخ کیا تو ایک وادی کے کنارے سب سے پہلا مشرقی سکندریہ بنایا۔ یہاں ایک پرانا تجارتی شہر ہرائی کے نام سے مشہور تھا۔ (ہرات) جہاں مجوسی اور تاجر آباد تھے۔ یہاں اس نے فوج کے اپاہج آدمیوں کی خاصی تعداد چھوڑی۔ ان کے ساتھ ساہی تاجر اور ایرانی فنکار بھی تھے۔ مختلف قسم کی عورتیں، صراف اور طبیب بھی تھے۔ عارضی حفاظت کیلئے مٹی کی فصیلیں کھڑی کر لی گئیں۔ شہر میں پتھر کی عمارتیں بھی تھیں۔ گھاس پھوس کی جھونپڑیاں بھی اور بعض لوگوں نے خیمے بھی لگا رکھے تھے۔

برف پگھل گئی تو اس نے جنوب کا رخ کیا اور ہلمند جھیل پر پہنچا جہاں سے گھوڑوں کے نئے گلّے پکڑے۔ یہاں مقدونیوں کو ایک تجارتی شاہراہ ملی جو دریائے سندھ سے پرسی

Marfat.com

پولس جاتی تھی۔ سکندر نے تو اسے اختیار نہ لیکن یہ اس کے ذہن سے کبھی محو نہ ہوئی۔ کئی سال بعد اس نے کریٹرس کو اسی شاہراہ سے ہلمند واپس بھیجا تھا۔ موسم بہار میں گھاس اگ آئی اور چارے کے بارے میں کوئی تشویش نہ رہی تو سکندر پھر پہاڑی علاقے کے قلب کی طرف پلٹا۔ اس نے مزاحمت کو توڑا اور جگہ جگہ نو آبادیاں قائم کیں۔ تسخیر کے اس کام میں دو سال لگ گئے۔ یہ کشمکش اس کیلئے سب سے بڑھ کر خطرناک تھی۔ اسے نہ ان بلندیوں کا پہلے سے کوئی اندازہ تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ ان میں کتنے لوگ آباد ہیں (حقیقت میں وہ موجودہ بلوچستان کی شمالی سرحد سے چلا اور افغانستان کے بیچ میں سے ہوتا ہوا شورائیہ راس کی جمہوریہ ترکمان اور جمہوریہ روز بک سے گزر کر اس خطے میں پہنچا جس کا نام نہیں بتایا جا سکتا۔ یہ سفر ہو چکا تو بلند پہاڑوں کو پہلی مرتبہ دیکھنے سے درہ خیبر سے گزر کر وادئ سندھ میں پہنچنے تک اس کی فوج تین ہزار نو سو میل فاصلہ طے کر چکی تھی)۔

○

Marfat.com

سولھواں باب

دریائے بحر اور دریائے ریگ

کلیستھنیز کے لئے مصیبت یہ تھی کہ اس میں عقل و دانش کے علاوہ لطافتِ ذوق کا جوہر تھا۔ سکندر، ارسطو کے اس بھتیجے اور وطنی درس گاہ کے اس فارغ التحصیل طالب علم کا بڑے اشتیاق سے انتظار کر رہا تھا۔ وہ آیا تو ظاہر ہوا کہ رنگ رلیوں سے اسے کوئی ذوق نہیں۔ البتہ لطیفہ بازیوں سے خوب لطف اندوز ہوتا ہے۔ کم گو ہے اور ذہن بالکل صاف اور مجلا ہے۔ وہ اپنے ساتھ ارسطو کی تازہ تصانیف کے نسخے لایا جو مابعد الطبیعیات وطبیعات سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے ساتھ ایک غیر پیشہ ور فلسفی بھی آیا جس کا نام انگزارکس تھا۔

سکندر کے ساتھ مقدونوی رفقاء کی جو جماعت تھی، اس میں مذاق اور لطیفہ بازی کی ہمت ہی نہ رہی تھی۔ وہ پانچ سال سے خاصی تلخ حقیقتوں کے ساتھ دست و گریبان تھے اور فلسفیانہ آراء کی پیروی بالکل چھوڑ چکے تھے۔ کلیستھنیز اپنے ساتھ لیسیم کی درسگاہ کے نئے افکار لایا اور مسکراتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ایتھنز کے دانشمند لوگ ضدی ڈیماستھنیز کے لئے سنہری تاج تیار کرانا چاہتے ہیں۔ اہلِ مقدونیہ کے دل پر اس سے کوئی اچھا اثر نہ پڑا۔ انہیں ابتداء میں صحیح اندازہ نہ ہو سکا کہ کلیستھنیز فلسفی ہے یا اس کا تعلق کلبی فرقے سے ہے۔ انجام کار اسے سوفسطائی کہنے لگے (ارسطو نے بعد ازاں کلیستھنیز کے متعلق کہا کہ اس کا فہم بڑا اچھا تھا، باتیں بھی خوب کرتا لیکن اس میں قوتِ فیصلہ نہ تھی)۔

سکندر نے اپنے اتالیق کی نئی کتابیں بڑے شوق سے پڑھیں۔ ان میں بہت سے

Marfat.com

اہم مسائل پر بحث تھی۔ مثلاً خدا کا وجود جسے قبل ازیں ارسطو پراسرار شے قرار دیتا رہا تھا اور کہتا تھا کہ اس کیلئے اونچے درجے کا فہم درکار ہے اور اس پر چند منتخب آدمی گفتگو کر سکتے ہیں۔ کلیستھنیز نے کہا کہ ارسطو کا اسلوب خاصا مشکل رہا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے اسے عام آدمی سمجھ نہیں سکتے لیکن سکندر کو برابر یہ احساس تھا کہ جو موضوع عام آدمیوں کیلئے نہ تھا اس کے بارے میں یوں لکھا کیوں گیا لہٰذا اس نے ارسطو کو خط لکھوایا۔

سکندر کی طرف سے ارسطو کے نام:

سلام قبول ہو، جو مسئلہ صرف چند حقیقت شناس افراد کیلئے مخصوص تھا اس کے بارے میں ایسی کتاب کے اندر بحث کرنا جو سب کیلئے لکھی گئی ہرگز مناسب نہ تھا۔

پانچ سال دونوں کو الگ ہوئے گزر چکے تھے اور ان کے نقطہ ہائے نگاہ میں خاصا تغیر پیدا ہو چکا تھا۔ فلسفی کی خواہش یہ تھی کہ اب اپنی تعلیمات وسیع تر حلقے میں پہنچائے۔ بادشاہ کو اپنے مخصوص حق کی حفاظت کا خیال تھا۔

کلیستھنیز نے دورانِ سفر کے جو حالات بتائے سکندر سن کر بہت خوش ہوا۔ کلیستھنیز نے بتایا کہ یونان کے فنکار سنگتراش، جوہری، گلدان ساز، موسیقی اور زبان کے معلم تعداد کثیر جہازوں پر سوار ہو کر مشرق کی نئی دنیا میں پہنچ رہے ہیں۔ مصر کی بندرگاہ سکندریہ میں بھی جہاز یونانی شرابیں اور تیل لے کر جا رہے ہیں۔ جزیروں میں جنگ ختم ہو چکی ہے اور غلاموں کی تجارت دوگنی ہو گئی ہے۔ دوآبہ دجلہ اور فرات میں جو یونانی کاشتکار آئے تھے انہوں نے اپنے گھر بنا لئے ہیں اور بابل کے بابِ اشتر سے تھوڑے فاصلے پر ایک یونانی تھیٹر زیرِ تعمیر ہے۔ راستوں میں جو قافلہ سالار ملے ان کی جیبوں سے بھی نئے سکوں کی جھنکار سنی جا رہی تھی۔ لسی پس نے سکندر کا جو بت بنایا تھا وہ چوک کے مندر میں رکھا گیا تھا اور لوگ اس کی عبادت کر رہے ہیں۔

یہ باتیں سن کر مقدونیوں کو کوئی خوشی نہ ہوئی۔ یہ سوفسطائی جو سکندر کے پاس رہتا تھا شراب پی کر مدہوش نہ ہوتا تھا۔ دسترخوان پر بیٹھتا تو عموماً چپ رہتا گویا اسے پسند نہ کرتا تھا۔

Marfat.com

مقدونویوں کو یہ اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ کلیستھنیز کیلئے ان کی باتیں کس قدر عجیب ہیں اور وہ کس طرح بار بار ایک ہی معاملے کو زیرِ بحث لاتے رہتے ہیں۔ پرانے سوالات کچھ اس طرح کے ہوتے تھے کہ کیا یونان کے مقابلے میں یہاں سردی زیادہ ہے؟ کلیستھنیز مسکرا کر جواب دیتا کہ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے اس لئے کہ مقدونیہ میں ایک سوتی لبادہ کافی سمجھا جاتا ہے اور یہاں تین تین قیمتی پوستینوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔

کلیستھنیز نے ایک سادہ سا چغہ پہن رکھا تھا اور کلائٹس کے پاس دوہرا لبادہ تھا جس کے کنارے قراقلی چمڑے سے آراستہ تھے۔ اس قسم کے لبادے بہت عام ہو گئے تھے۔

ایک روز کلیستھنیز نے مقدونویوں کے شاندار کارنامے کی بہت تعریف کی۔ سکندر نے ٹوکتے ہوئے یوری پائیڈیز کے یہ الفاظ سنائے: ''کچھ تعجب نہیں کہ تم انتہائی اچھے الفاظ استعمال کر رہے ہو جب تم اچھے مضامین پر توجہ کرتے ہو۔'' ساتھ ہی اس سے پوچھا کہ بتاؤ حقیقت میں تمہاری رائے کیا ہے۔ کلیستھنیز نے کہا کہ اہلِ مقدونیہ نے مواقع سے حیرت انگیز طور پر فائدہ اٹھایا لیکن وہ اتنی تیزی سے جابجا پھرتے رہے کہ اپنے پیچھے بے یقینی کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔ ساتھ ہی کسی کا قول پیش کیا کہ جب بدامنی ہو تو ایک دہقان بھی بادشاہ معلوم ہوتا تھا۔

سکندر نے غصے سے کہا مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔ اگر تمہارا قول درست ہے تو تم یہاں دہقانوں میں کیوں رہتے ہو؟ اور تمہارے آنے کی غرض کیا تھی؟

کلیستھنیز جواب میں کہہ سکتا تھا کہ میرا آنا آپ کے بلاوے پر موقوف تھا لیکن اس نے سوچ کر جواب دیا میں اس لئے یہاں آیا ہوں کہ میرے ملک کی آبادی گھٹ گئی ہے اور میں جلاوطنوں کو واپس لے جانا چاہتا ہوں۔ سکندر کا غصہ اور بھی بڑھ گیا اور وہ بولا جلاوطن...... جلاوطن......!! تمہاری مراد کیا ہے؟ میں نے تمام لوگوں کو گھر جانے کی اجازت دے دی ہے ایتھنز کے تنخواہ دار بھی چلے گئے اب کون جلاوطن ہے؟

کلیستھنیز: مقدونوی۔

Marfat.com

یہ سنتے ہی سکندر کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر کچھ کہتے بغیر دستر خوان سے اٹھ گیا اور شراب بھی نہ پی اور بھی کوئی نہ بولا۔ کلائٹس نے اپنی قیمتی پوستین چپ چاپ اتار دی اور بیٹھا رہا۔ ہفاسشن نے بعد میں کلیستھنیز کو سمجھایا کہ سکندر ایک بھی تحقیر کے لفظ کو نہیں بھولتا خواہ وہ کتنا ہی سچا ہو۔ آپ کو جلاوطنی کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیئے تھا۔

سکندر نے بظاہر دوبارہ اس معاملے کا ذکر نہ کیا۔ بعض اوقات وہ کلیستھنیز کو غور سے دیکھتا رہتا اور کچھ نہ کہتا۔ ایک مرتبہ کلیستھنیز نے بڑے اچھے انداز میں باتیں کرتے ہوئے ڈیماستھنیز کی تعریف کی جس نے ایتھنز کی آزادی کیلئے کام کیا۔ سکندر نے اپنا پیالہ میز پر توڑا اور چیخ کر کہا: تم ایک شہری ریاست کو شہری احساسات کے حدود سے باہر نہیں نکال سکتے۔ ایتھنز نے خودکشی کرلی۔ اپنے آپ کو طوائف بنالیا۔ وہ معمولی زیورں سے آراستہ ہوکر آنے والے کی رفاقت پر آمادہ ہوتی رہی۔ اس کی سلطنت اتنی ہی پھیل سکتی تھی جتنی کہ انسانوں کی خواہشیں پھیل سکتی تھیں۔ طوائف کو حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم اس میں خیر و خوبی نہیں پیدا کر سکتے۔ ساتھ ہی یہ کہا کہ پریکلیز کے ایتھنز میں سے اب کون سی چیز باقی ہے؟

کلیستھنیز: شاید یہ احساس کہ کیا ہونا چاہیئے۔

بہر حال سکندر نے اپنی تجاویز کے متعلق کلیستھنیز سے کبھی مشورہ نہیں کیا خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ مشرقی مسائل کو سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ خواہ یہ ہو کہ سکندر اس کی رائے کو پسند نہ کرتا تھا لیکن یہ واقع ہے کہ کچھ مدت بعد کلیستھنیز نے اپنے سفر کے متعلق ایک کتاب لکھنا شروع کی جس کا نام سکندر کی پیش قدمی رکھا۔

مشرقی سمت کے پہاڑی علاقوں کی تسخیر کا سلسلہ خوشگوار صورت اختیار نہ کر سکا۔ سکندر نے تیسرے سکندریہ کی بنیاد اس مقام پر رکھی جہاں آج کل قندھار واقع ہے اور چوتھے سکندریہ کی تعمیر اس جگہ شروع ہوئی جس جگہ آج کل کابل ہے۔ پھر اس نے شمال کا رخ کرلیا۔ گرمی کا موسم تھا اور مقدونوی چلتے چلتے دو دریاؤں میں سے پہلے پر پہنچے۔ انہیں یقین

Marfat.com

تھا کہ اس دریا کا چشمہ دنیا کی بلند ترین چوٹیوں پر واقع ہے۔ یہ بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اور دریائے نیل سے اس کا عرض زیادہ تھا لہٰذا اسے تیر کر عبور نہ کیا جا سکتا تھا۔ سکندر نے حکم دیا کہ ڈھالوں کے ساتھ اس سے گزر جاؤ لیکن یہ حکم واپس لے لیا گیا۔ آخر بلیوں پر چمڑا منڈھا گیا اور اس کے اندر گھاس پھونس بھری گئی۔ ان پر بیٹھ کر دریا سے گزرے لیکن دشمن نے گھات میں بیٹھ کر گھوڑے چرانے والوں کی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب مقدونیہ کے ایک رسالے کو دشمن کے تعاقب میں بھیجا گیا تو اس کو مار کر پیچھے ہٹا دیا گیا۔ تیسرے سکندر کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ دیر تک لنگڑا تا رہا۔ پھر ایک نیا خطرہ نمودار ہوا...... یہ جلاوطنیوں کا خطرہ تھا، ہوا یہ کہ پہلے دریا کو جسے دریائے بحر[1] کہنا چاہیے مقدونیوں کے سامنے ایک عجیب حیرت انگیز منظر آیا، انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ ان کے آگے صورتحال کیا ہے؟ طلایہ گرد دستے وحشیوں کے ایک گروہ کے پاس پہنچے جن کے ہاتھوں میں شاخیں پکڑی ہوئی تھیں اور سبز پتوں کے انہوں نے ہار بنا رکھے تھے۔ وہ ٹوٹی پھوٹی یونانی زبان بول رہے تھے انہوں نے کہا ہم جلاوطن ہیں وہ بالکل وحشی نظر آ رہے تھے۔ گھروں میں کتی ہوئی اون اور چمڑے کے لباس پہن رکھے تھے۔ اور دیوانوں کی طرح اچھل کود رہے تھے۔ آخر معلوم ہوا کہ وہ یونانی ہیں۔ میراتھان اور سلیمس کی جنگوں میں ایرانی جن یونانیوں کو قید بنا کر لے آئے تھے وہ ان کے برخلاف ہیں۔ سکندر ان کے پاس گیا کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر ان سب کو قتل کر دینے کا حکم جاری کر دیا۔

کچھ معلوم نہیں کہ سکندر نے انہیں غصے اور غیظ کے عالم میں قتل کرا دیا اور اس پر ایسی حالت اب اکثر طاری ہوتی رہتی تھی یا وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان وحشیوں کو اپنی فوج میں شامل ہونے کا موقع دے لیکن یہ حد درجہ بے رحمانہ فعل تھا۔ یقیناً یہ قتل پارمینیو اور فلوٹس کے قتل سے بھی زیادہ برا تھا۔ (آریان نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن کونٹس کرٹس[2] روفس نے کیا ہے) سکندر کے مداحوں نے اس واقع کے سلسلے میں یہ معذرت پیش کی کہ یہ یونانی ایشیائی دشمنوں سے مل گئے تھے۔ اس لئے سزائے قتل ہی کے مستحق تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ معذرت سراسر

Marfat.com

مہمل تھی۔ کلیستھنیز بھی اس پر خاموش رہا۔

کسی نے نہیں بتایا کہ اس واقعہ قتل کے بارے میں فوج کا کیا تاثر تھا لیکن یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہئے کہ اس سال سکندر نے کئی مرتبہ فوج کو جنگ کا حکم دیا اور ایک سے زیادہ مرتبہ خود اس کی قیادت کرنی پڑی۔ شہر کورِش کی فصیل پتھر کی تھی۔ منجنیقیں اس فصیل کے خلاف کام نہ دے سکتی تھیں۔ سکندر اور کریٹرس کو اس دریا کے بہاؤ میں سے ہو کر حملہ کرنا پڑا۔ جو شہر کے پاس بہتا تھا اور موسم گرما کے شباب میں نایاب ہو جاتا تھا۔ یہاں ایک بھاری پتھر سکندر کے سر پر لگا جس سے سخت زخم آیا۔ بعدازاں اس کی بینائی پہلی حالت پر باقی نہ رہی۔ کریٹرس ایک تیر سے زخمی ہوا۔

یہاں مقدونیوں کو ایک کھلا میدانی علاقہ نظر آیا۔ جہاں سے تجارتی شاہراہ بحیرہ قزوین کی طرف جاتی تھی۔ نیز یہاں ان کا مقابلہ باختر اور سغد کے پارتھیوں سے تھا جو گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑی قادراندازی سے تیر چلاتے تھے۔ مزاحمت کے باعث مقدونوی فوج کئی مہینے تک آگے نہ بڑھ سکی۔ یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ بحیرۂ روم کے ساحلی علاقے میں جو جنگیں پیش آئی تھیں پارتھیوں کے ساتھ لڑائیاں ان سے بالکل مختلف تھیں۔ یہ موت و حیات کی بے رحمانہ جنگ تھی۔ شمالی ایشیا کے تیرانداز اتنی تیزی سے نکل جاتے تھے کہ مقدونوی ان کا تعاقب نہ کر سکتے تھے۔ انہیں عجیب تدبیروں سے کام لینا پڑتا۔ مثلاً ظاہر یہ کرتے کہ فلاں شہر کا محاصرہ کر رہے ہیں لیکن رات کی تاریکی میں چھاپے دوسری جگہ مارتے۔ سکندر نے کئی مرتبہ مختلف شہروں کو فتح کر کے اندر کی پوری آبادی قتل کرادی لیکن اس طرح مفتوحہ شہروں پر قبضہ جمائے رکھنے میں کوئی سہولت پیدا نہ ہوئی۔ سکندر کا منصوبہ یہ تھا کہ ہر نو آبادی کی حفاظت کیلئے فوج متعین کر دے۔ یہ منصوبہ منظم مزاحمت کے مقابلے میں کامیاب ہوتا نظر نہ آیا۔ اسے کامیاب بنانے کیلئے ضروری تھا کہ مقابل کے مسلح فوجیوں کو تباہ کیا جاتا۔

اس کامیاب مزاحمت کا روحِ رواں ایک مادی امیر تھا جو ایرانی فوج میں سالار رہ چکا

Marfat.com

تھا۔ اس کا نام سپٹاما[3] تھا جس نے سطح مرتفع کی جنگی قوت اپنے گرد جمع کر لی تھی۔ وہ مزید شمالی علاقوں سے سِتھیوں کو بھی اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تھوڑی مدت کے لئے سپٹامانے خود مقدونویوں کی تدبیروں سے کام لے کر انہیں ناکام بنائے رکھا۔ سکندر نے اپنے سواروں کا بھاری ساز و سامان رکھوا لیا تاکہ وہ زیادہ ہلکے پھلکے ہو کر ان باختریوں کی یورشوں سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ لیکن اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر اس نے میدانی علاقے کی آبادیوں کو اپنے آباد کئے ہوئے شہروں میں جا بسنے کی ترغیب دی۔ انہیں خوش کرنے کیلئے وہی لمبا اور ڈھیلا ڈھالا چغہ پہننا شروع کر دیا جو ایرانی شہنشاہ پہنتے تھے۔ جاسوس بتاتے تھے کہ سپٹاما وہ شاہی تاج پہنتا ہے جو دارائے اول پہنتا تھا۔

غرض مقدونوی جو بھی تدبیر اختیار کرتے سپٹاما اس کا مؤثر توڑ کر لیتا۔ جب سکندر کا زخم اچھا ہوا، اس کی صحت بحال ہوگئی اور اس نے دیکھا کہ مقدونوی قوت کس طرح ضائع ہو رہی ہے تو خود سِتھیوں کے علاقے میں پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ سیاہ رنگ کی ریت کے صحرا میں سے ہوتا ہوا اس خطے میں پہنچا جس کی مٹی زردی مائل چکنی تھی اور وہاں سرخ رنگ کے تودے کھڑے تھے۔ گویا انسانوں نے ہاتھ سے بنائے تھے۔ ان پر روئیدگی کا نشان تک نہ تھا۔ ہوا کا معمولی جھونکا بھی آتا تو گرد و غبار کا طوفان اٹھتا۔ غروبِ آفتاب کے وقت پورا خطہ خون کا رنگ اختیار کر لیتا۔[4] اریسٹانڈر کو یہ منظر اچھا معلوم نہ ہوا۔

میدانی سواروں کی یورشوں سے بچنے کی خاطر سکندر مشرقی سمت کی پہاڑیوں میں چلا آیا جہاں پہاڑیوں کے دامن میں ایک دریا ملا۔ اس کے کنارے میوے اور درخت کھڑے تھے۔ یہاں شہر مرکنڈ (موجودہ سمرقند) کے سنگی قلعے میں اس نے ایک فوج بٹھائی اور خود سِتھیوں کے تعاقب میں آگے بڑھ گیا۔ اگرچہ عام طور پر سمجھا جا رہا تھا کہ کوروش سمرقند سے آگے بڑھا تھا تو سِتھیوں کے ہاتھ سے مارا گیا لیکن سکندر بے پروایانہ آگے بڑھتا گیا۔ چلتے چلتے وہ دوسرے دریا پر پہنچ گیا جسے دریائے ریگ[5] قرار دیا گیا ہے۔ وہ اب زمین کے انتہائی بلند حصے سے قدرے شمالی جانب تھے جسے لوگ ہندی کوگ[6] یا ہندوستان کا پہاڑ کہتے

Marfat.com

تھے۔ مطلع صاف ہوتا تو انہیں اپنے عقب میں اور دائیں جانب بلند چوٹیاں صاف نظر آتیں۔

یہاں دریائے ریگ کے کنارے اس سکندریہ کی بنیاد رکھی گئی جو اس نام کا آخری شمالی شہر تھا چونکہ اس جگہ متواتر حملے ہوتے رہتے تھے۔ اس لئے استحکامات کا خاص خیال رکھا گیا۔ دریا کے پار سے دہشت انگیز ستھیوں کی چوکیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ ستھی سوروں کی تلواریں بہت لمبی اور کمانیں عجیب طریقے پر خمیدہ تھیں۔ وہ دریا پار اپنے گھوڑے چراتے ساتھ ساتھ مقدونویوں کی ہنسی اڑاتے۔ آہستہ آہستہ ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ مقدونویوں کا خیال نہ تھا کہ یہی موعود دریا ہے جو بہشت سے نکلا ہے۔ عین اس موقع پر اطلاع ملی کہ مرکنڈ میں جو فوج متعین کی گئی تھی اس پر سپٹاما نے حملہ کر دیا اور فوج کو قلعے میں محصور ہونا پڑا۔

اگر سکندر جنوب کی جانب مڑتا تو ستھی سوار دریا کو عبور کر کے تعاقب میں نکل پڑتے۔ دریا کو عبور کر کے ستھیوں کی طرف بڑھتا تو اس فوج سے دور ہو جاتا جو اب سپٹاما کے رحم وکرم پر رہ گئی تھی۔ گویا وہ ایک عجیب مخمصے میں گرفتار ہو گیا تھا۔ فوج کے افسر اب یہ سوچنے لگے کہ وسیع خطوط رسد کی حفاظت کیلئے صرف کہیں کہیں فوجیں متعین ہیں اور ان پر کسی وقت بھی حملے ہو سکتے ہیں۔ اس پر جتنا سوچتے تشویش بڑھتی جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک دھاگہ پکڑ کر بھول بھلیوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ اگر وہ دھاگہ ٹوٹ گیا تو...... انہیں یہ بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ ستھیوں کی حیثیت عجیب الخلقت افسانوی مخلوق کی سی ہے جو پہاڑوں اور صحراؤں کی بھول بھلیوں میں ان پر ہلہ بول دینے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ انہیں یاد آ رہا تھا کہ ستھی جنہیں وہ سکوتھی کہتے تھے ایشیائی اقوام میں سب سے بڑھ کر طاقتور ہیں۔ یہ لوگ اس سیاہی مائل سطح مرتفع پر گھومتے رہتے ہیں جس کی حد بلقان کے قریب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور بحیرۂ اسود کے یونانی فنکاروں سے اپنی عورتوں کے لئے سنہری زیور اور جواہرات لاتے ہیں۔ یونان پر حملے سے پیشتر دارائے اول نے ان پر حملہ کیا اور ذلت خیز شکست کھائی۔ اس دریا کے آس پاس بلند مرتبہ کوروش ان کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ یہ اپنے لمبے لمبے بالوں اور ڈھیلے ڈھالے جاموں میں وحشی معلوم ہوتے تھے۔ بہرحال صورت حال میں

Marfat.com

امید کی کوئی جھلک دکھائی نہ دیتی تھی۔

انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ سکندر فی الحال کسی فوج کی قیادت کے قابل نہیں۔ اس کے سر پر پتھر کی جو ضرب لگی تھی اس نے کئی روز تک اس کے دماغ کو منجمد رکھا۔ اب اس کی بینائی تو درست ہو گئی تھی لیکن وقتاً فوقتاً درد سر کے دورے ہوتے رہتے تھے اور ان سے نجات حاصل کرنے کیلئے وہ شراب کا آخری ذخیرہ ختم کر رہا تھا۔ شراب یا دریا کے گدلے پانی کے باعث پیچش شروع ہوئی اور وہ بہت کمزور ہو گیا۔ خود سکندر ان سے کچھ نہ کہتا۔ البتہ یہ تاکید کرتا رہتا کہ اس نئے شہر کو خوب مستحکم کر لو جو آخری چوکی کا کام دے گا اور اس کے ذریعے سے خانہ بدوشوں کی یورشیں روکی جا سکیں گی۔ بظاہر وہ مایوس سا ہو گیا تھا۔ وہ انتہائی مشقتیں اٹھا کر دریائے ریگ پر اس جگہ پہنچا تھا جہاں کے قریب سے یہ نکلتا ہے۔ امید تھی کہ اس کے ساتھ وہ منبع کا سراغ لگاتا ہوا ہندوکوہ کے پہاڑیوں میں پہنچ جائے گا لیکن اب صاف نظر آ رہا تھا کہ دریا کا منبع غیر معلوم بلندیوں پر واقع ہے۔

اس شمالی سرزمین کی کوئی بھی شے شناسا معلوم نہ ہوتی تھی۔ کسی کو یاد نہ آتا تھا کہ دیونی سوس میں کوئی اس خطے میں کبھی آیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ارگونات جس جگہ پہنچے تھے وہ یہاں سے مغرب کی جانب بہت دور بنی ہوئی تھی۔ ادھر سیتھی لوگ دریا کے کنارے روز بہ روز زیادہ ہوتے جاتے تھے۔ نئے سکندریہ کی سنگین دیوار آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔ دیاؤس کے انجینئر اس سلسلے میں زیادہ کچھ نہ کر سکتے تھے اور مرکنڈ (سمرقند) کی محصور فوج کیلئے کمک کا انتظام بہرحال ضروری تھا۔

سکندر نے اپنی فوج میں سے پیادوں اور سواروں کی دو رجمنٹیں الگ کیں۔ یہ کوئی دو ہزار چار سو آدمی ہوں گے اور انہیں کرینوس کی قیادت میں دے دیا۔ اریسٹانڈر سے کہا کہ اب عبورِ دریا کیلئے شگون دیکھو۔ اس نے ایک بھیڑ ذبح کی اور اس کا جگر دیکھ کر کہا کہ فوج اگر ایک طبعی رکاوٹ میں سے گزری تو اسے نقصان پہنچے گا۔ سکندر نے یہ سنا تو سخت خفا ہوا لیکن خاموش رہا۔ پھر حکم دیا کہ دوبارہ شگون دیکھا جائے۔ اریسٹانڈر نے گھبرا کر کہا کہ میری بات پر یقین نہیں تو کسی دوسرے سے پوچھ لو۔ سکندر نے پھر کہا کہ نہیں دوبارہ دیکھو۔ چنانچہ پھر

Marfat.com

ایک بھیڑ ذبح کی گئی۔ اب اس نے یہ بتایا کہ فوج دریا عبور کر جائے گی لیکن سکندر کو گزند پہنچے گا۔ اس نے کہا کہ میں ہر مصیبت برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ یہاں بیٹھا ہوا بربریوں کی خندہ زنی کا ہدف بنوں۔ ایرسٹانڈر نے کہا کہ بہر حال احتیاط کرنی چاہئے۔ یہ دیوتاؤں کے نشان ہیں اور دیوتا کسی کی خواہش کے مطابق اپنے ارادے نہیں بدلا کرتے۔

اس اثناء میں ستھی حیران تھے کہ مقدونوی آئندہ کیا کریں گے۔ جب شہر کے استحکامات ایک خاص منزل پر پہنچ گئے اور مناسب حفاظت کی جگہ نکل آئی تو سکندر نے بیماروں اور اطراف کے کاشتکاروں کو اندر بھیج دیا۔ انجینئروں نے عبورِ دریا کیلئے تیاریاں شروع کر دیں۔ بڑی بڑی کمانیں دریا کے کنارے لگا دی گئی تاکہ عبور کے وقت ان سے فوج کی حفاظت کا کام لیا جا سکے۔ ستھی تیر انداز آتے اور دور سے تیر پھینک کر چلے جاتے۔ درمیانی فاصلہ اتنا تھا کہ ان کے تیروں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا پھر سکندر نے یا تو اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کیلئے یا ستھیوں کو حیران کرنے کیلئے ایک عجیب تماشا کیا۔ اس نے دریا میں چڑھاوے کی شراب ڈالی۔ فوجیوں سے کہا کہ کھیلیں شروع کرو۔ نیز شہر اور دریا کے درمیان جو میدان ہے اس میں گھڑ دوڑ ہونی چاہئے اور خوب باجے بجائے جائیں۔ ستھی یہ تماشا دیکھنے کیلئے دوسرے کنارے پر آگئے جو میدان سے زیادہ دور نہ تھا۔

اب سکندر نے ایک طرف حکم دیا کہ بڑی کمانوں سے تیراندازی شروع کر دی جائے۔ دوسری طرف فوج کو دریا عبور کرنے کیلئے کہہ دیا۔ ان کمانوں سے جو تیر نکلے وہ ستھیوں کی ڈھالوں کو بھی چھیدتے ہوئے چلے گئے۔ وہ فوراً کنارا چھوڑ کر بھاگے اور سکندر کی فوج دریا سے گزرنے لگی۔ آریاں لکھتا ہے:

''دور مار تیروں نے ستھیوں میں کھلبلی ڈال دی تو سکندر نے حکم دیا کہ باجے پورے زور سے بجتے رہیں۔ وہ سب سے پہلے لشکر میں دریا سے گزرا۔ اگلے کنارے پر پہنچتے ہی تیراندازوں اور نیزہ اندازوں سے کہا کہ آگے بڑھ کر ستھیوں کو ہراساں کرو۔ اور انہیں دریا سے گزرنے والے پیادوں پر تیر چلانے کی مہلت نہ دو۔ اسی طرح پیادے اور سوار سب بہ

Marfat.com

اطمینان پار ہو گئے۔"

مقدونویوں نے اس سے پہلے یا بعد کبھی اپنے آپ کو اتنی خطرناک پوزیشن میں نہ ڈالا۔ سکندر کو سوار تیر اندازوں کے خطرناک طریقوں کا تجربہ نہ تھا یہاں اسے تجربہ ہوا اور بہت جلد اس سے فائدہ اٹھالیا۔ غرض دریا کے کنارے سے لڑائی کی صف بندی کر کے کوئی دو ہزار آدمیوں کو آگے بھیجا۔ سیتھیوں نے اسے نرغے میں لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ جب بڑی فوج آگے بڑھی تو سیتھیوں نے پہلی ہی تدبیر دہرائی اور تیر چلا کر تیزی سے نکل گئے اور مقدونیوں کو ٹھہرنا پڑا حملے کے جس طریقے پر عموماً عمل کیا جاتا تھا وہ یہاں کام نہ دے سکتا تھا۔ اس لئے کہ سیتھی سامنے نہ تھے بلکہ چکر لگا کر عقب میں آ گئے تھے۔ وہ اتنے تیز چل رہے تھے کہ مقدونوی رسالہ ان کا تعاقب نہ کر سکتا تھا۔ پیادوں کو مربعے کی شکل میں بڑھانا صریح حماقت سمجھا جاتا بلکہ پیادے خود بے بس سے تھے۔ اس لئے کہ میدان بالکل سپاٹ تھا اور پیادے اوٹ نہ لے سکتے تھے۔

سکندر نے فوراً ایک تجویز سوچ لی اور اسی پر عمل کیا۔ اس نے رسالے کو غنیم کے ایک بازو کی طرف بھیجا۔ ان کے پیچھے دوسرا رسالہ بھیجا تا کہ غنیم پہلے کو نرغے میں لے لے۔ اس کا کام یہ نہ تھا کہ سیتھیوں سے لڑے، صرف یہ مقصد تھا کہ انہیں ایک طرف سے روک لے۔ پھر اس نے پیچھے ہٹ کر اپنی خاص فوج کی کمان سنبھالی اور اسے پہلے متحرک جیش کے متوازی چکر دے کر حلقہ سا بنالیا۔ اس طرح سیتھی مقدونوی فوج کے دو پاٹوں میں آ گئے اور دونوں طرف سے ان پر موت و ہلاکت کی بارش ہونے لگی۔ سیتھی گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ دو جیشوں نے ان کا پیچھا کیا۔ بس اس چال نے سیتھیوں کا ستیاناس کر ڈالا۔ وہ ایک ہزار کے قریب مارے گئے۔ مقتولین میں ان کا ایک بڑا سردار بھی تھا۔ کوئی ڈیڑھ سو کے قریب اسیر ہوئے۔ بظاہر مقدونیوں کا نقصان زیادہ ہوا۔ لیکن کامیابی انہیں کو حاصل ہوئی۔ سیتھیوں کو مزید لڑائی کا حوصلہ نہ رہا۔ البتہ سپٹاما کے ساتھ اس کا اتحاد قائم تھا۔ پھر سکندر آگے بڑھا اور شہر منکین (تاشقند) میں پہنچ گیا۔ سیتھیوں کو یقین ہو گیا کہ سکندر جانا نہیں چاہتا بلکہ مستقل طور پر ٹھہرنے کا خواہاں ہے۔ چنانچہ انہوں نے سفیر بھیج کر صلح کر لی۔

Marfat.com

سکندر کو تعاقب کی تگ ودو نے تھکا دیا تھا۔ پھر اسے پیچش ہوگئی جس نے بے حد کمزور کر دیا۔ چنانچہ اسے پالکی میں ڈال کر دریا پر لائے۔ اس طرح اریسٹانڈر کی پیشگوئی پوری ہوگئی کہ فوج دریا سے کامیابی کے ساتھ گزر جائے گی لیکن سالار اعظم کو گزند پہنچے گا۔ اس اثناء میں یہ خبر ملی کہ مرکنڈ والی فوج کی کمک کے لئے جو فوج کرینس کے ماتحت بھیجی گئی تھی وہ پوری کی پوری تباہ کر دی گئی۔ یہ کام سپٹاما کا تھا جسے ستھیوں نے مدد دی۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس فوج کے افسر ستھی سواروں کی چال کا اندازہ نہ کر سکے۔ سکندر نے یہ سنتے ہی نہایت تیز رفتار سوار منتخب کئے اور انہیں لے کر مرکنڈ کی طرف روانہ ہوگیا۔ تیزی کا یہ عالم تھا کہ آریاں کے قول کے مطابق ایک سو پینتیس میل کا فاصلہ تین دن اور تین رات میں طے کر گیا۔ چوتھے دن صبح کے وقت وہ وادی میں اترا اور باغیوں کے احاطے میں سے مرکنڈ کا قلعہ صاف نظر آ رہا تھا۔ محاصرین کو سکندر کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ اس کے پہنچنے سے پیشتر ہی سپٹاما کے ماتحت بھاگ گئے۔ سکندر نے اس کے یونانی مقتولین کو دفن کرایا۔ اب موسم سرما آ گیا تھا اور اونچے پہاڑی درے برف نے بند کر دیئے تھے۔ یہ 32-329 ق م کا موسم سرما تھا۔

سپٹاما کی چالوں اور قابو میں نہ آنے والے وحشی سواروں کی مزاحمت نے سکندر کو بڑا پریشان کیا۔ اب وہ خود اونچی سطح کے علاقوں میں پھرنے لگا اور اس نے تباہ کاری کے طریقے اختیار کر لئے۔ مثلاً دیہات ویران کر ڈالتا، باشندوں کو مجبور کرتا کہ ڈھلوانوں کو چھوڑ کر چوٹیوں پر جا بیٹھیں جہاں ان کے جانوروں کو چارہ نہ مل سکتا تھا، جانور مجبور ہو کر نیچے آ جاتے اس طرح مقدونیوں کو حسب دلخواہ خوراک مل جاتی اور جانوروں کے مالک چوٹیوں پر بھوکوں مرتے۔ مقدونوی سپاہی ریوڑوں کے ریوڑ ہانک کر اپنی نو آبادیوں میں لے آتے اور عام لوگوں کو کھانے کیلئے کچھ نہ ملتا۔ پھر اس نے بہت سی کمکی فوجیں بلا لیں۔ پیلا سے نئے رنگروٹوں کی وہ جمعیت بھی آ پہنچی جو ہر سال آ جاتی تھی۔ ان کے ساتھ تنخواہ دار بھی آ گئے۔ دو سال پہلے بھی سکندر نے تنخواہ داروں کو بھرتی کرنا ترک کر دیا تھا۔ اب آباد کاروں کی ضرورت تھی لہٰذا انہیں رکھ لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ باختر اور سغد کی آبادیاں زیادہ

Marfat.com

تر یونانیوں ہی سے لبریز ہوئیں۔

نیارکس اور بعض دوسرے افسر اپنے ساتھ وہ کمک لائے جس کے متعلق مؤرخ کا بیان ہے کہ وہ سمندر کے راستے آئی تھی چونکہ سکندر نے ابھی تک کوئی بحری راستہ نہ کھولا تھا۔ اس لئے خیال ہے کہ یہ کمکی لشکر ان سامی ملاحوں پر مشتمل ہوگا جو بحیرۂ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ان کے علاوہ زوزاکارتا کے مرکز سے بھی فوج آ پہنچی۔ مشرقی جھیل کی جانب سے پندرہ سو کے قریب اتحادی لشکر بھی آ گیا۔ یہ جھیل وہی تھی جس میں دریائے بحر اور دریائے ریگ گرتے تھے۔ (مراد ہے بحیرۂ خوارزم شاہی) ان اتحادیوں کا سردار اپنے آپ کو خوارزمی کہتا تھا۔ وہ لوگ شمالی مرتفع کے متعلق جو کہانیاں سناتے تھے جن سے یونانی جغرافیہ دانوں اور..... سکندر کو ان باتوں سے بہت دلچسپی پیدا ہوئی۔ سردار نے سکندر سے کہا کہ میں آپ کو جھیل تک لے چلتا ہوں۔ وہاں دیونیاں بھی دکھاؤں گا جو اسپ سواری کی ماہر ہیں اور بڑی پھرتی سے تیر چلاتی ہیں۔ اگر کسی خوارزنی دلہن کی ضرورت ہو تو اس کا انتظام بھی ہو سکتا ہے لیکن سکندر نے معذرت کر دی۔ اب ایشیا کے اس حصے میں اس کے ساتھ تنخواہ داروں اور ملازموں کو شامل کرتے ہوئے لاکھ ڈیڑھ لاکھ آدمی ہو گئے تھے۔

اب اس نے سپٹاما کا فیصلہ کر دینے کی تدبیریں اختیار کیں۔ لیکن یہ کام چالوں کا نہ تھا بلکہ دہشت انگیزی کا تھا۔ باشندوں پر واضح ہو گیا کہ جب تک وہ آبادکاروں کا ساتھ دینے کیلئے تیار نہ ہوں گے بے خود خراب رہیں گے اور مارے جائیں گے۔ نو آبادیوں میں انہیں ہر ضروری سامان ملتا تھا۔ دو سال پیشتر ملک سکندر کے خلاف تھا۔ اب سارا ملک سپٹاما کا دشمن بن گیا۔

سکندر کا خاصا یہی تھا کہ جب مشکلات پیش آتیں تو انہیں ختم کئے بغیر چین نہ لیتا۔ اسے ناکامی اور پسپائی دونوں سے نفرت تھی۔ اس کی خواہش ہوتی کہ ہندی کوہ کی بلندیوں پر سے گزرتا ہوا وادی سغد میں پہنچ جائے۔ اس غرض سے باختر و سغد کی سطح مرتفع کو مسخر کرنا ضروری تھا۔ گویا سوانح نگاروں کا یہ خیال صحیح نہیں کہ ہرقل یا سیمی ریس کے افسانوی کارناموں سے درخشاں تر کارنامے انجام دینے کی خواہش نے اس پر آمادہ کیا تھا۔ یہی وجہ

Marfat.com

ہے کہ اس نے یہاں کے آدمیوں کے طور طریقے اختیار کر لئے تھے۔ پرسی پولس میں ایرانیوں کے طریقے اپنا لئے تھے۔ یہاں سطح مرتفع کی بے تکلف زندگی اپنالی۔ وہ گھوڑے پر لوگوں کے ساتھ دور دور پھرآتا۔ ڈھول اور تری کی آواز پر ناچتا۔ ان لوگوں میں ضرب المثل تھی کہ جو آدمی گھوڑے پر بیٹھ سکتا ہے وہی آزاد ہے جو گھر میں بیٹھے گا وہ غلام بن جائے گا۔ سکندر نے سواری میں باختر وستھیا کے جنگجوؤں کو بھی مات کر دیا۔

دو سال کی جنگوں نے فوج کو بڑا نقصان پہنچایا تھا۔ بہت سے مارے گئے، بہت سے بیمار پڑ گئے یا زخمی ہوئے۔ اس پر لوگوں میں تلخ کلامی پیدا ہوئی لیکن وہ مزید مشقتیں اٹھانے کیلئے تیار ہو گئے۔ جو بلندیوں کو عبور کر کے آئے ان میں نفرت و برداشت دونوں کی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی۔ مقدونوی فوج اب پانچ لشکروں میں تقسیم تھی۔ ہر ایک لشکر کے کماندار الگ الگ تھے۔ مثلاً ہفااسشن، بطلیوس، پڑوکاس، کوئی تھس اور خود سکندر۔ سرما میں یہ پانچوں لشکر سپٹاما کے تعاقب میں لگے رہے اور اسے کہیں دم لینے یا نئے آدمی بھرتی کرنے کا موقع نہ دیا۔

سپٹاما نے ایک آبادی پر اچانک حملہ کر کے اسے لوٹا۔ اس اثناء میں کوئی نس نے اسے نرغے میں لے لیا۔ سپٹاما کو خود اس کے آدمیوں نے قتل کر کے سر کاٹا اور صلح کی پیشکش کے ساتھ پیش کر دیا۔ اس کے ساتھیوں کو علم ہو چکا تھا کہ سکندر خود آ رہا ہے اور وہ بہت ڈر گئے تھے۔ اس پر مزاحمت ختم نہ ہوئی۔ آریاں کہتا ہے یہ بربری ہر وقت جنگ کیلئے تیار رہتے ہیں۔ اس لئے کہ افلاس کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔ نہ ان کے ہاں شہر ہیں اور نہ مستقل گھر۔ ایسی کوئی چیز ان کی عناں گیر نہیں ہو سکتی اور نہ انہیں کسی قسم کا خوف ہوتا ہے۔

سپٹاما کے خاتمے کے بعد مقدونویوں نے مقامی باشندوں کی دلداری شروع کر دی۔ صرف ایک قصبہ تھا جو بلند ٹیلے پر واقع تھا۔ خیال تھا کہ اسے مسخر نہیں کیا جا سکتا۔ مقدونوی میخیں ٹھونکتے ہوئے اوپر چڑھ گئے اور اپنے لئے قینچی اور سیڑھی بنالی۔ لہٰذا وہ قصبہ بھی حوالگی پر مجبور ہو گیا۔

Marfat.com

ستارہواں باب

روشنک

سردی کا موسم تھا جب سکندر کی ملاقات اپنی آئندہ رفیقۂ حیات سے ہوئی۔ اس کی فوج مخالفین کے گروہ کا تعاقب کرتی ہوئی ایک ایسے قلعے کے پاس پہنچ گئی جو ایک بلند چٹان پر برج کی طرح کھڑا تھا اور لوگ اسے صحرائے سغد کہتے تھے۔ مدافعین اس بلند قلعے میں داخل ہوگئے تھے جس میں سامانِ رسد بہ افراط جمع تھا۔ مقام کے قدرتی استحکامات کے سرسری معائنے سے اہلِ مقدونیہ پر واضح ہو چکا تھا کہ اس پر نہ یورش ہو سکتی تھی اور نہ اسے فتح کیا جا سکتا تھا۔ چٹان کی چوٹی پر برف موجود تھی جس سے باختریوں کو ضرورت کے مطابق پانی مل جاتا تھا۔ سکندر نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور کہا کہ اپنے مکانوں میں واپس آ جاؤ تو کامل معافی دے دی جائے گی۔ باختریوں نے اس پیشکش کا مذاق اڑایا اور چیخ کر جواب دیا کہ واپس چلے جاؤ ایسی سپاہ ساتھ لاؤ جس کے پر لگے ہوئے ہوں۔ اس صورت میں ممکن ہے اڑ کر ہمارے تک پہنچ جاؤ۔

سکندر نے سن لیا تھا کہ باختر کا ایک سردار اپنے کنبے کو لے کر صحرائے سغد میں پناہ گزیں ہو گیا ہے اور اسے فتح نہیں کیا جا سکتا۔ مدافعین کے عزمِ مقابلہ نے اسے بڑا غصہ دلایا۔ ساتھ ہی اس کے دل میں عجیب و غریب تدابیر آئیں۔ اس نے اپنے اگریانی سواروں کو بلایا جو چٹانوں پر چڑھنے میں بڑے مشتاق تھے اور ان کے سامنے یہ پیشکش کی کہ جو شخص سب سے پہلے اس چوٹی پر پہنچے اسے بارہ ٹیلنٹ انعام دیا جائے گا اور آخری آدمی کو

Marfat.com

بھی ضرور چند اشرفیاں ملیں گی۔ میری تجویز یہ ہے کہ رات کے وقت اس ٹیلے پر اس طرف سے چڑھو جس طرف یہ بالکل سیدھا کھڑا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اس طرف سے چڑھنا ممکن نہیں۔ صبح تک اوپر چڑھ کر اس مقام پر پہنچ جاؤ جو قلعہ سے بلند ہے چونکہ چٹان کے اس حصے پر چڑھنا ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اس طرف کوئی حفاظتی تدبیر بھی اختیار نہ کی گئی تھی بلکہ پہرے دار تک موجود نہ تھا۔ تین سو تجربہ کار کوہ نوردوں نے اپنی خدمات رضا کارانہ پیش کر دیں۔ انہوں نے چٹان کے اس حصہ کا گہرا معائنہ کیا۔ اپنے ساتھ خیموں کی آہنی میخیں اور سن کے لچکیلے رسے لے لئے۔ سکندر نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک پرچم دے دیا۔ یہ پرچم انہوں نے اپنی کمروں سے لپیٹ لئے۔ موسم سرما کی خنک رات میں وہ چڑھنے لگے جہاں مناسب سمجھتے میخیں ٹھونک لیتے۔ جہاں ممکن ہوتا رسے باندھ لیتے۔ تیس آدمی رات کی تاریکی میں نیچے گر گئے اور اگلے دن ان کی لاشیں تلاش کی گئیں تو نہ مل سکیں۔ باقی تمام آدمی طلوع آفتاب کے بعد چوٹی پر پہنچ گئے اور انہوں نے اشاروں سے اپنی کامیابی کا اعلان کر دیا۔ افسروں نے فوراً پکار کر باختریوں سے کہا پہاڑی لوگو! وہ دیکھو ہمیں پردار سپاہی مل گئے وہ تمہارے سروں پر کھڑے ہیں خوب غور سے دیکھ لو۔

باختریوں نے مسلح سپاہیوں کو بلندی پر پرچم لہراتے دیکھا تو سمجھ لیا کہ واقعی پردار سپاہی پہنچ گئے چنانچہ تدبیر کامیاب ہوئی اور سغد کے اس نہایت مستحکم قلعے کا سردار حوالگی کے لئے مجبور ہو گیا۔ سکندر نے ایک شام پیشتر پہاڑ پر چڑھنے والوں کو اوپر چڑھنے اور پرچم لہرانے کی خوب مشق کرادی تھی۔ پہاڑی لوگوں کیلئے یہ آخری پناہ گاہ تھی۔ سکندر خود معائنے کیلئے اوپر پہنچ گیا۔ باختری سرداروں نے بادل نخواستہ اسے راستہ دے دیا۔

وہ پھرتا پھراتا قلعے کے ایک حصے میں پہنچا تو ایک مکان میں سے ایک لڑکی نکل آئی۔ قاعدے کے مطابق وہ سکندر کے سامنے جھکی نہیں۔ تنہا اطمینان سے کھڑی رہی تاکہ جو کچھ سکندر کو کہنا ہے کہہ ڈالے۔ اس کے گیسو دونوں جانب گندم کی نئی بالیوں کے انداز میں گندھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ حسین اتنی تھی کہ ایک مرتبہ نظر اس کے چہرے پر پڑ جاتی تو

Marfat.com

ہٹائی نہ جا سکتی۔ وہ ایک حد تک ہراس زدہ ضرور تھی لیکن پیچھے نہ ہٹی۔ سورج کی روشنی میں اس کے سر کے بال چمک رہے تھے۔ سکندر نے اس کا نام پوچھا تو جواب ملا: ''روشنک (رخسانہ) یعنی دخترِ نور۔''

باختری سردار کی یہ قرۃ العین یونانی زبان بالکل نہ جانتی تھی۔ لیکن سکندر کے دل میں اس نے کوئی پرانی یاد تازہ کر دی، ہو سکتا ہے اس کے دل میں کسی باختری خاندان میں شادی کر لینے کا خیال ہو چنانچہ روشنک کو اس نے پسند کر لیا۔ فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ پیچھے نہ ہٹی اس لئے کہ قواعدِ جنگ کے مطابق وہ اپنے آپ کو فاتح کا مال سمجھتی تھی اور تیار ہو چکی تھی کہ اس کے متعلق جو فیصلہ چاہے کر دے۔ سکندر نے اپنی کلائی سے ایک کڑا اتارا۔ چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر روشنک کے بازو میں پہنا دیا۔ ساتھ ہی کہا کہ اسے پہنے رہو۔ اس لئے کہ میں تم سے شادی کروں گا۔

روشنک اس کے ساتھ ہندوستان گئی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بلاشبہ وہ برسین جیسی تعلیم یافتہ اور مہذب نہ تھی لیکن اس کے خیالات دو باتوں پر مرتکز تھے اول مذاہب، دوم شوہر۔ وہ حقیقی معنی میں سکندر کی بیوی بن گئی۔ اگرچہ فوج نے اس باختری شادی کو پسند نہ کیا۔

نو آمادہ آدمیوں میں سے ایک کا نام اونیسی کریٹس [1] تھا۔ اسے عام طور پر سرملاح کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نیارکس کی طرح اس کا تعلق بھی بحریات سے تھا اور بحری فوج کو خاص کام اس وقت تک نہ کرنا پڑا تھا۔ عام رواج کے مطابق اس نے بھی اپنا روزنامچہ لکھنا شروع کیا جس میں زمین کی حالت تفصیل سے بیان کی جاتی۔ اونیسی کریٹس عجائب پسند بھی تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے روزنامچے میں سنسنی پیدا کرنے والے واقعات بھی لکھنے شروع کیے۔ سکندر اور سال خوردہ مقدونیوں کی رائے یہ تھی کہ اسے سرملاح نہیں بلکہ جھوٹوں کا سردار کہنا چاہیے۔

اونیسی کریٹس نے خوارزمی سردار اور بربری روشنک سے شادی کے واقعات سامنے

Marfat.com

رکھ کر ان کے ارد گرد ایک عجیب افسانہ بن دیا۔ اس نے لکھا کہ سکندر کی شہرت ایشیا کی وسیع سطح مرتفع میں خوب پھیل گئی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ شہرت دیونیوں کی ملکہ کے کان تک پہنچ گئی جو بڑی تند خو اور جنگجو تھی اور مردوں سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ سکندر کی شہرت سنتے ہی مغرور ملکہ نے سکندر کے پاس قاصد بھیجے کہ میں اپنی سرحد پر ایک رات کے لیے آؤں گی۔ وہاں مجھ سے ملو اور ایک رات میرے پاس رہو تا کہ میں ایک بچہ جن سکوں۔ سکندر کا افسانہ جن عجائب خیز داستانوں سے مزین ہے ان میں سے غالباً یہ پہلی داستان تھی۔

تیز فکر ایرانیوں کو بھی مشاہیر کی کہانیوں اور ان کی مدح وستائش سے بڑی دلچسپی تھی انہوں نے سکندر کے کارناموں کا رشتہ کرورش اور نیا گاں کی کہانیوں سے جوڑنا شروع کر دیا جوان کا مورثِ اعلیٰ تھا۔ اس طرح سکندر اور اپنے بزرگوں کے درمیان ایسی مشابہت پیدا کر دی کہ آنے والی نسلیں سمجھیں انہوں نے ایک ایرانی بہادر کی خدمت کی نہ کہ ایک بربری حملہ آور کو تقویت پہنچائی اس بنا پر انہوں نے سطح مرتفع میں بہادر سکندر کے سفر کے متعلق کچھ اس قسم کی باتیں لکھ دی کہ اس کے خود پر عقاب کے دو پر لگے ہوئے تھے۔ وہ ایک تاریک سرزمین میں گھس گیا وہاں تیس دن تک سفر جاری رہا۔ کوہ فردوس میں پہنچ گیا جو سورج کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ نیا گاں اس سفر میں سکندر کا محافظ رہا۔ بعدازاں اس داستان میں یہ اضافہ کر دیا گیا کہ سکندر راہورامزدا کی روح سے بات چیت کرنے کے لئے اس پہاڑ پر گیا تھا پھر افسانے میں ایک اور ارغوانی پیوند لگا دیا گیا کہ اس سفر میں سکندر نے ایک بڑی دیوار تعمیر کرائی اور اسے تیل سے تر کر دیا۔ پھر آگ دکھا دی۔ اس آتشیں دیوار کی تعمیر سے سکندر کا مدعا یہ تھا کہ یاجوج و ماجوج کی تباہ کاریاں شمالی سمت ہی میں محدود رہیں۔ (مزید زمانہ گزر گیا اور ایرانیوں نے اسلام قبول کیا تو بعد کے سکندر ناموں میں نیا گاں کی جگہ حضرت خضر کو دے دی گئی اور راہورامزدا جبریل بن گیا)۔

قیام باختر کے دوران میں سکندر کو تیل بھی ملا۔ ایک صبح وہ سو کر اٹھا تو دیکھا کہ خیمے ایک چشمے کے کنارے لگے ہوئے ہیں اور چشمے میں نیم شفاف سیال مادہ بھرا ہے۔ ایک جگہ سے

Marfat.com

یہ مادہ پانی کی طرح ابل ابل کر نکل رہا تھا۔ یہ مٹی کا تیل تھا۔ ایرانی اور کاہنوں نے اسے نیک شگون سمجھا۔

مسلسل مشقتیں اٹھاتے ہوئے تین سال گزر چکے تھے۔ زخموں نے ان مشقتوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ بایں ہمہ شاہ مقدونیہ میں دماغی تکان کا کوئی نشان نظر نہ آتا تھا۔ تیسرے سال موسم سرما کے اختتام پر باختر اور سغد فتح ہو چکے تھے۔ شمالی سرحدوں پر امن قائم ہو گیا تھا۔ نئے شہر بن گئے تھے اور نقل و حمل کے سلسلے قائم ہو گئے تھے۔ اب اسے تکان محسوس ہوئی۔ پہلا نشان یہ تھا کہ اسے نیند نہ آتی تھی۔ وہ رات کا بڑا حصہ نئے نظامِ حکومت کے متعلق مفصل رپورٹیں سننے میں گزار دیتا۔ رپورٹیں ختم ہوتیں تو وہ میوے اور شراب لے کر میز پر لیٹ جاتا اس کے خاص رفیق پاس ہوتے۔ کبھی ان کی باتیں سنتا، کبھی خود کوئی بات سنانے لگ جاتا۔ شراب کے نشے میں چور ہو جاتا۔ اسی طرح صبح ہو جاتی۔ زیادہ شراب پینے کے باعث اس پر مدہوشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس اثناء میں محافظ فوج کے سپاہی اور طبیب اس کے پاس بیٹھے رہتے۔

ایرانی بڑے مصلحت شناس تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دماغی تکان کے مرحلے پر مدح و ستائش سے سکندر کو کیوں کر خوش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ فلسفیانہ مزاج اور اکھڑ مقدونیوں کے مقابلے میں ایرانیوں کی صحبت کو ترجیح دینے گا۔ مقدونیوں پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ ابتدائی دور میں جو لوگ سکندر سے قریب تر رہتے تھے نئے دور میں وہ انہیں دیکھ کر چڑ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سکندر نہ بدلا تھا مگر اُس کے مزاج میں تیزی آ گئی تھی۔ اسے خطرے کا زیادہ احساس ہو چکا تھا، لیکن وہ وہیں پہنچتا جہاں خطرہ سب سے زیادہ ہوتا۔ اس کے غصے میں ہلاکت خیزی کا انداز پیدا ہو چکا تھا۔ وہ صرف انہیں لوگوں کو اعتماد میں لینا پسند کرتا جو اس کے ساتھ احترام کا سلوک کرتے اگرچہ اسے سمجھتے نہ تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ ان یونانی تنخواہ داروں اور ایشیائیوں کو بہت پسند کرنے لگا جن کے ساتھ ابتدائی مہمات میں اس نے کبھی میل جول پیدا نہ کیا تھا۔

Marfat.com

کلیستھنیز سے وہ شاید ہی بات کرتا۔ فلسفی بھی عموماً چپ ہی رہتا۔ سکندر کو اب یہ بھی منظور نہ تھا کہ ضروری امور کے متعلق بات چیت کی جائے یا وطن کا کاروبار اسے یاد دلایا جائے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ اپنے خیال میں ان مقدونویوں کا مخالف بن گیا تھا جو وطن میں بیٹھے تھے۔ بایں ہمہ اینٹی پیٹر یا دوسرے ہم وطنوں کو برابر خط بھیجتا رہتا تھا۔ گویا وہ ان کے سامنے اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کیلئے مضطرب تھا۔ پرانے مقدونوی اس کی روش کو دیکھ کر عموماً کہتے کہ اس کے دوست دشمن بن گئے ہیں اور دشمن دوست۔

سیاہ فام کلائٹس اب ایک رجمنٹ کا کماندار تھا۔ وہ لینیس [2] کا بھائی تھا۔ جو بچپن میں سکندر کی انارہ چکی تھی۔ گویا کلائٹس کو سکندر کے ساتھ اک گونہ دودھ بھائی کی نسبت تھی۔

چونکہ لینیس کے اپنے بیٹے ابتدائی مہموں میں مارے جا چکے تھے لہٰذا کلائٹس کے سوا اس کا کوئی سہارا نہ تھا۔ پھر یہی کلائٹس تھا جس نے دریائے گرینی کس کی جنگ میں سکندر کی جان بچائی تھی۔ وہ زیادہ تیز فہم نہ تھا اور ایرانیوں کے لباس یا طور طریقوں سے اسے نفرت تھی۔ ایک موقع پر اس نے کہا: سکندر اس کے سوا کیا ہے کہ فیلقوس شاہ مقدونیہ کا بیٹا ہے۔

ایک شام یا صبح کو سکندر نے زیوس کے بیٹوں کیلئے قربانی کا حکم دیا۔ جن کے متعلق عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ انسانوں کی مدد کرتے ہیں۔ خوشامدیوں کا جو گروہ اس کے اردگرد جمع ہو گیا تھا انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہمارا سکندر بھی تو زیوس کے جواں مرد بیٹوں کی حیثیت رکھتا ہے۔

مجلس میں سے کسی نے شراب کے نشے میں کہا: ''مغرب برا ہے اور مشرق بہترین ہے۔'' جو یونانی نئے نئے آئے تھے ان میں سے ایک بولا کہ پرانے مقدونوی کمانداروں نے مغرب میں بڑے اعلیٰ کارنامے انجام دیئے تھے لیکن یہاں باختت میں وہ بے چارے بری طرح پلٹے۔ سکندر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس کی نگاہیں کلائٹس کو تلاش کرنے لگیں۔ وہ میز پر موجود نہ تھا۔ ایک محافظ نے بتایا کہ وہ بھیڑ کے دو بچے زیوس کے دو بیٹوں کیلئے قربان کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

Marfat.com

سکندر نے کہا اسے فوراً بلاؤ چنانچہ چند منٹوں میں کلائٹس آ گیا۔ بھیڑ کے بچے اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے اور ان کے سروں پر قربانی کا تیل ملا ہوا تھا۔ کلائٹس نیم مدہوش سا تھا۔ اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ بھیڑ کے بچے ساتھ ساتھ چلے آئے ہیں۔ آتے ہی بولا: ''لو سکندر میں آ گیا ہوں۔'' جتنے آدمی وہاں بیٹھے تھے حیران رہ گئے کہ بھیڑ کے بچوں کو تو ساتھ نہ لانا چاہئے تھا۔

سکندر کے چہرے پر خفگی کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے کلائٹس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کسی نے پھر صدا لگائی: ''مغرب برا ہے اور مشرق بہترین ہے۔'' کلائٹس نے پہلی مرتبہ یہ سنا کہ باختریوں کے روبرو فرار اختیار کر لینے کے باعث مقدونویوں کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے۔ اس نے غصے سے اپنا پیالہ زمین پر دے مارا اور کہا جن لوگوں نے ان پہاڑیوں میں جانیں قربان کر دیں وہ ان سے بدرجہا بہتر تھے جو یہاں ان کی ہنسی اڑا رہے ہیں۔ ایک شخص نے بلند آواز سے پکار کر کہا: ''کلائٹس ہوش کی بات کرو۔ جانتے ہو تم کن کی مذمت کر رہے ہو؟''

کلائٹس نے پھر ایک بھرا ہوا پیالہ اٹھایا اور پیتے ہوئے بڑبڑاتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے دماغ میں ایک وقت ایک ہی خیال آ سکتا تھا۔ وہ بولا: ''میں بہترین آدمیوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ میں ان کا ذکر کر رہا ہوں، جنہوں نے فیلقوس کے سر پر فتوحات کا تاج رکھا۔ میں اپنی پرانی فوج کا ذکر کر رہا ہوں ہاں میں کائی رونیا اور تھینیز کی فتوحات کا ذکر کر رہا ہوں۔'' پھر اس نے اردگرد نظر ڈالتے ہوئے سکندر سے پوچھا: ''بتاؤ تم ان لوگوں کو بزدل کہہ رہے ہو۔'' سکندر چیخ کر بولا: ''زبان بند کرو۔'' ساتھ ہی محفل پر سکوت چھا گیا۔ صرف کلائٹس بیٹھی ہوئی آواز میں بولا: ''ہاں...... ہم جو آزاد پیدا ہوئے اپنے دل کی بات بھی نہیں کہہ سکتے۔ ہاں، اب ہم فیلقوس کے بیٹے کے سامنے زبان بھی نہیں کھول سکتے۔''

محفل میں جو بزرگ بیٹھے تھے وہ کلائٹس کے گرد جمع ہو گئے اور اسے پکڑ کر ہلایا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ اس کا جو بازو زخمی تھا، آستین سے باہر نکل آیا۔ اس نے کہا: ''پیچھے ہٹ جاؤ۔''

Marfat.com

اور سکندر کی طرف اشارہ کیا جو غصے سے آگ بنا بیٹھا تھا۔ پھر کہا: ''یہی بازو ہے جس نے دریائے گرینی کس میں فیلقوس کے بیٹے کی جان بچائی تھی اور اب؟ اب کلائٹس اس سے بات بھی نہیں کرسکتا۔ سکندر بولا: ''تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہیں کوئی سزا نہ دی جائے گی۔'' کلائٹس نے اپنے سر کو جنبش دی اور دوسرے افسروں کو پیچھے ہٹا دیا پھر کہا: ''آہ! ہم مقدونوی لوگ ایرانی افسروں سے اجازت لئے بغیر زبان بھی نہیں ہلا سکتے۔ ہم تمہارے چمکیلے سفید کمربند کے سامنے جھکے بغیر کچھ کہہ بھی نہیں سکتے۔ نہیں..... ہمیں جو سزا مل چکی ہے اس سے زیادہ کیا سزا دو گے؟''

سکندر یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے اچھلا اور تلوار سنبھالنے کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ بطلیموس اس کے شمشیر بردار کو شامیانے سے باہر لے گیا۔ سکندر نے مقدونوی زبان میں تری بجانے والے کو پکارا۔ تری بجانے والا بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ سکندر نے اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا۔ آدمی کلائٹس کو پکڑ کر شامیانے کے دروازے سے باہر تاریکی میں لے گئے لیکن سکندر زور زور سے پکار رہا تھا: ''کلائٹس! کلائٹس!!'' یہ آواز سنتے ہی کلائٹس ایک دم لوٹا اور وہ خیمے کا پردہ ہٹا کر اندر آ گیا۔ اگرچہ وہ شراب کے نشے میں مدہوش تھا لیکن اس نے بادشاہ کی آواز سن لی تھی۔ ''لو سکندر کلائٹس آ گیا۔'' سکندر نے ایک سپاہی سے برچھی چھینی اور اس سے زور سے کلائٹس کے ماری کہ وہ آر پار نکل گئی۔ کلائٹس فرش پر گر گیا۔ سکندر نے برچھی کا دستہ پکڑ لیا۔ تمام افسر ارد گرد جمع ہو گئے سب کی زبانیں بند تھیں۔ اب سکندر کی نظر اپنے رفیق پر پڑی تو گھٹنوں کے بل جھک کر برچھی کھینچنے کی کوشش کی۔ افسروں نے خود برچھی پکڑ لی۔ انہیں ڈر پیدا ہو گیا کہ شاید سکندر اسے اپنے مار کر خودکشی کر لے۔ ایک لمحے کے بعد سکندر اٹھا اور شامیانے کا پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔ وہ سیدھا اپنے خیمے میں پہنچا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا۔

دیر تک کسی کو اس کے قریب جانے کی ہمت نہ پڑی۔ نہ اس نے کھانا طلب کیا نہ پانی۔ دوسرے دن انگزارکس خوفزدگی کی حالت میں ایرسٹانڈر کو لے کر خیمے کے اندر پہنچا۔

Marfat.com

سکندر نے رات کے وقت جو لباس پہن رکھا تھا اسی لباس میں وہ بیٹھا تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں صاف معلوم ہوتا تھا کہ رات بھر روتا رہا۔ وہ کھانا اور پانی لائے۔ سکندر نے کسی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ایرسٹانڈر گھبرایا ہوا بولا: جو کچھ ہوتا ہے، انسانی ارادوں کے مطابق نہیں، دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ کلائٹس کی موت بھی دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق ہوئی۔ سکندر نے نگاہیں اوپر اٹھائیں کہا: لینیس کا کوئی بیٹا باقی نہ رہا تھا۔ اب اس کا بھائی بھی موت کی آغوش میں پہنچ گیا...... تھنیز میں ایک عورت تھی......

انگزارکس نے تیزی سے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہا: ''سکندر شاہ مقدونیہ اور شہنشاہ ایشیا بیٹھا ہوا ایک غلام کی طرح رو رہا ہے۔'' اس طنز آمیز آواز نے سکندر کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سو گیا۔ سر اپنے بازوؤں میں چھپا رکھا تھا۔ گویا وہ بے بسی کے عالم میں اپنے سر کو سہارا دیئے ہوئے تھا۔

جب انسان تنہا ہوتا ہے تو انسانوں سے گہری وابستگی پیدا کر لیتا ہے۔ گہری افسردگی کے عالم میں سکندر جرم کے احساس سے مغلوب ہو جاتا تھا۔ بالکل یہی کیفیت اس پر کلائٹس کے قتل کے بعد طاری ہوئی۔ وہ ان لوگوں کو قتل کر چکا تھا جو اس کے قریب ترین رفیق تھے۔ تھنیز کو تباہی کے بعد جلا چکا تھا۔ وہ کسی آسیب کا شکار نہ تھا بلکہ شدت اور ہلاکت کی خیالی صورتیں اس کے فکر و خیال کیلئے اذیت کا باعث بنی ہوئی تھی۔ ایسے اوقات میں وہ اپنے آپ پر اور اپنے اعمال پر نظر ڈالتا تو اپنے اوپر تاسف کی دھندلاہٹ میں نہیں بلکہ حافظے کی خوفناک تازگی میں ڈالتا۔ زمانہ ماضی کے یہ بھوت پریت اس کے دل و دماغ پر چھا جاتے تو وہ معذرت کا کوئی بھی پہلو اپنے سامنے نہ لا سکتا۔ وہ کثرت سے شراب پیتا لیکن شراب بھی اندوہ ربا نہ تھی وہ بھی اس کا غم غلط نہ کرتی۔ ایسے وقت میں روشنک اور ہفاآسشن کی روحیں بھی ان خیالی صورتوں کے درمیان حائل نہ ہو سکتیں۔

سکندر پر دلی اذیت کی جو کیفیت گزر رہی تھی وہ رومی مؤرخ آریان کے خشک الفاظ سے بھی صاف نمایاں ہے جس کا تعلق کلبی فرقے سے تھا:

Marfat.com

''یقیناً سکندر سے سخت غلطیاں سرزد ہوئیں۔ خواہ یہ اس کے تحیر کا نتیجہ ہو خواہ غصے کا۔ میرے نزدیک یہ غلطیاں تعجب خیز نہیں۔ وہ نوجوان تھا اور خوش نصیبی کی لہر بہر نے اسے انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ یہ امر بھی تعجب انگیز نہیں کہ اس نے غیر متناسب انداز میں ایانی شہنشاہوں کے سے طریقے اختیار کر لئے تھے۔''

''باقی رہے وہ لوگ جو اس کے اردگرد جمع ہو گئے تھے تو بادشاہوں کو ہمیشہ ایسے رفیقوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسے رفیق ہمیشہ بادشاہوں کو غلطیوں پر اکساتے رہتے ہیں۔ ان کے اہم مفاد کا بھی کچھ خیال نہیں رکھتے لیکن مجھے یقین ہے کہ زمانہ قدیم کے بادشاہوں سے سکندر کے سوا کوئی نہیں جسے اپنی غلطیوں پر اس درجہ پشیمانی ہوئی ہو۔ بہت سے آدمی پہلے بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں جو کوئی گناہ کر گزرتے ہیں تو اسے صحیح عمل قرار دے کر چھپانے کی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سکندر تنہا ہے جس نے ایسی کوئی بات کبھی نہ کی۔''

یہاں آریان معذرت پیش کر رہا ہے۔ بہ ایں ہمہ صاف ظاہر ہے کہ سکندر نے اپنے آپ کو نیچا گرانے کیلئے جو کچھ کیا اس کی اہمیت کو وہ سمجھ چکا تھا۔ بظاہر سکندر کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ قربانیاں کسی کے دامن سے خون کے دھبے دھو سکتی ہیں، لیکن کلائٹس بھیڑ کے جن دو بچوں کو قربانی کیلئے وقف کر چکا تھا وہ زیوس کے بیٹوں کیلئے نہیں بلکہ جنگ کے دیوتا دیونی سس کیلئے قربان کئے گئے۔

اب سکندر ایرینوں کی گم شدہ بہشت یعنی ایران ونج کا راستہ پانے کی امید کھو چکا تھا۔ یہ ربع مسکوں کا وہ انتہائی شمالی گوشہ تھا جہاں سے کروش نکلا تھا۔ سکندر نے مرکنڈ تک کروش کا راستہ طے کیا۔ کلائٹس غالباً اسی مقام پر مارا گیا تھا اب وہ ان پہاڑوں میں سے گزر رہا تھا جن کی چوٹیاں بہت بلند تھیں اور بربری لوگ ان پہاڑوں میں آباد تھے لیکن ربع مسکوں کے ابتدائی تصور میں وسعت پیدا ہو چکی تھی۔ یونانی جغرافیہ دانوں کے خیال سے ربع مسکوں مشرق کی جانب زیادہ پھیلی ہوئی نکلی جس مقام پر انتہائی شمالی سکندریہ تعمیر ہوا (غالباً اسی مقام

Marfat.com

پر آج کل لینن آباد موجود ہے) اس نے سِتھیوں سے ایک سرزمین کا ذکر سنا تھا جو یونانیوں کو معلوم نہ تھی یہ سطح مرتفع سے آگے تھی اور اس کا نام سغد بتایا جاتا تھا۔ سکندر کو اب معلوم ہو چکا تھا کہ دریائے سندھ ان پہاڑوں سے مشرقی جانب خاصی دور واقع ہے لیکن سوال یہ تھا کہ سندھ اور وادی سندھ کے آگے کیا ہے سمجھا جاتا تھا کہ اسے ربع مسکوں کی آخری حد یا یوریشیا کی حد کا آخری کنارہ سمجھنا چاہئے۔ آگے سمندر کے سوا کچھ نہ ہونا چاہئے۔

سمجھا جاتا تھا کہ وہیں دریائے نیل اور دریائے سندھ کا پراسرار منبع ملے گا۔ یونانیوں میں روایت چلی آتی تھی کہ انتہائے مشرق میں سورج کے چشموں سے دریائے اتھیوپ نکلتا ہے یہ دریائے نیل کے جھرنوں کو پانی پہنچاتا ہے۔

سکندر یا اس کے سرویروں کو جنوب یا مشرق کی سمت میں زمین کی شکل کا کچھ علم نہ تھا۔ ارسطو سمجھے بیٹھا تھا کہ زمین جنوبی سمت میں جنوبی مصر سے ہندوستان تک پھیلی ہوئی ہے اور نیل کا منبع دریائے سندھ کے منبع سے قریب ہے اور یہ انتہائی مشرق میں واقع ہے۔ مقدونیوں میں سے کچھ لوگ یقیناً بحیرۂ قلزم کے شمالی گوشے اور بحیرۂ ایران[3] کو دیکھ چکے تھے لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ آیا یہ پانی اس سمندر کی شاخیں ہیں جس نے ربع مسکوں کو گھیر رکھا ہے یا کسی زمین بند سمندر کے حصے ہیں۔ سکندر کا خیال تھا کہ یہ بڑے سمندر کی شاخیں ہیں۔ بہت سے آدمی انہیں زمین بند سمندر سمجھتے تھے۔ آخری صورت میں ظاہر تھا کہ زمین بالائی نیل سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور غالباً نیل زمین کی سطح سے نیچے نیچے بہتا ہوا مصر میں نمایاں ہو گیا تھا۔ یونان میں وہ ایسے زمین دوز دریاؤں کا ذکر عام طور پر سن چکے تھے انہیں میں سے ایک دریا کا نام اسٹکس[4] تھا۔

اس اثناء میں ایک معاملہ طے ہو چکا تھا یعنی وہ بحیرۂ فیڈ اور دریائے تنائس کے قریب نہ پہنچ سکے تھے جہاں سے تھوڑا سا چکر کاٹ کر وہ باآسانی مقدونیہ واپس جا سکتے تھے۔ اس صورت میں انہیں آرگوناٹوں ڈ کے نقشے پر چلنا پڑتا۔ ہر سپاہی مشرقی سمت میں بہت لمبا فاصلہ طے کر چکا تھا اور سب کو یقین تھا کہ اب وہ غیر معلوم خطے میں پھر رہے ہیں جو

Marfat.com

بحیرۂ قزوین سے آگے اور بابل سے بہت دور مشرق میں ہے۔ بہرحال ساتھ ہی جغرافیہ دان زمین کی حقیقی ہیئت کے متعلق ایک نتیجے پر پہنچ چکے تھے اور وہ یہ کہ کوہستان طارس مغرب کی جانب جاتا ہے اور وہ بحیرۂ قزوین کے جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا ایک نہایت بلند سلسلہ کوہ سے مل جاتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ کوہ سے آگے کا انہیں علم کچھ نہ تھا۔ صرف یہ معلوم تھا کہ آگے دریائے سندھ ملے گا۔ کلیستھنیز نے بتا دیا تھا کہ دریائے سندھ کے آس پاس زمین کی حیثیت ایک چھوٹے سے جزیرہ نما کی ہے اور اس کے آگے سمندر ہے۔

بہرحال سکندر کے نزدیک ایک امر یقینی ہو گیا تھا کہ مشرقی سمت میں زمین کیسی بھی ہو وہ اس کی آخری حد پر پہنچ جائے گا۔ اسی آخری حد کو اب اس نے اپنی منزلِ مقصود بنا لیا تھا۔ فوجیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس نے پرانے افسانوں سے بھی کام لیا یعنی بتایا کہ ہرقل اور ڈی نی سس ایسے افراد جنہیں دیوتاؤں کی حیثیت حاصل ہوئی مشرقی حدود میں پھر چکے تھے اور ان کے سر پر فتح و عظمت کے تاج رکھے گئے تھے۔ ہمیں بھی ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے غیر فانی زندگی حاصل کرنی چاہیے۔

بعض مقدونویوں نے یہ سنتے ہی کہا کہ صرف غیر فانی لوگ ہی اتنی دور پہنچ سکتے ہیں۔ انہیں ایرانی فوجوں سے سخت نفرت تھی جو مختلف مرکزوں میں بیٹھی تھیں اور بعض اوقات پہرے بھی دیتی تھیں۔ ایرانی فوجیں در حقیقت نیزے نہیں بلکہ تیر چلاتی تھیں۔ یونانی انہیں سنہری سیب والے نیزہ بردار کہہ کر پکارتے تھے۔ اس لئے کہ ان کی برچھیوں میں انی کے نیچے چمکدار گولے لگے ہوئے تھے۔ 327 ق م کے موسم بہار میں نقل و حرکت شروع ہوئی تو باختر اور ستھیا کے نئے رسالے بھی فوج میں شامل ہو گئے۔ اب کیمپوں میں جو لامتناہی ہجوم جمع ہو گیا تھا اس کے متعلق سکندر بھی تردّد میں پڑ گیا۔ ہر فوج کے ساتھ کاہن، پروہت اور صراف تھے۔ سپاہیوں کے ساتھ ساتھ بہت سی عورتیں تھیں اور عورتوں کے ساتھ بچوں کی خاصی تعداد تھی۔ ہر فوج ایک متحرک نو آبادی بن گئی، باقی رہا سامان......

سکندر نے اپنی فوجوں کے ساز و سامان کی گاڑیاں اور بار برداروں کے جانور دیکھے تو

Marfat.com

فوجیوں کو تلقین کی کہ اس طرح بے شمار چیزیں ساتھ اٹھائے لئے پھرنا بہت برا ہے۔ بھاری سامان کو آگ کی نذر کر دینا چاہئے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں سامان کے ڈھیر کو آگ لگا دی گئی اور سڑکوں میں دور تک الاؤ جلنے لگے۔ سکندر نے اپنے بہادروں سے کہا: کیا ابھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ تمہیں فتوحات کرنی چاہئیں اور مصیبتیں اپنے اوپر نہ لینی چاہئیں جوان لوگوں نے اٹھا رکھی ہیں جنہیں تم مسخر کر رہے ہو۔

لوگوں کے سامنے اچھی مثال پیش کرنے کیلئے سکندر نے اپنا سارا ساز و سامان چھوڑ دیا۔ اسے شبہ ہوا کہ (مؤرخوں نے اس بڑے افسر کا نام ہرپالوس بتایا ہے لیکن ہرپالوس غالباً بابل اور ایکبتانا ہی میں رہ گیا تھا) بہت سا سونا چاندی صندوق میں بھر رکھا ہے اور صندوق اس کے خیمے میں ہے۔ پوچھا گیا تو افسر نے انکار کر دیا۔ سکندر نے تلاشی مناسب نہ سمجھی۔ لیکن اپنا شبہ دور کرنے کیلئے اسے ایک عجیب تدبیر سوجھی یعنی اپنے پہرے داروں کو خفیہ خفیہ حکم دے دیا کہ اس کے خیمے میں آگ لگا دو۔ آگ لگتے ہی خیمہ جل اٹھا۔ اس کے پردے، قیمتی پوشاکیں، خوشبوئیں، جواہرات، غرض ہر چیز شعلے کی نذر ہو گئی۔ بے شک سونا چاندی چھپا ہوا موجود تھا لیکن اس کا ثبوت نہ مل سکا۔ افسر کا جتنا نقصان ہوا تھا معذرت کر کے اپنے پاس سے دے دیا۔

اگرچہ فوجوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی لیکن تجربہ کار مقدونوی افسر گھٹ گئے تھے۔ کیونکہ اکثر مختلف مقامات کاروبارِ حکومت چلانے کی غرض سے ایشیائیوں کی مدد کیلئے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ ایک ایک کماندار، ایک ایک شہر کا فوجی گورنر پانچ لاکھ کی آبادی کے علاقے کا ذمہ دار ہوتا۔ سکندر کو دو عملی پر اصرار تھا اس لئے کہ جس یوریشیائی سلطنت کا نظام وہ تیار کر رہا تھا اس میں کسی ثقافت یا قوم کو مقتدر بنا دینا مناسب نہ سمجھتا تھا۔ فوجی کنٹرول بھی مناسب حدود سے تجاوز نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ کسی فوجی افسر کو خزانہ عامہ پر اقتدار حاصل نہ تھا اور خزانہ عامہ میں جو روپیہ آتا وہ نشو و ارتقاء کے منصوبوں پر خرچ ہوتا۔ ان منصوبوں میں یونانیوں جیسے تھیٹر اور دار العلوم قائم کرنا بھی شامل تھا۔ نیز پہاڑی علاقوں میں سے

Marfat.com

سڑکیں بنانا، شفاخانے تعمیر کرنا، بیڑوں، بندرگاہوں کا انتظام وغیرہ اس میں سے کوئی بھی کام مقدونیوں کو پسند نہ تھا۔ وہ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ ہر عمل کیلئے ایشیائی افسروں سے اجازت لیں یا اپنی رسد کیلئے روپے درکار ہوں تو شامی یا مصری خزانچیوں کے سامنے دستِ طلب پھیلائیں انہیں ان کے نام بھی مضحکہ خیز معلوم ہوتے تھے۔ وہ کہتے: ''یہ کیسے عجیب و غریب نام ہیں۔'' امیرِ بحر، فرزندِ صداقت یا خورشید...... ان کے ساتھ جو مخروطی مہریں ہوتی تھیں، ان سے ہلال یا ملکہ وحوش یا پردار سر کے نشان بنتے تھے۔ مقدونیوں کے دل میں ان کے متعلق بھی کوئی اچھی رائے نہ تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ان سے کبھی خوشگوار نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

سکندر نظم و نسق چلانے کی روز افزوں مصیبتیں برداشت کر رہا تھا۔ کوئی افسر بیمار ہو جاتا تو پوچھتا کیوں پہلے اطلاع نہ دی گئی۔ کوئی شخص کسی ایشیائی عورت سے شادی کرتا تو اس کیلئے تحفے بھیجتا۔ مطلب یہ تھا کہ وہ ایسے کاموں کو پسند کرتا تھا۔ نئے افسروں کو معلوم ہو چکا تھا کہ سکندر کے ذاتی فیصلوں کے خلاف کہیں اپیل نہیں کی جا سکتی اور جب وہ معلوم ربع مسکوں کی حدیں گزر کر انتہائی بلندیوں پر پہنچ چکا تو اس سے فیصلے حاصل کرنا آسان نہ رہا تھا۔ افسروں کے دل میں طبعاً سوال پیدا ہوتا کہ اگر وہ واپس نہ آیا تو کیا بنے گا۔ باختر اور سغد میں جو تکلیفیں اور خطرے پیش آ چکے تھے انہیں مدِ نظر رکھتے ہوئے ہندوستان سے زندہ واپس آنے کا امکان کم تھا۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے افسر جو گورنری پر تھے اپنی جائیدادیں بنانے اور مستقل حکومت کی داغ بیل ڈالنے لگے۔ اس سلسلے میں مقدونیوں کا جرم ایشیائیوں سے بہت زیادہ تھا۔ دراصل ایشیائی لوگ انتہائی وفاداری کے مسلک پر قائم تھے۔ سکندر نے یہ وفاداری بڑی قیمت دے کر خریدی تھی۔ اس نے ایشیائی ذہنیت کا اندازہ حیرت انگیز تیزی سے کر لیا تھا۔ وہ ایشیائیوں سے ملتا تو مقدونی سپہ سالار کی حیثیت میں نہیں بلکہ کورش کے جانشین کی حیثیت میں ان سے اطاعت کا طلبگار ہوتا۔ یہ جانشینی حقیقت میں آسمانی اختیار کی دستاویز تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ ایشیائی لباس پہنتا۔ دراصل سکندر کیلئے لازم ہو گیا تھا کہ وہ نہ محض ایشیائیوں کو مطیع و فرمانبردار رکھے بلکہ ان کا احترام بھی

Marfat.com

حاصل کرے۔ مقدونیوں نے اسے پہلی مرتبہ تخت پر بیٹھے اور تاج پہنے دیکھا تو بے اختیار ہنس پڑے اور بولے: ''سکندر یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے؟''

سکندر اس پر غصے میں آ گیا۔ وہ کھانے کے وقت سنہری کرسی پر بیٹھتا اور اردگرد خوشبوئیں جلتی رہتیں۔ ایشیائی لوگ یہ دیکھ کر خوش ہوتے، ورنہ ان پر حیرت سی طاری ہو جاتی اس دوگونہ کردار کو پورا کرنے کیلئے اسے بڑی مشقت اٹھانی پڑی۔ کبھی وہ آزادی پسند مغربیوں کا بادشاہ ہوتا، کبھی مشرقیوں کا مطلق العنان شہنشاہ۔ مغربیوں نے مطلق العنانی کبھی دیکھی نہ تھی اور وہ اس سے نفرت کرتے تھے۔ جب وہ باہر نکلتا اور مشرقی کمال احترام میں اس کے سامنے جھک جاتے تو مغربی اور مشرقی تصورات میں کشمکش بپا ہو جاتی۔ مشرقیوں کے خیال میں یہ بھی بات نہ آ سکتی تھی کہ سکندر کی ذات آسمانی قوت سے خالی ہے۔ وہ اسے دیکھتے تو ہاتھ منہ پر رکھ لیتے اور گھٹنوں کے بل جھک جاتے۔

ایسے ہی ایک واقعہ نے کلیستھنیز کا خاتمہ کر دیا۔ یہ فلسفی جو ارسطو کا شاگرد تھا بارہا کھلم کھلا سکندر کو تنبیہہ کر چکا تھا۔ انگزارکس اور دوسرے لوگوں کو معلوم تھا کہ کلیستھنیز مقدونیہ کی تاریخ لکھ رہا ہے۔ انہوں نے سکندر سے کہا تھا کہ فلسفی کہتا ہے کہ میری تاریخ حکمران کو ہمیشہ کیلئے نامور بنا دے گی (اصل میں کلیستھنیز نے کہا تھا کہ سکندر نہ دیوتا ہے نہ زیوس کا بیٹا ہے جو اولمپیاس کے بطن سے پیدا ہوا۔ صرف زندگی میں سکندر کے کارنامے ہی اس کی اچھی بری شہرت کے ذمہ دار ہوں گے)۔

انگزارکس سے فلسفی نے شاید یہ کہا ہے کہ سکندر بظاہر ہی نہیں حقیقتاً حد درجہ جواں مرد انسان ہے۔ بادشاہوں میں اسے سب سے بڑا بادشاہ ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ سپہ سالاروں میں سب سے بڑھ کر قابل۔ انگزارکس نے اعتراف کیا کہ صرف موت کے بعد ہی انسان آسمانی اعزاز کا مرجع بنتا ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت میں دینی سس تھینیز کا بادشاہ تھا اور ہرقل آرجیا کا۔ لیکن وہ زندگیاں پوری کر کے اس دنیا سے جا چکے تو انہیں دیوتا سمجھا جانے لگا۔ یقین ہے کہ سکندر کو بھی موت کے بعد دیوتا مانا جائے گا اور اس کی مورتی

Marfat.com

کے سامنے قربانیاں کی جائیں گی۔ پھر کیا یہ عین قرین انصاف نہیں کہ ہم زندگی ہی میں اسے انتہائی اعزاز کا مستحق سمجھیں؟

کلیستھنیز: پھر سوچو کہ سکندر فانی ہو کر دیوتاؤں کے سے اعزاز و احترام کا مالک بننے کی کوشش کرے گا تو دیوتا اس سے کیسا سلوک روا رکھیں گے؟

انگزارکس نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن بعد ازاں کلیستھنیز سے یہ قول منسوب کیا گیا کہ سکندر دیوتا بننا چاہے گا تو ممکن ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ مقدونیوں نے طبعاً کلیستھنیز کی اس رائے کو مستحسن سمجھا اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ سکندر پرانی رسمیں چھوڑ رہا ہے اور وہ مشرقی طور طریقوں کو پسند کرنے لگا ہے۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ اس طرح اس کی فطرت بھی بدل سکتی ہے اور وہ اپنے پرانے ساتھیوں اور ہم وطنوں سے بے پروا ہو کر واقعی ایشیا کا مالک بن سکتا ہے۔ گویا سکندر سے محبت اور وفاداری ہی مقدونیوں کیلئے غصے کا باعث بن گئی۔

ایک شام ایک تقریب میں مقدونوی اور ایرانی دونوں یکجا تھے۔ مقدونوی سکندر سے ملتے تو معمول کے مطابق بغل گیر ہوتے۔ ایرانی کورنش بجالاتے۔ شراب پی جارہی تھی اور ہر آدمی شراب پینے سے قبل بادشاہ کو سلام کرتا۔ مشرقیوں کی پیروی کرتے ہوئے مقدونوی چپ چاپ ذرا جھکتے پھر آگے بڑھ کر سکندر کے رخسار پر بوسہ دیتے۔ کلیستھنیز آگے بڑھا تو سکندر ہفااشن سے باتیں کر رہا تھا اس لئے کلیستھنیز کے متعلق اس کو علم نہ ہوا۔ ایک ساتھی نے سکندر کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا: دیکھئے آپ کے سامنے آ کر فلسفی نے جھکنا گوارا نہ کیا۔ سکندر نے اردگرد نظر ڈالی اور کلیستھنیز کا سلام قبول کئے بغیر اسے واپس جانے کا اشارہ کر دیا۔

اس کے بعد ایک خوفناک سازش کا الزام تیار ہوا۔ سکندر نے ایشیائی اور مقدونوی بچوں کو مشترکہ تعلیم دلانے کی کوشش کی تھی۔ کوئی پچاس ہزار مشرقی بچے فوجی معلموں سے تعلیم پا رہے تھے۔ انہیں یونانی زبان سکھائی جاتی تھی اور یونانی ہتھیار استعمال کرنے کی

Marfat.com

تربیت دی جاتی تھی۔ مقدونوی بچوں میں سے زیادہ تر بڑے امیروں یا فوجی افسروں کے بیٹے تھے جو عموماً بادشاہ کے خیمے پر پہرے دیتے خصوصاً رات کے وقت، نیز شکار کے آلات ان کے پاس رہتے جو بچے فوجی گارد میں آتے جاتے وہ بے تکلف ہتھیاروں تک پہنچ سکتے۔ ان کی وفاداری پر کبھی کسی کو شبہ نہ ہوا۔ ایک افسر نے سب سے پہلے سازش کا اشارہ کیا اور اس کا علم بطلیموس کو ہو گیا۔ افواہ یہ تھی کہ بچے اس بات پر خفا ہیں کہ ایرانی بچوں کو بھی خاص تعلیم و تربیت میں ان کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جب سکندر اپنے خیمے میں رات کے وقت تنہا رہ جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس میں سے ایک نوجوان جس کا نام ہرمولاس[5] تھا کلیستھنیز سے فلسفہ پڑھتا تھا اور اکثر اس سے باتیں کیا کرتا تھا۔ یہ افواہ بطلیموس نے سکندر تک پہنچائی۔ سکندر نے اس افواہ کو اپنی مقرر کی ہوئی ایک کونسل کے حوالے کر دیا تا کہ اس بارے میں چھان بین کی جائے۔ کونسل نے تعذیب کا طریقہ استعمال کیا کہ ہمیں پارمیںو، فلوٹس اور کلائٹس کی موت پر سخت رنج ہے۔ نیز ہم مشرقی لباس اور کورنش کو پسند نہیں کرتے لیکن سازش کوئی نہیں کی گئی تھی اور نہ اس بات کا اقرار کیا کلیستھنیز کا کسی سازش میں کوئی حصہ ہے۔

لیکن افسروں نے تمام بچوں کو موت کی سزا دے دی اور کلیستھنیز کو بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس پر سخت پہرہ لگا دیا گیا تھا اور کچھ دیر بعد وہ مر گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ سکندر نے خود جو خط اینٹی پیٹر کو مقدونیہ بھیجا اس میں لکھا کہ بچوں کو افسروں نے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا لیکن کلیستھنیز کا فیصلہ میں خود کروں گا اور ان لوگوں کا بھی فیصلہ کروں گا جنہوں نے اسے بھیجا ہے۔ بہرحال اس کے بعد کورنش کی رسم ترک کر دی گئی۔

خیال یہ ہے کہ کلیستھنیز کو 327 ق م کے موسم بہار میں بمقام باختر بیڑیاں پہنائی گئیں۔ پھر سکندر نے فالتو ساز و سامان کو آگ لگوائی اور تیزی سے پہاڑوں کو عبور کر گیا۔ اسے اس ملعون سرزمین سے بڑی نفرت تھی۔ اور وہ چاہتا تھا کہ جلد وہاں سے بچ کر نکل

Marfat.com

جائے۔اس موقع پر اس نے نہ شگون نکلوائے نہ کونسل سے مشورہ کیا۔صرف ایک مقام پر اتنی دیر ٹھہرا کہ انتہائی مشرقی سکندریہ کی بنیاد رکھ دی۔ جب وہ دریائے کابل اور مشرقی تجارتی شاہراہ پر پہنچا تو فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔سرگرمی عمل شک وشبہ اور سازش کی فضا پیدا ہی نہ ہونے دیتی تھی۔سکندر کے حددرجہ مصروف دماغ کو اک گونہ اطمینان مل گیا اور اس کے کماندار کام میں لگ گئے۔

ہفاسشن اور پرڈیکاس کو درہ خیبر کے راستے وادی سندھ میں جانے کا حکم ملا۔منجنیقیں اور سازوسامان انہیں کے ساتھ گیا۔اب فوج مقدونوی نہ رہی تھی۔اگرچہ اس کے بڑے بڑے افسر مقدونوی تھے۔ایرانی امراء نے ایک خاص رسالہ تیار کرلیا تھا جسے فوج خاص کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ان کی ڈھالیں چاندی کی تھیں۔بعض پرانی فوجیں ختم ہوچکی تھیں۔کریٹ کے مشاق تیراندازوں میں سے جو باقی رہ گئے تھے انہیں نیارکس کی فوج میں شامل کردیا گیا۔معاون دستے صدر مقامات پر متعین کردیئے گئے۔مقدونیہ کی پیادہ فوج جیسی تھی ویسی ہی رہی۔سکندر اسے برباد کرنے کا حوصلہ نہ کرسکا۔

اب کم از کم نصف فوج اسپ سوار تھی۔ نئے ایشیائی حلیفوں کے نزدیک صرف سواروں ہی کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔یہاں تمام جنگجو گھوڑے استعمال کرتے تھے۔ البتہ ملازم یا کرایہ دار نیزہ بردار پیدل چلتے تھے۔مقدونوی پیادوں کو بھی طبعاً شکایت کا موقع ملا۔انہیں اپنا سارا سامان اور ہتھیار اٹھا کر ایشیائی رسالوں کے ساتھ ساتھ گردوغبار پھانکتے ہوئے پیدل چلنا منظور نہ تھا۔سکندر نے ان میں سے بعض رجمنٹوں کیلئے سواری کا انتظام کردیا، جو بدستور پیادہ رہے۔ان کا سامان گاڑیوں پر لد کر جانے لگا۔دریائے کابل پر جو آخری سکندریہ آباد ہوا تھا اس میں پندرہ ہزار فوجی متعین کیے گئے تھے۔یہ ہندوستان میں پیش قدمی کا مرکز تھا۔خود سکندر کے ساتھ کوئی چالیس ہزار فوجی تھے۔غیر مضافاتی آبادی کی تعداد معلوم نہیں۔گرینی کس کی جنگ میں اس کے پاس جتنی فوج تھی اب اس سے تین چار گنا ہو چکی تھی لیکن یہ فوج قومی نہ تھی بلکہ بین الاقوامی تھی۔

Marfat.com

اتنی بڑی فوج کو متحد رکھنا بہت بڑا کارنامہ تھا اور سکندر اس فوج کو قبض و تصرف کے لئے نہیں بلکہ دریائے سندھ کے آریائی لوگوں کے ہم نوا بنانے کیلئے ساتھ لے جارہا تھا۔ اس نے خط وکتابت شروع کردی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وادی سندھ کے لوگ اس کی پیشوائی کیلئے تیار ہیں۔ رسد کے تحفے لائیں گے اور وہ عجیب وغریب قوی ہیکل جانور پیش کریں گے جسے ہاتھی کہتے تھے۔ چند سال سے وہ لوگ سکندر کے متعلق بہت کچھ سن چکے تھے اور ایشیا کے شہنشاہ کو اپنے وطن سے امن پسندانہ گزارنے پر بالکل آمادہ تھے۔ حقیقت میں سکندر خود بھی جنگ کا وہ بوجھ خواہ مخواہ برداشت نہ کرنا چاہتا تھا جس میں گزشتہ اڑھائی سال کی مدت گزار چکا تھا۔

مشرق کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے معمول کے مطابق فوج کے مختلف حصے کرلئے اور ہر حصے کے الگ الگ کماندار بنادیئے۔ بطلیموس کو اپنا نائب بنایا۔ نقل وحرکت کا کام کریٹرس کے حوالے کیا۔ وہ خود شمالی مشرق کی طرف مڑا۔ فوج کے نہایت تجربہ کار دستے کے ساتھ تھے اور انجینئر ان منجنیقوں کو ساتھ لئے جارہے تھے جو پہاڑوں میں کام دے سکتی تھیں۔ اس طرح وہ اس بلند درے کی طرف بڑھا جہاں ہندوکوہ ہمالیہ کے عظیم الشان سلسلے سے مل جاتا ہے۔ اردگرد سے کوئی فوج نہ گزر سکتی تھی۔

Marfat.com

اٹھارھواں باب

ہاتھی اور آخری دریا

سوال یہ ہے کہ سکندر نے کیوں ایک ناقابلِ گزر درے کا رخ کیا؟ اس سے پیشتر وہ تین مرتبہ اپنا رخ شمالی جانب پھیر چکا تھا۔ اول گاگامیلہ سے پیشتر گارڈیم کے سلسلہ کوہ کی طرف، دوم بحیرۂ قزوین کے کنارے کی طرف، سوم دریائے ریگ کے کنارے پر یعنی ستھیوں کے علاقے میں تینوں موقعوں پر اس نے معروف راستے چھوڑے اور غیر معروف شمال میں جست لگائی۔ بلاشبہ آب وہوا اور جانوروں کیلئے چارے کے مسائل بھی اس سلسلے میں ایک حد تک اثر انداز ہوئے ہوں گے۔ سٹریبو[1] کا بیان ہے کہ شمالی قوس کا راستہ اس نے دو وجہ سے اختیار کیا۔ اول یہ کہ اس راستے پہاڑوں میں سے گزرتے ہوئے وہ زرخیز زمینوں کے قریب رہتا اور چارے یا رسد کی دقت پیش نہ آتی۔ ہندوستان کے بڑے دریاؤں کو ان کے نقطۂ آغاز کے قریب عبور کرنے کا موقع ملتا جہاں سے عبور سہل تھا۔ یقیناً درست ہے کہ مقدونوی موسم گرما میں بلند پہاڑی علاقوں کے اندر رہنا پسند کرتے تھے اور پہاڑوں پر چڑھنا ان کیلئے دقت خیز نہ تھا۔

یہ حقائق اپنی جگہ مسلم ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کو اس سلسلے میں فوجی نقل وحمل کی سہولتوں کے علاوہ بھی کوئی مقصد اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ ستھیا اور ہمالیہ میں سے کوچ حد درجہ خطرناک تھا۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ سکندر اس سلسلے میں اکتشاف کا خواہاں تھا۔ وہ زمین بند سمندروں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ سطح مرتفع کے کنارے معلوم ہو جائیں اور نئی

Marfat.com

پہاڑی دیواروں کو پھاندے۔ وہ زمین کی وضع وہیئت کے متعلق آخری فیصلہ کرنا چاہتا تھا جو یونانی عالموں کے افکار سے بالکل مختلف معلوم ہوتی تھی۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھتا جاتا پہاڑ بلند تر ہوتے جاتے۔ دریاؤں کا عرض بھی بڑھ گیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ کیا آخری حد پر واقعی سمندر واقع ہے اور طلوعِ آفتاب کے مقام پر آسمانی قوت کی کوئی شہادت وجود ہے۔ کیا واقعی وہاں لافانی عقل و دانش کے آدمی رہتے ہیں جو نخلِ علم کا میوہ کھا چکے تھے اور آبِ حیات پی چکے تھے؟ کہا جاتا ہے کہ سکندر کو اس کی تقدیر لئے جاتی تھی ممکن ہے یہ سفر اسی لئے کیا ہو کہ آیا تقدیر کا وجود ہے بھی یا نہیں۔ یعنی کیا روئے زمین پر دیوتاؤں کے وجود کا کوئی ثبوت موجود تھا یا نہیں تھا؟ کیا انسان اپنے ارادوں سے بلند تر ارادے کے تابع تھے؟ کیا غیر متحرک محرک جو دور افتادہ اور نادیدہ تھا واقعی کائنات کی قوت اور جوہری عملیات کا سرچشمہ تھا؟ کیا عالمِ انسانیت اپنی کوششوں سے علم وتہذیب کی روشنی یا وحشت و بہیمیت کی تاریکی کی طرف جاتا ہے؟

یقیناً ربع مسکوں کی شمالی سمت میں ذہنیتوں کی پستی کے شواہد ملے خصوصاً ان لوگوں کے درمیان جو آخری کناروں پر رہتے تھے۔ مثلاً دریائے ڈینیوب کے پار رہنے والے وحشی سلٹ یا قزوین کے پہاڑی علاقے کے قزاق یا دریائے ریگ کے پار کے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ علم وتہذیب کا مرکز مشرقی جانب تھا کہ شمالی جانب۔

اس موسم بہار کے آغاز میں خوش نصیبی نے سکندر کا ساتھ دیا۔ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسے اس کے فوجیوں نے شگون نیک سمجھا اور ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ یعنی انہیں عشق پیچاں کے پودے مل گئے اور عشق پیچاں کے ساتھ ایک افسانہ وابستہ تھا۔ یونانیوں کے طریقہ تسمیہ کے مطابق نیسا کے شہر میں پہاڑ کے ڈھلوان پر باشندوں نے حقیقی عشق پیچاں کے پودے دکھائے۔ یہ پودے درہ دانیال سے اس طرف کہیں نہ ملے تھے۔ مزید براں یہاں کے باشندوں کو عشق پیچاں کا یونانی نام بھی معلوم تھا بلکہ وہ یونانی زبان کے بہت سے اور لفظ بھی جانتے تھے۔

Marfat.com

آہستہ آہستہ پوری کہانی معلوم ہوگئی۔ اہلِ نیسا اپنے آپ کو ان یونانی بہادروں کے اخلاف جو دیونی سوس کے زیرِ علم پھرتے تھے ہوئے یہاں پہنچ گئے تھے جو آدمی جنگ کے قابل نہ رہے تھے انہیں ایک مقام پر بسا دیا گیا تا کہ دیوتا کی عبادت میں عیش وعشرت کی مجلسیں ہمیشہ کیلئے گرم رہیں۔ انہوں نے پاس کی ایک چوٹی کی طرف بھی اشارہ کیا جس کا نام کوہ میروتھا اور بتایا کہ یہ یزمان کے پہاڑ نیروئی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ آریاں لکھتا ہے کہ یہ واقعہ سکندر کی خواہش کے عین مطابق پیش آیا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ دیونی ساس کی سیر وگردش کا افسانہ خوب پھیلے چنانچہ وہ پیادوں اور سواروں کی جمعیت کے ساتھ اس پہاڑ پر چڑھا جس کے ڈھلوانوں پر عشق پیچاں ہی کے پودے نظر آتے تھے۔ وہاں سایہ دار مقامات پر عبادت گاہیں بنی ہوئی تھیں اور وحشی حیوانات آزادانہ پھرتے تھے۔ عشق پیچاں کو دیکھ کر مقدونوی بے حد خوش ہوئے۔ انہوں نے اس کے ہار بنا کر پہنے۔ تاج بنا کر سر پر رکھے، ناچتے اور گاتے رہے۔ سکندر نے دیونی سوس کے نام پر قربانی کی اور اپنے رفیقوں کے ہمراہ جشن منایا۔

عشق پیچاں کی اس مبارک نمود نے مقدونویوں کی ہمت دوچند کردی۔ اگر خدائی طاقت ہمیں نیسا نہیں لائی تو کم از کم یہ پتہ تو چل گیا کہ ہم سے پہلے بھی یونانی یہاں آچکے ہیں اور آگے بڑھے تو انہیں سدا بہار گلاب بھی مل گیا۔ نیز پہاڑی درختوں کے جنگل نظر آئے۔ یہاں انہوں نے لمبے سینگوں والے نہایت قوی بیل دیکھے اور ان کا ایک ریوڑ پکڑ کر مقدونیہ بھیج دیا۔ نیسا کے بعد انہیں جشن منانے کے مواقع بہت کم ملے۔ ایشیائے کوچک اور سغد کے پہاڑوں کی طرف شمالی ہند کے پہاڑوں میں بھی انہیں بہت سے وحشی لوگوں سے سابقہ پڑا۔ یہ لوگ فوج کو دیکھ کر اپنے پہاڑی قلعوں میں چلے جاتے جو بلند چوٹیوں پر بنے ہوئے تھے۔ سکندر نے ان کے تعاقب میں چوٹیوں پر چڑھنے یا انہیں رام یا تباہ کرنے پر سخت اصرار کیا لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ مقدونویوں کی کوئی تدبیر کامیاب نہ ہوسکی۔ سکندر اور بطلیموس دونوں زخمی ہوئے۔ فوجیوں نے بعض مقامات پر بڑی بیدردی کا اظہار

Marfat.com

کیا۔ایک مقام کے باشندوں نے اپنے آپ کو حوالے کر دیا۔ان میں سے تمام مرد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

جیسے جیسے وہ بلند ہوتے گئے چیڑ کے ایسے درخت ملے جو زیادہ لمبے نہ تھے۔وادیاں تنگ ہوتی گئیں۔ان میں سے ندیاں شور کرتی ہوئی بہتیں۔سکندر نے فوج کو پیچھے چھوڑا اور منتخب سواروں کو لے کر آگے نکل گیا۔ہوا بہت ہلکی ہوگئی جس میں سانس لینا بھی مشکل تھا۔ راستے میں برف کے تودے پڑے ہوئے تھے۔بڑی مشقت اٹھا کر وہ ان پر سے گزرے۔ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ہوا اتنی تیز تھی کہ معلوم ہوتا تھا انہیں چیر کر رکھ دے گی۔لہٰذا وہ ایک دوسرے کا بازو پکڑ کر چلے تھے۔برفستانوں سے گزرے تو معلوم ہوا کہ وہ اتنی بلندی پر پہنچ گئے ہیں جو بادلوں سے بھی اوپر ہے۔انہیں ایک سفید رنگ کی بہت اونچی چوٹی نظر آئی جو پہرے دار کی طرح کھڑی تھی۔سرویئروں نے اپنے حساب کے مطابق اس کی بلندی کا اندازہ کیا اور کہا کہ یہ کرۂ ہوا سے اوپر اٹھ کر عرش تک پہنچی ہوئی ہے۔رہبروں نے بتایا کہ اس کے آگے وہ بلندیاں ہیں جن کی حفاظت اندر دیوتا کر رہا ہے۔وہ بلند تر فضا میں آندھیوں اور طوفانوں کے درمیان رہتا ہے۔بہرحال سکندر کو ایسی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں جیسی پہلے اس نے کبھی نہ دیکھی تھیں۔اس راستے سے کوئی فوج نہ گزر سکتی تھی۔نہ نیک اور پارسا لوگ یہاں رہ سکتے تھے۔چنانچہ وہ پیچھے لوٹا اور دریائے سندھ کی جانب نیچے اتر آیا جہاں ہفاسشن اور پرڈیکاس عبور کیلئے پل تعمیر کر رہے تھے۔وہ اپنی مرضی سے جنوب کی طرف مڑا تھا کہ فوج سے مل جائے۔لیکن اس وقت تک اس کے اور فوج کے تعلقات میں کافی تغیر پیدا ہو چکا تھا۔سکندر کو اس تغیر کا کوئی علم نہ تھا۔لیکن فوج پوری طرح آگاہ تھی۔ فوجیوں کا خیال تھا کہ ان کا قائد مطلق العنان حاکم بننا چاہتا ہے اور مقدونیوں کے دل میں یہ احساس بھی پیدا ہو چکا تھا کہ وہ سمجھتا ہے میرے ہاتھ میں آسمانی قوت ہے اور راستے میں جو بھی مشکل آئے گی اس پر قابو پالوں گا لہٰذا سمجھ لینا چاہئے کہ سکندر دیوانہ ہوگیا ہے۔

کلیستھیز کے نامکمل روزنامچے نے اس عقیدے کو تقویت پہنچائی۔اس نے لکھا تھا

Marfat.com

کہ سکندر اب فانی نہیں رہا۔ زیوس کی عقل اس میں حلول کر گئی ہے اور خدائی قوت اسے تقدیر کے راستے پر لے جارہی ہے۔ اس سے خوشامد کی بو آتی تھی۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ سکندر کی روح مر جائے۔ سکندر نے جب یہ پڑھا تو اسے کلیستھنیز کا یہ قول ضرور یاد آ گیا ہوگا کہ وہ سکندر کی شہرت کو غیر فانی بنا دے گا۔ آریاں لکھتا ہے کہ یہ مسودہ پڑھ چکنے کے بعد سکندر کو کلیستھنیز کے خیال سے بھی نفرت ہو گئی۔ ''خطابیات'' بھی تھی جس میں سکندر سے خطاب کیا گیا تھا۔ لکھنے کا انداز عمومی تھا اور مضمون یہ تھا کہ جھوٹی شہادت سے ہمیشہ بچے رہنا چاہئے اور نظری بحثوں کے بجائے اکتشاف اور دریافت کی قدر و قیمت زیادہ سمجھنی چاہئے۔ اس میں زمانہ گزشتہ کے یونانیوں کی خیال آرائیوں پر بھی حملہ کیا گیا تھا۔ ایسی ہی خیال آرائیوں کے سلسلے میں افلاطون نے اپنی جمہوریت کا نقشہ تیار کیا تھا تا کہ مثالی خبر کو مجسم صورت میں بھی پیش کر دے۔ بطلیموس نے کہا اب تک تو آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جو چیز آپ کیلئے منفعت بخش ہے وہ دوسرے کے لئے منفعت بخش نہیں ہو سکتی۔ پھر آپ کیوں اس شے سے وابستگی پیدا نہیں کر لیتے جو آپ کیلئے فائدہ مند ہے؟ سکندر نے پوچھا وہ کیا ہے۔ بطلیموس نے جواب دیا: ہمیں واپس چلنا چاہئے۔ ایکبتانہ بابل میں بھی ٹھہرنا چاہئے۔ ہماری اصلی جگہ اپنا سمندر ہے اور مصر کا سکندریہ، بطلیموس نے یہ اضافہ نہ کیا کہ میری محبوبہ تھائیس مصر کی یاد میں تڑپ رہی ہے۔

سکندر ایسی کوئی بات سننے کیلئے تیار نہ تھا۔ وہ اور بطلیموس دونوں شدید زخموں کے باعث کمزور ہو چکے تھے۔ لیکن بطلیموس کے اصرار نے سکندر کو آزردہ کر دیا۔ ہمالیہ میں اس واقعہ کے بعد بطلیموس نے شاذ ہی سکندر کو کوئی مشورہ دیا۔

ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعیات کا مطالعہ کرتے ہوئے سکندر پر واضح ہوا کہ اس کا استاد فطرت اللہ پر نظری بحثوں میں بہت دور چلا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا اس زمین پر نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ دور افتادہ ستاروں کی دنیا میں رہتا ہے جو قوت اور ثوابت کو زمین کے گرد گردش میں رکھتی ہے۔ تمام چیزوں میں حرکت کا وجود ہے۔ وقت کے تعینات سے باہر یہی

Marfat.com

حرکت زمین کی طرف آتی ہے۔ زندگی پیدا ہوتی ہے اور وقت کے تعینات میں قائم رہتی ہے۔ اس سے آگے خدا کا کوئی وجود نہیں ہے...... سکندر نے سوچا کہ اگر یہ درست ہے تو پھر سفر میں مجھے طبعی اشیاء کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ ساتھ ہی اسے یہ محسوس ہوا کہ استاد اور شاگرد کے خیالات بالعکس منقلب ہو گئے ہیں۔ استاد پہلے علم سے زیادہ عمل اور استدلال سے زیادہ انکشاف پر زور دیتا تھا لیکن اب وہ نظریات کا شارح بن گیا ہے۔ اس کے برعکس سکندر مشاہدے اور انکشاف پر تلا ہوا تھا۔ اس تلاش میں وہ تنہا تھا۔ اس وقت سے زیادہ تنہا جب وہ میزا میں زیرِ تعلیم تھا۔ ارسطو ڈیماستھنیز سے بھی زیادہ اس کا مخالف بن گیا۔ بطلیموس کو صرف ایک خیال تھا اور وہ یہ کہ مصر واپس چلا جائے جو فلسفی وطن میں تھے وہ کلیستھنیز کا روزنامچہ پڑھ چکنے کے بعد سمجھ رہے تھے کہ اس کی کامیابیاں خوبیِ تقدیر کا کرشمہ ہیں جب تقدیر ساتھ چھوڑ دے گی تو اس کا انجام نہایت دردناک ہوگا۔ وفادار اینٹی پیٹر اہلِ وطن کے افکار سے غیر متاثر نہ رہا اور اس نے سکندر کی مخالفت شروع کر دی۔

دریائے سندھ پر کشتیوں کا پل بن چکا تھا۔ سکندر موسمِ بہار میں اس پر پہنچا تو نظارہ اس درجہ اثر انگیز تھا کہ سکندر کی خال آرائیوں کا کوئی شکوہ اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ وہ آیا تو پل پر تختہ بندی کیلئے جنگل کے بے شمار درخت ساتھ لایا۔ اس کی فوج خاص کی روپہلی ڈھالیں سورج کی روشنی میں درخشاں تھیں۔ ہاتھی سواروں نے آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ یہ روشنک کے جلوس میں چل رہے تھے اور ان کی تریاں بج رہی تھیں۔ عین اس موقع پر شمالی ہند کے راجہ کی طرف سے بے شمار تحفے آئے۔ چاندی کے انبار گاڑیوں پر لدے ہوئے تھے۔ ہزاروں بیل اور بھیڑیں غذا اور قربان کیلئے بھیجی گئی تھیں۔ سانولے رنگ کے ہندوستانی سواروں کا ایک لشکر اور جھولوں والے تیس ہاتھیوں کی ایک قطار، سکندر کی خدمت کیلئے بھیجی گئی تھی۔

وہ پہاڑیوں سے نکل کر کھلے میدان میں آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی روشنک ایشیائی دربار کی شان و شوکت کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کے شامیانے کے ارد گرد احاطہ کھینچ

Marfat.com

دیا جاتا ہے جس ہاتھی پر وہ سوار ہوتی ہے اس کے ساتھ خواجہ سراؤں کی ایک جماعت بطور محافظ چلتی ہے۔ وہ ایسا بت نظر آتی تھی جسے جواہرات پہنا دیئے گئے تھے۔ اس کے پردہ دار ہودے کو ہاتھی کی پشت پر باندھ دیا جاتا تھا۔ روشنک خود بے پردہ گھوڑے پر سوار ہونے کی عادی تھی لیکن ہندوستان میں ایسی سواری کو خلافِ وقار سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ روشنک نے اس نئی شان وشوکت سے مطابقت پیدا کرلی تھی اور وہ بعدازاں ہاتھی کے سوا کسی چیز پر سوار نہ ہوتی تھی لیکن اسے اپنی یہ تنہائی پسند نہ تھی۔ وہ اپنے وطن کی خنک سطح مرتفع پر بہت خوش تھی جہاں مہموں کے دوران میں خیمے کے اندر رہتی اور اپنے سنجابی پارچے ایک طرف رکھ کر سکندر کے پاس آگ کے سامنے بیٹھ جاتی۔ یہاں کیمپ کی حیثیت ایک متحرک شہر کی تھی۔ اسے زربفت کے لباس پہننے پڑتے اور موتیوں کے ہار گلے میں ہوتے۔ وہ اس بات پر متاسف تھی کہ ابھی تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اور کچھ معلوم نہ تھا کہ سکندر کے وقتی رجحانات اسے کہاں لے جائیں گے۔

یکایک سکندر کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہاتھیوں کا شکار کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہ مقدونوی افسروں کو لے کر ہندوستانیوں کی رہبری میں شکار کیلئے نکلا اور ایک گلے پر جا پڑا تو گرفتار ہاتھیوں کو رسیوں سے باندھ کر لے آیا۔ مقدونوی اس قوی ہیکل جانور کی سمجھ بوجھ اور قوت سے بے حد متاثر ہوئے جسے ایک لڑکا یا بوڑھا بھی جہاں چاہتا لے جاتا۔ انہوں نے پالتو ہاتھیوں کو رقص کرتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک ایسا تھا جس کی دونوں اگلی ٹانگوں پر دو جھانجھ بندھے ہوئے تھے اور ایک جھانجھ سونڈ سے پکڑ کر بجاتا اور دوسرے ٹانگیں اٹھا اٹھا کر رقص کرتے۔

سلیوکس نیکاٹور[2] نے بتایا کہ اگر جنگ میں مہاوت زخمی ہو جائے تو ہاتھی اس کی حفاظت کیلئے اوپر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جن کمانداروں کو اس زمانے میں سکندر کا خاص قرب حاصل ہوا تھا ان میں سے ایک سلیوکس بھی تھا وہ بڑا قوی ہیکل آدمی تھا۔ زور کا یہ عالم تھا کہ بیل کو سینگوں سے پکڑ کر اس کی گردن مروڑتا اور نیچے گرا دیتا۔ لیکن طبیعت بڑی اچھی پائی

Marfat.com

تھی۔ نیارکس اور ہفااسشن کی طرح بڑا خوش مذاق تھا۔ سکندر کے کسی فیصلے پر کبھی اعتراض نہ کیا۔ ہاتھیوں کی قوت کا اندازہ کرتے ہوئے اس نے فیصلہ کرلیا کہ ایک ریوڑ پال لینا چاہئے۔ نیارکس نے پوچھا پالنے میں کتنا وقت لگے گا؟ سلیوکس نے جواب دیا جتنی جلد ممکن ہو۔ نیارکس بولا: ایک ہتھنی سولہ مہینے کے بعد بچہ دیتی ہے اور گھوڑی کی طرح اس کے صرف ایک ہی بچہ ہوتا ہے۔ بچہ آٹھ سال تک ماں کا دودھ پیتا رہتا ہے۔ اب سوچو ایک ریوڑ پالنے میں کتنا وقت لے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ وہ سب ہندوستان کے اس عجیب وغریب جانور کے حالات کا بغور مطالعہ کر چکے تھے۔ جو زمین دریائے سندھ سے سیراب ہوتی تھی اس کا نام انہوں نے ہند رکھا اور باشندوں کو ہندی کہتے تھے۔ نیارکس نے اک چتکبرا سانپ پکڑنے کی کوشش کی جو چوبیس فٹ لمبا تھا سانپ اتنی تیزی سے نکل گیا کہ پکڑا نہ جا سکا۔ پھر اس نے طوطے پکڑوائے جو آدمی کی طرح بولتے تھے۔ اگرچہ یونانی زبان نہ جانتے تھے۔ انہیں کریٹس نے قسم کھا کر بتایا کہ میں نے لومڑی جتنی بڑی ایک چیونٹی دیکھی ہے وہ زمین کھود کھود کر سونا نکال رہی تھی۔

سکندر کو معلوم ہوا کہ جسے پھنیر سانپ ڈس لیتا ہے وہ بچتا نہیں۔ اس سانپ کی شکل ویسی ہی تھی جس کی تصویر فراعنہ مصر کے تاج سرسے ملتی جلتی تھی۔ چنانچہ اس نے سانپوں کا علاج کرنے والے ہندوستانیوں کو اپنے پاس بلا لیا اور انہیں ایک خیمے میں ٹھہرایا۔ ساتھ ہی حکم دے دیا کہ جیسے سانپ ڈس جائے، اسے ان لوگوں کے پاس پہنچا دینا چاہئے۔ پیوسس ٹس نے بتایا کہ میں نے جنگل میں بہت چھوٹے چھوٹے آدمی دیکھے ہیں۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ جا رہا تھا کہ اچانک درختوں پر سے سنگ باری شروع ہوئی۔ میں نے اپنے آدمیوں کو ادھر ادھر پھیل جانے کا حکم دے دیا لیکن ان پر گٹھلیاں اور فروٹ برابر برستے رہے۔ ان چھوٹے آدمیوں نے گرمی کے باوجود پوستین پہن رکھی تھی۔ نیارکس نے بتایا کہ وہ آدمی نہیں بلکہ خوبصورت جانور ہیں جو آدمیوں کی نقالی کرتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے

Marfat.com

پہن رکھا ہے پوستین نہیں بلکہ ان کا اپنا چمڑا ہے۔ پیوسس ٹس مدت تک نیارکس کی یہ بات نہ مان سکا اور اسے یقین نہ آیا کہ اپنے فوجیوں کو لڑائی کا حکم آدمیوں کے خلاف نہیں بلکہ بندروں کے خلاف دیا تھا۔ نیارکسن سے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کیلئے بندر پکڑ منگوائے۔ سکندر نے سلیوکس اور ملاجان کریٹ کو حکم دے دیا تھا کہ ملک کے اندر گھس جاؤ۔ آدمیوں اور جانوروں کے جتنے نئے نمونے ملیں انہیں ساتھ لاؤ۔ ہاتھیوں کے لئے خاص تاکید کر دی گئی تھی۔ نیارکس نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر چھوٹے جہازوں کا ایک بیڑا تیار کر لیا جن میں سے بعض کو چلانے کیلئے تیس تیس چپو استعمال کئے جاتے تھے۔ وہ دریا ہی میں سے چلتے ہوئے اکتشافات کرنا چاہتا تھا۔ (سکندر نے پرانے مقدونوی لشکروں کی کمان ان آدمیوں کے سپرد کر دی تھی جو خود سپہ گری کے فن سے واقف نہ تھے لیکن بادشاہ کے احکام کی تعمیل خوب کرا لیتے تھے۔ اب ہفاائشن بہترین محافظ فوج کا کماندار تھا۔ سلیوکس معاون فوج کا، اور نیارکس کی کمان میں اگریانیوں کا لشکر دے دیا گیا تھا)۔ سکندر نے نیا بیڑا دیکھا تو سخت خفا ہوا اور پوچھا کہ کیا جہاز سازوں نے یہ سمجھ رکھا ہے ہماری فوج ان پر سوار ہو کر خشکی میں پھرے گی۔ کریٹ کے ملاحوں نے جواب دیا۔ فوج ان جہازوں میں سوار ہو کر مشرق کی جانب نہ جائے گی بلکہ ان جہازوں کے ٹکڑے گاڑیوں پر لاد کر ساتھ جائیں گے جہاں ضرورت پیش آئے گی انہیں جوڑ کر گہرے پانی میں گزرنے کا بندوبست کر لیا جائے گا۔ ساتھ ہی کہا کہ آپ ہی نے تو کشتیوں کا پل بنانے کا حکم دیا تھا۔ سکندر بولا: بے شک دریائے سندھ پر پل بن جانا چاہیے۔

مقدونویوں کو پہلے خیال تھا کہ سندھ پر پہنچتے ہی دریائے نیل کا منبع مل جائے گا اور نیل کی طرح سندھ میں بھی کسی واضح سبب کے بغیر طغیانی آ جاتی تھی۔ کلیستھنیز اور ارسطو دونوں کا عقیدہ تھا کہ نیل کا پانی سندھ ہی سے آتا ہے۔ ہیروڈوٹس نے مصر کو نیل کا عطیہ قرار دیا تھا یعنی وہ کہتا تھا کہ نیل سالانہ طغیانیوں میں غیر معلوم خطوں سے جو ذرات لاتا تھا وہ چھوڑتا جاتا رہا۔ اس طرح زمین بنتی گئی۔ اگر یہ درست تھا تو ہندوستان کو بھی مصر کی طرح ایک تنگ

Marfat.com

اور لمبوتری زمین کی شکل میں سمندر تک جانا چاہئے تھا لیکن نیارکس چھان بین کے بعد صحیح نتیجے پر پہنچ گیا۔ اس نے بتایا کہ سندھ میں طغیانیاں آتی ہیں۔ ان کا ایک سبب یہ ہے کہ پہاڑوں پر برف پگھلتی ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ بلندیوں پر کثرت سے بارش ہوتی ہے۔ اس سے قیاس کرلیا گیا کہ نیل میں طغیانیاں بھی ان پہاڑوں پر بارش کی وجہ سے آتی ہیں جو دور افتادہ حبشہ کے غیر معلوم خطے میں واقع ہیں۔

دریائے سندھ کا بہاؤ مشرق سے مغرب کی طرف نہ تھا بلکہ یہ جنوبی سمت میں بہتا ہوا سمندر میں گرتا تھا۔ نیارکس نے بتایا کہ دریائے سندھ کا منبع دور مشرق کی جانب ہے۔ بربری لوگ بتاتے ہیں کہ منبع یہاں سے چھ ہزار سٹیڈیا[3] کے فاصلے پر ہوگا۔

ان حقائق سے ظاہر ہوگیا کہ سندھ کو نیل سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نیل اور سندھ کے درمیان خشکیوں، صحراؤں اور خلیجوں کی ایک وسیع دنیا حائل ہے جس کا تصور بھی یونانیوں کو نہیں ہوا تھا اور اور فوجیوں کو یقین ہوگیا کہ یہ ممکن نہیں۔ وہ یہاں سے جہازوں پر سوار ہوکر پانی کے راستے ممفس اور سکندریہ پہنچ جائیں جہاں سے بحیرۂ روم کا نیلا پانی نظر آتا تھا اور اس پانی کو دیکھنے کی انہیں تمنا تھی۔ نیارکس ملاحوں اور جہاز سازوں نے اس نتیجہ پر پہنچتے ہی بار برداری کیلئے ایک بیڑا تیار کرنا شروع کردیا۔ انہیں امید تھی کہ سکندر مشرقی جانب پیش قدمی کو روک کر جہازوں پر سوار ہوکر دریائے سندھ کے راستے واپس روانہ ہوجائے گا لیکن سکندر ایسی کوئی بھی بات سننے کیلئے تیار نہ تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اپنی کشتیاں اور پل لے کر مشرق کی طرف چلو۔

ملاحوں نے بتایا کہ سندھ سے آگے بڑھیں گے تو چار اور بڑے دریا راستے میں آئیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ہندوستان زمین کا تنگ خطہ نہیں بلکہ مشرق کی طرف بہت پھیلا ہوا ہے۔ کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ چوتھے دریا کے آگے کیا ہے۔ ملاح کہتے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ آگے سمندر ہو۔ سکندر اس بارے میں یقینی علم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بہرحال فوج جہازوں کو کشتیوں میں رکھ کر با دل ناخواستہ مشرق کی جانب روانہ ہوئی۔ وہ اب چپ چاپ

Marfat.com

چلی جا رہی تھی۔ گویا سکندر کی پیش قدمی اسے ہرگز پسند نہ تھی۔ انجام کار اس نے بغاوت اختیار کرلی اسی اثناء میں بارشیں شروع ہوگئیں۔ آسمان گرم زمین پر پھوٹ پڑا جہاں کیمپ لگا ہوا تھا وہ زمین راتوں رات پانی سے جل تھل ہوگئی۔ ٹرائے کے بعد سے انہوں نے اس قسم کا طوفان کبھی نہ دیکھا تھا لیکن بارش سے بھی بڑھ کر انہیں راجہ امبھی کے خلاف شکایت تھی۔ راجہ امبھی کے ساتھ عزیز دوست کا سا سلوک کیا گیا تھا۔ اس نے یونانیوں کا خیر مقدم کیا۔ تحفے دیئے اور اپنے پورے ملک کے وسائل ان کی نذر کر دیئے لیکن سکندر نے امبھی سے جتنی چاندی وصول کی تھی اس سے کہیں زیادہ اسے سونا دے دیا تھا اور ملک بھی اسی کے حوالے کر دیا تھا۔ ہفااسشن نے سڑک کے ساتھ ساتھ معمول کے مطابق مستحکم چوکیاں بنالیں جن میں بیمار سپاہیوں کو رکھا گیا۔ آس پاس جو مکان بچے ان میں پناہ گیر رہنے لگے۔ سکندر نے راجہ کے ساتھ ہمسر کا سا سلوک کیا۔ فوج کو حکم دے دیا کہ اس کے علاقے میں لوٹ مار قطعاً نہ کی جائے۔ فوجیوں کو یہ شکایت تھی کہ اس سے پیشتر مشرق کے کسی حاکم کو یہ عزت نہ دی گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ سکندر ہندوستانیوں سے بے حد خوش ہوا تھا۔ وہ تکشِشلا (ٹیکسلا) پہنچا تو کھیلوں کا انتظام کیا۔ ہندوستانیوں کے ساتھ دوستی کی خوشی میں قربانیاں کیں۔ یہ لوگ بھی آریہ تھے جو شمالی سمت کے میدانوں سے قبیلوں کی شکل میں آئے تھے۔ ایرانیوں کی طرح وہ بھی مویشی پالتے تھے۔ صرف ایک بیوی رکھتے۔ آگ کی پوجا کرتے۔ اور اندر دیوتا کے آگے جھکتے۔ ان میں سے جن لوگوں کا درجہ سب سے اونچا تھا وہ بھی مقدونیوں کی طرح جنگجو تھے۔ انہیں چھتری کہا جاتا تھا۔ برہمن انکے پجاری تھے جو یہ تعلیم دیتے کہ کسی کی جان لینا یا دوسروں کو دھوکہ دینا یا جائیداد کے لیے لڑنا گناہ ہے۔ کوروش کے پجاریوں نے بھی ایرانیوں کو یہی تعلیم دی تھی۔ چھتری اور برہمن سرزمین کے اصل سیاہ فام باشندوں سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ سکندر نے اعلیٰ جاتیوں کے آدمیوں کے ساتھ برابر کا برتاؤ کیا۔ راجہ امبھی کے سواروں کو اپنے فوج خاص کے ہمراہ رکھا۔ ہندوستانیوں نے سکندر کو اپنا شہنشاہ

Marfat.com

تسلیم کرلیا۔ وہ اسے یورپی شہنشاہ کہتے۔ مقدونوی انہیں گلہ بان کہہ کر پکارتے تو سکندر سخت خفا ہوتا۔

اب مختلف اقوام کا جتھا مشرق کی طرف بڑھا۔ فکر و خیال کے اعتبار سے ان میں اختلاف تھا لیکن ایک آدمی کی شخصیت نے ان سب کو اتحاد کے رشتے میں جکڑ لیا تھا۔ سکندر کا تازیانہ ہی مقدونویوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔ مشرقی سرحد پر انہیں ایک اور حکمران خاندان کی قوت سے مقابلہ پیش آ گیا۔ یہ پوروراجاؤں کا خاندان تھا جو امبھی کے مخالف تھے۔ سکندر نے امبھی کو قول دے دیا تھا کہ میں پورو راجا کی قوت کو توڑے بغیر دم نہ لوں گا۔ سکندر کو امید نہ تھی کہ اس مرحلے پر کوئی فوج مقدونویوں کے مقابلے پر میدانِ جنگ میں اترنے کی جرأت کرے گی اور ظاہر ہے کہ کسی فوج کے کامیاب ہونے کی امید نہ تھی۔ اس لئے کہ اس نے مختلف عناصر کو ملا کر جو قوت پیدا کر لی تھی وہ بڑی زبردست تھی لیکن پوروا خاندان کا راجہ جس کی حکومت دریائے جہلم کے بار تھی بارش میں مقابلے پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے لشکر میں کئی سو ہاتھی بھی تھے۔ مقدونویوں کو اب تک ہاتھیوں سے مقابلہ پیش نہ آیا تھا اور وہ دریا پر پل بھی نہ بنا سکے جس کا پانی روزانہ بڑھتا چلا جا رہا تھا وہ سمجھ رہے تھے کہ قوی ہیکل ہاتھی اور بے پناہ بارش ان کے اصل دشمن ہیں۔ پوروا راجہ کو وہ چنداں طاقتور نہ سمجھتے تھے۔ یہ ان کے اندازے کی غلطی تھی۔ جہلم کو عبور کرنا سکندر کیلئے آخری بڑی جنگ بن گیا۔

بلاشبہ سکندر بارشوں کے تھمنے اور دریا کے اترنے کا انتظار کر سکتا تھا۔ لیکن وہ انتظار کیلئے تیار نہ ہوا۔ مقدونویوں کو اس مسئلے کی اہمیت کا احساس ہی نہ تھا۔ اب ان کے پاس سوار ضرورت سے زیادہ تھے لیکن ان پر واضح ہو گیا کہ گھوڑے ہاتھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ مقابلہ کے کنارے پر ہاتھی قطار در قطار کھڑے ہوں اور گھوڑے دریا میں سے تیرتے ہوئے پار ہو کر کنارے پر چڑھیں۔ صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد سکندر کے فوجی مشیروں نے سواروں کو ان مقامات پر بھیج دیا جہاں ہاتھیوں سے مقابلہ نہ تھا۔ اس طرح انہوں نے پورس راجہ کیلئے سوچ بچار کا مسئلہ پیش کر دیا۔ آریان لکھتا ہے کہ اس قسم کا تجربہ

Marfat.com

انہیں پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

"سکندر نے مناسب یہ سمجھا کہ پورس کو حیران کرنے کیلئے ہر سمت نقل و حرکت شروع کر دے اور کچھ پتا چلنے نہ دے کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے لشکر کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کر لیا اور مختلف افسروں کے ماتحت یہ حکم دے کر پھیلا دیا کہ دشمن کے علاقوں کو لوٹتے رہو اور معلوم کرو دریا کہاں کہاں سے قابلِ عبور ہے۔ غرض اس تدبیر کے مطابق ہر طرف سے غلہ فراہم ہونے لگا اور پورس کو خیال ہو گیا کہ سکندر بارشیں تھمنے اور دریا کے اترنے تک انتظار کرنا چاہتا ہے۔ یوں پورس کو آرام و راحت کا موقع نہ ملا۔ اس لئے جب وہ دیکھتا تھا تو کشتیاں دریا میں پھر رہی ہیں اور مشکیزے تیار کر کے دریا میں سے گزرنے کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ جب وہ اپنی فوج کو دفاع کیلئے ایک جگہ جمع کرتا تو دوسری جانب سرگرمیاں جاری ہوتیں۔ خصوصاً رات کے وقت مقدونوی جن جن مقامات پر جنگ کا نعرے بلند کرتے یا ہنگامہ برپا ہوتا، پورس کو ہاتھی لے کر اسی طرح متوجہ ہونا پڑتا۔ سکندر کی تدبیروں نے ہاتھیوں کے ساتھ رات دن نقل و حرکت کو پورس کا عام مشغلہ بنا دیا۔ جب وہ بار بار تگ و دو کے بعد دیکھ چکا کہ جدھر جاتا ہے جنگ کی صداؤں کے سوا کچھ نہیں ملتا تو کیمپ جما کر بیٹھ گیا لیکن اس کے طلایہ گرد دستے دریا کے کنارے پھرتے رہے جب سکندر کو یقین ہو گیا کہ پورس جنگ کی طرف سے بے پرواسا ہو گیا ہے تو اس نے عبورِ دریا کا ایک عجیب منصوبہ تیار کیا۔ اس نے کریٹرس کو فوج کے بڑے حصے کی کمان سپرد کی اور اس کو کیمپ میں چھوڑ دیا۔ الاؤ جل رہے تھے اور شور وہاں سے اٹھ رہا تھا۔ کریٹرس کو یہ بھی تاکید کر دی گئی کہ جب تک راجہ حرکت نہ کرے اور جگہ چھوڑ کر ادھر ادھر نہ جائے اس وقت تک دریا عبور نہ کرنا۔ اگر راجہ ہاتھیوں کا صرف ایک حصہ اپنے ساتھ لے جائے تو اسی جگہ ٹھہرے رہنا، لیکن اگر وہ تمام ہاتھیوں کو لے کر میرے مقابلے پر نکل آئے تو فوراً تیزی سے دریا عبور کر لینا، اس لئے کہ ہاتھیوں کے سوا سواروں کو روکنے والی کوئی چیز نہیں۔"

رات کے وقت سکندر نے عبورِ دریا کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے مختلف لشکروں میں سے

Marfat.com

دستے چن لئے۔ ہفا اسٹن، بطلیموس، سیلوکس، کریٹینس اور پرڈیکاس ان دستوں کی کمان کر رہے تھے۔ وہ دریا کی بالائی سمت میں اٹھارہ میل چلا گیا۔ اس مقام اور کیمپ کے درمیان سنتریوں کا زنجیرہ قائم کر دیا گیا تا کہ احکام تیزی سے پہنچتے رہیں۔ کشتیوں اور مشکیزوں پر بندھی ہوئی بلیوں کو چھپا کر اس مقام پر پہنچا دیا گیا تھا:

''یہاں خشکی کا ایک حصہ اندر کی طرف بڑھا ہوا تھا اور دریا نے خم کھایا تھا۔ ہر قسم کے درخت اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ سامنے ایک جزیرہ تھا وہ بھی روئیدگی سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن اس پر آبادی کا کوئی نشان نہ تھا۔ اب جزیرے نے سکندر کی حملہ آور فوج کی نقل و حرکت کو چھپائے رکھا۔ کریٹرس نے کیمپ میں حسبِ معمول الاؤ کا انتظام کیے رکھا۔ اس اثناء میں سخت بارش ہوئی۔ بجلی کی کڑکی میں ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ گم تھی۔ نقل و حرکت یا افسروں کے احکام کی صدا بھی سنی جا سکتی تھی۔ طلوعِ آفتاب سے پیشتر بارش بند ہو گئی۔ ہوا بھی تھم گئی۔ جزیرے کے بالمقابل کشتیاں دریا میں ڈال دی گئیں۔ گھوڑوں کو ان تختوں پر سوار کیا گیا جن کے نیچے مشکیزے بندھے تھے۔ پیادہ فوج کشتیوں میں سوار ہو کر جزیرے کا چکر کاٹتی ہوئی آگے بڑھی سکندر نے تیس چپوؤں والے جہاز میں دریا عبور کیا۔ سیلوکس اور بطلیموس اس کے ساتھ تھے۔ وہ چپ چاپ دوسرے کنارے پر اترے۔ جو سوار پہلے پہنچ گئے تھے انہیں حکم مل گیا کہ اترنے والی پیادہ فوج کی حفاظت کا انتظام کریں۔''

یہاں تک منصوبے کے مطابق کامیابی سے عمل ہوا۔ سکندر اپنے رسالے کو آگے بڑھانے کیلئے تیار تھا کہ پہلی مرتبہ رکاوٹ پیش آئی۔ انہیں معلوم ہوا کہ وہ دریا کے پار نہیں پہنچے بلکہ ایک اور جزیرے میں اتر گئے ہیں۔ یہ جزیرہ بہت بڑا تھا اور بظاہر کنارے سے ملا ہوا معلوم ہوتا تھا لیکن حقیقت میں الگ تھا۔ جزیرے اور کنارے کے بیچ میں سے پانی کا تیز دھارا رواں تھا۔ وہ کنارے کے سامنے کیچڑ میں دھنسے ہوئے تھے کہ دشمن کے پہرے داروں نے انہیں دیکھ لیا۔ اس اثناء میں حملہ آور دستے کشتیوں سے اتر کر ان کے پیچھے جمع ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں انہیں ایک گھاٹ کا پتا مل گیا۔ اس میں سے گزرنے لگے تو پانی

Marfat.com

آدمیوں کی بغلوں تک اور گھوڑوں کی گردنوں تک تھا۔ انجام کار سوار کنارے پر پہنچ گئے۔ زمین کیچڑ کا سمندر معلوم ہوتی تھی۔ بس اس کے بعد وہ منصوبہ بالکل درہم برہم ہو گیا جو بڑی احتیاط سے تیار کیا گیا تھا۔

وہ ابھی کیچڑ سے باہر نہ نکل سکے تھے کہ دشمن کی پہلی فوج سامنے آ گئی۔ سکندر نے سوار تیر اندازوں کو آگے بھیجا۔ معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ رتھ بھی ہیں اور سوار بھی۔ سکندر رسالے لے کر آگے بڑھا۔ دشمن کا لشکر یا تو کیچڑ میں پھنس گیا یا یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا اور اسی جگہ لڑتے ہوئے تباہ ہو گیا۔ اس چپقلش نے پیش قدمی خاصی دیر تک روکے رکھی۔ کچھ معلوم نہ تھا کہ پورس کی فوج کیا کر رہی ہے۔ سکندر نے سواروں کو لے کر جنوب کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ پیادوں کو اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے آنے کا حکم دے دیا۔ ایک گھنٹے میں وہ اتنی دور نکل گیا کہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ پیادے کیچڑ میں دھنستے ہوئے بمشکل چلے جا رہے تھے۔

جب دشمن کی بڑی فوج سے مقابلہ پیش آیا تو سکندر کے ساتھ صرف سوار تھے اور راجہ کی فوج ریتلی بلند زمین پر صفیں باندھے کھڑی تھی جس پر جم کر لڑنا سہل تھا۔ بکتر بند ہاتھی فوج کے آگے تھے۔ ان کی تعداد دو سو ہوگی۔ ہر ہاتھی کے درمیان ایک ایک سو فٹ کا فاصلہ تھا۔ ہر خلا میں تیر انداز کھڑے تھے جن کی کمانیں ایسی زبردست تھیں کہ تیر چلاتے وقت ان کے گوشے زمین پر رکھنے پڑتے تھے۔ نیزہ بردار اور شمشیر زن تیر اندازوں کی مدد پر کھڑے تھے۔

سکندر اس صف بندی کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا وہ ٹھہر کر انتظار کرنے لگا کہ کریٹرس آ جائے۔ اس کا کوئی نشان نہ تھا۔ کریٹرس تعمیلِ حکم میں اپنی جگہ ٹھہرا رہا۔ اس لئے کہ راجہ ہاتھیوں کی ایک تعداد اور کچھ فوج کیمپ میں چھوڑ کر مقابلے کیلئے نکلا تھا۔ کئی گھنٹے گزر گئے تو پیادہ فوج پہنچی۔ سکندر نے اسے تھوڑی دیر ستانے کا موقع دے دیا۔ جب پیادے صف بندی کر کے کھڑے ہو گئے تو سکندر نے رسالے کا بڑا حصہ ان کے دائیں بازو پر پہنچا دیا۔

Marfat.com

مقدونویوں کی یہ عام جنگی ترتیب تھی۔اب اس کے ساتھ سوار، تیر انداز بھی تھے یعنی باختری اور ستھی۔قوت کے اس بے پناہ ذخیرے کے ساتھ اس نے کامیابی کے مختلف تجربے کئے۔ مثلاً پہلے اپنی فوج خاص کے ساتھ پیچھے کی طرف ہٹا۔یہ دراصل ایک چال تھی۔دشمن کے رسالے نے اس کا تعاقب کیا۔فوج کے دوسرے جیش لمبا چکر کاٹ کر تعاقب کرنے والے رسالے کے عقب میں پہنچ گئے۔خود سکندر بھی بیوسی فالس پر سوار تھا اور گھمسان کے رن میں وہ اسی پر سوار ہوتا تھا۔یکا یک بیوسی فالس گرا حالانکہ اسے کوئی زخم نہ لگا تھا۔معلوم ہوتا ہے کہ تھکان نے بوڑھے گھوڑے کا دم توڑ دیا تھا۔وہ گرتے ہی مر گیا۔

مقدونوی سواروں نے ہندوستانی رسالے کو دونوں جانب سے نرغے میں لے لیا۔ رسالہ اگرچہ بے بس ہو چکا تھا لیکن وہ بڑی مردانگی سے لڑا۔سکندر تازہ دم گھوڑے پر سوار ہو کر رن میں گھس گیا۔وہ پیادوں سے بالکل بے پرواہ ہو چکا تھا جو ہاتھیوں اور تیر اندازوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ان کی تعداد چھ ہزار ہوگی۔سیلوکس اور پرڈیکاس انہیں آگے بڑھا رہے تھے۔لیکن ہاتھیوں کے مقابلے کیلئے انہیں کوئی تدبیر نہ بتائی گئی تھی۔ان قوی ہیکل جانوروں نے بھی آگے بڑھنا شروع کر دیا۔کچھ معلوم نہیں کہ پیادوں نے ان کا مقابلہ کس طرح کیا۔ہم فقط اتنا جانتے ہیں کہ مقابلہ کیا اور روکے رکھا۔آریاں کہتا ہے کہ ایسی جنگ کا تجربہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ہاتھی جب آگے بڑھتے تو پیادوں میں گھس جاتے جو ایک جگہ جمے کھڑے تھے۔پیادوں نے کسی نہ کسی طور ہاتھیوں کو روکے رکھا۔پھر ہاتھی پلٹ پڑے معلوم ہوتا ہے کہ پیادوں نے مہاوتوں کو مار ڈالا تھا۔

''اب پورا مقدونوی رسالہ سکندر کے حکم کے مطابق نہیں بلکہ اتفاقاتِ جنگ کے مطابق ایک جگہ جمع ہو چکا تھا۔راجہ پورس کے ہاتھی پلٹے تو راجہ کے سواروں سے بھڑ گئے اور انہوں نے اپنے آدمیوں کو بھی اتنا نقصان پہنچایا جتنا کہ دشمن کو۔ان میں سے زیادہ تر ایسے تھے جو اپنی جگہ کھڑے نہ رہ سکے۔اس لئے کہ خود ان کے زخم لگے یا ان کے مہاوت مارے گئے۔جب وہ تھک گئے اور حملے کے قابل نہ رہے تو وہ آہستہ سے پیچھے ہٹنے لگے......جو

Marfat.com

ہاتھی مارے نہ گئے وہ سب پکڑے گئے۔''

اس زدوکشت میں سے ہوتا ہوا سکندر اپنی پیادہ فوج کے پاس پہنچا اور اس کی ازسرنو صف بندی کر کے حکم دیا کہ اپنی ڈھالوں کو پشتوں کے طور پر استعمال کرو، اس وقت کریٹرس کی فوج بھی دریا عبور کر کے ساحل پر آ گئی۔ اس نے بچی کھچی دشمن فوج کا تعاقب کیا۔ خود سکندر کی فوج اتنی تھک چکی تھی کہ ہل بھی نہ سکتی تھی۔ اس دن کی جنگ کے بعد مقدونیہ کی پیادہ فوج اپنی اصل حالت پر قائم نہ رہ سکی۔

میدانِ جنگ سے ہٹنے والوں میں راجہ پورس غالباً سب سے آخری شخص تھا۔ وہ جنگی ہاتھی پر سوار تھا۔ ہاتھی اور سوار بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ سکندر نے اسے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ راجہ نے امبھی کی فوج کے افسروں کو پیچھے بھیجا کہ اسے حوالگی پر راضی کر لیں۔ راجہ نے انکار کر دیا۔ آخر سکندر نے اپنے ایک افسر کو پیغامِ خاص دے کر بھیجا۔ اس وقت پورس ہاتھی سے اترنے پر راضی ہوا اور سکندر کا انتظار کرنے لگا۔ سکندر اس کے پاس پہنچا تو بات کرنے سے پہلے گھوڑے سے اتر گیا۔ پورس کے قد و قامت اور طرزِ اسلوب سے وہ بہت متاثر ہوا۔ پہلے اس کی خدمت میں پانی کا گلاس پیش کیا گیا پھر وہ خود سکندر کی طرف آیا:

''تم کس قسم کے سلوک کے طلب گار ہو؟'' فاتح نے پوچھا۔

''جیسا سلوک بادشاہ، بادشاہوں سے کرتے ہیں۔''

صاف معلوم ہوتا تھا کہ پورس نے یہ بات بڑے بے پروایانہ انداز میں کہی تھی۔

سکندر: ''بالکل بجا، لیکن اور کیا چاہتے ہو؟''

راجہ: ''میرے پہلے جواب میں سب کچھ آ گیا۔''

فاتح اور مفتوح کے درمیان یہ بات چیت ایک افسانے کے طور پر مشہور ہے اور یہ افسانہ ایشیا کی بہت سی زبانوں میں آ گیا ہے۔ سکندر اس جواب سے بڑا خوش ہوا اور اس کی رعایا کو کامل معافی دے دی۔ جہلم کے خون آلود ریت پر اس نے دو شہر تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

Marfat.com

ایک کا نام نیکائی[4] رکھا اور دوسرے کا بیوسی فالا۔[5] آخری شہر اس گھوڑے کی یادگار میں بنا جس نے سترہ سال سکندر کی رفاقت کی تھی اور اسے یہیں دفن کیا گیا۔

عبورِ جہلم نے سلیوکس کے دل پر ایک گہرا نقش چھوڑا۔ یہیں اسے ہاتھیوں کی قوت کا صحیح اندازہ ہوا۔ چند سال بعد وہ مغربی ایشیا کا بادشاہ بنا تو اس نے اسی اہتمام سے ہاتھی فراہم کیے جس اہتمام سے بطلیموس نے جواہرات اور عورتیں جمع کی تھیں، سلیوکس نے پورا ایک صوبہ ہاتھیوں کے ایک گلے کی قیمت میں دے دیا تھا۔ مقدونوی بہادروں پر جنگِ جہلم میں جو زخم لگ چکے تھے انہیں جشن یا شہروں کی تعمیر یا نئے خزانوں کے تحفے مندمل نہ کر سکتے تھے۔

پانچویں دریا میں پہنچ کر فوج نے بغاوت کر دی۔ یہ بیاس تھا جسے پنجاب کے پانچ دریاؤں میں سے آخری سمجھنا چاہیے۔[6] جہلم سے بیاس تک مقدونویوں نے اڑتیس پہاڑی شہروں پر قبضہ جمایا۔ وہ بارشوں میں کوچ کرتے رہے۔ سکندر کشمیر کے پہاڑوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ سانگلا کے قلعے پر حملے کے وقت بارہ سو آدمی زخمی ہوئے۔ وہ شمالی ہند کی سرزمینوں میں سے گزرے۔ اس سے آگے کے متعلق راجہ پورس یا راجہ امبھی کو بھی کچھ معلوم نہ تھا۔ آخری دریا کے پار مقدونویوں کو ہاتھیوں اور ہمالیہ کی ہر لحظہ بلند ہوتی ہوئی دیواروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ سرویئروں نے بتایا کہ اس سے آگے اس دریا کی غیر معروف زمینیں ہیں جن کا نام گنگا ہے۔ وہ سندھ اور نیل سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ مقدونوی سپاہیوں نے بیاس پر پہنچ کر اپنے خیموں میں مشورے کیے اور سب متفق ہو گئے کہ اب وہ ایک سمت چلیں گے یعنی گھر کی سمت۔

جب افسروں نے فوجیوں کے احساسات سکندر کے سامنے پیش کیے تو اس نے مختلف لشکروں کے سالاروں کو اکٹھا کیا۔ وہ پہلے اس قسم کی نافرمانیوں کو ختم کر چکا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب بھی فوجیوں کو راضی کرنا مشکل نہ ہوگا۔ اگر لشکروں کے کماندار فرمانبرداری پر تیار ہو جاتے تو فوجی ساتھ دیتے۔ خواہ انہیں کتنی ہی شکایتیں ہوتیں۔ کمانداروں نے اسے بتایا

Marfat.com

کہ فوجیوں کو رزم و پیکار کا خاتمہ نظر نہیں آتا۔ سکندر نے جواب دیا: ''بہادروں کی محنت و مشقت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ محنت و مشقت ختم ہو جاتی ہے۔ کیا تم آگے بڑھنے سے اس لئے ڈرتے ہو کہ اور بربری لوگ تمہارے مقابلے پر کھڑے ہو جائیں گے؟ اگر ہم اب واپس ہو گئے تو یہ خوف ہے کہ جن قوموں کو ہم نے مطیع کر لیا ہے غیر مطیع قومیں انہیں مقابلے پر آمادہ کر دیں۔ اگر تم لوگ ختمِ جنگ کا وقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو میں بتا دیتا ہوں یہاں سے تھوڑے فاصلے پر دریا گنگا بہتا ہے اور اس سے ذرا آگے مشرقی سمندر ہے بس وہاں پہنچ کر جنگ ختم ہو جائے گی۔

اس نے اپنے خیال کے مطابق مشرقی دنیا کا نقشہ پیش کر دیا اور بتایا کہ سمندر کے پاس پہنچ کر بیڑا تعمیر کریں گے اور ہندوستان کے اوپر سے گزر کر مصر پہنچ جائیں گے۔ پھر لیبیا کے ساحل کے ساتھ ساتھ ہرقل کے ستونوں تک جائیں گے (جبل الطارق) اس نے یہ بھی بتایا کہ ہم نے محنت و مشقت سے کتنی بڑی دنیا فتح کر لی ہے۔ آئی رونیا کا ساحلی علاقہ ایشیائے کوچک، فونیقیہ کا ساحلی علاقہ، مصر، لیبیا، عرب کے مختلف حصے، شام کا میدان، دوآبہ، دجلہ وفرات کی سرزمین، بابل، شوش، مادہ اور ایران کی سرزمین، باب قزوین کے آگے کی سرزمین، سطح مرتفع تک ستھیا اور ہندوستان۔ فوجیوں کے استقلال کی بدولت یہ سب کچھ حاصل ہوا ہے۔ تھوڑا سا اور استقلال دکھائیں گے تو مزید فائدے حاصل ہوں گے۔ اس نے کہا کہ ہم نے مل جل کر محنت کی۔ میں تمہارے ساتھ تکلیفیں اٹھاتا رہا اور جو کچھ حاصل ہوا اس سے ہم ایک ساتھ فائدے اٹھائیں گے۔ ہمت نہ ہارو، ہم واپس جا کر کیا کریں گے؟ مقدونیہ میں بیٹھ کر الیریا اور تھریس کے قبیلوں سے لڑیں گے؟ جو جانا چاہتا ہے واپس چلا جائے لیکن میں قسم کھاتا ہوں کہ جو میرے ساتھ رہیں گے وہ اہلِ وطن کیلئے رشک کا باعث بن جائیں گے۔ کیا اب تک میں نے اپنا کوئی وعدہ توڑا ہے؟

وہ سمجھتا تھا کہ اس کا جواب ایک ہی ملے گا اور وہ یہ کہ ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ اس نے غصے سے کہا کہ جسے یہ باتیں منظور نہیں وہ صاف صاف بتا دے تمہیں اپنا دل میرے سامنے

Marfat.com

کھول دینا چاہئے۔ کوئینس نے کہا: ''میں فوج کے بڑے حصے کا ترجمان ہوں۔ اے ہمارے سپہ سالار میں آپ کا بھی ترجمان ہوں۔'' سکندر نے حیرت کی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ کوئینس نے کہا: میں آپ کو یا فوجیوں کو خوش کرنے کیلئے نہیں کہہ رہا لیکن فوج کی پختہ رائے ہے کہ اس کی محنت و مشقت اور خطرات کا کہیں نہ کہیں خاتمہ ہونا چاہئے تاکہ جو کچھ حاصل ہو چکا ہے اسے قبضے میں رکھ سکیں۔ فوج بری طرح تباہ ہو چکی ہے۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ جو مقدونوی اور یونانی ہمارے ساتھ چلے تھے ان میں سے صرف چند رہ گئے ہیں باقی یا تو جنگوں میں مارے گئے یا زخمی ہو کر کام کاج کے قابل نہ رہے یا بیمار پڑ گئے یا نئے آباد کردہ شہروں میں مرضی کے خلاف چھوڑ دیئے گئے۔ بیماری بہت بڑے حصے کو تباہ کر چکی ہے ان لوگوں کا معائنہ کیجئے جو طویل خدمات انجام دینے کے بعد اب تک زندہ ہیں۔ ان کی حالت خراب ہے اور اصل بات یہ ہے کہ وہ ہمت ہار چکے ہیں۔ آپ نے اہلِ تھسلی کو واپس وطن بھیج دیا، اچھا کیا۔ اس لئے کہ وہ ساتھ چلنے کو تیار نہ تھے۔

سکندر نے بے اختیار ہو کر پوچھا کہ خدا کیلئے مجھے بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ کوئینس نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ''کیا چاہتے ہیں؟ ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنے ماں باپ کی زیارت کیلئے مضطرب ہیں۔ دوسرے اپنے بیوی بچوں کو دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ سکندر، اب ہمیں ہماری رائے کے خلاف آگے نہ لے جا۔ اس لئے کہ ہم وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔ اگر اب ہمیں وطن لے چلو گے تو دوبارہ سیتھیوں اور قرطاجنوں کے خلاف تمہارے ساتھ آنے پر تیار ہو جائیں گے۔ تمہیں بہت سے مقدونوی اور یونانی مل جائیں گے جو انعامات کیلئے تمہارا ساتھ دیں گے اور جنگ ان کیلئے خوف کا باعث نہ ہوگی۔ اس لئے کہ انہوں نے خطرات دیکھے نہ ہوں گے......'' سب نے ان الفاظ کی تائید کی۔ سکندر غصے میں بھرا ہوا مجلس سے اٹھ گیا اور اپنے شامیانے میں جا بیٹھا۔ کسی کو ملاقات کی اجازت نہ دی۔ صرف ملازم اس کے پاس کھانا لے جاتے۔ تجربے سے وہ جان چکا تھا کہ لوگ آپس میں بات چیت کر کے ارادہ تبدیل کر لیں گے۔ لیکن اب کے سپاہی چپ بیٹھے رہے اور اس

Marfat.com

کے قریب نہ گئے۔ اس نے سپاہ کے نام حکم بھیجا کہ میں تو آگے جا رہا ہوں جو میرے ساتھ چلنا چاہے وہ چلے۔ اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ فوج ہٹنے کیلئے تیار نہ تھی۔ وہ صرف ایک بات کی خواہاں تھی کہ سکندر انہیں واپس لے جائے۔

تین دن تک کشمکش کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر سکندر نے بوڑھے مقدونوی افسروں کو اپنے خیمے میں بلایا اور خیمہ بہ خیمہ کانا پھوسی ہوتی رہی۔ وہی افسر بلائے گئے تھے جو وطن کی بہبود کے سب سے بڑھ کر خواہاں تھے۔ کچھ معلوم نہیں کہ ان کے اور سکندر کے درمیان کیا بات چیت ہوئی۔ لیکن جب خیمے سے باہر نکلے تو یہ حکم لے کر آئے کہ عبورِ دریا کے لئے شگون نکالے جائیں۔ اگر شگون خلاف نکلے تو فوج کو واپسی کا حکم مل جائے گا۔ افسروں نے اریسٹانڈر کو بلایا۔ وہ اپنی پیشگوئیوں کے صحیح یا غلط سمجھے جانے کے بارے میں بے پروا ہو چکا تھا۔ اب بیس ہزار آدمی اسے اپنی امید کا مرکز بنائے بیٹھے تھے۔ بطلیموس نے یاد دلایا کہ اب تک جتنی پیشگوئیاں کر چکے ہو یہ سب سے بڑھ کر ناسازگار ہونی چاہئے۔

چنانچہ بھیڑ ذبح کی گئی اور اس کا جگر دیکھا گیا۔ اریسٹانڈر نے بتایا کہ بیاس کو عبور کیا تو بہت بڑی آفت نازل ہوگی۔ یہ سنتے ہی لوگ چھلانگیں مارتے اور خوشیاں مناتے ہوئے سکندر کے خیمے کی طرف گئے۔ دروازے کے قریب پہنچ کر انہوں نے دعا کی وہ سمجھ رہے تھے کہ اب مقدونیہ پہنچیں گے۔ سکندر نے بارہ ستون بیاس کے کنارے کھڑے کرنے کا حکم دیا تھا جنہیں وہ اپنی مراجعت کا نشان بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ وہاں سے جہلم اور جہازوں کی طرف پلٹ پڑا جہاں ہفااسشن فتح کی یادگار میں نیا شہر بنوا رہا تھا۔

○

Marfat.com

انیسواں باب

مغرب کی جانب مراجعت

سکندر مشرق سے واپس ہوا تو جو کچھ وہ چھوڑ آیا تھا، فوجیوں کو اس کا پورا اندازہ نہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ جہاں پہنچا ہوا ہے وہاں سے ربع مسکوں کی حد بہت قریب ہے اور اس سے آگے مشرقی سمندر واقع ہے۔ محض فتوحات یا شان وشکوہ کی کشش اسے اتنی دور نہ لائی تھی۔ وہ صرف اس لئے آ گیا تھا کہ زمین کے آخری اسرار معلوم کر لے۔ مزید براں وہ اپنی خیالی دنیا کی شان وشوکت سے دست بردار ہو رہا تھا۔ جہاں پر ناسس کی بلندیاں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں اور جہاں ایسے وجود آباد تھے جو حیوانوں سے بہت بالا تھے اور ان میں الوہیت کے اجزاء پائے جاتے تھے وہ برسوں تک کتابوں کے مطالعے میں جو عجیب وغریب خواب دیکھتا رہا تھا انہیں پیچھے چھوڑے جا رہا تھا۔ اس کا استقلال اور اس کی بے پناہ قوتِ ارادی اس تلاش سے وابستہ تھے اور وہ خود آخری راز تک پہنچنے کا خواہاں تھا (وہ بحرا لکاہل تک نہ پہنچ سکتا تھا، جو اس کے تخمینے سے بہت دور مشرق میں واقع تھا۔ یہ بھی ایک غیر معمولی واقعہ تھا کہ وہ بیاس تک پہنچ گیا۔ رومی لشکر اس مقام سے اٹھارہ سو میل پیچھے تک بمشکل داخل ہو سکے تھے اور مغربی ملاح دو ہزار سال بعد فوج کے ساتھ شمالی ہند میں داخل ہوئے)۔

سکندر آٹھ سال تک مشرق کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اب اس پیش قدمی سے دستبردار ہوتے ہی اس کی طبیعت بدل گئی۔ اس میں جو دل خوش کن اعتماد قدم قدم پر پایا جاتا تھا وہ ختم ہو گیا اور اس کی جگہ اک گونہ آزردگی اور چھوٹی چھوٹی چیزوں پر توجہ نے لے لی۔

Marfat.com

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اب اپنے گھر کو منظم کر دینا چاہتا ہے۔ غالباً اسے یہ احساس بھی تھا کہ فوج نے وفاداری کا حق ادا نہ کیا۔ یقیناً جس فوج کو وہ مشرق کی طرف لایا تھا اسے زیادہ مشکل راستے سے واپس لے گیا اس لئے کہ آمد ورفت کے نئے ذریعے دریافت کرنا چاہا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کہا تھا کہ میں کسی مقدونوی کو اس کی مرضی کے خلاف ساتھ جانے پر مجبور نہ کروں گا لیکن وہ خود ان مقامات پر گیا جہاں چند ہی مقدونوی جانا پسند کر سکتے تھے۔

واپسی کا سفر دریا کے راستے شروع ہونے سے پیشتر کوئینس بخار سے بیمار ہو کر مر گیا اور اسے نکائیا میں دفن کیا گیا۔ یہ شہر نیا بنا تھا اور بارشوں میں اسے نقصان پہنچ چکا تھا۔ سکندر نے شمالی ہند کے مفتوحہ علاقوں کا انتظام لشتم پشتم کیا۔ تمام علاقے دیسی حکمرانوں کے حوالے کر دیئے۔ جو علاقے دریائے سندھ کے مغرب میں واقع تھے ان کا انتظام مقدونوی افسروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ بیماروں اور بعض دوسرے آدمیوں کو نئے شہروں میں بسایا۔ دیسی فوجیں توڑ دیں اور سب کو انعامات دیئے۔ پھر وہ دریائے جہلم کے راستے سندھ اور جنوبی سمندر کی طرف روانہ ہوا۔ جہاز کے اگلے حصے میں کھڑے ہو کر سنہری صراحی سے چڑھاوے کی شراب ہرقل آئن اور دوسرے دیوتاؤں کے نام لنڈھائی۔ پھر تریوں کے ذریعے سے روانگی کا حکم دے دیا۔ آہستہ آہستہ جہاز روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت ایسا شور وغل کبھی نہ سنا گیا تھا۔ سپاہی نعرے لگا رہے تھے ملاح گا رہے تھے دریا کے کنارے جہازوں سے اونچے تھے۔ اس لئے آوازیں کناروں سے ٹکرا کو گونجی تھیں جو ہندوستانی سکندر کی فرمانبرداری قبول کر چکے تھے وہ حیران رہ گئے اور گاتے ہوئے کنارے کنارے جہازوں کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ انہیں گانا بجانا بہت پسند تھا۔

یہ پر جوش خوشیاں اس وقت تک قائم رہیں جب تک اس مقام پر نہ پہنچ گئے جہاں جہلم دریائے سندھ سے ملتا ہے۔ یہاں پانی بہت تیز تھا جن جہازوں کے پیندے بہت بڑے تھے ان کو تو زیادہ نقصان نہ پہنچا۔ یہ جہاز نیارکس کی نگرانی میں فونیقی، قبرصی اور مصری جہاز سازوں نے بنائے تھے لیکن جو جہاز اتھلے تھے ان پر پانی بھر گیا۔ سکندر نے یہاں اپنی

Marfat.com

فوج کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان کے وسطی میدان میں سے ہوتی ہوئی آگے بڑھے۔

روانگی کے وقت یہ انتظام کیا گیا تھا کہ دریائے جہلم کے دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ بار برداری کی گاڑیاں چلیں۔ ایک جانب کی کمان ہفااسشن کے سپرد تھی، دوسری کی کریٹرس کے۔ اس طرح ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ دونوں سالاروں میں کشاکش کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔ اس نے ایک فوج آس پاس کے علاقے میں بھیج دی تاکہ جو لوگ لڑائی کیلئے تیار ہو رہے تھے انہیں منتشر کر دیا جائے۔ اسی طرح وہ صحرائے تھر کے کنارے کے قریب علاقہ ملی میں پہنچ گئے۔ آریاں لکھتا ہے کہ اس حصے کے لوگ بہت بہادر تھے۔ ان میں سے تھوڑے ہی حوالگی پر آمادہ ہوئے۔

ایک مقام کو فتح کر کے آگے بڑھتے تو دوسرے مقام پر مزاحمت شروع ہو جاتی۔ اس مسلسل مزاحمت نے ان مقدونیوں کے دل میں تلخی پیدا کر دی جو جنگ سے تنگ آ چکے تھے۔ نئی مشکلات نے ان کے غصے کی آگ بھڑکا دی اور تاخیر نے انہیں اپنے سوا ہر ایک کی تکلیف سے بے پروا بنا دیا۔ چنانچہ وہ مقابلہ کرنے والوں کو گاؤں گاؤں دوڑاتے پھرے اور اسی طرح صحرا میں پہنچا دیا۔ جو ہاتھ آتا اسے آنا فانا قتل کر دیتے۔ روزنامچہ نویسوں نے یہاں پہنچ کر مختلف آبادیوں میں قتل عام کا ذکر کیا ہے۔ سکندر کی عجیب حالت تھی۔ اس کے دل میں خیال پیدا ہو چکا تھا کہ جہاں سے گزرے مزاحمت کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑنا چاہئے۔ بعض اوقات وہ خود حملہ آور فوج کو لے کر نکلتا۔ ایسے ہی ایک موقع پر اسے سخت گزند پہنچا جس سے فوج میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔

وہ ایک قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ سکندر نے بے صبری کے عالم میں خود دیوار کے ساتھ ایک سیڑھی لگوائی اور اوپر چڑھ گیا۔ پیوس ٹس اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ سکندر کا خاص پہرے دار جو ٹرائے والی ڈھال لئے ساتھ رہتا تھا وہ پیوس ٹس کے پیچھے چڑھا۔ ایک اور بہادر نے اس کا ساتھ دیا۔ اردگرد کے برجوں سے آتش باری ہو رہی تھی۔ لیکن یہ چاروں دیوار پر پہنچ گئے۔ پھر سپاہیوں کا ریلا سیڑھی کی طرف بڑھا تو وہ ٹوٹ

Marfat.com

گئی۔ سکندر نے دیوار کے اوپر بیٹھے بیٹھے آتش بازی کا ہدف بننا پسند نہ کیا اور وہ اندر کی طرف کود پڑا۔ تینوں رفیقوں نے اس کی پیروی کی۔ دیوار سے پشت لگا کر وہ حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے لگے۔ ڈھالوں کے ذریعے سے اپنے آپ کو محفوظ کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک ساتھی مارا گیا اور ایک تیر سکندر کے پھیپھڑے میں جالگا جس نے اسے زچ کر دیا۔ وہ بے بس ہو کر گرا تو پیوسس ٹس اور خاص پہرے دار نے اس کے جسم کے روبرو اپنے جسموں کو ڈال بنا دیا۔ وہ بھی بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ اس نازک وقت میں وہ دوسرے مقدونوی سپاہی دیوار پر سے کودے دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔

سکندر کو اٹھا کر باہر لائے تو ہوا اس کے زخم سے باہر نکل رہی تھی۔ افواہ پھیل گئی کہ وہ مارا جا چکا ہے۔

''جس کیمپ سے وہ نکلا تھا وہاں لوگوں نے رونا شروع کر دیا۔ پھر وہ حوصلے ہار بیٹھے۔ حیران تھے کہ فوج کی قیادت اب کون کرے گا اور وہ اپنے وطن واپس کیونکر جائیں گے۔ قوی اندیشہ تھا کہ سکندر کے خوف سے آزاد ہونے کی خبر پھیلتے ہی تمام جنگجو قومیں بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گی۔ پھر وہ اجنبی دریاؤں سے گھرے بیٹھے تھے اور سکندر کے سوا ان کی واپسی کا نقشہ کوئی تیار نہ کر سکتا تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ سکندر زندہ ہے تو انہیں اندیشہ تھا کہ فوج محافظ اور جرنیلوں نے خود خط تیار کر لیا ہے۔ جب سکندر تمام حالات کا جائزہ لینے کے قابل ہوا اور فوج کی کیفیت اسے بتائی گئی تو اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں فوج بغاوت نہ کر دے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ مجھے اٹھا کر کشتی پر پہنچاؤ۔ کشتی پر اپنی نشست کی جگہ اتنی اونچی بنوائی کہ اردگرد جو فوج کیمپ میں بیٹھی تھی اسے خوب نظر آ جائے۔ پھر بھی اس کے دل میں شبہ رہا کہ شاید لوگ اسے مردہ سمجھیں چنانچہ جیسے جیسے کشتی چلتی تھی وہ اپنا ہاتھ اوپر اٹھاتا تھا تاکہ فوجیوں کو اس کے زندہ ہونے کا یقین ہو جائے۔''

اس طرح سکندر کے زندہ ہونے کا غیر مشتبہ ثبوت مل گیا تو لوگ کیمپ چھوڑ کر کنارے پر پہنچ گئے۔ کشتی کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اور پھولوں کا ہار بنا کر سکندر کی طرف پھینکنے لگے۔

Marfat.com

کشتی کنارے لگی تو سکندر نے حکم دیا کہ گھوڑا لاؤ۔ افسروں کی التجاؤں کے خلاف وہ انتہائی کوشش سے گھوڑے پر سوار ہوا اور آہستہ آہستہ فوج میں سے گزرتا ہوا اپنے خیمے میں پہنچا۔

جب سکندر کی حالت نازک تھی اور فوج کی پیش قدمی رک گئی تھی تو نیارکس نے مزید جہاز بنانے کا حکم دے دیا تھا۔ اس نے سکندر کے طرزِ عمل سے سخت اختلاف کیا اور کہا آپ کی حالت اس آدمی جیسی ہے جس پر شراب کن نشہ غالب آ چکا ہو، آپ لڑائی میں سخت خطرے کے اندر گھس جانے میں بھی متامل نہیں ہوتے حالانکہ آپ کو عام سپاہیوں کی طرح خطرے میں نہ پڑنا چاہئے۔ سکندر کو یہ نکتہ چینی پسند نہ آئی۔ پاس ہی ایک مقدونوی بہادر کھڑا تھا اس نے سکندر کے چہرے پر خفگی کے آثار دیکھے تو وطنی زبان میں کہا: ''بہادروں کو بلند پایہ کارنامے انجام دینے کیلئے تکلیفیں اٹھانی ہی پڑتی ہیں۔'' سکندر نے یقیناً یہ زخم اٹھا کر بڑی بھاری قیمت ادا کی تھی۔

دیر تک وہ کمزور پڑا رہا۔ جہاز میں بیٹھ کر سفر کرتا۔ دریا کے کناروں پر جو سردار رہتے تھے انہوں نے وفاداری کے حلف اٹھائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مقامی حکمرانوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے کرنا چاہتا ہے۔ جب اس نے مغرب کی جانب مراجعت کا فیصلہ کر لیا نیز پھیپھڑے میں سخت زخم لگ چکا تو جو نظامِ حکومت ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں کیلئے بنا رہا تھا اس سے بھی چنداں دلچسپی نہ رہی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دریائی راستے کا افتتاح کر رہا تھا جہاں مقام ہوتا، انجینئر کنوئیں کھود لیتے اور پانی کی نالیاں بنا لیتے۔ دریاؤں کے مقام اتصال پر انہوں نے جہاز سازی کے کارے قائم کر دیئے۔ یونانی بت تراشوں نے ہندوستان کے فنِ تعمیر کا مطالعہ کیا اور دستکاری کے نمونے یہاں چھوڑ گئے۔ انسانی جسم اور چہرے کے عمدہ نمونوں کی پیروی ہندوستانی فنکاروں میں نسل در نسل جاری رہی۔ یہاں تک کہ بودھوں کے آخری دور میں یہ نمونے ایک خاص شکل اختیار کر گئے اور وہی نمونے وسط ایشیا سے مشرقی جانب تک پھیل گئے۔ فوج کے ساتھ جو سائنس دان تھے انہوں نے نئی غذائی جنسوں، کھانڈ، زعفران اور چاول کے متعلق حالات معلوم کئے۔ ہیئت دانوں نے

Marfat.com

اپنے مشاہدات کا مقابلہ ہندوستانی ستارہ شناسوں کے مشاہدات سے کیا۔ طبیبوں نے ایک دوسرے سے بخار اور طاعون کے علاج کے طریقے سیکھے۔

وہ دریائے سندھ پر ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں اس کی چوڑائی میلوں تک تھی۔ یہاں انہوں نے دریا کے دیوتا آمن رع، اہورا اور سوج دیوتا کے نام پر قربانی کی۔ پانی اور سورج سالہا سال سے ان کے سامنے رہا تھا اور وہ صحرا بھی جس میں پانی بالکل نہ تھا اور سورج کی حدت نے اسے جلا رکھا تھا۔ نوجوان مقدونوی اور طبعی قوتوں سے مقابلہ کرتے رہتے تھے۔ یونانیوں نے مدت سے ایتھیا کی سنہری مورتی نہ دیکھی تھی۔ ایشیا جیسے وسیع ملک میں جو انسانوں سے بھرا پڑا تھا سنگ مرمر کے اس زمانے میں مجسمے کی یاد بالکل لغو معلوم ہوتی تھی جو برچھی لئے پارتھینان کی سیڑھی پر کھڑی تھی جو عورتیں ان یونانیوں کے ساتھ چلی آ رہی تھیں انہیں ایتھیا کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ چلتے چلتے صحرا کی جگہ جنگل نمودار ہو گیا۔ سکندر اپنے جہاز میں پلنگ پر لیٹا رہتا۔ اسے کبوتر اور گدھ نظر آنے لگے۔ یہاں اسے یہ خیال نہ آ سکتا تھا کہ زیوس ہی اس زمین اور ان لوگوں کا خالق ہے۔ یہاں کے لوگوں کے خیالات پر صحرائے مصر کے آمن رع، ہمیشہ چلتی ہوئی آگ اور سوج کی گرمی سے عظیم الشان دیوتا پیدا ہوئے جن کے بیٹے بار بار قربان ہوتے رہے لیکن وہ مرے نہ تھے۔ ان ایشیائی دیوتاؤں میں عقاب کے پر ایک نشان تھے۔ یہ پر زمین کی سطح سے اٹھ کر عرش پر پہنچتے تھے۔

سکندر نے یہاں پرناسس تو نہ دیکھا تھا اور زندگی کے غیر مرئی محرک کا بھی اسے کوئی نشان نہ ملا لیکن اس سفر کے ذریعے سے اس نے ایک ایسی حرکت پیدا کر دی تھی جس کا اسے خیال نہ تھا اس کی آمد سے پہلے مذاہب ایک دوسرے سے بے تعلق تھے۔ زیوس کے مندر یونانی نوآبادیوں سے آگے نہ بڑھے تھے۔ آمن رع کے مندر وادی نیل تک محدود تھے۔ اہورا کے آتش کدے کورش کی سرزمین میں صرف پہاڑوں کی چوٹیوں پر پائے جاتے تھے۔ مقدونویوں کی آمد نے ان مذاہب کے درمیان ربط ضبط پیدا کر دیا۔ مندروں اور خانقاہوں کے درمیان جو دیواریں حائل تھیں وہ ٹوٹ گئیں جس طرح قوموں کی درمیانی

Marfat.com

حدیں ٹوٹی تھیں۔ اسی طرح مذاہب کے درمیان خیالات کی حدیں ٹوٹ گئیں۔ خیال بدلے نہ تھے لیکن نئے تصورات نے ان میں وسعت پیدا کردی تھی۔ مغرب کے پرانے تصورات مشرق ہی سے حاصل کیے گئے تھے لیکن ان کے وسائل و ذرائع فراموش ہو چکے تھے۔ اب مغربی قلوب وافکار نے مشرق سے براہ راست رابطہ پیدا کرلیا تھا اور خیالات کی وسعت عالمگیری اختیار کرچکی تھی۔

دریائے سندھ پر جو بیڑا جنوب کی طرف جارہا تھا اس پر یونانی فلسفی زیادہ تعداد میں سوار نہ تھے۔ کلیستھنیز کے واقعہ کے بعد ان کی گنتی گھٹ گئی تھی۔ البتہ تھیبز کے ریاضی دان، بابل کے ستارہ شناس اور مجوسی موجود تھے۔ اب ان میں ہندوستانی جوگی بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان جوگیوں میں سے ایک نے جس کا نام مقدونیوں نے کیلی ناس[1] بتایا ہے سکندر کے ساتھ جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہ بوڑھا آدمی تھا اور کھانے کے ایک برتن یا چٹائی کے سوا اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ چٹائی پر بیٹھ جاتا اور جب کھانے کی ضرورت پیش آتی، برتن سامنے رکھ لیتا تاکہ اس میں کھانا ڈال دیا جائے۔ یہ ضرورت بہت کم پیش آتی پھر اس کی خواہش یہی ہوتی کہ اسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ البتہ سکندر اس کے پاس آتا تو اس سے بات چیت کرلیا۔ ایسے موقعوں پر بھی وہ شاذ ہی مقدونیوں کی تعریف کرتا تھا۔ ایک مرتبہ سکندر سے کہا: تم نے بہت کچھ حاصل کیا اور بہت کچھ تباہ کیا۔ دیکھو تم نے کیا پہن رکھا ہے۔ اپنے متعلق ڈرتے رہو۔ یاد رکھو یہ ہتھیار یہ دولت یا یہ قبضے میں لائے ہوئے جانور تمہیں زندگی نہ دے سکیں گے۔

مقدونیوں کا احساس یہ تھا کہ کیلی ناس جسے مشیر کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے بدشگونی کی باتیں کہتا ہے۔ بے شک وہ بدھی (الہام) کا دعویدار تھا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ انسان دوبارہ پیدا ہوسکتا ہے موت کے بعد زندگی حاصل کرسکتا ہے۔ اگرچہ باتوں پر مقدونیوں کا یقین نہ تھا کیلی ناس یہ بھی بتاتا تھا کہ مردوں کے سائے اس تاریک خطے میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرے رہتے جو موت اور زندگی کے درمیان واقع ہے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ سکندر نے کیلی ناس سے پوچھا: ''بھلا تم ہمارے ساتھ کیوں آئے ہو؟'' کیلی ناس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں اور جواب دیا: ''بتاؤ تم یہاں کیوں آئے؟ تمہیں چاہئے تھا کہ اپنی سلطنت میں ٹھہرے رہتے اور لوٹ مار کیلئے اس کی حدوں پر نہ دوڑے پھرتے۔''

کیلی ناس کا خیال تھا کہ سکندر مقدونیہ اپنی مرضی سے نقل و حرکت نہیں کر رہا۔ یونانی فلسفی بتاتے کہ یہ تو تقدیر کا نظریہ پیش کر رہا ہے لیکن سکندر دیکھتا تھا کہ خود کیلی ناس تقدیر سے بالکل نہیں ڈرتا۔ فوج کا عام خیال یہ تھا کہ یہ ہندوستانی جوگی ایک قسم کی بولتی ہوئی ممی یا ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہے لیکن وہ کیلی ناس پر متعجب ضرور تھے۔

چلتے چلتے وہ توقع سے پیشتر سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔ مقدونوی اگرچہ سفروں کی مشکلات کے عادی ہو چکے تھے لیکن سمندر نے ان پر نئی دہشت پیدا کر دی۔ وہ دریائے سندھ کے ڈیلٹا پر خاصا وقت گزار چکے تھے جہاں دریا کئی شاخوں میں بٹ کر سمندر میں داخل ہوتا تھا۔ ہفاسشن نے پٹالا[2] کے مقام پر ایک مستقل بحری مرکز بنانا شروع کر دیا۔ سکندر کی صحت اب اچھی ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہ بڑے جہازوں کا ایک بیڑا لے کر دریا کی ایک شاخ کے حالات معلوم کرنے کیلئے نکل پڑا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیلٹا کی زمینوں میں صرف بربری قبیلے آباد تھے۔ بیڑے میں نہ تجربہ کار ملاح موجود تھے اور نہ یہ علم تھا کہ آگے کیا کچھ پیش آنے والا ہے۔ اونیسی کریٹس بیڑے کا کپتان تھا۔ روزنامچے میں وہ اپنے آپ کو امیر البحر کہتا ہے۔ اسے ہرگز معلوم نہ تھا کہ سمندر کے پاس پہنچ کر لہریں بہت زوردار ہو جائیں گی۔ چنانچہ دریا کے دہانے پر بیڑا پانی کی نذر ہونے والا تھا۔ مقدونیوں کو ایسا معلوم ہوا کہ بہت بڑی لہر تیزی سے ان کی طرف آئی ہے اور یہ کسی طبعی حرکت کا نتیجہ نہیں جب وہ حالات کی دیکھ بھال کیلئے لنگر انداز ہوئے تو جزر کا دور شروع ہو گیا اور ان کے جہاز کیچڑ میں پھنس کر رہ گئے۔

مقدونوی بھی اپنے آپ کو حالات کے مطابق نہ بنا سکتے تھے...... بحیرۂ روم میں انہیں

Marfat.com

اس قسم کی لہروں کا تجربہ نہ ہوا تھا...... کہ مد شروع ہوا اور لہروں نے لنگر انداز جہازوں کو تھپیڑے مار کر اندر کی طرف دھکیل دیا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ سمندر ان کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کر رہا ہے لیکن مقامی باشندوں نے بتایا کہ لہروں کا مد و جزر انسانوں سے بے پروا ہو کر مسلسل اسی طرح جاری رہتا ہے۔ سمندر کے دہانے پر انہوں نے اتنی بڑی بڑی مچھلیاں دیکھیں جو پہلے کبھی ان کی نظروں سے نہ گزریں تھیں۔

سکندر اپنا جہاز لے کر سمندر میں پہنچ گیا۔ شاید اس کے دل میں یہ خیال تھا کہ کہہ سکے گا اس نے سمندر میں جہاز رانی کی یا ممکن ہے وہ ساحل کا معائنہ کرنے کا خواہاں ہو۔ وہاں اسے تازہ ہوا ملی۔ مطلع صاف تھا۔ دونوں چیزیں برکت کا نشان تھیں۔ چنانچہ اس نے سمندری دیوتاؤں کے نام پر چڑھاوے چڑھائے۔ سنہری برتن پانی میں پھینکے تاکہ اس کا بیڑا سفر میں کامیاب ہو۔ وہ پہلے سے طے کر چکا تھا کہ پرسی پولس واپسی جاتے ہوئے سمندر کے اس غیر معلوم ساحل کی تفتیش کرے گا اور یہ ارادہ بالکل طبعی تھا۔ وہ جنوبی سمت میں سمندر پر پہنچا تھا اور کوئی ہندوستانی ملاح اسے بتا نہ سکا تھا کہ مغربی جانب کیا ہے۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ عربوں کے جہاز وقتاً فوقتاً دریائے سندھ کے دہانے پر آتے ہیں اور اپنے ساتھ مسالے، ہاتھی دانت اور موتی لاتے ہیں۔ یہ واضح تھا کہ مغربی جانب دجلہ اور فرات کے پانی بھی کسی جگہ سمندر میں گرتے ہوں گے اور ان سے آگے عرب واقع ہوگا۔ اور آگے بڑھیں گے مصر کا سرخ ساحل آ جائے گا۔ چنانچہ اس نے طے کر لیا کہ بیڑا ساحل کے ساتھ ساتھ دجلہ کے دہانے تک جائے گا۔ لیکن سب لوگ بتاتے تھے کہ ساحلی علاقہ سراسر بنجر اور صحرائی ہے اور مقدونوی جازوں پر صرف تین روز کیلئے پانی یا کھانا رکھا جاتا تھا۔ نیز معلوم ہوا کہ اگر کسی طوفان میں بیڑا تباہ ہو جائے گا تو ملاحوں کو بنجر ساحل پر اترنا پڑے گا۔

مقدونیوں نے پہلے کبھی سمندر میں سفر کا تجربہ نہ کیا تھا اور غیر معلوم ساحل کے ساتھ ساتھ جہاز رانی کے تذبذب میں نیلے پانی پر پانی کے طبعی خطرات نے اضافہ کر دیا تھا لیکن سکندر اپنے دل میں ارادے کو پورا کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا وہ جانتا تھا کہ ربع مسکوں کے

Marfat.com

جنوبی کنارے شکل کے متعلق یقین حاصل ہو جائے اور نیارکس سے اس نے کہا کہ جہازوں کی کمانداری کیلئے کسی کو نامزد کر دیا جائے۔ نیارکس نے غور و فکر کے بعد کہا: ''ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں جہازوں کا علم مجھ سے زیادہ ہے اور ایسے لوگ بھی ہیں جو زیادہ تجربہ کار قائد ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس بیڑے کی کمان مجھے ہی سنبھالنی چاہیئے۔ سکندر کچھ دیر تذبذب میں پڑا رہا۔ پھر اس تجویز سے اتفاق کر لیا اور نیارکس سے کہا کہ اس مشکل کام کو سرانجام کرنے کیلئے کوئی ایسا آدمی نہیں جس پر تم سے بڑھ کر بھروسہ کیا جا سکے۔

یہ بڑا اچھا انتخاب تھا یونانی تخیل نے جتنے خطرات اس بحری سفر کے سلسلے میں پیش کئے تھے ان کے پیش نظر کریٹ کے اس جہاز ران کو کمان سونپنا بہت اچھا تھا جو ہر قسم کے افکار سے آزاد تھا۔ سکندر کو بڑھیں ہانکنے والے اونیسی کریٹس پر بھروسہ نہ تھا۔ اس سفر کی تیاریاں مکمل کر لی گئیں اور طے ہو گیا کہ بیڑے کے ساتھ ساتھ فوج کنارے کنارے خشکی پر چلے۔ چونکہ مختلف اقوام کا وہ ہجوم عظیم جو اس کے ساتھ تھا اکٹھا صحرائی علاقے میں سے گزر سکتا تھا۔ لہٰذا سکندر نے فوج کا بڑا حصہ نیز بار برداری کی گاڑیاں اور افسروں کے کنبوں کو سہل راستے سے بھیج دیا جو جھیل ہلمند کے پاس سے جاتا تھا اور باختر کے جنوب کی پہاڑیوں میں سے گزرتا تھا۔ کریٹرس کو اس کی کمان سونپی اور یہ بھی کہ دیا کہ کہیں ضرورت پڑ جائے تو فصلیں کاشت کرالے اور ریوڑوں کو چراتا ہوا ایرانی سطح مرتفع کے جنوب میں ساتھ آملے۔ حقیقت یہ ہے کہ کریٹرس نے بڑا لمبا چکر لگایا لیکن وہ صحرائی علاقے سے بچتا ہوا نکل گیا اور مقررہ مقام پر سکندر سے جاملا۔

جو لشکر ساحل کے ساتھ ساتھ جانے کیلئے تجویز ہوا اس کی تعداد سکندر نے بارہ ہزار سے چودہ ہزار تک رکھی۔ اگر یانی اور سوار تیر انداز نیز سکندر کی محافظ فوج وغیرہ اجزاء اس میں شامل تھے اسے گدروسا (مکران) کے صحرا میں سے گزرنا تھا اور سکندر خود اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ یہ صحیح نہیں کہ مکران میں سے سکندر کے گزرنے کی ایک خاص وجہ تھی اور وہ یہ کہ افسانوی سیمی ریمس کے سوا کسی نے یہ کارنامہ انجام نہ دیا اور سکندر یہ کارنامہ انجام دینا چاہتا

Marfat.com

تھا۔ یہ بھی غلط ہے کہ جس فوج نے بغاوت کی تھی وہ اسے سزا دینے کا خواہاں تھا۔ واقعہ یہی ہے کہ اس نے بیڑے کو ایک خاص مقصد کیلئے بھیجا تھا اور صحرا میں سے ایک فوج گزارنا اس وجہ سے ضروری ہو گیا تھا کہ بیڑے کو مدد ملتی جائے۔ یقیناً اسے مکران میں سے گزرنے کے خطرات کا ایک حد تک علم ہو گیا تھا لیکن پورا علم قطعاً نہ تھا۔ ایک سپاہی نے بہت صحیح کہا کہ سکندر نے ایشیا میں جتنی بھی تکلیفیں جا بجا اٹھائیں ان میں سے کوئی بھی تکلیف مکران میں سے گزرنے کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

سکندر کے ساتھ رہبر بھی تھے اور اس نے رسد کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ جب جہازوں کی روانگی کیلئے ہوا موافق ہو گئی اور وہ خود بھی پٹالہ سے چلا تو معلوم ہوا کہ عورتوں، نومولود بچوں، پشگوؤں، کاہنوں، بساطیوں اور طالع آزماؤں کا ایک مستقل لشکر ساتھ ہے۔ اس موقع پر اس نے غیر مضافاتی آبادی کو الگ کرنے کی کوشش نہ کی۔ ایک مہینے کے اندر اندر وہ سب مصائب میں مبتلا ہو گئے۔ بربری قبائل نے حملے شروع کر دیئے اور جو گاؤں انہیں جا بجا راستے میں ملے ان میں خوراک کا کوئی سامان نہ تھا۔ انہوں نے کناروں پر چند کنوئیں کھودے۔ نیز غلے اور سوکھے وہئے گوشت کے ذخیرے جا بجا رکھ دیئے۔ یہ سب کچھ نیارکس اور ملاحوں کیلئے تھا۔ ایک دریا کے دہانے پر نیا سکندریہ بھی تعمیر کیا۔ لیکن جو لوگ لشکر کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے وہ تمام ذخیروں کو چٹ کر گئے۔ اگرچہ موسم گرما نہ تھا تاہم جس منطقے میں وہ پہنچے تھے وہ سراسر گرم تھا اور جانوروں کیلئے چارے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

مکران اگرچہ بنجر تھا نہ اس میں کہیں سڑک تھی اور نہ شہر، تاہم اس کی فضا ایک نادیدہ خوشبو سے لبریز تھی۔

"انہیں جا بجا ایلوے کے درخت ملے اور جو فونیقی ساتھ تھے وہ بال چھڑ کی جڑیں اکٹھی کرنے لگے جن میں سے نہایت دلپسند خوبو آتی تھی۔ ان جڑوں پر چلنے والے کا پاؤں پڑتا اور وہ ذرا کچلی جاتیں تو ہوا خوشبو سے بھر جاتی۔ تیج پات کے درختوں میں پھول نکلے ہوئے تھے۔ جو سفید بنفشے [1] کے پھولوں جیسے تھے۔ ایک جھاڑی ایسی ملی جس میں سخت اور تیز

Marfat.com

کانٹے تھے سوار کا دامن ان کانٹوں سے الجھ جاتا تو وہ گھوڑے سے نیچے آ گرتا۔"

اس برہنہ میدان میں سے گزرتے ہوئے ریت کے ٹیلے آ گئے جن پر چڑھنا مشکل تھا۔ سپاہیوں نے ان کا نام مٹی کے تودے رکھا۔ دن کی گرمی سے بچنے کیلئے رات کے وقت کوچ کیا جاتا۔ صرف یہ امید انہیں آگے لے جاتی کہ صبح کے وقت پانی کے کسی ذخیرے پر پہنچ جائیں گے۔ اس مصیبت خیز سفر میں پھر ایک مرتبہ فوج سکندر سے بگڑ بیٹھی۔ بعض دستوں کو غلے کے بورے دے کر ساحل پر بھیجا گیا کہ بیڑے کو ان کی ضرورت ہوگی۔ آدمی خود غلہ لے کر کھا گئے۔ سکندر بوریوں میں غلہ بند کر کے اوپر اپنی مہریں لگا تا لیکن سپاہی مہریں توڑ لیتے۔ رات کے وقت بار برداروں کی گاڑیاں توڑ ڈالتے اور کہہ دیتے کہ چلتے چلتے ٹوٹ گئیں۔ گاڑیوں میں کھانے کی جو چیزیں ہوتیں کھا لیتے اور لکڑی ایندھن کا کام لیتے۔ پھر انہوں نے گاڑیاں کھینچنے والے جانوروں کو کھانا شروع کیا حالانکہ اس طرح وہ اپنے ہی گزر اوقات کا سامان برباد کر رہے تھے۔ سکندر کو ان باتوں کا علم تھا لیکن اس نے سرکاری طور پر اس کا نوٹس لینا مناسب نہ سمجھا۔ اس صحرائی علاقے میں سے عبور سپہ سالار اور فوج کے درمیان قوتِ ارادی کا امتحان بن گیا تھا۔ سپہ سالار ہرگز مراجعت کیلئے تیار نہ تھا اور فوج نے اسے مراجعت پر مجبور کر دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ساحل کے ساتھ ساتھ رسد کے ذخیرہ محفوظ کر دینے میں وہ ناکام رہا تھا اور نیارکس کے بارے میں اسے کوئی خبر بھی نہ ملی۔ کریٹرس سینکڑوں میل دور تھا لیکن جس خطے میں سے وہ گزر رہا تھا اس کے زرخیز ہونے میں شبہ نہ تھا۔ بہرحال سکندر نے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر جاری رکھا۔ پھر سامنے ایک پہاڑ آ گیا جس کے متعلق اسے علم نہ تھا وہ ساحل سے ہٹ کر ملک کے اندر کی طرف مڑنے کیلئے مجبور ہو گیا۔

ایک روز لوگ ایک نالے میں ٹھہرے۔ یکا یک پہاڑوں پر خوفناک بارش شروع ہو گئی۔ نالہ پانی سے بھر گیا اس طغیانی میں بہت سی عورتیں اور نوکر چاکر ڈوب گئے۔ سامان بھی بہہ گیا۔ بیشتر سپاہی اسلحہ کے ساتھ ڈھلوان کناروں پر چڑھ گئے لیکن اگلے روز

Marfat.com

خاصی تعداد میں مر گئے۔ اس لئے کہ دیر تک پیاسے رہنے کے بعد وہ گدلا پانی کثرت سے پی گئے تھے۔ بیماروں کے لئے سواری کا انتظام غیر ممکن ہو گیا اس لئے کہ سواریاں ہی باقی نہ رہی تھیں:

چنانچہ بہت سے لوگوں کو راستے پر جا بجا چھوڑنا پڑا۔ وہ یا تو اتنے بیمار تھے کہ ساتھ نہ جا سکتے تھے یا حد درجہ تھک گئے تھے یا گرمی اور پیاس نے ان پر غلبہ پا لیا تھا۔ ان کی دیکھ بھال اور تیمارداری کیلئے بھی کسی کو چھوڑا نہ جا سکتا تھا۔ اس لئے کہ فوج ٹھہر نہ سکتی تھی۔ خواہ پیچھے رہنے والوں کا حشر کچھ ہوتا چونکہ سفر عموماً رات کے وقت ہوتے تھے۔ اس وجہ سے جو لوگ نیند سے مجبور ہو کر راستے میں سو جاتے اور اٹھتے تو صحیح راستہ نہ پاتے اور ان کی وہی حالت ہوتی جیسے کوئی جہاز سمندر میں اپنا راستہ کھو بیٹھے۔

اب رہبروں کو بھی راستے کی کچھ خبر نہ تھی۔ وہ سمندر سے دور ہٹ چکے تھے۔ ہندوستان واپس جانے کا سوال خارج از بحث تھا۔ افسر اپنی سمت و جہت کا فیصلہ رات کے وقت دب اکبر کو دیکھ کر کرتے۔ اس طرح سمت تو متعین ہو جاتی لیکن معلوم نہ ہوتا کہ انہیں جانا کس طرف ہے۔ سکندر نے فیصلہ کیا کہ بائیں جانب رخ رکھنا چاہئے تاکہ بیڑے کو تلاش کیا جا سکے۔ اسے ہر وقت بیڑے ہی کا خیال رہتا لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مکران سے گزرتے وقت سکندر دوسرے آدمیوں کے ساتھ پیدل چلتا اور جتنا وہ کھاتے پیتے اتنا ہی خود کھاتا پیتا۔ جب وہ دوبارہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے تو انہوں نے کنارے کے قریب کنوئیں کھودے لیکن کیمپ کنوئیں سے دور لگوایا اور اس پر پہرے کھڑے کر دیئے۔ مبادا آدمی پیاس سے بے تاب ہو کر اتنا پانی نہ پی جائیں کہ مر جائیں یا پانی گدلا کر دیں جو پینے کے قابل نہ رہے۔ سمندر پر پہنچ کر ان کے حوصلے بڑھ گئے لیکن ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا ممکن نہ تھا۔ پھر وہ ملک کے اندر ایک شہر میں پہنچے جس کا نام پورا[3] وہاں انہیں غلہ بھی ملا، گوشت بھی اور کھجوریں بھی، پھر جنوبی ایران میں اس مقام پر پہنچ گئے جو اجتماع کیلئے پہلے سے مقرر ہو چکا تھا یعنی گلاس کرد۔[4]

Marfat.com

بیان دیا جاتا ہے کہ وہ شہر میں داخل ہوئے تو گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے گلدستے ہلا رہے تھے اور شراب پی رہے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ سب کچھ دیونی سوس کے اعزاز میں کر رہے ہیں جس نے راستہ دکھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ فوج زخم کھاتی ہوئی پہنچی تھی اور اس کی تعداد گھٹ گئی تھی۔ شہر میں شراب ملی تو سپاہی پی کر بدمستیاں کرنے لگے۔ سکندر کی حالت بھی یہی ہوئی۔ کریٹرس بڑی شان سے پہنچا۔ ہاتھیوں کی قطار ساتھ تھی۔ وہاں ٹھہر کر دوسرے آنے والوں کا انتظام کرنے لگے لیکن نیارکس اور اس کے بیڑے کے متعلق مایوس ہو چکے تھے۔ فوج محض اتفاق کی بنا پر پہنچی تھی۔ سب کو یقین تھا کہ نیارکس کو کھانے پینے کا سامان نہ ملا ہوگا تو اس کے ساتھی زندہ کیوں کر رہے ہوں گے۔ بیڑے کے نقصان نے سکندر کو سخت غمزدہ بنا دیا اور وہ گلاس کر د چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہوا۔ مہینے گزر گئے۔

ایک مرتبہ بیڑے کے دیکھے جانے کی افواہ پھیلی لیکن کوئی ایسا شخص نہ ملا جو بتا سکتا کہ اس نے جہاز دیکھے ہیں۔ سکندر کو جہازوں کے متعلق پہلی خبر اس وقت ملی جب وہ گاڑیاں اس کے مستقر پر پہنچیں اور ان میں نصف درجن آدمی مفرور تھے۔ گاڑیاں چلانے والوں نے بتایا کہ یہ آدمی سڑک پر گھوم رہے تھے چونکہ یہ یونانی بولتے تھے اور سکندر کا نام لے رہے تھے۔ اس لئے ہم انہیں یہاں لے آئے۔ وہ صرف ہڈیوں کے ڈھانچے رہ گئے تھے۔ سمندر کا کھاری پانی پیتے رہے تھے اور بال چہروں پر فرش کی طرح بچھے ہوئے تھے۔ گاڑی والوں نے بتایا کہ ہم نیارکس کا پتا لگا رہے تھے۔ انہوں نے کہا ہمیں سکندر کے پاس پہنچاؤ اور ہم انہیں لے آئے۔ ان میں سے ایک ڈھانچہ بولا: میں نیارکس ہوں اور میں آپ کو بیڑے کا حال سناؤں گا۔ پھر ساتھ کے ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا یہ آدکیاس ہے۔

سکندر کو چند لمحے بعد یقین آیا۔ پھر وہ بولا: ”نیارکس! میں شکر ادا کرتا ہوں کہ تم لوگ زندہ رہے اب بتا جہازوں اور دوسرے لوگوں پر کیا گزری؟ نیارکس بڑی مشکل سے سوال کو سمجھ سکا اور بولا: تمام جہاز اور ملاح دریا پر کھڑے انتظار کر رہے ہیں اور جہازوں کی مرمت ہو رہی ہے ہمیں آپ کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔“

Marfat.com

اس رات سکندر نے تمام دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں کیں، فوج مشعلیں لے کر نکلی، نیارکس سب سے آگے تھا، اسے ہار پہنا رکھے تھے۔ لڑکیاں پھول لے کر اس کے اردگرد رقص کر رہی تھیں۔ بانسریاں بج رہی تھیں اور قہقہے لگ رہے تھے۔ سکندر اس وقت تک نہ سویا جب تک جنوبی سمندر میں سے راستے کے تمام حالات نیارکس سے سن نہ لے۔ نیارکس زیادہ باتیں کرنے کا خوگر نہ تھا اس وجہ سے سکندر کو ہر بات کے متعلق پوچھنا پڑتا تھا۔ نیارکس سوالوں کے جواب بے تکلفی سے دیتا جاتا اور اس نے جو فاصلہ طے کیا تھا اس کا پورا ریکارڈ اپنے پاس رکھا تھا جو ستارے رات کو دیکھے تھے ان کے بارے میں سب کچھ لکھ لیا تھا بلکہ روزانہ دوپہر کے وقت سائے کی لمبائی بھی قلمبند کر لی جاتی تھی۔ رستے میں جو راسیں یا جزیرے یا بندرگاہیں آئیں ان کے نام بھی درج کر لئے تھے۔ اس قسم کی تمام تفصیلات سکندر کو بتا دیں۔ اسے ساحل کے تمام حالات کا معائنہ کر لینے کا حکم ملا تھا اور اس حکم کو اس نے پورا کر دیا تھا۔ سکندر نے پوچھا کہ راستے میں غذا بھی ملی؟ نیارکس نے جواب دیا کہ روانگی کے بعد صرف ایک جگہ غلے کی خاصی مقدار مل گئی تھی اور روٹیاں بھی موجود تھیں۔ پھر پوچھا کہ آدمیوں کی کیفیت کیا رہی؟ انہوں نے سمندر کا سفر تو کبھی کیا نہ تھا۔ نیارکس نے جواب دیا جو لوگ بہت ڈر گئے تھے انہیں کنارے پر اتار دیا۔ پھر جب اندیشہ پیدا ہوا کہ لوگ کہیں بھاگ نہ جائیں تو میں جہازوں کو کنارے سے بہت دور ٹھہراتا۔ ملاح بھوک کے باعث کمزور ہو گئے تو انہیں خوراک کے سوا کوئی خیال ہی نہ رہ سکتا تھا۔

اب سوال ہوا کہ اتنی مدت تک غذا کے بغیر گزارا کیونکر کیا؟ نیارکس نے بتایا کہ جو ذخیرہ ہمیں مل گیا تھا وہ ختم ہو گیا تو ہم وقتاً فوقتاً کنارے کے قریب آ جاتے اور بالوں والے گھر رومیوں کے دیہات سے روٹی، کھجوریں اور میوے حاصل کر لیتے۔ ان جنسوں کے لئے ہمیں لڑنا پڑا۔ پھر ماہی خوروں کا ساحل آ گیا جو ایک ہزار یک سو چھہتر میل لمبا تھا۔ وہاں ہم نے لوگوں کو خشک مچھلی غذا کے طور پر استعمال کرتے دیکھا۔ ہم نے بھی اس کی نقالی کی اور مچھلیوں کے علاوہ بحری چوہوں، بحری صدفیوں، کیکڑوں اور گھونگوں سے کام لیتے رہے۔

Marfat.com

جب جزر کا وقت آتا تو سمندر کے کنارے جہاں جہاں پانی کے جوہڑ سے رہ جاتے ہم ان میں سے مچھلیاں پکڑ لیتے۔ پھر ہم گوبھی کی قسم کی ایک چیز کھانے لگے جو تاڑ کے درختوں کی چوٹیوں پر نظر آتی تھی۔ البتہ پانی ہمیں اکثر نہ ملتا لیکن اگر کنارے پر کنوئیں نہ کھودتے تو ملک کے اندر چلے جاتے اور کہیں نہ کہیں سے تھوڑا بہت پانی مل ہی جاتا۔

خطرات کے متعلق سوال ہوا تو نیارکس نے بتایا سب سے بڑی مصیبت یہ آئی کہ اچھی لکڑی کے بغیر جہازوں کی مرمت نہ ہو سکتی تھی۔ پھر جزیرہ نرید[5] کے پاس پہنچے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ جو آدمی اس جزیرے میں اترتا ہے وہاں کی ملکہ اسے اپنے پھندے میں پھانس لیتی ہے۔ اس سے تمتع حاصل کرتی ہے پھر مچھلی بنا کر سمندر میں پھینک دیتی ہے۔ وہاں سے گزرے تو ایک جہاز غائب ہو گیا۔ ایک ملاح کا خیال تھا کہ گم شدہ جہاز شاید اس جزیرے میں جا پہنچا اور اس کے آدمی نرید کے فریب کا شکار ہو گئے لیکن میں (نیارکس) ایک کشتی لے کر کنارے پر گیا جہاز کو بہت ڈھونڈا وہاں نرید کا کوئی سراغ نہ ملا۔ کچھ دیر بعد گم شدہ جہاز ہمارے ساتھ آملا۔ نیارکس نے یہ بھی بتایا کہ ایک جگہ ہمیں بحری عفریتوں سے سابقہ پڑا۔ صبح کا وقت تھا میں نے دیکھا کہ سمندر کا پانی کئی مقامات سے اوپر اچھل رہا ہے لیکن یہ پانی وہی عفریت اچھال رہا تھا جس نے سطح بحر کے نیچے ہنگامہ بپا کر رکھا تھا۔ ملاح یہ کیفیت دیکھ کر اس قدر ہراساں زدہ ہو گئے کہ انہوں نے چپو ہاتھ سے رکھ دیئے۔ میں خود ان کے پاس جا پہنچا۔ انہیں حوصلہ دلایا اور حکم دیا کہ جہاز ایک قطار میں جائیں جس طرح جنگ کیلئے صف بندی کر لی جاتی ہے۔ پھر ہم ان عفریتوں کی طرف بڑھے ان کے رنگ سیاہ تھے اور قد اتنے بڑے تھے جیسے بارہ چپوؤں والا جہاز۔ جب ہم قریب پہنچے تو خوب شور مچایا۔ ڈھول بجائے، تریاں بجائیں، یہ شور و غل سن کر عفریت نیچے تہ میں چلے گئے۔ جب ہم بہت آگے نکل گئے تو وہاں پھر نمودار ہوئے۔

مقدونویوں نے یہاں پہلی مرتبہ وہیل مچھلیاں دیکھی تھیں۔ پھر انہوں نے ماہی خوروں کے گھر دیکھے جو وہیل کی ہڈیوں سے بنائے گئے تھے۔

Marfat.com

سکندر کی تلاش کیلئے بیڑے کو ٹھہرانے سے پیشتر جنوبی و مغربی سمت میں ایک راس نظر آئی جو سمندر میں آگے بڑھی ہوئی تھی۔ اونیسی کریٹس کا خیال تھا کہ ہاں اتر کر خشکی پر سے گزرنا چاہئے لیکن نیارکس نے کہا کہ یہ صحرائی علاقہ ہے اور اغلب ہے عرب کا کوئی حصہ ہو (دراصل یہ راس سندھ تھی جو خلیج فارس کے دہانے پر ہے) وہاں پہنچ کر نیارکس کو یقین ہو گیا کہ وہ کھلے سمندر سے باہر نکل آئے ہیں اور خلیج فارس ان کے سامنے تھی جو دریائے دجلہ کے دہانے تک چلی جاتی تھی۔

سکندر نے یہ سارے حالات سن لئے تو کہا کہ اب تمہیں کمانداروں کی ذمہ داریوں سے فارغ کیا جاتا ہے تاکہ دلجمعی سے آرام لے لو لیکن نیارکس نے اصرار کیا کہ مجھے بدستور بیڑے کے ساتھ دجلہ کے دہانے تک جانے کی اجازت دے دی جائے۔ سکندر نے اس کی خواہش پوری کر دی۔ ساتھ ہی نیارکس کو ایک سنہری ہار دیا کیونکہ اس نے کھلے سمندر کو مسخر کر لیا تھا۔

سکندر اور یونانی جغرافیہ دان اب زمین کے مختلف ٹکڑوں کو جوڑ کر جو نقشہ تیار کر رہے تھے اس میں سرزمین عرب ٹھیک موقع پر بیٹھی تو جس کی ایک جھلک کا ذکر نیارکس نے کیا تھا (ٹرائے سے اس وقت تک پہلا موقع تھا کہ سکندر کے سرویر روز روز کے طے کردہ فاصلوں اور سفر کی سمتوں کا ریکارڈ نہ رکھ سکتے تھے۔ دشت مکران میں سے گزرتے وقت جن خوفناک مصائب سے سابقہ پڑا ان میں ریکارڈ رکھا ہی نہ جا سکتا تھا البتہ فوج کا حوصلہ قائم رہا۔)

اب نیارکس ثابت کر چکا تھا کہ ساحلی علاقے کے ساتھ بیڑا اپنی حفاظت کا انتظام کر سکتا ہے لہٰذا سکندر نے فیصلہ کر لیا کہ اب عرب کے گھیرے کی خوب چھان بین کر لینی چاہئے تاکہ حبشہ تک کا راستہ مل جائے اور سکندر نیل کے اس حصے میں پہنچ جائے جہاں سے یہ دریا نکلتا ہے۔ حبشہ سے آگے لیبیا (افریقہ) تھا جس کے اردگرد کسی نے چکر نہ لگایا تھا اگر سکندر کے جہاز وہاں تک جا سکتے تو وہ مغرب بعید کو مشرقی سمت میں دریائے سانده کے

Marfat.com

دہانے سے ملا دیتے۔ یوں ربع مسکوں کے جنوبی حصے کی سمت بھی متعین ہو جاتی۔ یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی تھی کہ نیارکس نے جن بحری عفریتوں کا ذکر کیا تھا انہیں چھوڑ کر اور کوئی مافوق الطبعی قوت نہ آتی تھی جو کھلے سمندر کے حدود کی محافظ ہوتی۔

آریاں کہتا ہے:

سوال یہ ہے کہ سکندر کا نقشہ عمل کیا تھا؟ اس کے متعلق صرف قیاس ہی سے کام لیا جا سکتا ہے لیکن اتنا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے جو بھی نقشہ بنایا تھا وہ نہ معمولی تھا اور نہ فرومایہ۔ اس لئے کہ جن سرزمینوں کو وہ مسخر کو چکا تھا ان کے علاوہ ہی کسی غیر معلوم سرزمین تک پہنچنے کا اس نے قصد کر رکھا ہوگا۔

اکتشاف کے منصوبے کو تھوڑی دیر کیلئے ملتوی کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ سکندر کو یوریشیا کے قلب سے نکلے ہوئے لمبی مدت گزر چکی تھی۔ گزشتہ چار سال میں دو مرتبہ اس کی وفات کی خبر چوکیوں اوتجارتی شاہراہوں کے ذریعے سے مغربی علاقوں تک پہنچ چکی تھی۔ جب یہ اطلاع پھیلی کہ سکندر مختلف اقوام کی فوج کے ساتھ پرسی پولس کے پاس کی پہاڑیوں میں آ گیا ہے تو جن گورنروں کے ہاتھ میں وہ انتظام چھوڑ گیا تھا ان میں سے اکثر حیرت زدہ رہ گئے۔

○

Marfat.com

بیسواں باب

دولت کا تیزاب

جو کچھ پیش آیا تھا وہ خاص حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سکندر کیلئے تعجب انگیز نہ تھا۔ وہ چار سال پیشتر ایکبتانہ سے روانہ ہوا تھا پھر حکومت کے کاموں سے ذاتی طور پر اسے کوئی تعلق نہ رہا تھا اور معلوم ہے کہ اس نے جو بھی انتظامات کئے تھے وہ بڑی عجلت میں کئے تھے۔ ان وجوہ سے بہت سے معاملات بگڑ گئے تھے۔ جن مقدونیوں کو وہ اختیارات سونپ کر گیا تھا انہوں نے اپنا دائرہ اثر بڑھا لیا تھا۔ ایک مصیبت یہ تھی کہ نقصان کی وسعت کے متعلق صحیح اطلاعات مرکز تک پہنچنے میں خاصی دیر ہوگئی۔ پرسی پولس پہنچتے ہی تنظیم کاروبار کی وسعت کے متعلق اسے جو اطلاعات ملی تھیں وہ صحیح نہ تھیں لیکن ایرانیوں نے آہستہ آہستہ سارے معاملات کھول کر بیان کر دیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ مقدونوی فوجی گورنروں نے اکثر معاملات میں ایشیائی نائبوں کے ساتھ تعاون نہ کیا تھا اور وہ اپنے لئے الگ دولت جمع کرنے میں لگ گئے تھے حالانکہ سکندر نے زراندوزی کو روکنے کی کوشش کی تھی۔ ایران میں مذہبی عبادت گاہوں کو لوٹا گیا اور دیسی سرداروں کو قتل کی سزائیں دی گئیں۔ سکندر نے پیوسس ٹس کو ایران کا نائب السلطنت مقرر کیا۔ سکندر ہندوستان میں ایک مرتبہ سخت زخمی ہوا تھا تو پیوسس ٹس ہی نے ڈھال کے ذریعے سے اس کی حفاظت کی تھی۔ دوسرے مقامات پر سکندر نے مجرموں کو بڑی سخت سزائیں دیں۔ بعض فوجی افسروں اور سرکاری کارداروں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ پرسی پولس کے

Marfat.com

پایہ بہ پایہ شاہی راستے پر جس ہجوم نے اس کا احاطہ کرلیا اسے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں ایوان زرکسیز کے ستون میناروں کی طرح کھڑے تھے۔ اس ہجوم میں لوگ دور دور سے آئے تھے۔ کسی گروہ نے خبریں بہم پہنچائیں، کوئی درخوستیں لے آیا۔ کسی نے کارداروں پر الزامات لگائے، کسی نے ان کے فیصلوں کے خلاف اپیل کی اراراٹ، ٹرائے اور بابل سے بھی لوگ آئے تاکہ جس کام کو سکندر ادھورا چھوڑ گیا تھا اس پر دوبارہ توجہ کرے۔ تنہا وہی ناظم اعلیٰ اور فیصلوں میں ردّ و بدل کا آخری مجاز تھا۔ وہی تمام فیصلے بدل سکتا تھا۔ اس نے یورپی افسروں کو سختی سے الگ کیا۔ اس سے ایشیائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور شہنشاہ کے پاس اپیلیں کرنے لگے۔

چار سال میں جو تغیرات ہو چکے تھے اس کا حیرت انگیز نقشہ سکندر کے سامنے آیا۔ سکندریہ مصر کی نئی درسگاہ میں تعلیم کا پہلا دور پورا ہو چکا تھا۔ لیڈیا کے سکندریہ سے تاجر یہ شکایت لےکر آئے کہ مصر کے جہازرانوں نے ایکا کر کے اس غلے کو اترانے نہ دیا جو بحیرۂ روم سے جہازوں میں لدکر آیا تھا۔ (سکندر کو اب یاد آیا کہ یہ سکندریہ اسوس کے میدانِ جنگ سے صرف ایک دن کی مسافت پر بنایا گیا تھا) اس کے برعکس مصر کے تاجروں نے اصرار کیا کہ حمفص میں غلے کی قیمت بحال رکھنے کیلئے محصول لگانا ضروری ہے۔

انہوں نے بتایا کہ پہلے مصر بیرونی دنیا سے منقطع تھا اب سکندریہ میں جہازوں کی آمدورفت بڑھ گئی ہے۔ ایتھنز اور قرطاجنہ کے لوگ باہر سے مصر غلہ لا رہے ہیں اس طرح دڈارا کے جانشین پر واضح ہوگیا کہ اس نے پرانی سرحدوں کو ختم کر دینے کی کوشش کی تھی لیکن یہاں نئے حلقے اور نئے مرکز بن رہے تھے تاکہ اپنی دولت محفوظ رکھیں۔ ان پھیلتے ہوئے تجارتی مرکزوں میں مختلف افراد نفع اندوزنی کے منصوبے تیار کر رہے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یورپ اور مغرب کی طرف سے انسانی لہروں کا رخ مشرق کی طرف پھر گیا ہے تاجروں، طالع آزماؤں، تباہ حال کسانوں اور سابق سپاہیوں کا طوفان مشرق کی نوآبادیوں کی جانب آ رہا ہے۔

Marfat.com

باختر، سغد اور ہندوستان میں داخلے کے باعث براعظم ایشیا کے تجارتی راستے ساحلی بندرگاہوں سے مل گئے تھے اس وجہ سے صیدا کی منڈیاں راحت وعشرت کے سامانوں سے بھر گئی تھیں۔ کاروانوں کے مرکزوں میں نئے محصول وصول کیے جا رہے تھے جیسے الرقیم[1] جو سرخی مائل چٹانوں پر تعمیر ہوا تھا۔ سکندر کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نبطیوں نے الرقیم کی بہت توسیع کر لی ہے لیکن اسے یہ یاد نہ آیا کہ نبطی کون ہیں۔ اس نے سمجھا کہ شاید عرب ہوں گے۔ یروشلم کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا درخواست لے کر آیا کہ ہماری حفاظت کی جائے اور شہنشاہ ایران کردش نے بھی ہماری حفاظت کا بندوبست کر دیا تھا۔ سکندر نے پوچھا حفاظت؟ اگر امن قائم رہے تو کیا یہ سب کی حفاظت کا بندوبست نہ ہوگا؟ کیا سات سال میں جنگ ہوئی ہے یا کسی نے ایک مقام پر بھی چھاپہ مارا ہے؟ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ تم سب محفوظ ہو۔

آئی اونیا کے بردہ فروش آئے اور شکایت کی کہ نئے سنہری سکوں نے ایتھنز کے روپہلی سکوں کی قیمت گھٹا دی ہے اور ہم غلاموں کی قیمت روپہلی سکوں ہی میں لیتے ہیں۔ یہ ڈیلوس[2] اور لیبوس[3] سے بچے پکڑ لاتے اور غلام بنا کر بیچتے۔ سکندر نے خود شرح تبادلہ مقرر کی تھی۔ لیکن عام لوگ سونے کو چاندی پر ترجیح دیتے تھے۔ عورتیں زیورات پسند کرتی تھیں۔ وہ سنہری سکوں کو رسوں میں پرو کر ہار بنا لیتیں۔ پہلے زمانے کی طرح چاندی کی جھانجیں نہ پہنتیں۔ اس وجہ سے بردہ فروش نے جو چاندی جمع کر رکھی تھی اس کی قیمت گر گئی۔ سکندر اس امر پر مجبور ہو گیا کہ دیر تک بیٹھ کر مقدمے سنے اور رات کے وقت حساب کتاب کرے۔ ترجمانوں کا ایک گروہ اس کے پاس رہتا۔

اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ یونانی زبان صرف سیاسی خط وکتابت میں استعمال ہو سکتی ہے۔ اس ایک چیز کو چھوڑ کر عام لوگ اپنی ہی بول چال میں بات کرنا پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے پاس جو درخواستیں آتیں وہ آرامی، عبرانی، عربی اور ہتی زبانوں میں ہوتیں۔ وہ متعجب تھا کہ آیا یہ لوگ محض تجارت کی غرض سے ملتے جلتے ہیں یا واقعی مشرق ومغرب کے اتصال سے صحیح فائدہ اٹھا رہے ہیں؟ کیا ان کے خیالات وعزائم میں بھی اشتراک پیدا ہو رہا

Marfat.com

ہے؟ وہ چاہتا تھا کہ ایشیا سے بھی لوگوں کے ہجوم بحیرۂ روم کی طرف جائیں تاکہ اتحاد جلد سے جلد پایہ تکمیل پر پہنچ جائے اور مغربیوں کے نقل وطن میں توازن پیدا ہو جائے یعنی جتنے لوگ مغرب سے مشرق کی طرف آتے ہیں اتنے ہی مشرق سے مغرب کی طرف جائیں۔

ایک موقع پر سکندر نے دیکھا کہ کوروش کے مقبرے پر جو موبد مقرر تھا اسے روزانہ ایک بھیڑ، آٹا اور شراب دی جاتی تھی۔ اس کی غیر حاضری میں یہ چیزیں بند کر دی گئیں۔ سکندر نے اس کا سبب پوچھا تو سیکرٹری کچھ بتا نہ سکا۔ چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ یہ چیزیں مقبرے پر پہرہ دینے والوں کو دی جاتی تھیں اور اب وہاں پہرے دار کوئی نہیں۔ پوچھا: ''کیوں نہیں؟'' بتایا گیا: ''وہ قید میں ہیں۔'' سکندر نے پوچھا: ''مقبرے پر کون پہرہ دے رہے ہیں؟'' جواب ملا: ''کوئی نہیں لہٰذا بھیڑ......'' سکندر نے کہا: ''میں بھیڑ کے متعلق نہیں پوچھ رہا یہ پوچھ رہا ہوں کہ پہرے دار مقبرے سے کیوں ہٹائے گئے؟''

سکندر سخت غصے میں آ گیا۔ آخر ایک افسر نے بتایا کہ شہنشاہ ایران کے مقبرے میں جو قیمتی چیزیں تھیں وہ سب اٹھا لی گئیں۔ صرف معمولی چیزیں باقی رہ گئی ہیں جن کی زیادہ قیمت نہیں۔ چنانچہ جو آدمی وہاں رہتا تھا اسے قید کرنا پڑا۔ یہ سنتے ہی سکندر نے اصطبل سے گھوڑا منگوایا۔ چنانچہ نسائی نسل سے سفید رنگ کا گھوڑا اس کیلئے لائے۔ سوار ہو کر تنہا نکل پڑا۔ محافظ فوج کے سوار پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ سکندر پارساگرد کی پہاڑی پر پہنچا اور اس نالے پر اتر گیا جس کے کنارے کوروش کا مقبرہ بنا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ واقعی قبر میں ایک شگاف پڑا ہوا ہے جسے ایک خالی پیپے سے بند کیا گیا ہے۔ اصل تابوت خالص سونے کا تھا اور اس پر بڑے قیمتی تحفے رکھے ہوئے تھے۔ وہ سب غائب ہو چکے ہیں اور کوروش کی نعش باقی ہے۔ سکندر نے قبر پر ہاتھ پھیرا تو اسے وہ الفاظ محسوس ہوئے جو زبانی یاد تھے یعنی:

''اے جانے والے جان لے کہ میں کوروش ہوں جس نے ایرانی سلطنت کی بنیاد رکھی اور ایشیا کو ایک مملکت بنایا۔ امید ہے تو میرے اس مقام استراحت میں خلل ڈالنا گوارا نہ کرے گا۔''

چونکہ تابوت سونے کا تھا اس لئے چور خلل ڈالنے سے باز نہ رہ سکے۔ سکندر کو یقین تھا

Marfat.com

کہ مجوسیوں نے یہ کام نہیں کیا جو صدیوں سے مقبرے کے محافظ چلے آتے تھے۔ یہ کسی مقدونوی کا کام ہوگا۔ چنانچہ دیر تک مرمریں سیڑھیوں پر بیٹھا سوچتا رہا۔ سورج کی روشنی درختوں کی شاخوں میں سے چھن چھن کر پہاڑیوں پر نمودار ہو رہی تھی۔ درخت پتوں سے خالی تھے۔ اس لئے کہ سردی کا موسم تھا۔ پھر اس کی توجہ ان بوڑھے آدمیوں کی طرف پھر گئی جو اس کے انتظار میں نیچے کھڑے تھے۔ انہوں نے سفید لباس پر سرخ رنگ کے پٹکے باندھ رکھے تھے۔ اسے خیال ہوا کہ یہ کچھ کہنا چاہتے ہیں اور انہیں کہنے کی اجازت دی، وہ تین آدمی تھے انہوں نے کہا:

''اے انسان، چونکہ تو اب یہاں ہے اس لئے ظاہر ہے کہ تو اس کا جانشین ہے جو جا چکا جانشینی کا یہ سلسلہ نیاگاں کے زمانے سے بادشاہوں میں چلا آ رہا ہے لیکن بعض اوقات یہ منصب کسی کو نہیں ملتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نالائقوں کو وراثت نہیں پہنچتی۔ اس پر زور اور قوت سے قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔ جب کسی کو ملتی ہے تو اسے مخفی نہیں رکھا جا سکتا۔ بہت سے بادشاہوں کی عظمت کا دور گزر چکا ان کے نام بھی فراموش کر دیئے گئے۔ یہ وراثت کوروش سے تمہیں ملی ہے یہ نہ پوچھنا عظمت کہاں سے آتی ہے۔''

سکندر بوڑھے آدمیوں کے چہروں پر نظریں جمائے بیٹھا رہا جن پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ آداب بجا لا رہے تھے۔ انہیں جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے تو اشارہ کیا ذرا نیچے آؤ۔ وہ نیچے پہنچا تو وہ اس کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ پھیلائے۔ ان کے ہاتھوں میں پتوں میں لپٹی ہوئی انجیریں اور چاندی کے پیالوں میں چھاچھ تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہ چیزیں آپ کے ناشتے کیلئے لائے ہیں۔ خود انہوں نے بھی بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ پھر ندی سے پانی لائے تاکہ ہاتھ دھو لئے جائیں۔ پانی بڑا ٹھنڈا تھا۔ پھر انہوں نے کہا: ''جیسے بندگان خدا کا بادشاہ چن لیا جاتا ہے، اس کیلئے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔'' یہ کہتے ہی سر جھکائے اور چلے گئے۔ محافظ فوج کے آدمیوں کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جو اس سارے نظارے پر حیران تھے۔ سپاہی سمجھتے تھے کہ سکندر کیلئے جو ناشتہ لایا گیا وہ بہت معمولی تھا۔

سکندر نے اس لئے وہ چیزیں کھالی تھیں کہ بوڑھے آدمیوں کی خواہش یہی تھی۔ اسے

Marfat.com

مجوسیوں کے آنے نے کیلی ناس کی باتیں یاد دلا دیں۔ کیلی ناس نے کہا تھا کہ تم نے روئے زمین کو تہہ و بالا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن حقیقت میں تم اتنے ہی زمین کے مالک ہو جس میں موت کے بعد دفن ہو گے۔ کیلی ناس نے یہ آخری بات کہی تھی۔ اور وہ بیمار تھا چونکہ وہ اپنے وطن سے دور آ چکا تھا۔ اس لئے زیادہ دیر زندہ رہنے کا خواہاں بھی نہ تھا۔ اس نے وصیت کی کہ مجھے جلا دیا جائے۔ سکندر کو ابتدا میں اس بات کا یقین نہ آیا لیکن جوگی نے چتا بنوائی اور اس پر بیٹھ کر جلنے کیلئے تیار ہو گیا۔ آخر سکندر نے اس کی خواہش پوری کرنے کا حکم دے دیا۔ ایک عمدہ گھوڑا اور بہت سے سنہری برتن قربانی کے لئے پیش کئے۔ کیلی ناس کو یہ قربانی پسند نہ آئی۔ اس نے گھوڑا اور برتن مقدونیوں کے حوالے کر دیئے اور چپ چاپ چتا پر لیٹ گیا اور آگ اردگرد بھڑکنی شروع ہوئی۔ سکندر نے حکم دیا کہ زور زور سے باجے بجائے جائیں اور ہاتھی چنگھاڑ سے سلامی ادا کریں۔ اس لئے کہ ہندوستانی جوگی کی مردانگی واقعی احترام کی مستحق تھی۔ فوج کو ایسا معلوم ہوا کہ ایک طلسم ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ کیلی ناس جلنے پر اصرار نہ کرتا۔

مشرق میں جو افراتفری پھیلی تھی وہ مغرب تک پہنچ گئی۔ جب لوگوں نے سنا کہ سکندر سفر سے واپس آ گیا ہے اور بہت سے کارداروں کو سزا دی ہے تو ہر پالوس بابل اور سارڈس کے خزانے لے کر بھاگ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بہت سی دولت جمع کر لی تھی اور تنخواہ داروں کی فوج بھی بہم پہنچائی تھی۔ چنانچہ وہ یہ فوج اور خزانے کو لے کر جہاز میں سوار ہوا اور ایتھنز کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو گیا۔ یہ اس کا دوسرا فرار تھا۔ یونان پہنچتے ہی اس نے کہا حب وطن کا تقاضا ہے کہ ہم بغاوت کریں۔ ایتھنز کی گردن سے مقدونیہ کا جوا اتار پھینکیں اور اس شہر کی پرانی عظمت بحال کر دیں۔ انتہا پسند سیاستدان اس کے ساتھ ہوئے۔ دوسرے لوگوں کو روپیہ دے کر ساتھ ملا لیا۔ ڈیماستھنیز اس کی ہم نوائی کیلئے تیار نہ ہوا حالانکہ ہر پالوس ڈیماستھنیز ہی کو اس بغاوت کی روح رواں بنانا چاہتا تھا۔ شہرۂ آفاق خطیب نے صاف صاف کہہ دیا کہ سکندر سے جنگ دیوانگی ہے اس میں ایتھنز تباہ ہو جائے گا۔

سکندر کی طرف سے جو افسر مالیہ وصول کرنے کیلئے مقرر تھا وہ شہر سے نکل کر کسی محفوظ

Marfat.com

مقام پر پہنچ گیا۔ ڈیماستھنیز پر یہ الزام لگایا گیا کہ سکندر کے کارندے سے رشوت لے لی۔ پارتھینیا میں جو روپیہ ہرپالوس نے رکھا تھا اسے دیکھا گیا تو نصف غائب ہو چکا تھا جو لوگ جنگ کے حامی تھے۔ انہوں نے ڈیماستھنیز پر یہ الزام لگایا کہ اس نے ہماری جنگی سکیم دشمن کو بتادی اور روپیہ اٹھوانے میں امداد دی۔ اہلِ ایتھنز بڑے ناقدرے اور حق ناشناس تھے۔ ان میں جو فرد تنہا دیانتدار تھا اسی پر رشوت کا الزام لگایا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ڈیماستھنیز نے سکندر کے متعلق اپنی رائے بدل لی تھی؟ کیا سکندر ڈیماستھنیز کی خطابت سے خوفزدہ نہ رہا تھا؟ یقین ہے کہ یہ دونوں شخص (سکندر اور ڈیماستھنیز) جو کائی رونیا کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل تھے اب اس امید میں باہم شریک ہو گئے تھے کہ مقدونوی دولت متحدہ کے ماتحت دنیا میں امن قائم ہو جائے گا۔

یونان کی بدامنی ہرپالوس کے چرائے ہوئے خزانے پر ہنگامے اور مقدونیہ میں مختلف گروہوں کی کشمکش کے باعث سکندر نے مناسب سمجھا کہ اینٹی پیٹر کی جگہ کریٹرس کو مقرر کردے جو نہایت قابل ناظم تھا۔ اینٹی پیٹر نے تمام احکام کی تعمیل نہایت وفاداری سے کی تھی لیکن اس کی رائے میں یونانی باغی تھے۔ سکندر ضرورت محسوس کرتا تھا کہ کوئی جوان آدمی یونان کا نظم ونسق سنبھال لے خصوصاً اس لئے کہ اس کی ماں اولمپیاس اپنی ایک پارٹی بنارہی تھی۔ کریٹرس بخار کے باعث کمزور بھی بہت ہو چکا تھا اور سکندر نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بہترین افسر کی زندگی خطرے میں پڑی رہے۔

چنانچہ اینٹی پیٹر سے نظم ونسق لے لیا گیا تو اس کا بیٹا کیسنڈر[4] احتجاج کی غرض سے سکندر کے پاس ایشیا آیا۔ اس نے کہا: جن لوگوں نے میرے باپ پر الزام لگائے انہوں نے بڑی دور بیٹھے ہوئے یہ الزام وضع کیے۔ گویا کیسنڈر نے دل کی بات تو کہہ دی اگرچہ سکندر پر براہ راست الزام عائد کرنے میں احتیاط سے کام لیا۔ سکندر نے جواب دیا کہ یہ تو ارسطو کے استدلال کی سی بات ہے۔ اگر تم اور تمہارا باپ مجرم ٹھہرے تو ضرور سزا دی جائے گی لیکن ابھی مجھے معلوم نہیں کہ آیا تم مجرم ہو۔

کیسنڈر پر واضح ہو گیا کہ سکندر بالکل بدل چکا ہے اور اسے اپنے دوستوں پر بھروسہ

Marfat.com

نہیں رہا۔ نہ ان دیوتاؤں پر اعتقاد رہا ہے جن کیلئے پہلے وہ قربانیاں کیا کرتا تھا۔ اس نے سکندر اور دوسرے مقدونیوں کو دس سال کے بعد دیکھا تھا لیکن اس تغیر کی اسے امید نہ تھی۔ لوگ کہتے تھے وہ بے حد ڈر گیا تھا۔ یہاں تک کہ سکندر مر گیا۔ کیسنڈر اس وقت بھی سکندر کے کسی مجسمے کے پاس سے گزرتا تو اس پر رعشہ طاری ہو جاتا۔

بہر حال سکندر پرسی پولس کے مقدس مقام سے شوش کے سلسلہ کوہ کو طے کرنے کیلئے تیار ہو گیا تاکہ اپنی مملکت کے مغربی حصے سے قریب تر تعلق قائم کرسے۔ اس کی مراجعت کا اثر ڈینیوب سے نیل سے محسوس ہونے لگا۔ مقدونوی فتوحات کی داستانیں ممفس، ایتھنز اور پیلا میں بیان ہونے لگیں، جو بظاہر قرین یقین نہ تھیں۔ یونانی عالموں کو اس عظیم الشان کارنامے کی تفصیلات سمجھنے میں مشکلات پیش آتیں اور واقعی اس کے بعض اجزاء سراسر ناقابلِ یقین تھے۔ مثلاً ستر نئے شہروں کی تعمیر، بیس ہزار سٹینڈیا سے آنے والے تجارتی قافلے جنوبی سمندر میں جہاز رانی، دنیا کا یہ وسیع تر تصور ان کیلئے مسحور کن بھی تھا اور خلل انگیز بھی، انہیں ایسے وسائل مل گئے تھے جن کے روبرو یونانی شہروں کے وسائل بے حقیقت رہ گئے تھے اور اتنی بڑی آبادی ان کے ماتحت آ گئی تھی جس میں یونان کی آبادی ایک چھوٹی سی اقلیت کی حیثیت رکھتی تھی جو ربع مسکوں کے مشرقی گوشے میں تھی۔

اب سکندر جہاں جاتا حکومت کا نظام اس کے ساتھ چلتا۔ نظم و نسق کی ضرورت نے اب اسے سلطنت کے مرکز میں پہنچا دیا تھا۔ کیلی ناس نے بھی اسے یہی نصیحت کی تھی۔ لیکن وہ نظامِ حکومت کیا تھا؟ اس کے متعلق بے یقینی کا سلسلہ قائم رہا۔ معاصر شہادتوں سے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ سکندر کا نقشہ مستقبل کے متعلق کیا تھا۔ بعض مبصر کہتے ہیں کہ اس کے سامنے کوئی نقشہ ہی نہ تھا۔ بطلیمو کی رائے یہی تھی۔ یقیناً سکندر نے بھی کوئی واضح بات نہ کہی تھی۔ ارسطو اس مثالی حکومت کو رد کر چکا تھا جو افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریت میں پیش کی تھی۔ سکندر نے ارسطو کی سکیم رد کر دی تھی جو کہتا تھا کہ نظم حکومت تعلیم یافتہ افراد کی ایک چھوٹی سے جماعت میں رہنا چاہئے۔ پھر اس کی سلطنت اتنی وسیع ہو چکی تھی کہ ایک شہر یا ایک مخصوص جماعت اس کا انتظام سنبھال ہی نہ سکتی تھی۔

Marfat.com

روشنک اب امیدواری سے تھی لیکن سکندر نے کبھی یہ نہ کہا کہ اس کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوگا اسے میرا جانشین سمجھا جائے۔ مقدونیہ میں اس کے جو قریبی رشتے دار موجود تھے ان کے بارے میں بھی وہ کچھ سوچنے اور وقت ضائع کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ایشیائی عورت سے جو بچہ پیدا ہوگا اس کے ساتھ رشتہ دار کیا سلوک کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر وہ ایرانی سلطنت کے خدوخال بحال کرنا چاہتا تھا۔ یقیناً اسے کروش کے طرزِ حکومت نے بہت متاثر کیا تھا۔ اس لئے کہ اس حکومت سے امن قائم ہوگیا تھا لیکن وہ خود کہتا تھا کہ مقدونوی فتوحات ایرانی حکومت کے دائرے سے آگے نکل گئی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک رعایا پر حکمران نہیں سمجھتا تھا بلکہ اسے یہ احساس تھا کہ ایک بہت بڑا مقصد لے کر آیا ہے جسے پورا ہونا چاہئے۔ فوج سے اپنی نئی حکومت کے متعلق بات چیت کرتا تو کہتا کہ یہ مقدونوی دولت متحدہ ہے۔

بطلیموس نے اس کیلئے خطابات کی جو فہرست تیار کی تھی اس میں عجیب وغریب اضافے ہو چکے تھے مثلاً خطابات کی مکمل فہرست ملاحظہ فرمائیے:

''سکندر سوم، شاہ مقدونیہ، یونانی شہروں کا نیم ملکوتی مشروط آقا، مصر کا فرعون، جسے خدا کا اوتار سمجھنا چاہئے، آئی اونیا کی بندرگاہوں کا حلیف اور آقا، فونیقی شہروں اور بیڑوں کا مالک و مختار، یہودیہ کے مذہبی پیشوا کا محافظ، ایرانی مجوسیوں کا شہنشاہ، ہندوستان کے راجاؤں کا دوست اور باقی ہندوستان کیلئے ایک ایسا فرمانروا جس کے منصب کا تعین نہ ہوا تھا۔''

بطلیموس کو معلوم تھا کہ سکندر القاب و خطابات سے بالکل بے پروا ہے لیکن بطلیموس کو یہ بھی یقین تھا کہ سکندر جب تک زندہ ہے اپنی اس نومولود عالمگیر سلطنت پر قبض و تصرف بحال رکھے گا۔ یونانی بھی اسی نتیجے پر پہنچے تھے چنانچہ جب ڈلفی کے مندر سے اعلان ہوا کہ سکندر انسانوں سے اٹھ کر زندگی ہی میں دیوتا کی حیثیت اختیار کر چکا ہے تو بطلیموس اس پر بالکل تعجب نہ ہوا۔ سکندر اس پر نہ خوش ہوا نہ ناراض۔ ڈلفی کی طرف سے یہ اعلان بھی ہو چکا تھا کہ سکندر کی مورتی کے سامنے قربانیاں ہونی چاہئیں اور اس کے اعزاز میں کھیلوں کا

Marfat.com

انتظام کرنا چاہئے۔ ممکن ہے سکندر کی دیوتائی کا سلسلہ اس لئے شروع کیا گیا ہو کہ یونانیوں کو اس کا عجیب وغریب تسلط قانونی اعتبار سے تسلیم کرنے میں عذر نہ رہے۔ اس لئے کہ دیوتا کے سامنے جھکنا یا اس کی عزت کرنا باعث ذلت نہ سمجھا جاتا تھا۔

سکندر کے ذہن میں جو بھی نقشہ ہو، یہ امر یقینی ہے کہ یوریشیا کا شہنشاہ ایک خاص مقصد کی بنا پر سب کچھ کر رہا تھا۔ سکندر نے بھی نظامِ حکومت کے متعلق کسی سے اس طرح بحث نہ کی جس طرح وہ ابتدائی دور میں ہر معاملے کے متعلق جنگی کونسل میں بحث کیا کرتا تھا۔ وہ شوش میں بھی غالباً کچھ مدت ٹھہرا رہا۔ حکومت کے مسائل وہاں بھی مسلسل اس کے سامنے رہے۔ وہ اپنے ماتحتوں سے بھی منقطع کوششوں کا طلبگار تھا۔ اسے ایشیا کی سرزمینوں میں قحط اور پانی کے مسائل بے پریشان کر رہے تھے۔ اس لئے کہ فصلوں کا انحصار بارشوں ہی پر تھا۔ اس مشکل حل کیلئے اس نے دریاؤں سے نہریں نکالنے کا سلسلہ جاری کیا۔ نوآبادیاں قائم کرنے کا عمل حیرت انگیز طریقے پر بار آور ہوا۔ دنیائے قدیم نے اتنی تھوڑی مدت میں اتنے شہر آباد ہوتے کبھی نہ دیکھے تھے۔ بعد میں بھی ایسا نظارہ اس وقت تک نہ دیکھا گیا جب تک دو ہزار سال بعد امریکہ میں آبادکاری شروع نہ ہوئی۔ چند ہی دنوں میں پختہ اینٹوں کی دیواریں کھڑی ہو جاتیں۔ چھت کے بغیر تھیٹر بنا لئے جاتے۔ پہاڑوں کے دامن میں یا صحرائی میدانوں میں کھیلوں کیلئے زمین تیار کر لی جاتی۔ ہر نوآبادی میں تعلیم اور تفریح کا پورا انتظام ہوتا۔

ان نوآبادوں میں طرح طرح کے لوگ بس جاتے۔ تاجر باہر سے چیزیں لانے کا انتظام کرتے۔ دیہات کے لوگ روپے اور سامان کیلئے آ بستے۔ مثال کے طور پر تدمر[5] پرانا تجارتی شہر تھا۔ جب اس میں رومی پہنچے تو وہاں عرب، آرامی، یونانی، یہودی اور شامی آباد تھے۔ تدمر اور الرقیم میں سے جو تجارتی قافلے گزرتے ان سے محصول لیا جاتا۔ تجارت کی ترقی نے نئے شہروں کی آبادی بھی بہت بڑھا دی۔ بہت سی ایسی نوآبادیاں بھی تھیں جو تجارت کے بل پر ترقی نہ کر سکیں۔ ان میں زیادہ تر لوگ آباد تھے جو ایک زمانے میں فوجی کام انجام دے چکے تھے یا مقامی باشندوں نے وہاں اپنے لئے مکان بنا رکھے تھے۔

Marfat.com

وجہ معلوم نہیں لیکن سکندر نے مشرقی جانب کی فوجی چوکیوں سے تمام تنخواہ دار یونانی فوجیوں کو بلا لیا اور انہیں واپس وطن بھیج دیا۔ اسی زمانے میں اسے معلوم ہوا کہ ایکبتانہ میں تین ہزار یونانی ایکٹر، گویئے اور فنکار مشرق کی طرف جانے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فوجی قوت کو توڑ رہا تھا اور غیر مضافی آبادکاروں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا سپاہی مختلف مقامات پر تکلیف کا باعث بن رہے تھے یا سکندر نے سمجھ لیا تھا کہ اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔

شوش میں وہ خود فوج کا انتظام سنبھالے رہا۔ بیاس کے کنارے فوج نے جو بغاوت کی تھی اسے وہ بھولا نہ تھا۔ مقدونیوں کی تعداد بوج میں اگرچہ بہت کم رہ گئی تھی مگر ان کے اور سکندر کے درمیان قوت عزم کا امتحان بدستور جاری تھا۔ اب سکندر محسوس کر رہا تھا کہ اسے آبادکاروں کی ضرورت ہے جو بوقت ضرورت فوجی خدمت بھی انجام دے سکیں۔ وسیع میدانی فوج کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ ایشیائی اقوام کے سروں پر مقدونوی تلواروں کو زیادہ دیر تک معلق رکھنا پسند نہ کرتا تھا۔ تیس ہزار ایشیائی رنگروٹوں کو یورپی قواعد سکھائے جا چکے تھے اور اب سکندر انہیں مختلف کمانداروں کے ماتحت مقرر کیا جا رہا تھا حتیٰ کہ بعض مقامات پر فوج کی ایک رجمنٹ میں مقدونیوں کی صرف ایک کمپنی رہ گئی تھی۔ اس نے ایک ایرانی باختری اور سیتھی افسروں کو اونچے منصب دے دیئے بلکہ اپنے رفیقوں میں شامل کر لیا۔ نئی سلطنت کیلئے یوریشیائی فوج ہی درکار تھی۔ وہ مقدونوی فوج موزوں نہ رہی تھی جو مہموں میں کام دیتی۔ ساتھ ہی تکلیفیں بھی پیدا کرتی۔ خود مقدونیوں کا خیال تھا کہ سکندر کو ہماری خدمات کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا اب ہم سے پیچھا چھڑانے کے درپے ہے۔

○

Marfat.com

اکیسواں باب

فوج کا خاتمہ

شوش پہنچ کر سکندر نے ایک بہت بڑے جشن کا انتظام کیا۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ لمبے کوچ کے بعد اب ہم راحت و آرام کیلئے تیار ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں وہ اپنے ہم قوموں کو ایشائیوں کے ساتھ شادیاں کر لینے پر آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ جو لوگ ایرانی زبان سکھ چکے تھے یا انہوں نے مشرقی رسوم اختیار کر لی تھیں مثلاً پیوسس ٹس، سکندر انہیں بہت اچھا سمجھتا تھا۔ اب اس نے تمام افسروں کو بلا کر کہا کہ ایشیائی عورتوں سے شادی کر لو۔ چنانچہ خود اس نے دارا کی سب سے بڑی لڑکی کو دوسری بیوی کے طور پر منتخب کر لیا۔ دوسری بیٹی ہفااسشن کے عقد میں دے دی۔ کریٹرس اس وقت تک یونان روانہ ہوا تھا۔ اس کی شادی روشنک کی چھوٹی بہن سے کی۔ نیارکس موقع پر موجود نہ تھا بلکہ اپنے بیڑے کے ساتھ گیا ہوا تھا اس کیلئے برسین اور مینٹر[1] کی بیٹی تجویز کی۔ سلیوکس نے سپٹاما کی بیٹی منتخب کر لی، بطلیموس، پرڈیکاس اور دوسرے افسروں نے ایرانی امراء کی بیٹیاں چن لیں۔ غرض سکندر کے 80 رفقاء نے اس موقع پر شادیاں کیں۔

آریاں لکھتا ہے:

"سکندر کی یہ تجویز بہت ہر دلعزیز ہوئی ان سب نے اس موقع پر ایرانی اور مادی لباس پہنے۔ شادیاں ایشیائی طریقے پر ہوئیں۔ پہلے پر تکلف دعوت آراستہ کی گئی پھر دلہنیں آئیں اور ہر ایک اپنے مجوزہ شوہر کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ ہر شخص نے اپنی اپنی دلہن کا ہاتھ

Marfat.com

اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے بوسہ دیا۔ سکندر نے یہ کام سب سے پہلے کیا پھر ہر ایک اپنی بیوی کو لے کر چلا گیا۔"

ان شادیوں کی حوصلہ افزائی کیلئے سکندر نے اعلان کر دیا تھا کہ مقدونوی رفیقوں کی طرح اب ایشیائی رفیق بھی میرے عزیز اور رشتے دار سمجھے جائیں گے۔ اس نے تمام دلہنوں کیلئے اپنے پاس سے جہیز دیا۔ دس ہزار سپاہیوں نے شادیاں کر لیں اور انہیں سکندر کی طرف سے جہیز ملے۔ نیز ان سب کے نام ایک خاص رجسٹر میں لکھے گئے۔

مقدونیہ کے سال خوردہ سپاہی مشرقی لباس اور دلہنوں کے طور طریقوں کی ہنسی اڑاتے تھے لیکن انہیں اصل غصہ اس بات پر تھا کہ سکندر کو اب ایرانی فوج کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ سمجھتے تھے کہ مشرقی بادشاہوں کی طرح مطلق العنان بن چکا ہے۔ بابل کے راستے پر کشمکش آخری منزل پر پہنچ گئی۔ سکندر نے معلوم کر لیا تھا کہ شوش مشرقی پہاڑوں کے اندر فاصلے پر واقع ہے لہٰذا دارالحکومت نہیں بنایا جا سکتا۔ بابل سب سے بڑی شاہراہ پر واقع تھا اور فرات کے ذریعے سے آبی راستہ بھی سمندر تک جاتا تھا۔ اس لئے اسے موزوں مرکز حکومت سمجھا گیا۔ ممکن ہے دریا کے قرب نے سکندر سے یہ فیصلہ کرایا ہو۔ اس لئے کہ سمندر کی چھان بین اب اس کے خیالات پر بہت چھائی ہوئی تھی۔

اسے بے خوابی کی بیماری بھی ہو گئی تھی۔ پھیپھڑے میں جو زخم لگا تھا اس کا علاج ٹھیک نہ ہو سکا تھا۔ لہٰذا وقتاً فوقتاً بخار آ جاتا۔ وہ جب تک سفر میں رہتا بڑا خوش رہتا۔ چلتے چلتے اس نے اصرار کیا کہ دلدلوں میں سے چکر لگاتے ہوئے اس خاص مقام پر پہنچنا چاہئے جہاں نیارکس کے ٹھہرنے کی توقع تھی۔ پھر دجلہ پر کشتیوں کے ذریعے سے سفر شروع ہوا اور اس نے وہ تمام بند منہدم کرا دیئے جو ایرانیوں نے جابجا بنا رکھے تھے۔ سکندر کی خواہش تھی کہ دجلہ میں سے کشتی رانی کیلئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہنی چاہئے اس نے کہا ہمیں کسی دشمن سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور جہاز خود ہمارے ہیں۔"

دجلہ پر جاتے جاتے سکندر کے کان میں یہ آواز پہنچی کہ مقدونیہ والے شاکی ہیں۔

Marfat.com

چنانچہ اس نے سب کو بلایا اور کہا جن کی عمر زیادہ ہو چکی ہے یا زخموں کے باعث جنگی خدمات انجام نہیں دے سکتے وہ واپس چلے جائیں۔ انہیں رخصت کے وقت ایسے انعامات دیئے جائیں گے جن کی وجہ سے وہ اہلِ مقدونیہ کیلئے رشک کا باعث بن جائیں گے۔ اس سلسلے میں اسے اپنا وہ وعدہ یاد تھا جو اس نے فوج کی بغاوت کے وقت کیا تھا۔ جن لوگوں نے فوج میں عظیم الشان خدمات انجام دی تھیں ان کیلئے سنہری ہار تجویز کئے (وہ لوگ دوسروں کے مقابلے میں دوگنی تنخواہیں لے رہے تھے)۔

یہ بات مقدونویوں کو مطمئن نہ کر سکی۔ انہوں نے اپنے افسروں کو بتایا کہ ہم پر سود خواروں یا ہم طعاموں کا قرضہ ہو چکا ہے جو روپیہ ہمیں ملے گا ممکن ہے وہ ہمارے قرضوں میں وضع کر لیا جائے۔ سکندر نے کہا کہ تمام قرضے سرکاری خزانے سے ادا کئے جائیں گے لیکن ہر آدمی کو اپنا نام اور قرضے کی مقدار لکھوا دینی چاہئے۔ مقدونیوں کو اسے سچ سمجھنے میں تامل ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں کوئی فریب ہے۔ وہ جانتے تھے کہ بہت بڑی تنخواہ لیتے رہے ہیں اور مقروض ہو جانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس زیادہ املاک تھیں انہیں کو زیادہ روپے کی ضرورت تھی۔ یہ پیشکش غور و بحث کے بعد رد کر دی گئی۔ پھر سکندر نے کہا کہ نام لکھوانے کی ضرورت نہیں ہر آدمی زبانی جتنا قرضہ بتائے گا وہ ادا کر دیا جائے گا۔

لیکن یہ حقیقی وجہ شکایت نہ تھی۔ مقدونوی دیکھ چکے تھے کہ پارتھیوں اور باختریوں کو خاص محافظ فوج میں شامل کر لیا گیا تھا اور ان کی ایک رجمنٹ پر روشنک کے بھائی کو سردار بنا دیا گیا تھا۔ ان کے دل میں حسد پیدا ہو چکا تھا۔ روپے کا انہیں چنداں خیال نہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اب سکندر غیروں کو عزیز قرار دے کر ان سے معانقے کرتا ہے اور ہماری اسے پروا نہیں۔ پھر کیوں نہ ہم سب کو الگ کر دے تاکہ وطن واپس چلے جائیں۔

دجلہ کے نچلے حصے میں جگہ جگہ دلدلی زمینیں تھیں اور گرمی بہت زیادہ تھی۔ مقدونویوں نے سمجھا کہ سالہا سال کی لڑائیوں کے بعد ہمیں یہاں چھوڑ دیا گیا ہے اور ہم سے بے تعلقی

Marfat.com

اختیار کر لی گئی ہے۔ اب وہ سکندر سے بحث کیلئے تیار نہ تھے اور کوئی ایسی کونسل موجود نہ تھی جو ان کی شکایتیں سن لیتی۔ سکندر نے جب اپنے قاصد بھیجے تو انہوں نے پکار کر کہا کہ یا تو ہم سب وطن واپس جائیں گے یا کوئی نہیں جائے گا۔ ہمارے بعد سکندر ان ایشیائیوں کو لے کر جنگ کر لے جو اس کے پاؤں پر گرتے ہیں۔ اہا اب اس کا باپ آمن جنگ میں فتح دے گا۔" سکندر نے یہ سب سا تیں سنیں تو اپنے افسروں کے ساتھ ان کے کیمپ میں پہنچا۔ محافظ فوج پیچھے پیچھے تھی۔ وہ ایک گاڑی پر چڑھ گیا اور مقدونیوں کو اشارے سے قریب بلایا پھر کہا کہ جہاں تک میرا تعلق ہے تم سب جب چاہو چلے جاؤ۔

ایک لمحے تک مجمع پر خاموشی طاری رہی پھر مقدونیوں نے کہا تم نے ہمیں آدمی کہا ہم آدمی نہیں رہے، حادثے ہمیں تباہ کر چکے ہیں، ہم محض روحیں رہ گئے ہیں، ہم کوئی حکم سننے کیلئے تیار نہیں۔

سکندر یہ سنتے ہی گاڑی سے کود کر نیچے اترا۔ وہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ جن لوگوں نے یہ الفاظ کہے تھے انہیں پکڑ کر اپنی محافظ فوج کی طرف دھکیل دیا جو پیچھے پیچھے آ رہی تھی اور حکم دے دیا کہ ان تیرہ آدمیوں کو ابھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے پھر وہ ٹھہر گیا اس لئے کہ سپاہی چپ ہو گئے تھے اور یوں مخاطب ہوا:

"جانے سے پہلے مجھے یہ بتاتے جاؤ کہ تم کس قسم کے آدمی رہ چکے ہو، تم چمڑہ پہنتے تھے اور بربری قبیلے جب تم پر حملے کرتے تھے تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر چھپ جاتیت تھے۔ میرے باپ نے تمہارے لئے لبادے مہیا کئے اور تمہیں شہروں کے آباد کار بنایا۔ اس نے مقدونیہ کی دولت متحدہ کو یونان دلایا۔ ہم جب وطن سے نکلے تھے تو تمہارے پاس گزارے کا کوئی سامان نہ تھا۔ میرے پاس سونے چاندی کے کچھ پیالے تھے اور ساٹھ ٹیلنٹ کے قریب نقد روپیہ تھا۔ مجھ پر پانسو ٹیلنٹ کا قرض تھا میں نے تمہارے ساز و سامان کیلئے آٹھ سو ٹیلنٹ مزید قرض لیا۔ میں نے تمہیں ہیلس پلونٹ (درہ دانیال) سے بخیر و عافیت گزارا ارچہ اس وقت ایشیائی لوگ سمندروں کے مالک تھے۔

Marfat.com

میں نے جو سرزمینیں فتح کیں وہ تمہارے لئے فتح کیں اور تمہیں دوست سمیٹنے کا پورا موقع دیا۔ لیڈیا، ایران اور ہندوستان کی دولت ہمیں ملی۔ میں نے تمہیں اس میں حصے دار بنایا۔ میں نے تمہارے ساتھ پیدل چل کر تکلیفیں اٹھائیں۔ اب بیرونی سمندر بھی ہمارے قبضے میں ہیں جو خوراک تم کھاتے تھے وہی میں نے کھائی اور کم سے کم نیند لی۔ تم میں سے کون ہے جس نے میرے لئے اتنی تکلیف اٹھائی ہو جتنی تکلیف میں نے تم سب کیلئے اٹھائی؟ اگر ایسا کوئی ہے تو سامنے آئے۔ ہاں ہاں وہ سامنے آئے اور اپنے زخم دکھائے میں اپنے زخم دکھاؤں گا۔ تم جانتے ہو کہ کوئی ہتھیار اب تک ایجاد نہ ہوا جس کے زخم کا نشانہ میرے جسم پر موجود نہیں۔"

وہ تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ آدمی متوجہ تھے اور گہری سانسیں لے رہے تھے گویا آہیں بھرنے لگے تھے۔ کوئی شخص آگے نہ بڑھا پھر سکندر نے کہا:

"میں اب بھی تمہارا سردار ہوں اور میری ہی وجہ سے تمہیں فاتحوں کی حیثیت ملی ہے۔ میں نے اپنی شادی کے ساتھ تمہاری شادیوں کا بھی جشن منایا۔ ایشیا میں تمہارے جتنے بچے ہوئے ان سب کی دیکھ بھال کا انتظام کیا گیا۔ میں نے تمہارے قرضے بے باق کئے اور کبھی نہ پوچھا کہ مقروض کیوں ہوئے۔ تم میں سے جنہوں نے جانیں دیں انہیں بہادروں کے اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ میری قیادت میں تمہارا ایک آدمی بھاگتا ہوا نہ مارا گیا۔ میں تمہیں دریائے سندھ کے پار لے گیا اور اگر پیٹھ نہ موڑتے تو دریائے بیاس سے بھی آگے لے جاتا۔ تم نے میرے ہاتھوں سے سنہری ہار لئے اب اگر واپس جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ...... سب چلے جاؤ اور وطن جا کر کہو کہ ہم اپنے بادشاہ سکندر کو مفتوح اجنبیوں میں چھوڑ کر چلے آئے ہیں۔ جاؤ، چلے جاؤ۔"

پھر وہ ہجوم میں سے راستہ پیدا کرتا ہوا اپنے خیمے میں چلا گیا اور اعلان کر دیا کہ میں اب کسی سے ملاقات نہ کروں گا۔ سپاہی اپنی جگہ ٹھہرے رہے۔ آہستہ آہستہ بات چیت کر کے سکندر کے فیصلے پر بحث کی۔ ہر ایک سمجھتا تھا کہ اسے جادو بھری زبان عطا ہوئی ہے

Marfat.com

اور اس سے پہلے بھی وہ ایسی باتوں سے سب کے دل مسخر کر چکا تھا۔ انہیں یہ بھی علم تھا کہ سکندر اپنی بات پوری کر کے رہے گا۔ ہم سب کو انعام دے دے گا اور رخصت کر دے گا خود نہ جائے گا۔ اور ہم جب مقدونیہ پہنچیں گے ہمارے متعلق کیا کہا جائے گا۔ دوسرے دن بھی یہ بحث جاری رہی انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ایرانی فوجیوں کو اعلیٰ عہدے دیئے گئے ہیں۔ ایشیائی رجمنٹوں کو محافظ فوج بنا لیا گیا ہے اور انہیں رفیقانِ خاص کی طرح روپہلی ڈھالیں دے دی گئی ہیں۔ تیسرے دن مقدونوی فوج پر ہراس کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بڑے بڑے افسر ہجوم کر کے سکندر کے خیمے پر پہنچے۔ ہتھیار خیمے کے دروازے پر رکھ دیئے اور پیغام بھیج دیا کہ جب تک ہماری بات نہ سنو گے دن ہو یا رات ہم یہاں سے نہ ہلیں گے۔ یہ حلف بھی اٹھا لیا کہ جن لوگوں نے ہمیں برافروختہ کیا ہے انہیں حوالے کر دیں گے۔

سکندر باہر نکلا تو انہوں نے آگے بڑھ کر ہاتھ پکڑ لئے۔ اس کا دامن تھام لیا اور مجرو الحاح کرنے لگے۔ سکندر کچھ نہ بول سکا۔ اس لئے کہ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔ ایک سردار نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہمیں سب سے زیادہ شکایت اس بات پر ہوئی کہ تم نے ایرانیوں کو عزیز بنا لیا اور ہمیں یہ عزت کبھی نہ دی۔ سکندر صرف اتنا کہہ سکا: ''تم میرے عزیز ہو تم سب عزیز ہو۔'' آدمیوں نے فوراً ہتھیار اٹھا لیئے اور نعرے لگاتے ہوئے اس کے آس پاس اچھلنے کدنے لگے۔ یہاں تک ان ہنے وعدہ کر لیا ہم اکٹھے جشن منائیں گے۔ اس نے پرانے طریقے کے مطابق ایک دعوت کا انتظام کیا جس میں مقدونوی افسروں کو اپنے قریب بٹھا لیا اور ایرانیوں کو ذرا دور بیٹھنے کا حکم دیا۔ جب شراب کا دور شروع ہوا تو سکندر نے اپنے آدمیوں کے ساتھ شراب پی۔ یونانی کاہن اور ایرانی موبد شکرانے کی اس مجلس میں اکٹھے تھے۔ سکندر نے شراب پی کر دونوں قوموں کی متحدہ دولت کیلئے دعا کی۔ سکندر اور اس کی فوج کے درمیان مدت سے جو کشمکش چلی آ رہی تھی دریائے دجلہ کے اس جشن پر ختم ہو گئی۔ سکندر نے حسب معمول اپنی مرضی منوالی۔ اس نے دریا کے کنارے پر تقریر کی تھی۔ اس نے جراح کے نشتر کی طرح لوگوں کے دل پر اثر کیا۔ وہ ان کی ذہنیت کو

Marfat.com

خوب سمجھتا تھا۔

ایشیا میں اس نے یونانی اور شامی جوانوں کو ایک خاص انداز میں تربیت دے دی تھی۔ لیکن مقدونویوں پر وہ قابو نہ پا سکا۔ اس کے نقطہ نگاہ میں بہت کم تبدیلی ہوئی۔ ہندوستانی مہم کے بہادر ویسے ہی رہے جیسے کا بیرونیا سے پیشتر تھے۔ خود رائے، دہقان، ضدی سونے کے حریص، اچھی، زمینوں، گاڑیاں ڈاور مویشی کے متمنی۔ علاوہ بریں ڈانہیں اپنی شاندار خدمات پر فخر تھا۔ وہ مطمئن تھے کہ اپنے سے زیادہ عقلمند ایشیائیوں پر تسلط حاصل کیا اور سکندر ان کا رفیق ہے جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔

سکندر نے ان کی ان خصوصیتوں سے پورا فائدہ اٹھایا۔ انہیں فاتح قرار دیا۔ اپنے لئے صرف ان سرزمینوں کی تسخیر کا اعزاز مخصوص رکھا جو جنگ کے بغیر فتح ہوئی تھیں۔ جنگوں کی مصیبتوں میں بھی وہ ان کے ساتھ رہا تھا۔ یہ دعوے بالکل سچے تھے۔ وہ اپنے بہادروں کی وفاداری کا سچا قدردان تھا۔ آخری دو سال میں مقدونوی سپاہی ہی اس کیلئے اضطراب کا بڑا باعث رہے تھے۔ بعض بڑے بڑے افسروں نے مشرقی طور طریقے اختیار کر لئے تھے اور وہ سکندر کے نئے نقطہ نگاہ سے متفق ہو گئے تھے۔ مثلاً ہفاسشن اور پیوسس ٹاس۔ ممکن ہے ہزاروں سپاہیوں بھی یہی کیا ہو اور ایشیائی عورتوں سے شادی کر کے آباد کاروں کی طرح نئی دنیا میں رہنے کیلئے تیار ہو گئے ہوں۔ لیکن سکندر اور ان مقدونویوں کے درمیان اختلاف رفع نہ ہو سکا جو گھر جانے کلئے ترس رہے تھے۔

چنانچہ یہ معاملہ سپاہیوں اور جمعیتوں پر چھوڑ دیا گیا۔ دس ہزار نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں تنخواہیں دے دی گئیں۔ واپسی کے سفر کی مدت بھی ملازمت یں شامل کر لی گئی۔ ہر ایک آدمی کو ایک ایک ٹیلنٹ انعام دیا گیا۔ (یہ رقم عام حساس کے مطابق ایک ہزار ڈالر کے مساوی سمجھی گئی لیکن حقیقتاً پندرہ ہزار ڈالر کے مساوی تھی) جو سپاہی ادائے خدمت میں جاں بحق ہو گئے تھے ان کے کنبوں کو تمام ٹیکسوں سے آزاد کر دیا گیا تھا اور ایسے حقوق دے دیئے گئے کہ وہ اپنا گزارہ بخوبی کر سکیں۔ سکندر نے صرف ایک شرط پیش کی اور

Marfat.com

وہ یہ کہ فوجی خدمت سے الگ ہونے والے سپاہیوں کے جو بچے ایشیائی عورتوں کے بطن سے تھے انہیں ساتھ لے جائیں اور اپنی طرف سے وعدہ کرلیا کہ ان سب کو مغربی پیمانے تعلیم دی جائے گی۔ جو سپاہی واپس گئے ان کی قیادت کو بیٹرس کے حوالے کی گئی۔ ساتھ ہی پرانی پیادہ فوج اور پرانے رسالے کے جیش ختم ہو گئے۔

سکندر کی زندگی ک ایک عجیب وغریب واقعہ یہ ہے کہ جو فوج اس کے باپ نے تیار کی تھی اور جو سکندر کی کامیابی کا سب سے پہلا وسیلہ تھی، اسے اس نے برباد کر دیا۔ دریائے دجلہ کے کنارے سے رخصت ہونے کے بعد پھر مقدونوی فوج کسی میں ڈ نہ اتی۔ جو مقدونوی جنگجو باقی رہ گئے تھے وہ اپنی سابقہ عظمت کا محض ایک سایہ تھے۔

فیلقوس نے تھسلی، اگریانا اور مقدونیہ کے آدمیوں سے ایک شہری فوج تیار کی تھی جو بڑی بلند حوصلہ تھی۔ یہ قومی فوج یوروشیائی سکیم میں کام کرنے کیلئے موزوں نہ رہی تھی۔ جو فوج سکندر کے پاس باقی رہ گئی وہ قوم کی نہیں بلکہ اقوام کی فوج تھی۔ سکندر نے مقدونوی جنگجوؤں کو اپنی دولت میں شریک کرنے کا ایسا کارنامہ انجام دیا جس کی کوئی مثال موجود نہ تھی۔ سچ یہ ہے کہ اس نے ہر ایک کو اپنے کارناموں میں حقیقتاً حصے دار بنالیا تھا۔

اپنی نئی مسلح فوج کو وہ صرف اپنی شخصیت کے بل پر رکھ رہا تھا۔ رضا کار یا بھرتی کئے ہوئے آدمی جن کی ترکستان کے پہاڑی علاقوں کے سرکش باشندے اور شمالی ہند کے لوگ شریک تھے، صرف اس کی بے پناہ شخصیت کے سامنے جھک گئے تھے۔ وہ صرف اپنے سپہ سالار کا حکم مانتیت ھے جس طرح بعد میں ہنی بال کی ملی جلی افریقی فوجیں صرف اپنے سپہ سالار کا حکم مانت تھیں۔ ہنی بال کی فوجوں کے برعکس اس ایشیائی فوج میں تنخواہ دار کوئی نہ تھے۔ سکندر ان سب کو رخصت کر چکا تھا۔ دراصل اس نئی فوج کی حیثیت پولیس کی تھی۔ دریائے نیل سے دریائے سندھ تک جنگ یا کشمکش کا کوئی نشان باقی نہ رہا تھا۔

○

Marfat.com

بائیسواں باب

بابل کے پانی

سکندر کے زیر نگین بہت سی قومیں آ چکی تھیں۔ عجیب امر یہ ہے کہ ان میں سے جس قوم کا کنٹرول اس کیلئے سب سے بڑھ کر مشکل ہو گیا وہ خود مقدونوی قوم تھی۔ مشرق میں قریباً امن تھا۔ اپنی واپسی کے وقت سکندر نے قیام امن میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا تھا۔ مصر حسب معمول نئے فرعون کے ماتحت بالکل سکون کی حالت میں تھا۔ مجوسیوں نے سکندر کو سابق ایرانی شہنشاہوں کا سچا ارث تسلیم کر لیا تھا۔ ہیکل یروشلم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا نے سکندر کو کورش کی طرح اپنا محافظ بنانے کیلئے التجا کی تھی۔ بابل کے پروہت اپنے دیوتا مردوج کے مندر از سر نو بنا رہے تھے اور سکندر کی مراجعت کا انتظار کر رہے تھے۔

یونانی شہروں سے بھی قاصد اور سفیر چلے آ رہے تھے۔ وہ سکندر کے پاس آتے ہی اسے ہار پہناتے اور دیوتا کی طرح اس کا احترام کرے (وہ عموماً اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیتا اور یونانی شہروں سے گئے ہوئے جتنے بت اور مجسمے اسے ملے تھے وہ یونانیوں کے حوالے کر دیتا) ایتھنز میں کاتھنیز کے ساتھیوں کو اگر سکندر کے دوست نہ سمجھا جائے تو کم از کم وہ غیر جانبدار ضرور بن چکے تھے۔ سپارٹا سکندر اور اس کے باپ کی مخالفت میں بڑی سرگرمی دکھا چکا تھا۔ لیکن تسخیر ایشیا کے بعد اس نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ بحیرۂ ایجہ اور بحیرۂ قلزم میں حلیفوں کے بیڑے گردش کر رہے تھے۔

لیکن مقدونیہ کے ہم خاندان ہر بیڑے سے بے پروا تھے۔ پیلا کے پہاڑی باشندے اہلِ قرطاجنہ کی طرح تجارتی کاروبار نہ کر سکتے تھے۔ بے شک ایشیا سے انہیں غلام بھی مل

Marfat.com

گئے تھے اور سونا بھی۔ مگر ایشیا پر انہیں حکمرانی کا موقع نہ ملا۔ پھر پھر کی تسخیر ان کے نزدیک کیا حقیقت رکھتی تھی۔ سکندر نے انہیں دوسرے انعامات تو بہت دیئے لیکن حکمرانی کا اختیار دینے کیلئے وہ تیار نہ ہوا۔ آریان لکھتا ہے کہ وہ خود تو کسی بھی چیز کا خواہاں نہ تھا لیکن جو لوگ اس سے وابستہ تھے انہیں بے اندازہ دولت دے دی۔ اس سال کی علیحدگی نے سکندر اور اس کے ہم قوموں کے درمیان اجنبیت پیدا کر دی تھی۔ سکندر کیلئے اولمپیاس کی جذباتیت، اینٹی پیٹر کی سخت گیر حکومت، کلوپیٹرا کی سازشیں اور ہرپالوس کی چوری کے واقعات بہت کم حیثیت اور دور افتادہ واقعات بن چکے تھے۔ اس نے ارسطو سے خط و کتابت بھی ترک کر دی تھی اور ارسطو مشائی فلسفیوں کے استاد کی حیثیت میں کتابوں کے انباروں کے اندر بیٹھا رہتا تھا۔ مشائیوں کی تعلیم یہ تھی کہ سکندر خوبی بخت سے کامیاب ہوا لیکن وہ اپنے تجاوزات ہی کے باعث مصائب میں مبتلا ہو جائے گا۔ سکندر نے یہ سنا تو کہا: جو لوگ میرے خلاف سازش کرنے والوں کو پناہ دیتے ہیں انہیں ضرور سزا دی جائے گی۔

یونانی اور مقدونوی دنیا کے اکابر کے نزدیک ایشیا کے فاتح کی حیثیت ایک دیوانے کی سی تھی۔ وہ بطور خود مشرقی سمت میں غائب ہو گیا تھا۔ وطن کے نوجوانوں کو بھی کھینچ کر باہر لے گیا تھا۔ انسانی زندگی کی قدر و قیمت کا اسے کوئی احساس نہ تھا۔ دیوانگی کا حملہ اس پر ہوا۔ دیوتاؤں کی بلند حیثیت سے اس نے انکار کر دیا۔ وہ اجنبی معبودوں کے سامنے جھکتا رہا۔ اس نے بربریوں کے درمیان سنہری پلنگ پر استراحت پسند کی۔ خوشبوئیں اس کے سامنے جلتی رہتی تھیں۔ اسے قوت کے نشے نے مدہوش کر دیا تھا۔ 323 ق م کے موسم بہار میں کیسنڈر اور ہرپالوس وطن لوٹے تو انہوں نے ایسی ہی باتیں پھیلائیں۔

وہ بابل میں دربار منعقد کرتے ہوئے گھبراتا تھا۔ اسے یہ پسند نہ تھا کہ شہر کے اہرام نما برجوں پر افسروں اور درخواست گزاروں کی قطاریں اس کے انتظار میں بیٹھی رہیں۔ جن پہاڑوں سے اسے محبت تھی، بابل کے معلق باغ ان کا اچھا بدل نہ تھے۔ اس کے برعکس وہ قزوین کے زمین بند سمندر (بحیرۂ قزوین) کی چھان بین کیلئے سکیمیں تیار کرنے میں لگ گیا۔ اس نے کہا کہ اس سمندر کے کنارے لکڑی کی کمی نہیں۔ اس سے بیڑا تیار کیا جا سکتا

Marfat.com

ہے..... بلکہ فونیقی اور کریٹی فنکاروں کو حکم دیا کہ جہاز سازی کا کارخانہ قائم کرنے کیلئے فوراً روانہ ہو جائیں..... پھر سمندر کا چکر لگا کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ آیا یہ بحیرۂ اسود سے ملتا ہے یا اس کا اتصال شمالی سمندر سے ہے۔ اگر آخری بات درست ثابت ہو گئی تو پھر ہمارے جہاز ربع مسکوں کے شمالی کنارے پر بھی جا پہنچیں گے۔ یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ آیا دریائے بحر اور دریائے ریگ دونوں بحیرۂ قزوین ہی میں گرتے ہیں؟ اس طرح ستھیوں کے وطن تک با آسانی پہنچنا ممکن ہو جائے گا۔

سکندر کو پرناسس کے ملنے کی کوئی امید نہ رہی تھی۔ اس نے ہمالیہ کی برف پوش چوٹیاں دیکھ لی تھیں جو زمین کی آخری بڑی فصیل تھا۔ وہ عقابوں کی پرواز دیکھ چکا تھا۔ اس کے قدم مکران کے ایک ریگ زار کی پیمائش کر چکے تھے اور اسے بیرونی سمندر کے مدوجزر کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ وہ دارا کے تخت پر نہیں بلکہ اپنے تخیل کی شان و شکوہ کے تخت پر بیٹھ کر اپنی اس دنیا یعنی طبیعات کی دنیا میں سیر دگردش کرتا رہتا تھا۔ زمین کے متعلق اس کے تصورات واضح ہو چکے تھے اس اثناء میں ہفااسشن کے انتقال کی خبر ملی۔ اس سے سکندر کو سخت صدمہ پہنچا۔ ہفااسشن صرف سات روز بخار میں مبتلا رہا تھا۔ طبیب اس کا علاج نہ کر سکے تھے۔ کلائٹس کو سکندر خود مار چکا تھا۔ اب ہفااسشن بھی بچھڑ گیا تو سکندر نے سمجھا کہ اس کی ذات چیز چھن گئی ہے۔ ماتم کے جوش میں اس نے حکم بھیجا کہ ہفااسشن کے اعزاز میں ایکبتانہ کے اندر کھیلیں جاری رہنی چاہئیں اور جتنے لوگ اس میں حصہ لیں وہ مرنے والے عزیز دوست کی یاد میں قربانیاں کریں۔

جو یونانی نقل وطن کر کے آئے تھے ان میں سے سکندر کو ایک خوش فکر فنکار مل گیا جس کا نام سٹاسی کرتیز[1] تھا۔ وہ ہفااسشن کی قبر کا بڑا اچھا نقشہ بنا سکتا تھا۔ فیصلہ ہوا کہ صندل اور دیودار کی لکڑی استعمال کی جائے جسے ایلوے اور دوسری خوشبوؤں میں بسا دیا جائے۔ اس کی وضع قطع مندر کی سی ہو اور ایکبتانہ کے خزانے دس ہزار ٹیلنٹ کی رقم اس پر صرف کی جائے۔ سکندر نہیں چاہتا تھا کہ یہ یادگار نذرِ آتش ہونے پائے مگر یہ نذرِ آتش ہوئی۔ سکندر کی تجاویز کی عظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سٹاسی کرتیز نے خود اس کی خوشنودی حاصل کرنی

Marfat.com

چاہی اور اس کی یادگار کا ایک عجیب نقشہ بنا رکھا تھا جس کے سامنے مصر کے اہرام بھی بے حقیقت رہ جاتے۔ اس نے کہا کہ میں کوہ ایتھوس کی چٹان کو کاٹ کر سکندر کا مجسمہ تیار کروں گا۔ دس ہزار باشندوں کا شہر اس کے بائیں جانب ہوگا اور دریا اس کے دائیں جانب سے بہتا ہوا سمندر میں گرے گا۔ یہ مجسمہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ سٹاسی کریٹیز نے قسم کھا کر کہا کہ اسی قسم کا مجسمہ سکندر کے شایان شان ہو سکتا ہے۔

لیکن سکندر ایسی باتیں سننے کیلئے بھی تیار نہ تھا۔ وہ ایکبتانہ سے یہ کہہ کر نکلا کہ ایک مہم پر جا رہا ہوں۔ بطلیموس کو ساتھ لے لیا۔ وہی اس کے پرانے دوستوں میں سے باقی رہ گیا تھا اور جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے نہایت کٹھن پہاڑی راستہ اختیار کیا جسے لوگ چھوڑ چکے تھے۔ بعض اوقات برف پوش چوٹیوں کے قریب پہنچ جاتا۔ اشوری بادشاہوں نے پہریداری کیلئے جابجا برج بنا رکھے تھے۔ جب اسے خبر ملی کہ نیارکس بابل پہنچ گیا ہے تو وہ بھی پہاڑوں کو چھوڑ کر میدان میں اتر پڑا جہاں ہرکاروں کی سڑک واقع تھی۔ لوگ اس کے سلام کیلئے ہجوم کی شکل میں جابجا جمع تھے۔ چند سال پیشتر وہ گاگامیلہ کی جنگ کیلئے اسی سڑک سے گزرا تھا۔ بربری قبیلوں کے قاصد دور دور سے اس کے پاس پہنچے ہوئے تھے۔ وہ افریقہ کے لیبری کے علاوہ اڑمسکنوں کی طرف سے بھیجا تحائف اور پیغامات خیر مقدم لائے جو یونان کے مغربی حصے میں رہتے تھے۔

راستے میں اسے مروج کے پروہتوں کا ایک گروہ ملا جس نے کہا: "خداوند! باب بابل سے اندر نہ جایئے۔ اگر آپ دوبارہ اندر جائیں گے تو آپ پر آفت نازل ہوگی۔"

سکندر: پیشگوئی ایک قیاس کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

ساتھیوں نے کہا کہ اس انتباہ کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ کلازید کے ہیئت دانوں کو یونانیوں کے مقابلے میں انسانوں کی تقدیر کے متعلق بہتر علم حاصل ہے۔ جن لوگوں کو اس قسم کی باتوں پر اعتقاد نہ تھا۔ وہ بولے کہ یہ پروہت مروج کے مندر دوبارہ بن جانے کے باعث بے حد دولت مند ہو گئے ہیں اور نہیں چاہتے کہ سکندر شہر میں پہنچے اور ان کے حسابات کی جانچ پڑتال کرے۔ سکندر کو یاد آیا کہ ایرسٹانڈر نے جو مر چکا تھا، اسے متنبہ

Marfat.com

کیا تھا کہ مندر دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت نہ دینی چاہئے سکندر نے انتباہ کا کچھ خیال نہ کیا وہ تو بابل کو اپنی وسیع مملکت کا مرکز حکومت بنانا چاہتا تھا اور نیارکس وہاں اس کا منتظر تھا۔

وہ شاہی محل کی چھت پر چلا گیا جہاں رات کے وقت ٹھنڈی ہوا چلتی تھی اور نیچے بازاروں میں مشعلوں کی روشنی ایسی نظر آتی تھی جیسے جگنو چمک رہے ہوں۔ وہاں نیارکس کے ساتھ عرب میں مہم بھیجنے کی سکیم پر بحث وغور کیا کرتا تھا جہاں سے خوشبوئیں آتی تھیں۔ سکندر نے کہا کہ آرکیاس بھی واپس آ گیا ہے اس نے مغربی ساحل ایک جزیرے تک دیکھ لیا اور جیسا کہ تمہارا (نیارکس کا) خیال تھا۔ سمندر نے وہاں خلیج کی سی صورت اختیار کر لی ہے۔ میں نے اس جزیرے کا نام اکاروس[3] رکھا ہے۔

نیارکس کو ان باتوں کا علم تھا لیکن اسے یہ علم بھی تھا کہ سکندر اکتشافات کے متعلق اس طرح گفتگو کیا کرتا ہے جیسے وہ خود موقع پر موجود تھا اور خود احکام جاری کر رہا تھا۔ امیر بحر (نیارکس) نے بتایا کہ ہیرون[4] ساحل کے ساتھ خلیج کے اندر تک چلا گیا۔ پھر لوٹا اور کنارے سے جہاز لگا تو اس نے دیکھا کہ ہر طرف صحرا ہی صحرا ہے۔

سکندر: وہ لوٹ کیوں آیا؟

نیارکس: آگے جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔

سکندر نے قہقہہ لگایا۔ اسے یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی کہ کوئی شخص صرف ڈر کے مارے لوٹ آئے۔ نیارکس نے بتایا کہ ہیرون کے اندازے کے مطابق عرب کی سرزمین ہندوستان جتنی بڑی تو ضروری ہوگی۔ سکندر یہ سن کر بہت خوش ہوا اور فیصلہ کر لیا کہ عرب کے اردگرد جہازوں کا چکر ضرور لگے گا۔ میں خود ایک مہم خشکی کے راستے لے جاؤں گا۔ نیارکس ساحل کے ساتھ ساتھ جہاز لے کر چلے گا۔ اس طرح ہم دونوں سرزمین نیل میں پہنچ جائیں گے اور صحراؤں کے جنوب میں جن اسرار سے ابتک پردہ نہیں ہٹا انہیں بے پردہ کر کے رہیں گے۔

بابل میں جہاز سازی شروع ہوگئی۔ دس دس اور تیس تیس چپوؤں والے جہاز بننے لگے۔ سکندر ایک نئے جہاز پر سوار ہو کر امتحان کی غرض سے دریا کی جنوبی سمت میں گیا۔ اس

Marfat.com

طرح وہ نہروں کا نظام بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ پھر آبی راستے ہی سے دوبارہ بابل میں داخل ہوا۔ پرستاس نئی فوج لے کر ایران سے آ گیا تھا۔ سلیوکس اپنے ساتھ ہاتھیوں کی ایک قطار لایا۔ اس رات سکندر صبح تک شراب پیتا رہا۔ بے چینی میں اسے نیند نہ آتی تھی۔

جب اسے نیند نہ آتی وطریقہ یہ تھا کہ صبح کی قربانی کے بعد وہ دریا پر پہنچ جاتا، تیرتا اور اس پار سے اس پار چلا جاتا۔ دوسرے کنارے پر حوض کے پاس شامیانہ لگا ہوا تھا۔ وہاں لیٹ جاتا اور دن کی گرمی سے محفوظ ہو جاتا۔ یکایک اسے محسوس ہوا کہ بخار آ رہا ہے۔ اس نے دوبارہ چشمے میں غسل کیا اور سونے کی کوشش کی۔ افسروں کو حکم دیا کہ سورج نکلنے پر حاضر ہوں۔ آریاں لکھتا ہے:

''رات کے وقت بخار تیز ہو گیا۔ اس نے معمول کے مطابق قربانی کی اور نیارکس کو حکم دیا کہ جہاز تیسرے دن روانہ ہو جانا چاہئے۔ اگلے دن قربانی کے وقت وہ بخار کی شدت کے باعث خاموش نہ رہ سکا۔ افسروں سے برابر باتیں کرتا رہا کہ بیڑے کی روانگی کیلئے انہی ہر چیز تیار رکھنی چاہئے۔

تیسرے دن وہ اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ قربانی کیلئے پالکی میں بٹھا کر لائے۔ اسی حالت میں اسے واپس لے گئے۔ جرنیل اور دیوانی کے افسر محل کے دروازے پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ جب وہ لوگ اس کے کمرے میں داخل ہوئے تو انہیں پہچان تو رہا تھا لیکن بول نہ سکتا تھا۔ دو دن اور دو رات بخار تیز سے تیز تر ہوتا رہا۔

سپاہیوں کو یہ خبر ملی تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ سکندر کہیں مر نہ گیا ہو اور راز دراز افسر اس حقیقت کو چھپا رہے ہوں۔ ان میں سے بعض محل میں پہنچے۔ وہ رو رہے تھے اور زبردستی اس کے کمرے میں گھس گئے۔ ایک ایک کر کے اس کے سامنے سے گزرے۔ وہ اب بھی بول نہ سکتا تھا۔ البتہ اپنے دائیں ہاتھ سے ان کے سلام کا جواب دیتا تھا اور بمشکل اپنا سر اٹھاتا تھا۔

کچھ دیر بعد عالمِ بقا کو سدھارا۔ صرف بتیس سال اور آٹھ مہینے کی عمر پائی۔

○

Marfat.com

تیسواں باب

سکندر کے بعد

سکندر مقدونیہ کی وفات بخت نصر کے محل میں اچانک ہوئی جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ غالباً وہ ملیریا کا شکار ہوا۔ اس کی فوج کا ہر معمولی سپاہی بیماری کے اس حملے سے جانبر ہوسکتا تھا لیکن سکندر نے محنت و مشقت سے اپنے جسم کو گھلا دیا تھا اور آخری سنین میں اس کے قلب و روح بھی تھک کر چور ہو گئے تھے۔ غالباً اس کی موت زیادہ تر بخار سے نہیں بلکہ جسمانی تکان و زخموں کے باعث ہوئی۔

وہ جوانی ہی میں چل بسا اور سلطنت کا جو خواب اس نے دیکھا تھا اس کی تعبیر ادھوری رہ گئی۔ طبعاً سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ تعبیر پوری ہوسکتی تھی؟ دورِ حاضر کے بعض مصنفوں کا خیال یہ کہ جو کام اس نے اپنے ذمے لیا تھا وہ انسانی طاقت سے باہر تھا۔ سکندر کو خوش نصیب سمجھنا چاہئے کہ وہ اس نظام کی برہمی کا رنج اٹھانے سے پیشتر ہی دنیا سے اٹھ گیا۔ حقیقت حال کے معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔

جو کچھ اس نے کیا وہ ہمیں معلوم ہے اور فارے[1] ٹھیک کہتا ہے کہ یہ اتنا اہم نہیں جتنا اہم وہ ہے جس کیلئے اس نے کوشش کی۔ اس بارے میں بھی ہمارے سامنے کوئی واضح شہادت موجود نہیں۔ جو حالات اسے پیش آئے، ان سے عہدہ برآ ہونے کا بندوبست کرلیا گیا۔ جن مشکلات سے سابقہ پڑتا رہا انہیں راستے سے ہٹاتا گیا۔ وہ مشکلات پر اتنا مضطرب نہ تھا جتنا اپنے ساتھیوں کی بے یقینی پر مضطرب تھا۔ آخری سنین میں اس نے تمام قوموں کو تہذیب کے

Marfat.com

نئے راستے پر اتنی قوت سے آگے بڑھا دیا تھا کہ وہ پرانے طور طریقوں پر واپس نہ جا سکتے تھے۔ اس نے انسانیت سے بالا قوت و طاقت استعمال کر کے اپنے زمانے کے تمام معیار درہم برہم کر ڈالے تھے اور اس طرح ان قوتوں کو حرکت میں لے آیا تھا جنہیں آگے بڑھنے سے روکا نہ جا سکتا تھا۔ سکندر کے احوال و ظروف میں جو عجائبات پیش آئے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی زندگی کے اثرات موت سے پیشتر ٹھیک نمایاں نہ ہو سکے۔ جن قوتوں کے پاؤں سے اس نے زنجیریں اتار دی تھیں وہ مدت تک انسانی تاریخ پر گہرا اثر ڈالتی رہیں۔ یہ اثر ہم اب بھی واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

مقدونیہ

سکندر کی عالمگیر سلطنت کے خلاف جو جنین کی حالت میں تھی پہلا ردعمل اس کے وطن مقدونیہ میں ہوا جو اس کی توجہ سے زیادہ تر محروم رہا۔ وہ کوئی قطعی لقب اختیار کرنے سے پیشتر مر گیا۔ اس کے وطن کے اکثر پہاڑی لوگ سمجھے بیٹھے تھے کہ سکندر ایشیا پہنچ کر یا تو دیوانہ ہو چکا ہے یا اس نے مطلق العنان فرمانبرداری کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ کریٹرس اس وقت تک یونان نہ پہنچا تھا۔ اختیارات کی باگ اینٹی پیٹر کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے فوجی قوت سے کام لے کر پورے یونان پر قبضہ کر لیا، حالانکہ سکندر نے اپنی زندگی میں ایسے اقدام کی اجازت نہ دی تھی۔

ڈیماستھنیز نے یونان کی آزادی کو بچانے کیلئے آخری کوشش کی۔ وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ تو جان بچا کر آئی جینا[2] بھاگ گیا۔ مقدونیہ کے طلایہ گردستے اس کی تلاش میں آئی جینا پہنچے تو ڈیماستھنیز نے ایک مندر میں پناہ لے لی اور قید ہونے کے بجائے خودکشی کر لی۔ ارسطو پر لامذہبی الزام لگا اور وہ وطن چھوڑ کر چیلس[3] چلا گیا جہاں ایک سال بعد وفات پائی۔ اس طرح اس دور کی تین زبردست ہستیاں ختم ہو گئیں یعنی سکندر، ڈیماستھنیز اور ارسطو تینوں اپنے اپنے دائروں میں اتنی بلند حیثیت کے مالک تھے کہ بعد کی نسلوں میں سے کوئی

Marfat.com

ان کے برابر نہ پہنچ سکا۔

خود یونان میں سکندر کو دیوتا سمجھا جاتا تھا اور آخری دور کے ہرقل یا اپانو کی حیثیت میں اس کی پوجا کی جاتی تھی۔ اس کیلئے قربانیاں کی جاتیں، مورتیاں بنائی جاتیں اور لوگ ان کے سامنے جھکتے۔ سکندر پرستی کا یہ آغاز تھا۔ یہ سب کچھ رسمی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن اس سے اس تبدیلی کی شہادت ضرور ملتی ہے جو پیش آ چکی تھی۔ ایتھنز والوں کے نزدیک سکندر مقدونیہ کا بادشاہ نہ رہا تھا۔ ایک خاص مدت کیلئے اس نے ایتھنز کے ہاتھ سے فکر ونظر کی قیادت چھین لی تھی اور غور وخوض کے ایسے نئے میدان کھول دیئے تھے جو اہلِ علم کیلئے تحیر کا باعث تھے۔ یونانیوں نے اس مسئلہ کو یوں طے کیا کہ سکندر کو دیوتا مان لیا اور درس گاہوں میں حسب معمول اپنی بحثوں پر متوجہ ہو گئے۔

مقدونیہ کی تقریباً نصف آبادی مشرق کی طرف جا چکی تھی یا قتل ہو چکی تھی۔ جاگیر دار امراء کی تعداد خاصی گھٹ گئی تھی۔ کسانوں میں شعور پیدا ہو چکا تھا اور انہوں نے شاہی خاندان یا اولمپیاس کی غلامی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان داخلی جھگڑوں کے علاوہ ایشیائے کوچک میں مسلسل کشمکش شروع ہو گئی جہاں یک چشم اینٹی گونس مالک و مختار بن گیا تھا۔ یونانیوں نے فنکار مزدوروں کے کام سنبھال لئے اور فوج کی حیثیت پرانے زمانے کے پیشہ وروں کی سی رہ گئی۔ ان میں سے کوئی بھی چیز بعد ازاں بربری رومی لشکر سیل کی طرف آئے تو ان کو بھی پیچھے نہ ہٹایا جا سکتا اور دو صدی سے بھی کم مدت میں بربری رومی لشکر سیل کی طرح آئے تو ان کو بھی پیچھے نہ ہٹایا جا سکا۔

جانشین

جب سکندر نے بابل کے محل میں وفات پائی تو بطلیموس، سلیوکس، پرڈکاس، پیوسس ٹاس اور نیارکس اس کے پاس موجود تھے۔ یہ طاقتور رفیق جو کچھ ضروری سمجھتے تھے وہ غور وفکر کا محتاج نہ تھا، ان کا فیصلہ یہ تھا کہ یوروایشیائی سلطنت کو فیلقوس اور سکندر کے وارثوں کیلئے

Marfat.com

محفوظ رکھنا چاہئے۔ وارث دو تھے ایک فاتر العقل روہی ڈائیس جواب سن بلوغت کو پہنچ چکا تھا۔ وصاحب عزم سپاہی تھا اور شاہی خاندان سے اس کی رشتہ داری تھی۔ موقع شناس بطلیموس نے یہ سند کیا کہ اسے مصر کا گورنر بنا دیا جائے۔ وہ ہمیشہ مصر کا آرزومند رہتا تھا۔ سلیوکس نے ان تمام علاقوں کا انتظام سنبھال لیا جو بابل کے مشرق میں تھے اور انہیں کو دراصل مشرقی علاقے سمجھنا چاہئے۔

مناسب یہ تھا کہ سکندر کا تابوت مقدونیہ بھیجا جاتا لیکن بطلیموس نے یہ تابوت مصر سے جانے کا بندوبست کرلیا۔ اس طرح اپنا اقتدار بہت بڑھا لیا۔ آگے چل کر اس نے تھائیس سے شادی کرلی۔ ممفس اور سکندریہ میں بطلیموس نے ایک نئے حکمران خاندان کی بنیاد رکھ دی جیسا کہ امید کی جاسکتی تھی، مشقت پسند سلیوکس کے مقابلے میں بطلیموس نے بادشاہی کے لطف زیادہ اٹھائے۔ سلیوکس اپنے آپ کو پوری سلطنت کا محافظ سمجھتا تھا۔ انہیں دونوں کے متعلق دانیال ہی کی پیشگوئی میں ذکر آیا ہے:

''جنوب کا بادشاہ بہت طاقتور ہوگا لیکن اس کا ایک سپہ سالار طاقت میں اور بھی بڑھ جائے گا اور وہ سلطنت کا مالک بن جائے گا۔''

بطلیموس نے سکندریہ میں ایک کتب خانہ تعمیر کرایا جہاں اس کا سوتیلا بھائی نظر بند تھا۔ تھائیس ممفس میں ملکہ کے فرائض انجام دیتی رہی اور اس سے تین بچے ہوئے۔

سکندر جو تاج اور شہنشاہی ایرانی لباس پہنتا تھا اسے پہننے کی جانشینوں میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی یا کہہ لیجئے کہ انہوں نے اس بارے میں کوئی توجہ نہ کی۔ انہوں نے دوسرے ہی شاہی لباس پر قناعت کی یعنی مرصع سربند، ارغوانی لبادہ، سرخ رنگ کے بوٹ اور مقدونوی لباس جسے ایشیائی وضع دے دی گئی تھی۔ اس لباس کو بعد ازاں بیزنطینی شہنشاہوں نے استعمال کیا (سکندر داڑھی مونچھ دونوں منڈواتا تھا۔ جانشینوں نے بھی آقا کی پیروی کی۔ یہاں تک کہ یونانیوں میں داڑھی کا رواج نہ رہا اور غالباً انہیں کی یہ رسم روما پہنچی)۔

سکندر نے ان جانشینوں کیلئے حکومت کا واضح نقشہ چھوڑا تھا۔ وہ صرف سکندر کی مثال

Marfat.com

اوراس کا مقصد سامنے رکھ سکتے تھے۔ یہ کام ان سے نہ ہوسکا۔ انہوں نے بہت کچھ کیا لیکن جیسا کہ اولمپیاس بار بار شکایت کر چکی تھی، وہ بادشاہوں کی برابری حاصل کر چکے تھے فوجی اختیارات اور ملکی نظم ونسق کے صیغوں کو وہ الگ الگ نہ رکھ سکے اور انجام کار پرانے زمانے کی طرح ٹیکس جمع کرنے والوں پر ان کا انحصار رہ گیا۔ سلیوکس ان علاقوں کو جو انتہائے مشرق میں واقع تھے یکجا نہ رکھ سکا جو یونانی، باختریا سغد میں آباد ہو گئے تھے۔ سکندر کی موت کی خبر سن کر انہوں نے بغاوت کردی اور وطن کا راستہ لیا۔ ہندوستان کے مفتوحہ علاقے سلیوکس چندر گپت کو دے کر ہاتھیوں کی قطار لے لی۔

انہوں نے مقدونوی بول کی جگہ یونانی کو سرکاری زبان بنالیا۔ تجارت میں ملی جلی بولی استعمال ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ جانشین الگ الگ ریاستوں کے بادشاہ بن گئے۔ صرف یونانی ثقافت انہیں ایک دوسرے سے وابستہ کئے ہوئے تھے جسے ایشیائیوں پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ سکندر نے مقدونیہ اور ایران کی تہذیب کو ملانے کی کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں غیر محسوس طریق پر یونانی وایشیائی معاشرے کی حیثیت اختیار کر لی۔ یہی معاشرہ پھر یونانی دنیا کے نام سے مشہور ہوا جن امراء کو مقدونیہ کی کے شاہی دربار میں مصاحبوں کا درجہ حال تھا۔ وہ نئی سلطنت میں بکھرے ہوئے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ قوی ہوتے گئے اور اپنے آپ کو بادشاہ کے حلیف کہنے لگے۔ انہوں نے سپہ گیری کو پیشہ بنالیا۔ چاندی کی ڈھالیں استعمال کرتے اور جو سپہ سالار انہیں زیادہ تنخواہ دینے پر آمادہ ہوتا۔ اس کی خدمت گزاری کیلئے تیار رہتے۔

جو آدمی سکندر کی یاد قائم رکھنے کے دل سے خواہاں تھے۔ ان میں یہ تغیرات بالکل ناگزیر تھے۔ اصل تفرقہ اس خانہ جنگی سے پیدا ہوا جو مقدونیہ میں شروع ہوئی۔ اس کی ذمہ دار خود پرست اولمپیاس تھی جس نے سکندر کی وفات سے چھ سال بعد ارہی ڈائس کو زہر دلا کر مروایا دیا۔ اس طرح روشنک کا بیٹا پوری سلطنت کا وارث رہ گیا۔ (بظاہر یہ معلوم ہوتا کے اولمپیاس نے سکندر کے ان جانشینوں کو جو مشرق میں بیٹھے تھے اس امر پر آمادہ کر لیا تھا کہ باختری شہزادی اور اس کے بیٹے کو پیلا بھیج دیا جائے)۔ پرڈکاس اور اینٹی پیٹر دونوں مر

Marfat.com

گئے۔ جب ایشیائے کوچک اور مقدونیہ کے درمیان کھلم کھلا جنگ شروع ہوگئی تو کیسنڈر نے جو سکندر کا مجسمہ دیکھ کر کانپ اٹھا تھا، مقدونیہ کے شاہی خاندان کے خلاف اینٹی گونس کے خاندان کا ساتھ دیا۔ اس طرح اینٹی پیٹر کے بیٹے کیسنڈر نے جو سکندر کا دشمن تھا مقدونوی شاہی خاندان کی تباہی کا کام شروع کیا۔

310 ق م کینڈر نے اولمپیاس، روشنک اور سکندر کے دوازدہ سالہ بیٹے کو گرفتار کر لیا۔ اس نے ہر چند کوشش کی لیکن سپاہیوں میں سے کوئی بھی اولمپیاس یا روشنک یا سکندر کے بیٹے پر تلوار اٹھانے کیلئے تیار نہ ہوا۔ وہ خاصی بوڑھی ہو چکی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس شخص کی ماں، بیوی اور بیٹے کو قتل نہیں کر سکتے جسے دیوتا سمجھ رہے ہیں۔ کیسنڈر نے خود اولمپیاس، روشنک اور سکندر کے بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھے اور انہیں ڈبو کر مار ڈالا۔ اس طرح فیلقوس اور سکندر کا آخری انسانی رشتہ ختم ہو گیا اور مقدونیہ کے سپہ سالار اپنے کاموں میں آزاد ہو گئے۔ یوریشیا کی سلطنت کا والی وارث کوئی نہ تھا۔ چار سال بعد اینٹی گونس نے اپنے آپ کو سلطنت کا تنہا وارث قرار دیا۔ یہ وراثت اسی صورت میں عمل پذیر ہو سکتی تھی کہ مقدونوی فوج اس پر راضی ہو جاتی۔ رفتہ رفتہ خانہ جنگی کے باعث سکندر کی عالمگیر سلطنت چار حصوں میں بٹ گئی۔ مقدونیہ اور ایشیائے کوچک اینٹی گونس نے سنبھال لئے۔ مصر پر بطلیموس قابض ہو گئے۔ شام سے ہندوکش تک کا علاقہ سلیوکس کے قبضے میں آ گیا۔ سرحدی علاقوں کے متعلق یہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ آرمینیا نے آزادی حاصل کر لی۔ یہودیوں نے فسلطین میں ایک آزاد حکومت کی طرح ڈال دی۔ ان سب کے درمیان اشتراکی رشتہ صرف ثقافت تھا، لیکن یہ سیاسی تفرقہ یا ہنگامی جنگیں، اس تنظیم و ترکیب کو نہ روک سکیں جو درباروں سے باہر معرضِ عمل میں آ چکی تھیں۔

محرک قوتیں

حقیقت یہ ہے کہ یونانی دنیا میں وہ تحریکیں بروئے کار آ چکی تھیں جنہیں نئے شاہی

Marfat.com

قانون یا فوجی قوتیں قابو میں نہ رکھ سکتی تھیں۔ یونانی شہر آزاد رہے تھے۔ اگر چہ کمزور تھے ان میں بیرونی دنیا کے ساتھ تعلق کی خواہش ترقی پانے لگی۔ پرانی داخلی جنگوں کے بارے میں دلوں پر ہراس پیدا ہو گیا تھا۔ فلسفیوں نے اپنے تصورات کو چھوٹے چھوٹے شہروں سے اٹھا کر انسانوں کی وسیع دنیا پر پہنچا دیا۔ لذتویوں[4] کی محدود نفاست و شائستگی یا منتخب افراد کی مختاری جس کی تلقین افلاطون اور ارسطو کے پیرو کر رہے تھے اب سب سے بڑی نیکی معلوم نہ ہوتی تھی۔ افلاطون یا ارسطو میں کسی نے بھی اپنے منتخب گروہوں سے باہر رہنے والے انسانوں کا خیال نہ کیا تھا۔ ان کے تصورات کچھ اس قسم کے تھے کہ تہذیب و شائستگی کے اس دائرے سے جو لوگ باہر رہ جائیں انہیں یا تو غلام سمجھنا چاہیے یا دشمن۔ جو لوگ نئے خیالات سے متاثر ہو کر بروئے کار آتے وہ رواقوں میں تعلیم دیتے تھے۔ اس وجہ سے رواقی[5] کہلائے۔

ان لوگوں کے نزدیک چھوٹے چھوٹے شہر یا قدیم یونان کے مندر اور گھر بار اتنے اہم نہ تھے جتنا کہ تصورات کا عالمگیر مرکز رہا تھا۔ رواقیوں خصوصاً ان کے لیڈر زینو نے جو اصول الفاظ میں پیش کیے تھے سکندر کی علاقائی توسیع اور مزعومہ یوریشیائی سلطنت کے بعد تمام یونانیوں کے افکار و خیالات میں رچ چکے تھے۔ پرانی قومیں درہم برہم ہو گئیں۔ مختلف قوموں میں امتزاج پیدا ہوا۔ عالمگیر زبان پیدا ہوئی اور انسانوں میں نئی رفاقت کا جذبہ ابھر آیا۔ مخلوط انسانیت کی راہوں میں نئے عالمگیر مذہب کے پیشوا نمودار ہونے والے تھے۔ یہ عالمگیر مذہب مسیحیت[6] تھا۔

مشرق کی طرف نقل وطن کی جو تحریک سکندر نے پیدا کر دی تھی وہ اتنی شدت اختیار کر چکی تھی کہ اسے روکا نہ جا سکتا تھا۔ مشرق میں نئے انکشافات نے طالع آزماؤں کے مختلف گروہوں کو بحیرۂ روم کے جزیروں اور کناروں سے اٹھا کر ایشیا کے زرمال اور وسیع مزرعوں پر پہنچا دیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کولمبس کے ہاتھوں نئی دنیا کی دریافت کے بعد سولھویں اور ستارھویں صدی میں یورپ سے ہمتورہ غیر مطمئن اور مذہبی اختلافات کے

Marfat.com

مارے ہوئے لوگ امریکہ پہنچ گئے۔

سکندر نے جو نیا سکہ جاری کیا تھا اس پر اس کے سر کا نقش تھا ساتھ شیر کی یال بنی ہوئی تھی۔ یہ نقشہ لسی پس نے بنایا تھا۔ یہی سکہ یونانی دنیا میں تبادلے کا معیار بن گیا۔ سکندر کی وفات کے وقت ایکبتانہ کے خزانے میں صرف پچاس ہزار ٹیلنٹ رہ گئے تھے۔ اس کے پیشرو ایرانی شہنشاہوں نے سونے کے جن انباروں کو اپنے خزانوں میں بند کر رکھا تھا سکندر نے انہیں باہر نکال کر رواج عام دے دیا اور سونے کا سیل ہر طرف بہہ نکلا۔ تاجروں اور سپاہیوں کے ذریعے سے یہ سونا دور افتادہ حدود کی نو آبادیوں تک عام لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ ساتھ ہی ایشیائی اپنے نسلی تعصبات سے آزاد ہونے لگے اور نئے مرکزوں میں مغربی دنیا کے جو لوگ آباد ہو گئے تھے ان کے ساتھ میل جول شروع ہوا۔

غیر محسوس طریق ثقافت اور سرگرمیوں کے مرکز بھی مشرق کی طرف حرکت کرنے لگے۔ نئے سکے کے رواج نے ایتھنز کے درہم کی قیمت نصف کر دی لہٰذا ایتھنز کو بحیرۂ روم کی تجارتی ملکہ ہونے کا جو منصب حاصل تھا وہ بھی چھن گیا۔ ایشیائی ساحل کے قریب جزیرہ روڈز نے ایتھنز سے زیادہ اہمیت حاصل کر لی۔ ایشیائی ساحل پر نئے نئے شہر بنتے گئے جن میں جدید افکار و اوضاع نمایاں تھے۔ مثلاً یہ گلیم کی گلیاں پختہ تھیں۔ درس گاہوں کے رو کار سنگ مرمر کے ستونوں سے آراستہ تھے۔ عوام کے اجتماع کیلئے بڑے بڑے ہال موجود تھے۔ تیرنے کیلئے حوض اور چھت کے بغیر تھیٹر تھے۔ پرگیمم کے جنوب میں انطاکیہ[7] نے عظیم الشان حیثیت حاصل کر لی۔ یہ شہر ایسی وادی میں واقع تھا جہاں دو آبہ جلہ و فرات سے تین تجارتی شاہراہیں آ کر ملتی تھیں۔ یہاں مشہور سرکس اور باغات تھے، بعد میں انطاکیہ تھکے ہوئے رومی تاجروں کی آسائش گاہ رہا اور نصرانیوں کے ابتدائی مرکزوں میں سے ایک مرکز تھا۔

یہ نئے شہر دریائے نیل کے مشہور شہر سکندریہ کی طرح پرانے یورپی شہروں کے اوضاع سے بالکل مختلف تھے، پرانے یورپی شہروں کی گلیاں تنگ ہوتی تھیں اور وہ حصار اور مندر کے

Marfat.com

اردگرد بنائے جاتے تھے۔ ایتھنز بھی اسی طرح اپنے بالا حصار کے گرد آباد ہوا تھا۔ رمہ پرگیم اور انطاکیہ کے یونانی مرکزوں کے برعکس رومہ بھی زیادہ جدید وضع کا شہر نہ تھا۔ نئے شہروں نے پوپیائی کیلئے نمونے کا کام دیا۔ ہاں کوشک بھی بنے، حمام بھی، اور تفریح کے باغات بھی۔ ان شہروں کے وسط میں تفریحی پارک ہوتے تھے۔ نیز کالج، بین الاقوامی ایوان، تھیٹر اور شفاخانے۔ ان کے ارگرد نئے معاشرتی نظام نے فروغ پایا۔ یہ رومی حکومت کے زمانے میں بھی بدستور قائم رہے اور ان میں معیشت کا پیمانہ بہت بلند تھا۔ اس تہذیب یافتہ مشرق ادنیٰ یا یوریشیا میں مغرب سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے تاکہ زرخیز خطوں میں زندگی بسر کریں جہاں سورج کی روشنی خوب ہوتی تھی۔ فرصت کے اوقات میں گانے سنے جاتے تھے اور دور تک پھیلی ہوئی کارروانی شاہراہیں آبادکاروں کو سیاح کی دعوت دیتی تھیں۔

یونانی ثقافت یونانیوں سے نکلی تھی لیکن یوریشیا کے دروازے سکندر نے کھولے اور اس کے روابط ایشیا تک پہنچا دیئے۔ سکندر سے پیشتر مغربی لوگ پناہ گیروں یا تنخواہ داروں کی حیثیت میں ایشیا آئے اور آئی اونیا کے تنگ ساحلی خطے سے آگے بڑھتے۔ سکندر کے بعد مغرب کے لوگ شہریوں کی حیثیت میں آنے لگے۔ انہیں زمینوں کی تلاش ہوتی یا مشغولت کے مواقع ڈھونڈھتے لوگ جہازوں میں سوار ہوئے اور بحیرۂ ایجہ کے نیلے پانی سے گزر کر مشرق کی طرف آتے جن بندرگاہوں پر اترتے وہاں سے انہیں جانوروں کی سواریاں مل جاتیں۔ مثلاً گدھے، گھوڑے، اونٹ اور وہ منزل بہ منزل امرکنڈ یا بابل یا سکندر کے نام پر آبادشدہ شہروں میں سے کسی ایک میں پہنچ جاتے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ سکندر نے سلطنت مشرق تک پھیلا لی تھی۔ یہ کہنا چاہیے کہ انسانوں کیلئے مشرقی سمت کا راستہ کھول دیا تھا۔ سکندر جو کسی بھی کام کو غیر ممکن نہ سمجھتا تھا۔ مغرب کو جسماً مشرق میں لے گیا اور وہاں ٹھہرا دیا۔ مقدونوی آبادکاروں کے خلاف ہندوکو کے سفید کافروں کے درمیان اپنی جسمانی خصوصیتیں چھوڑ گئے اور حال ہی کا واقعہ ہے کہ سمرقند میں لال جھنڈے کو مقامی لوگ سکندر اعظم کا جھنڈا سمجھتے تھے۔

Marfat.com

کاروانی شہر

سکندر نے یا اس کے جانشینوں نے تجارتی شہر یا بندرگاہیں یا علم کے مرکز قائم کیے وہ کسی ترنگ یا ضبط کا نتیجہ نہ تھے۔ انطاکیہ نے اس لئے فروغ پایا کہ وہ تین تجارتی شاہراہوں کے اتصام پر واقع تھا۔ سلوکیہ سمندر کے قریب تھا۔ اسے سلوکی خاندان کی تفریح اہ نہ سمجھنا چاہئے بلکہ یہ انطاکیہ کی بڑھتی ہوئی تجارت کیلئے بندرگاہ کی حیثیت میں ضروری تھا۔ (میں سکندر کے طے کردہ راستے پر سفر کر چکا ہوں، میرا خیال ہے کہ ہر مبصر کو ایک واقعہ خاص طور پر نمایاں نظر آئے گا اور وہ یہ کہ سکندر کے عہد میں یا اس کے فوراً بعد جو تعمیریں ہوئیں ان کا نشان تک باقی نہیں رہا حالانکہ اس سے پیشتر کے شہروں مثلاً بابل اور ایتھنز کے بہت سے آثار باقی ہیں یا کم از کم یہ آثار کھود کر نکال لئے گئے ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ مقدونیوں کی تعمیرات کچی اینٹوں اور لکڑی کی ہوتی تھیں، جو مرور زمانہ کا مقابلہ نہ کر سکیں یا یہ سمجھنا چاہئے کہ مقدونوی سلطنت جاتی رہی تو وہ مرکز ترک کر دیئے گئے۔ بعض مقامات پر مثلاً طارس کے سلسلہ کوہ یا افغانستان کی پہاڑیوں میں پتھر اب بھی پائے جاتے ہیں اور پہلے بھی پائے جاتے ہوں گے لہٰذا یہ خیال ہو سکتا تھا کہ پرانی تعمیرات کے کچھ نہ کچھ نشانات باقی رہ گئے ہوں لیکن دریائے نیل کے دہانے پر سکندریہ میں روشنی کا جو مینار تھا وہ بالکل غائب ہو چکا ہے اور اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ برطانیہ کے ماہرینِ آثار قدیمہ ان بارہ یادگاری ستونوں سے مقام کا قطعی تعین نہ کر سکے جو سکندر نے واپس ہوتے وقت دریائے بیاس کے کنارے تعمیر کرائے تھے۔ عمارتی باقیات کے اس طرح محو ہو جانے کی صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے...... ممکن ہے اسے غیر معمولی سمجھا جائے لیکن ہے بالکل طبعی...... اور وہ یہ کہ جو شہر فروغ پا گئے[8] دو ہزار سال میں ان پر بار بار تعمیرات کا سلسلہ جاری رہا اور ابتدائی تعمیرات کے تمام نشانات نئی عمارتوں کے نیچے دب گئے۔ سکندر کا نام نہاد تابوت بھی غالباً بعد کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ دنیائے قدیم کے عظیم الشان شہنشاہوں میں سے تنہا سکندر ہی ہے جس نے اپنی محسوس

Marfat.com

یادگار کوئی نہ چھوڑی۔ البتہ فنکاری نئے مشاغل یا نئے افکار ہی اس کی میراث رہ گئے۔)

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یونانی حکمرانوں نے بڑے پیمانے پر عمارتیں نہ بنوائیں۔ ان کے سامنے ایک خاص مقصد ہوتا تھا۔ سکندریہ میں روشنی کا جو مینار بنا تھا وہ بندرگاہ کے دروازے کا نشان تھا۔ اس سے آگے حدافق تک جہاز نظر آتے تھے۔ روڈز کی فروغ پذیر بندرگاہ میں کلوسس کے نام سے جو عمارت بنائی گئی تھی وہ بھی اسی مقصد کیلئے تھی۔ اس زمانے میں سیر وسیاحت بہت ترقی کر چکی تھی، اور انسانوں نے بڑی بڑی عمارتوں کو دنیا کے سات عجائبات میں شمار کر لیا تھا۔ یونانی عہد سے پیشتر جو عمارتیں بنیں وہ یا تو انفرادی یادگاریں تھیں یا مقبرے مثلاً یونان میں زیوس کا بت یا مسوس کا مقبرہ یا افی سوس میں آرتیمس کا مندر یا دریائے نیل کے کنارے اہرام جو فرعونوں کے مقبرے تھے یا بابل کے معلق باغ جو سیمی ریس نے اپنے آرام کیلئے بنائے یا نہ بنائے۔

جہازرانی عام ہو چکی تھی تاکہ آمدورفت کی نئی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکے۔ خصوصاً زیادہ مشرقی نقاط میں جیسے روڈز، سکندریہ، بیروت...... بحیرۂ ایجہ میں سے گزرنے والے بعض جہاز اتنے بڑے ہوتے تھے کہ ان میں ایک ایک ہزار مسافر بیٹھ جاتے۔ سکندر جس سمندری راستوں کی چھان بین کا خواہاں تھا ان میں سے ایک کا افتتاح بطلیموسیوں نے کر دیا۔ انہوں نے عرب کے گردگرد جہازرانی کا سلسلہ قائم کر دیا اور یمن میں اپنا مال اسباب ہندوستانی جہازوں کے حوالے کرتے تھے۔ انہوں نے دریائے نیل سے ایک نہر نکال کر بحیرۂ قلزم میں پہنچا دی تھی اور وہاں بندرگاہیں قائم کر دی تھیں جن میں سے ایک کا نام بطلیموس کی ماں کے نام پر آرسی نوئی رکھا گیا تھا (مقدونوی عورتیں اپنے مردوں کی زندگیوں میں پوری شریک رہتی تھیں۔ سکندر کے جانشینوں کی بیویوں نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا خصوصاً مصر میں جہاں قلوپطرہ کا نام حکمران خاندان میں عام ہو گیا یہ خاندان مصری رسم کی پیروی میں شاہی کنبے کے بھائیوں کی شادیاں بہنوں سے کر دیتا تھا۔ نئے یوریشیا کی عورتیں قدیم یونانی گھروں کی علیحدگی سے آزادی حاصل کر چکی تھیں۔ قدیم یونان میں

Marfat.com

بیویوں کا وظیفہ صرف اتنا تھا کہ وہ بچے پیدا کرتی رہیں)۔

سکندر کی تجویز کے مطابق یہ کوشش بھی کی گئی تھی کہ افریقہ کا چکر لگا کر مغربی سمندر تک پہنچا جائے۔ سکندر کے جانشینوں نے بھی سکندر کی طرح معلوم کرلیا کہ آباد یوریشیائی حلقے سے ادھر ادھر جہاں بھی پیش قدمی کی جائے گی۔ غیر مہذب لوگوں سے سابقہ پڑے گا۔ سکندر کے سائنس دانوں کا قیاس تھا اور اس نے جانشینوں نے معلوم کرلیا کہ جہاز ران دنیا کے کناروں کے قریب پہنچ چکے ہیں (حقیقت یہ ہے کہ سکندر کی مہم نے ربع مسکوں کا بڑا حصہ طے نہ کیا تھا اور خیال یہی ہے کہ اپنی زندگی کے آخری دور میں اس پر بھی یہ حقیقت آشکارا ہو چکی ہو گی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جن ملکوں میں کسی نہ کسی درجے کی ثقافت موجود تھی ان ملکوں میں سے زیادہ تر میں وہ پھر چکا تھا۔ البتہ چین باہر رہ گیا تھا۔ نیز وہ وادی گنگا یا عرب کے لوگوں تک نہ پہنچ سکا مغربی بحیرۂ روم کے بکھرے ہوئے شہروں تک بھی اس کی رسائی نہ ہوئی مثلاً قرطاجنہ، سائرا کیوز قاوس..... فوج کی بغاوت اور اس کی موت نے اسے مزید کوششوں سے باز رکھا۔ شاید دور افتادہ آبادیوں کے متعلق وہ خاصی معلومات حاصل کر چکا تھا جن کا ہمیں اندازہ نہیں۔ اس کی خواہش یہ نہ تھی کہ زمین میں آخری حد پر پہنچے بلکہ وہ ان حصوں میں جانا چاہتا تھا جہاں عقیل وفہیم انسان آباد تھے۔ جو لاطینی جزیرہ نمائے اٹلی میں بند تھے ان کے متعلق سکندر کے خیالات کا ہمیں علم نہیں)۔

نئے بحری راستوں اور تجارتی شاہراہوں کے ذریعے سے مشرق کی قیمتی چیزیں آتی تھیں۔ مثلاً مصالحے، شیشے کے برتن، ریشم، ہاتھی دانت، کھانڈ، موتی، تیل اور سونا۔ جو لوگ یورپ سے آکر ایشیا میں آباد ہوئے تھے وہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے اور نئے شہروں کی تجارت فروغ پاتی۔ یہ قیمتی چیزیں عام شہریوں کے ہاتھوں تک پہنچنے لگیں خصوصاً عورتوں میں ہمیشہ ان کی مانگ رہتی۔ رومیوں کے عہد اور قرون وسطیٰ کی دنیا میں مسالوں اور مشرق کی راحت بخش چیزوں کی طلب بدستور قائم رہی۔ یہی طلب تھی جس نے ایک ہزار سال بعد بحری اکتشافات کو مسالوں کے جزیروں اور خطا[9] تک پہنچا دیا۔ ان حالات میں سکندر یہ

Marfat.com

نے اپنے موقع اور محل سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ بحیرۂ قلزم کی تجارت اسی مقام پر بحیرۂ روم کے جہازوں کے حوالے ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ مقام یونانی سرگرمیوں کا نقطہ ماسکہ بن گیا۔ یہاں سنگ مرمر کے جمنازیم بن گئے۔ سنگ سلیمانی اور یشب کے برتن نیز نفیس مٹی برتن تیار ہونے لگے جن سے مغربیوں کو عشرت نو کا مزا ملا۔ مصر کا بطلیموس اول مصنف تھا یا کہ لیجئے کہ سکندر کے حکم کے مطابق اس نے اپنا روزنامچہ لکھنا شروع کیا تھا۔ اس نے سکندریہ میں جو کتب خانہ بنایا وہ نئے علمی اکتشافات کا مرکز بن گیا۔ ارسطو کی تاریخ طبیعات سامنے رکھ کر جغرافیہ دانوں نے نئی معلومات کا ذخیرہ مرتبہ کیا۔ ریاضی دانوں نے نئے نئے آلے تیار کئے ان میں سے ارشمیدس نے بڑی ناموری حاصل کی۔ زمین کی پیمائش اور ستاروں ڈ کی گردش کے نقشے تیار ہوئے آرسٹو تھنیز نے زمین کی پیمائش کا زیادہ سے زیادہ صحیح اندازہ پیش کیا۔ اقلیدس نے علم مساحت کو ایک نظریے کے طور پر نہیں بلکہ ایک مفید علم کے طور پر پیش کیا۔ قریباً ایک سو سال تک پرانے یونانیوں کے نظریات انسانی ضرورتیں ڈ پوری کرنے کیلئے استعمال ہوتے رہے۔ گویا یہ وسیع تجربات کا دور تھا۔

سندریہ میں محض یونانی ہی نہ رہتے تھے۔ روڈز بیزنطین یا بابل سے طالب علم اور لائبریرین بھی آ جاتے تھے۔ فنکار اس غرض سے وہاں فراہم ہو گئے کہ بڑے صناعوں کے لئے کام کریں مثلاً عمارتوں کی آرائش، شراب کے خوبصورت برتن بنانا، عوام کو مطالعے کا شوق پیدا ہوا تو نقل و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ فن کم از کم تھوڑی دیر کیلئے عوام کی ملکیت بن گیا۔ تہذیب یا مشرقیوں کا اثر مغرب میں دور تک چلا گیا۔ ارسطو کی تصانیف عربی میں ترجمہ ہو کر محفوظ رہیں حالانکہ رومہ کے زوال کے بعد یورپ نے صدیوں تک ان تصانیف کو پس پشت ڈال رکھا تھا۔

یونانیوں نے ابتدائی دور میں جو تصورات قائم کئے تھے ایشیائی تصرف نے ان میں تیزی اور حرارت پیدا کر دی۔ ایرانی فکر نے انسانوں کو دوام کی حقیقت پر غور و خوض کی طرف متوجہ کر دیا۔ مجوسیوں کے اثر نے یونانیوں کے تصورات سے کہیں زیادہ یہودیت اور

Marfat.com

عیسائیت کی تشکیل می حصہ لیا۔ سکندر کے سفر نے لوگوں کو دوسرے مذاہب سے آشنا کر دیا تھا اور ان کے خیالات کی تنگ حدیں ٹوٹ گئیں۔ بعد ازاں انسان تقدیر کو ناگزیر قبول کرنے کی طرف راغب نہ رہے۔ اگر چہ اوہام بڑھتے گئے اور مختلف قسم کی اکسیروں مثلاً ستارہ شناسی کی طلب جاری رہی۔ مغرب کے تاریک ترین حصوں ...... سلیٹوں، ٹیوٹنوں اور گالوں ...... کے سوا یہ احساس پیدا ہو گیا کہ انسان کسی نہ کسی تدبیر سے کام لے کر دیوتاؤں کے غیظ و غضب سے بچ سکتے ہیں۔

اگر چہ یونانیت کے احیاء میں یونانی زبان کو تقدم حاصل تھا اور یونانی خیال اس کا محرک تھا لیکن اس کی روح ایرانی نہیں بلکہ یوریشیائی تھی۔ فن کار تھنیاں کی بت تراشی سے نہیں بلکہ ایشیا کے نمونوں سے پیدا ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ پرسی پولس کی شان وسوکت سفر کر کے مغرب میں پہنچ گئی۔ اور انسانوں نے نئے معیاروں سے اس ک اندازہ کیا۔ ایرانی ثقافت نے یونانی دنیا کی تشکیل کی اور یونانی ثقافت نے رومی دنیا کی شان وشوکت بڑھائی۔

اس میراث کو لے کر رومیوں نے فوجی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور سکندر کی وفات سے دو سو سال بعد وہ جس طرف گئے پختہ سڑکیں بناتے گئے۔ ان سے پہلے ایران پر ایک مقامی خاندان قابض ہو چکا تھا یعنی پارتھی تمام کوششوں کے باوجود رومی دریائے فرات سے آگے نے بڑھ سکے۔ یہی وہ حد تھی جو دارا نے سکندر کے سامنے پیش کی تھی۔ باقی ایشیا، ایشائیوں ہی کے قبضوں میں رہا۔ رومیوں اور پارتھیوں کے درمیان جو حد قائم ہو چکی تھی وہ باقی رہی۔ مذاہب اور زبانوں کے بڑھتے ہوئے اختلاف نے اس حد کو زیادہ پختہ کر دیا۔ جنگجو اور مادہ پرست رومیہ یوریشیا کے درمیانی خطے کی روشنی سے مستنیز ہوتا رہا۔ جب داخلی خرابیوں کے باعث مغرب میں رومی قوت کا شیرازہ بکھر گیا تو رومی عظمت مشرق میں ایک ہزار سال تک بیزنطینی سلطنت کی شکل میں قائم رہی۔ لیکن یونان نے جو عالمی ثقافت پیدا کی تھی وہ ابتدائی دور ہی میں تباہ ہو گئی۔ اس وقت سے حال کے زمانے تک مغرب و مشرق کے درمیان مفاہمت کا کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔ صرف شمال میں جہاں مقدونوی نہ پہنچ سکے تھے روس نے تدریجی اور مشقت خیز توسیع کے ذریعے سے ایک یوریشیائی مملکت قائم کی۔

Marfat.com

شہنشاہ اور اس کے القاب

عجیب بات یہ ہے کہ جن کروڑوں انسانوں کے دل میں سکندر کی یاد تازہ تھی۔ وہ اس کیلئے کوئی واضح لقب تجویز نہ کر سکے۔ اس صدی کے قریب زمانہ گزر گیا تو اسے سکندر اعظم کہا جانے لگا۔ ممکن ہے وہ تنہا نہ ہو جسے ایک قوم نہیں بلکہ بہت سی قوموں نے اس لقب سے نوازا لیکن غالباً یہ لقب حاصل کرنے والا پہلا بادشاہ ہے۔ بعد میں اس کا نام مختلف خاندانوں نے اختیار کر لیا مثلاً بلقان کے بادشاہوں، سکاٹ لینڈ کے سرداروں اور روس کے زاروں میں سکندر نام کے کئی گزرے ہیں اور پاپان روم میں سے آٹھ کا نام سکندر تھا۔

سکندر نے ایک ایسا نقشہ پیش کر دیا تھا کہ طاقتور یورپیوں کیلئے اسے نظرانداز کرنا مشکل تھا۔ ان کا تصور یہ تھا کہ وہ چند سال تک عالمگیر سلطنت کا مختار مطلق رہا۔ وہ اسے فاتح سمجھتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ سکندر نے دنیا کو ایک سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کی حالانکہ اس نے ایسا کبھی نہ کیا تھا۔ غرض جس بادشاہ نے کبھی کوئی لقب اختیار نہ کیا تھا یا کم از کم اسے ایک لقب بھی حاصل نہ ہوا۔ اس نے اپنے بعد عظیم الشان بادشاہوں کیلئے ایک نمونہ قائم کر دیا۔ رومی شہنشاہ بھی دنیا کی حکومت کے مدعی تھے۔ سکندر کا عقیدہ تھا کہ تمام قوموں کو متحد کر دینا ممکن ہے لہٰذا رومی شہنشاہوں نے فرض کر لیا کہ یہ اتحاد ان کے ماتحت پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ شہنشاہی کا یہ تصور کہ ایک شخص خدا کے حکم سے دنیا کے تمام لوگوں پر حکمران ہے دور حاضر تک بھی کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا۔ آخری دور میں اس حکمرانی کو ''خدا کی مرضی کے مطابق'' سمجھ لیا گیا۔ اگسٹس رومیوں کا پہلا شہنشاہ تھا اس نے سکندر کیلئے دیوتاؤں کے سے اعزازات تجویز کئے۔ بیزنطینی کے بادشاہوں میں سے جیسی لیوس بھی اپنے آپ کو انسانوں پر ظل اللہ سمجھتا تھا۔ شارلیمین اور مقدس رومی سلطنت کے دور سے بادشاہوں نے بھی مشرقی سیاسی اصول کی یہ روایت قائم رکھی۔ ان کے ہاتھ میں ایک سنہری کیرہ رہتا تھا جو زمین کا بدل تھا اور اس پر صلیب نصب ہوئی تھی۔ اسے مختاری کا نشان سمجھا

Marfat.com

جاتا تھا۔ حقیقت میں نہیں تو کم از کم لقب کے اعتبار سے یہ لوگ اپنے آپ کو حکمران عرش کا جانشین سمجھتے تھے۔

عجیب واقعہ یہ ہے کہ حکومت عرش کے اس تصور کے ساتھ افسانوی ایشیائی پرندے کا تصور بھی مشتبہ ذرائع سے یورپ پہنچ گیا۔ یعنی مجوسیوں کا بڑے پروں والا عقاب جو آسمانوں میں بیٹھے ہوئے دیوتاؤں اور زمین پر بسنے والی مخلوق کے مابین ذریعہ ربط وضبط تھا۔ یہ واقع ہے کہ عقاب زیوس کا محبوب پرندہ تھا اور رومی لشکروں کے پرچموں پر اسی کی شکل بنائی گئی تھی لیکن ایشیا کے افسانوی پرندے مرغ کی شکل اژدھے سے ملتی جلتی تھی۔ اسے ایرانیوں نے آسمانی قوت کا نشان بنالیا تھا۔ بعض نطینی بادشاہوں نے بھی اسی کو نشان مقرر کرلیا۔ مقدس رومی سلطنت کے بادشاہوں کی ڈھالوں اور پرچموں پر بھی جو شکل بنائی جاتی تھی وہ اژدھے سے ہی ملتی جلتی تھی اور یہی شکل جرمنی کے شہنشاہوں، پولینڈ کے بادشاہوں اور روس کے زاروں کے جنگی سامانوں پر بھی قائم رہی۔

غیر معروف ہندوستان پر سکندر کے سفر کا اثر بالکل مختلف پڑا۔ غیر معروف اس لئے کہ ہندوستان کے متعلق قدیم ترین بیانات وہی ہیں جو سکندر کے محرروں یا سلیوکس کے سفیروں نے پیش کئے۔ سکندر کے بعد ہندوستان میں ایک متحدہ سلطنت ظہر پذیر ہوئی۔ ایک شخص چندر گپت کچھ مدت سکندر کے ساتھ گزار چکا تھا۔ مقدونیوں کے آنے کے بعد جو افراتفری پیدا ہوئی اسے سے فائدہ اٹھا کر چندر گپت نے شمالی ہند کے باشندوں کو پہلی مرتبہ متحد کردیا۔ اس طرح مہاراج اشوک کی مشہور حکمرانی کا راستہ صاف ہوا۔ یہ عجیب سلطنت تھی جس پر بدھ مت کا پیرو اشوک فوجی قوت کے بل پر نہیں بلکہ انسانیت دوست تدابیر سے حکمرانی کرتا رہا۔ اس زمانے کے مغربی رومیوں کو یہ طریقہ معلوم نہ تھا۔ اشوک نے خزانے لٹا دیئے۔ آبیاری کیلئے نہریں تیار کرائیں۔ ان پودوں کی کاشت کرائی جو دواؤں میں استعمال ہوتے تھے۔ اور عمومی حیثیت میں اپنے آپ کو اختیار کے مالک ومختار نہیں بلکہ کارندے کی حیثیت میں پیش کیا۔ لہٰذا سکندر کے بعد اگرچہ اس کی وجہ سے نہیں اشوک نے مشرق میں اور رواتی

Marfat.com

زینو نے مغرب میں اپنے تصورات پوری کائنات انسانیت پر پھیلا دیئے۔ ایک صلح کل تھا اور دوسرا بدھ، دونوں کا نصب العین ایک تھا۔ سکندر کے بعد اس قسم کے تصورات بدلے۔

افسانے

اس بات پر تعجب نہ ہونا چاہئے کہ ایشیائیوں نے مغربیوں سے بڑھ کر سکندر کی یاد تازہ رکھی۔ یہ بات یقیناً حیرت انگیز ہے کہ اس یاد نے افسانوں کی شکل اختیار کی اور وہ افسانے مختلف اقوام کی میراث کا جز رہیں۔ ہر خطے نے اس کی یاد مختلف طریقے پر تازہ رکھی اور ہر خطے نے اسے اپنالیا۔ یہ ضرور بتا دینا چاہئے کہ ان افسانوں کی بافت سے پیشتر وہ لوگ اپنے بیانات مکمل کر چکے تھے جو سکندر کے ساتھ آئے تھے۔

بلاشبہ سے عینی شاہدوں نے اس کے سفر کے حالات قلمبند کر دیئے۔ کلیستھنیز کی کہانی تو مسخ شدہ خوشامد کے سوا کچھ نہ تھی۔ لگوس کے بیٹے اور تھائیس کے شوہر بطلیموس نے سیاسی مصلحتوں کے بنا پر مدح و ستائش کی تھی۔ یہ کیفیت ارسٹوبولس [10] کی تحریرات کی تھی۔ نیارکس نے بحری سفروں کے صحیح حالات مرتب کر دیئے تھے۔ اونیسی کریٹس نے جو کچھ لکھا تھا وہ دیونیوں اور عجائبات کا مرقع تھا۔ بالیٹن [11] اور ڈائجنیٹیز [12] جیسے سرویئروں نے جغرافیائی اور مقامی نقشے تیار کر لئے تھے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے یہ کہانی ترتیب دی۔ بلاشبہ ہر بیان میں ذاتی ذوق کا رنگ موجود تھا۔ لیکن سب میں سکندر کے بجائے سفر کے حالات زیادہ پیش نظر رکھے گئے تھے۔ کہانیوں کے جو اجزاء ہمارے ہاتھوں تک پہنچے ان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ سکندر کیا سوچتا تھا۔ اس نے کیا کچھ کہا اور کس قسم کے نقشے اس کے پیش نظر تھے۔ ان دستاویزوں میں سے جو یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں بہت سی ضائع ہوگئیں۔ البتہ رومی مصنفوں نے بعد میں جو کچھ لکھا وہ پورے کا پورا ہمیں مل گیا ہے۔ پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں سکندر پر کتابیں لکھنا ایک فیشن بن گیا تھا۔ اس کا اصل سبب تو معلوم نہیں ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ رومی قوت مشرق کی طرف حرکت کرتی ہوئی سرزمین

Marfat.com

خاور کی دہلیز پر پہنچ چکی تھی۔ سٹریبو پہلا تاریخی جغرافیہ دان ہے اور وہ خود مشرق کا باشندہ تھا۔ اس نے سکندر کے متعلق سفرناموں سے بہت استفادہ کیا۔ نیز اس نے ارسطو اور سکندر کے طریقے کی پیروی کرتے ہوئے دریاؤں کے بہاؤ اور پہاڑوں کے سلسلوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے زمین کی ہیئت کا نقشہ تیار کیا۔ وہ کہتا تھا کہ زمینوں کا جغرافیہ تیار کرنے کی یہی صورت ہے۔ سٹریبو کچھ مدت تک سکندریہ میں مصروف کار رہا۔ اس طرح پولیبس [13] اور سکندر کے سفرناموں کا حال بیان کرنے والے دوسرے لوگوں سے مشورے کرتا رہا۔ سٹریبو سے کچھ مدت بعد مشہور جغرافیہ دان بطلیموس [14] نے دنیا اور اس کے مختلف خطوں کی آب و ہوا کے حالات بیان کیے لیکن سٹریبو اور بطلیموس کو ایشیا کے حالات مشرقی سمت میں صرف دریائے ریگ (سہ دریا یا سیحوں) تک معلوم تھے جہاں سے سکندریہ لوٹ پڑا تھا۔ بایں ہمہ واضح رہنا چاہئے کہ پولیبس، سٹریبو اور بطلیموس کے جغرافئے اس وقت تک علم کا معیار بنے رہے جب تک پرتگیزوں اور ہسپانویوں نے اکتشافات کا نیا دور شروع نہ کر دیا۔

خود سکندر کے متعلق کوئینس کرٹیئس نے ضروری حالات لکھ دیئے اور یونانی سوانح نگار پلوٹارک نے بھی اپنی سوانح کی کتاب میں سکندر کو شامل کر لیا۔ آغاز میں کہا:

"میں نے تاریخ نہیں سوانح لکھنے کا قصد کیا ہے۔ انسان جو کارنامے انجام دیتا ہے ان سے ہمیشہ اس کی نیکی یا بدی واضح نہیں ہوتی۔ بعض اوقات ایک معمولی جملہ اور ایک مذاقیہ کلمہ نہایت مشہور واقعات کے مقابلے میں انسان کے سیرت بڑے بہتر طریقے سے واضح کر دیتا ہے۔ میرا مدعا یہی ہے کہ انسانی قلوب کے ان مظاہر پر خاص توجہ مبذول رکھوں۔"

سکندر کے سوانح نگاروں میں سے آخری آریان ہے۔ وہ بھی نسلاً یونانی تھا اور ایشیائے کوچک میں گورنری کے فرائض انجام دے چکا تھا۔ اس کی کتاب سکندر کے سفروں کی مکمل سرگزشت ہے اور اس نے بطلیموس، لگوس اور ارسٹو بیولس کے مہیا کردہ مواد سے استفادہ کیا۔ آریاں فکر و نظر کے اعتبار سے سپاہی تھا۔ اس نے سکندر کو ایک مثالی لیڈر قرار دیا

Marfat.com

جس میں بہت کم فروگذاشتیں تھیں اور جتنے ماخذ اسے مل سکے ان میں سے حقائق کی بجائے مدح وستائش چننے کا خیال رکھا، لیکن اسے معلوم تھا کہ سکندر کے متعلق رائیں بہت مختلف ہیں۔ بعض اسے دیوتا قرار دیتے ہیں اور بعض دیوان۔

''جتنا کچھ سکندر کیلئے لکھا گیا اتنا کسی دوسرے آدمی کیلئے نہیں لکھا گیا لیکن بیانات میں اختلافات بہت ہیں۔''

اس سے قبل ایشیا کی زبان بھی کھل چکی تھی۔ سکندر نے ایشیا کی تاریخ پر نہیں لیکن ایشیائیوں کے خیالات وافکار پر ہمیشہ کیلئے ایک چھاپ لگا دی تھی۔ مصریوں نے اسے اپنایا اور یہ کہا کہ وہ آخری فرعون کا ناجائز بیٹا تھا۔

انسانی فطرت کی حالت بڑی عجیب ہے۔ مصری افسانے نے بہت جلد سکندر کے وصیت نامے کی شکل اختیار کر لی اور اہلِ یورپ نے اسے رومی مورخوں کے واقعات وحقائق سے زیادہ پسندیدہ سمجھا۔ بعد کے مصنفوں نے اس افسانے میں عجائبات کی آمیزش کر دی اور کہانی کی شکل یہ بن گئی کہ آخری فرعون جس کا نام نکتانی بوس[15] تھا حکمران ہونے کے علاوہ اونچے درجے کا ساحر بھی تھا۔ وہ ستارہ شناس کے بھیس میں سکندر کی والدہ اولمپیاس کے پاس پہنچا اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ خود زیوس ایک اژدھا کی شکل اختیار کر کے اس سے تمتع حاصل کرے گا۔ اولمپیاس کی رضامندی کے بعد نکتانی بوس نے دوسرا بھیس بدلا اور اژدھا بن گیا۔ اس طرح سکندر پیدا ہوا۔ اگرچہ اس کا قد چھوٹا تھا اور کسی حد تک لنگڑاتا بھی تھا لیکن اس کی شجاعت ومردانگی اور فہم وذکاوت کی کوئی حد نہ تھی۔ اس بچے کو بھی نکتانی بوس کی ساحری سے حصہ ملا تھا۔ اس نے اپنے باپ کو مارا۔ یونانیوں کے ساتھ میل جول پیدا کیا۔ چین تک کے علاقے چھان ڈالے اور عجائبات کے چہرے سے پردہ اٹھایا۔ ایرانیوں نے بھی سکندر کے متعلق ایک افسانہ تیار کر لیا اور اسے ایرانی ظاہر کیا۔ اس افسانے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہخامنشی کوروش کے شاہی خاندان کا جو آخری فرد تھا سکندر اس کا جائز بیٹا تھا نہ کہ فیلقوس کا۔ اس نے ایرانیوں کی بہت سی مقدس کتابیں چرا لیں اور ان کے ترجمے کئے

Marfat.com

لیکن موبدوں کی شہادت یہ تھی کہ شاہی عظمت اسی کیلئے مخصوص ہوئی۔ یہ اس کہانی میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ کہا گیا کہ سکندر نے معجزے دکھائے۔ مثلاً وہ سر زمین ظلمات میں داخل ہوا اور ففغور چین سے مقابلے کیلئے نکلا۔ ایرانیوں نے اس افسانے کا نام سکندر نامہ رکھا اور اسے وقت آنے پر فردوسی[16] کے شاہنامے میں بھی جگہ مل گئی۔ بہر حال سمجھا یہ گیا کہ سکندر بہت بڑا بہادر تھا۔ اس نے دیوؤں اور دوسرے خطرات پر قابو پایا تاکہ اپنے لوگوں کیلئے روشنی کا بندوبست کرے۔ یہ کہانی آج قریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور ایرانی بوڑھے اور بچے اسے شوق سے بیان کرتے اور سنتے ہیں۔ انہیں حقیقی سکندر کے متعلق اس کے سوا کچھ معلوم نہیں کہ اس نے پرسی پولس کو جلا دیا تھا۔

غالباً ایرانی افسانہ ہی نہایت عجیب و غریب طریقے سے اسرائیلیوں کی ابتدائی روایت میں شامل ہو گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کورش، اہورا یا مردوخ کا نہیں بلکہ اسرائیلیوں کے خدا یہودہ کا خدمت گزار تھا۔ یہودہ نے اس سے کہا کہ تو میرا گڈریا ہے۔ اس طرح سکندر نے حکمران یسوع مسیح کی حیثیت اختیار کر لی جس کا تعلق حضرت داؤد علیہ السلام کے گھرانے سے تھا۔

سکندر صحراؤں میں رہنے والے عرب قبیلوں کے افکار و خیالات پر بھی چھایا رہا۔ انہوں نے اسے سکندر ذوالقرنین قرار دیا یعنی دو سینگوں والا سکندر اور اسے اسلام کا سردار ولی تسلیم کیا گیا جس نے کافر قوموں کے عجیب و غریب اور مخالف دیوتاؤں کی مورتیاں توڑیں۔ حبش والوں نے بحیرۂ قلزم کی دوسری جانب اس پراسرار شخصیت کو معجزے کا لباس پہنا دیا۔ ان کے افسانے کا خلاصہ یہ ہے کہ سکندر شہید فیلقوس کا بیٹا اور مسیحی رسول تھا۔ وہ سفر پر روانہ ہوا اور بیماروں کو حیرت انگیز طریق پر تندرست کر دیتا تھا۔ ارمنوں اور شامیوں نے بھی اس افسانے سے کچھ اجزاء لے لئے جو عالمگیر روایت کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ بیزنطینیوں نے سکندر کو ایک جواں مرد بادشاہ کی حیثیت میں اپنا لیا جس نے چین سے ریشم لانے کا راستہ کھولا تھا۔ (ریشم کے کیڑے کے متعلق مغرب میں پہلی تحریر ارسطو کی ہے جسے

Marfat.com

غالباً سکندر کی رپورٹوں سے اس کا علم ہوا لیکن یہ تحریر زیادہ واضح نہیں)۔

صلیبی جنگجو مشرق اولیٰ میں پہنچے تو انہوں نے ایوانوں میں یہ افسانے مطربوں سے بازاروں میں داستان گوؤں سے سنے اور وہ واپس گئے تو یہی افسانہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اس وقت تک سکندر زمان و مکان کے قیود سے آزاد ہو چکا تھا۔ انہوں نے افسانے کو یہ شکل دے دی کہ سکندر ایک بہادر مسیحی سردار تھا جو صلیبیوں سے پیشتر ابتدائی دور میں مشرق پہنچا اور بہت دور آگے بڑھ گیا تھا جہاں تک صلیبی نہ پہنچ سکے۔ اس نے زمین بند سمندر کو عبور کرنے کیلئے جہاز بنائے اور یاجوج و ماجوج کا داخلہ بند کرنے کیلئے پیتل یا لوہے کا دروازہ بنوایا تاکہ یہ وحشی قبیلے مشرقی سمت ہی میں بند رہیں۔ اسی موقع پر اس نے دیونیوں کی حسین مگر تباہ کار ملکہ سے بھی تمتع کیا جو دائمی ظلمان میں رہتی تھی۔ اسے آب و حیات بھی مل گیا تھا (بہت سے سیاح جنہوں نے یہ کہانی سن رکھی تھی اپنے ساتھ نمک لگا کر خشک کی ہوئی مچھلی لے جاتے اور اسے راستے میں ندیوں اور چشموں کے پانی میں دھوتے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو پانی اس مچھلی کو زندہ کر دے گا وہی آب و حیات ہوگا۔ شاید ان صلیبیوں نے ایران کے شاعر فردوسی کے یہ الفاظ کسی سے سن لئے تھے کہ سکندر نے ان چیزوں کی تلاش کی جن کی تلاش کبھی کسی نے نہ کی تھی۔ اس کی کہانی اب تک افق بہ افق پھیلی ہوئی ہے)۔

قرونِ وسطیٰ کے یورپ کا تخیل کارفرما ہوا تو سکندر کو ایک رومانی کہانی کا بہادر بنا دیا جو زمین کے خزانے بے پروایانہ لٹاتا رہتا تھا۔ کسی نے کہا کہ سکندر بہشت کا راستہ تلاش کر رہا تھا کسی نے کہا کہ سکندر اعظم نے رومہ کو زوال کی منزل میں پہنچایا اور وہ تمام قوموں کو فتح کرتا ہوا نکل گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے سکاٹ لینڈ کو انگلینڈ کے حوالے کر دیا۔ سکندر کے پاران خطوں میں جو سکندر کے پامال کئے ہوئے علاقوں سے زیادہ پراسرار تھے اس بہادر کے متعلق مشہور ہوا کہ وہ آدم خوروں اور ایسے لوگوں کے ساتھ رہا جن کے سر کتوں جیسے تھے۔ اسے راستے میں ایسے درخت ملے جن کی شاخیں سونے کی تھیں اور میوے کے بجائے ان میں جواہرات لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس نے جواہرات چن لئے۔ پھر وہ وسیع

Marfat.com

صحراؤں سے گزرتا ہوا ایشیا کے پریسٹر جان [17] کے دربار میں پہنچا۔ بعدازاں وہ ایک پنجر میں بیٹھا جسے اڑنے والے اژدھے اٹھائے پھرتے تھے۔ چنانچہ اس نے آسمانوں کی سیر کی اور تمام پرندوں نے اس کی اطاعت کرلی۔ وہ اس پر مطمئن نہ ہوا۔ بلور کا ایک گیند بنا کر سمندروں میں چلا گیا۔ اور ہر قسم کی مچھلیوں کو اپنی رعایا بنایا۔ جب کتابیں چھپنے لگیں تو معلوم ہوا کہ سکندر کا رومان تمام قوموں میں سب سے زیادہ بکا۔

سترہ صدیاں گزر چکنے کے بعد دنیا کے افکار میں سکندر کی شکل یہ بن گئی کہ اس کا کوئی وطن نہ تھا۔ اس نے بڑے زبردست سفر کئے اور ان خطرات کا مقابلہ کیا جن کے متعلق عام طور پر کسی کو علم نہ تھا۔ اس نے مشرق کے آخری راز معلوم کر لئے۔ وہی انسانوں کی امید گاہ ہے۔ اس کے گرد وپیش خیالی دنیا آباد ہوگئی۔

آئندہ نسلوں کی رائے

تیس صدیوں کی مدت بہت لمبی ہے اور ہم سکندر کی دنیا سے حد درجہ دور چلے گئے ہیں۔ اگرچہ زیادہ ترقی نہیں کی۔ جو معیار آج کل رائج ہیں اور اچھے ہوں یا برے سکندر کے زمانے میں رائج نہ تھے۔ لہٰذا دورِ حاضر کے تصورات کے مطابق سکندر کے کردار کا اندازہ کرنا خطرناک ہوگا اور غالباً بے سود بھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ بہت بڑا فاتح تھا؟ فنونِ جنگ کا ماہر، مدبر، مکتشف یا سائنسدان فلسفی...... حقیقت یہ ہے کہ یہ اصطلاحات سکندر کیلئے موزوں نظر نہیں آتیں۔ کیا ہم فاتحیت میں اس کا مقابلہ چنگیز خان سے کر سکتے ہیں؟ دونوں کے محرکات اور نصب العین بالکل مختلف تھے۔ چنگیز خان کا نصب العین واضح ہے سکندر کا مبہم، پلوٹارک مدبری میں اس کا مقابلہ جولیس سیزر سے کرتا ہے اور سوانح کے ہمہ گیر مصنف کو یہ بہترین مثال مل سکی۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ سکندر کو ارسطو کے فلسفے سے حصہ ملا تھا؟ جواب یہ ہے کہ ارسطو کا شاگرد اپنی تھوڑی سی عمر کے درمیان حصے میں فکر ونظر کے نئے دائروں کی طرف مڑ گیا۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارے کرۂ ارض کے بہت بڑے مکتشفوں میں سے ایک تھا۔ اس کا یہی وصف اکثر نظر انداز ہوتا رہا۔ دوسرے اعتبار سے آئندہ نسلوں کی رائے سکندر کے متعلق انصاف پر مبنی نہیں۔ مدت تک سمجھا جاتا رہا کہ اسے فیلقوس سی انتظامی حیثیت حاصل نہ تھی۔ فیلقوس اس کیلئے مقدونیہ اور یونان کی جو منظم میراث چھوڑ گیا تھا اسے ترک کر کے تسخیر ایشیا کی مجنونانہ کوشش میں لگ گیا۔ غور سے دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ فیلقوس کی قومی مملکت کچھ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ فیلقوس کا عہد جوانی تھیبز میں گزرا تھا لیکن وہ اس شہر کو نہ راضی کر سکا اور نہ اس پر قبضہ جما سکا۔ یہ کام سکندر نے انجام دیا۔ فیلقوس کی موت پر خزانہ خالی ہو چکا تھا اور اس نے متحدہ یونان کا سپہ سالار بننے کی جو حیثیت حاصل کی تھی وہ حد درجہ متزلزل تھی۔ ارسطو کو فیلقوس کی مملکت سازی کی کمزوریوں کا علم تھا اور اس نے سکندر کو اس حقیقت سے خبردار کر دیا تھا۔ فیلقوس فتوحات تو کرتا رہا لیکن حکومت کا ڈھنگ اسے نہ آیا۔ سکندر جن اجنبی ایشیائی اقوام کو فتح کیا۔ ان پر حکمران کی نہایت بلند قابلیت کا اظہار کر دیا۔ اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سب کو اپنے ساتھ وابستہ کر لینے کا خواہاں ہے۔ ڈیوڈ ہوگارتھ[18] کے قول کے مطابق ان لوگوں کے درمیان اس طرح زندگی بسر کرتا رہا گویا طفلی کا عہد انہیں میں گزرا تھا۔

باقی رہا ایشیا میں پھر نکلنے کا مسئلہ تو یاد رکھنا چاہئے کہ اسے جو تعلیم دی گئی تھی اس میں ربع مسکوں بہت چھوٹی دکھائی گئی تھی۔ جب دریائے ڈینیوب کو عبور کر کے سلوں اور سطح مرتفع میں تھیوں سے یا جنوبی صحراؤں میں حبشیوں اور عربی سے ملا تو یونانی تصورات کے مطابق وہ ربع مسکوں کی شمالی اور جنوبی حدود پر پہنچ چکا تھا اور مشرقی سمت میں دریائے سندھ سے تھوڑی دور آگے مشرقی حد رہ گئی تھی۔

شاید بعد کے دور کی تاریخوں میں سکندر کے متعلق اس لئے غلط فہمی پیدا ہوئی کہ یونانی اور رومی مورخوں نے جو صرف معلوم واقعات سے آگاہ تھے اپنی داستانوں میں سکندر کے صرف ابتدائی دور پر زیادہ توجہ کی اور جو اس نے مقدونیہ اور ایران میں گزرا تھا اور جہاں اس

Marfat.com

نے صرف ڈیڑھ سال کی حکومت کی تھی اس اثناء میں وہ زیادہ کام انجام نہ دے سکا۔ ایشیا میں بارہ سال کے اندر اس نے جو حد درجہ عظیم الشان کارنامے انجام دیئے یونانیوں اور رومیوں کو ان کے پورے حالات معلوم نہ تھے اور ان پر توجہ بھی نہ کی گئی۔ پلوٹارک نے اس کے متعلق جو جہانیاں سنائیں ہیں وہ بھی قریباً سب کی سب عہد طفلی سے تعلق رکھتی ہیں یا اس دور حکومت سے جب وہ مصر سے مشرق کی جانب روانہ ہوا۔ مصر سے روانگی کے ساتھ ہی سکندر اس فضا سے نکل گیا جس کا علم یونانیوں کو تھا۔ بعد میں جو واقعات پیش آئے وہ زیادہ تر پردے ہی میں رہے۔ البتہ آریاں اور کوئنٹس کرٹیس کے اجنبی ناموں اور مقاموں کے دھندلکے میں تفصیل کی کچھ کرنیں نمایاں ہیں۔

مقابلہ کرنا چاہیں تو مشرق کے دو بادشاہ مختلف اعتبارات سے سکندر کے ساتھ مشابہ ہیں۔ ایک اشور بنی پال یعنی وہ عظیم الشان اشوری بادشاہ جس نے نینویٰ میں ایک کتب خانہ تعمیر کیا اور مادی سلطنت کو اٹھا کر زیادہ انسانیت دوست بنانے کی کوشش کی۔ دوسرا کورش (سائیرس اعظم) جس نے پہلی عالمگیر سلطنت کی بنیاد رکھی لیکن اشور بنی پال ایک تاریخی دور کے اواخر میں ظہور پذیر ہوا اور کورش نے اسی تہذیب پر نئے معیار قائم کر دیئے۔ سکندر نے خود ایک دور پیدا کرنے کی کوشش کی۔ موجودہ زمانوں کے معیاروں کے مطابق دو لحاظ سے سکندر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اول فنون جنگ پر عبور دوم صحت دماغ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ یگانہ فوجی کمانڈر تھا؟ یا وہ جنگ مقدونوی فوج اور اس سپہ سالاروں کے درمیان محض ایک نمائشی حیثیت رکھتا تھا؟ آخری خیال کے روکے لئے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ایکبتانہ سے مشرق کی طرف جاتے ہوئے وہ تمام پرانے مقدونوی سالاروں کو پیچھے چھوڑ چکا تھا (پارمینیو، اینٹی گونس پیٹر، فلوٹس وغیرہ) اس کے باوجود اس کے کاروبار پر کوئی برا اثر نہ پڑا۔ پھر اس نے فوج کو از سر نو منظم کیا۔ سوار تیر انداز اس میں شامل کئے۔ لمبے لمبے نیزوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے نیزے پھینکنے والے آدمی ملازم رکھے اور زیادہ بھاری اسلحہ والے عناصر شامل کر لئے۔ عملاً پیادوں سے سواروں تک فوج بالکل بدل چکی

Marfat.com

تھی۔ ترکستان میں اسے سواروں کی نئی نقل و حرکت سے سابقہ پڑا اور اس کے موثر مقابلے کا اس نے فوراً بندوست کر لیا۔ بعد ازاں اسی کام کے سرانجام میں پانچ رومی شہنشاہ اور بے شمار رومی سپاہی مر گئے یا گرفتار ہو گئے۔ افغانستان کے پہاڑوں میں مقدونویوں کو سب سے بڑھ کر مشکلات پیش آئیں۔ اس موقع پر سکندر نے جنگ کا نیا طریقہ وضع کر لیا۔ یونانی اور رومی مورخوں کو ایشیا کے مشرقی حصوں کی ان مہموں کے متعلق پورا اندازہ نہیں کہ اس کے متعلق معلومات کم تھیں۔ گرینی کس کی خونریز جنگ اور اسوس کی حیرت انگیز فتح سے وہ بخوبی واقف تھے۔

آرنیاں نے سکندر کے متعلق کہا کہ اس نے جس فوجی مہم کا بیڑا اٹھایا اس میں کامیاب ہوا۔ تاریخ جن بڑے بڑے سپہ سالاروں سے آگاہ ہے ان میں سے کسی کے متعلق بھی لفظ نہیں کہے جا سکتے۔

ڈبلیو ڈبلیو ٹارن ہمیں یاد دلاتا ہے:

> "مقدونویوں نے فنونِ جنگ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اصل تبدیلی یہ نہ تھی کہ اس کے ہتھیار یا ر چالوں میں خاص تغیر پیدا ہو گیا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں اعلیٰ قیادت حاصل تھی۔ انقلاب یہ تھا کہ ان میں نئی روح پیدا کر دی، گاگامیلہ کی جنگ کے بعد سکندر نے جب مدمقابل کی قوت کو معطل کر دینے کے لئے تدبیریں اختیار کیں تو یہ وہی اقدام تھا جو نیلسن کے پیشِ نظر تھا، جب اس نے کہا تھا کہ فتح اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک دشمن کا ایک بھی جنگی جہاز تباہی سے بچ جائے گا۔ اس نئی روح کا مطلب یہ نہیں کہ غیر پیشہ ور، پیشہ ور بن گئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم محسوس کرتے ہیں گویا قدیم دنیا اپنی جگہ چھوڑ کر نئی دنیا میں پہنچ گئی۔
>
> مقدونویوں کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے انتہائی جوش اور ہمہ

Marfat.com

گیری پیدا کر دی۔ ان کے سامنے کوئی مثال نہ تھی لیکن وہ اصول کو سمجھتے تھے۔ اگر تمہیں جنگ کی ضرورت پیش آتی ہے تو تم ہر طرف سے بے پروا ہو کر لڑتے ہو اور ہر ہتھیار استعمال کرتے ہو۔ مقدونوی ظلم و جور کے عادی نہ تھے موازنہ کیا جائے تو یونانیوں یا رومیوں کے مقابلے ان کا طریقہ جنگ زیادہ انسانیت دوست تھا...... اگر تمہیں یہ اندازہ ہو جائے کہ غیر معمولی طریقوں سے کام لینا زیادہ مفید ہوگا کسی جگہ انقلاب پیدا کر دینے سے فوجی کارروائیوں کو تقویت پہنچے گی یا پروپیگنڈا ایک ایسا اتحاد پیدا کرنے میں معاون ہوگا جو اپی رس سے ہندوستان تک پھیلا ہوا ہو تو یقیناً یہ سب کام تم معمول کے مطابق انجام دو گے۔ اینٹی گوئنس گوناٹس سے جب کسی نے سوال کیا تم دشمن پر حملہ کیونکر کرو گے تو اس نے جواب دیا جو طریق مجھے زیادہ کارآمد نظر آئے گا۔''[19]

مقدونیوں سے پہلے فوجوں کا دستور یہ تھا کہ موسم سرما میں اور اکثر فصلیں پک جانے کے زمانے میں اپنا کاروبار ترک کر دیتے۔ مقدونوی موسم سرما میں کام کاج کو پسند کرتے تھے۔ پرانے یونانیوں کے نزدیک محاصروں کی حیثیت یہ تھی کہ دو فریق ایک دوسرے کے مقابلے میں بیٹھ جاتے اور ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی کہ دوسرے کو تھکا کر زچ کر دے۔ فیلقوس خصوصاً سکندر نے مستحکم مقامات کو توڑ کر جلد فتح کر لینے کے طریقے ایجاد کئے۔ رہا یہ سوال کہ سکندر نے ان نئے سائنٹیفک فنون جنگ میں کیا اضافہ کیا تو ہم اس کا جواب مختلف حالات کو سامنے رکھ کر حاصل کر سکتے ہیں۔ اس نے مقدونیوں کو بحر پیمائی پر لگایا۔ وہ سکندر سے پیشتر بھی تیز اقدامات کے عادی تھی۔ سکندر کے ماتحت انہوں نے فاصلوں اور طبعی مشکلوں کو ختم کر کے رکھ دیا۔ وہ پہلا سپہ سالار تھا جو لڑائی کے بعد اپنی فوجوں کو دشمن کے تعاقب میں لے کر گیا۔ گاگامیلہ کی جنگ کے بعد وہ کئی روز تک دارا کا تعاقب کرتا رہا۔ اس

Marfat.com

میں یہ صلاحیت بھی تھی کہ لڑائی میں انقلابی موقع کا بروقت اندازہ کر لیتا تھا اور اسی موقع پر آخری فیصلہ کن حملہ کرتا۔ فنون جنگ کے ماہر کی حیثیت میں بعض خصوصیتوں سے سکندر محروم تھا۔ بعض اوقات مقابلے کے جوش میں مصلحتوں کا خیال نہ رکھتا مثلاً تھیبز میں یا دریائے گرینی کس پر یا اورنوس [20] کی پہاڑی پر یا دریائے جہلم کے عبور میں اس نے بارہا اپنے تمام وسائل قمار باز کی حیثیت میں لگا دیئے لیکن ہر مرتبہ کامیاب ہوا۔ اس نے خبر رسانی کا بڑا اچھا انتظام کر لیا تھا اور وہ زیادہ بڑے مقاصد کیلئے زیادہ بڑے خطرناک اقدامات کرتا رہا۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ ہنی بال ویسے بڑے کارنامے کا حوصلہ کر سکتا جیسے سکندر نے انجام دیئے حالانکہ وہ بھی سکندر کی فوج جیسی ملی جلی فوج کا سپہ سالار تھا جو صرف اس کی شخصیت سے وابستہ تھی۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ پیلا اور تھیبز سے صورتک کاروبار میں سبقت کا درجہ مقدونوی سپہ سالاروں کو حاصل رہا۔ بلکہ مصر سے واپسی تک بھی معاملات کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ اس دور میں سکندر کے آدمیوں نے دو مرتبہ اس کی جان بچائی۔ اگر ہم دیاوس کا یہ قول نظر انداز کر دیں کہ صور کو اس کی ہنر مندی نے سکندر کی مدد سے فتح کیا تو ہمیں یہ حقیقت بھولنا نہ چاہئے کہ محاصرے کے دوران میں سکندر زیادہ وقت اردگرد کے علاقے کی دیکھ بھال میں صرف کرتا رہا اور ایک موقع پر اس کی جان بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ (کرٹیس لکھتا ہے کہ سکندر مقدونوی سنگ تراشوں اور لکڑی لانے والوں کو عرب قبیلے کے حملے سے محفوظ رکھنے کیلئے ایک ملک کے اندر گیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ سپہ سالار اعظم مختلف ضمنی کام انجام دینے والے گروہوں کی حفاظت کا فرض عموماً انجام نہیں دیا کرتے)۔

پھر ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ سکندر نے فوجی معاملات کے متعلق غیر معمولی خاموشی رکھی اس نے نہ کسی جنگ پر تبصرہ کیا، نہ کسی لڑائی سے پہلے اس نقشے کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ ہمیں امید ہو سکتی تھی کہ اس رومی مؤرخ (خصوصاً آریاں) اس غیر معمولی فوجی قائد کی کوئی رائے یا کوئی اصول بتائیں گے۔ فیلقوس نے کائی رونیا کی جنگ کے بعد ہوآمیز باتیں کہی تھیں اور

Marfat.com

پارمینیو نے گرینی کس کی جنگ میں سکندر کی غلطیوں کو بڑی سختی سے واضح کیا تھا۔ ساحلی علاقے میں ملیٹس کے مقام پر پارمینیو ہی نے بیڑے کے جنگی فوائد بتائے تھے اور گاگامیلہ کی لڑائی سے پیشتر پارمینیو اور دوسرے افسروں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ یا شبخون مارا جائے یا دفاعی جنگ کیلئے استحکامات کر لئے جائیں۔ سکندر یہ سب کچھ سن کر اطمینان سے سو گیا اور اس لڑائی سے ایک رات پہلے وہ معمول سے زیادہ سویا۔

اس کے جو احکام ہمارے پاس پہنچے ہیں وہ یا تو راستوں سے تعلق رکھتے ہیں یا پلوں کی تعمیر سے یا فوجوں کی نقل و حرکت اور طبی امداد سے یا متصرفہ علاقوں میں افسروں کے طرز عمل سے یا سپاہیوں یا قیدیوں کے معاملات سے۔

عام طور پر یہ مسئلے زیر بحث رہتے تھے کہ ہاتھیوں کی خصوصیات کیا ہیں۔ دریاؤں کے بہاؤ کی رفتار کیا حال ہے۔ جہازوں کیلئے بادبان کیسے ہونے چاہئیں۔ لڑائی سے پہلے وہ اپنے آدمیوں سے گفتگو کے دوران میں کچھ ایسے کلمے کہہ جاتا تھا جس سے ظاہر ہوتا کہ فوجی نقطہ نگاہ سے اسے موقع محل کا پورا اندازہ ہے۔ مثلاً اسوس سے پیشتر اس نے بتا دیا کہ ایرانیوں کی پوری قوت مقابلے پر آ گئی ہے اور گاگامیلہ سے پیشتر اس نے واضح کر دیا کہ جو لوگ اسوس میں ہمارے مقابلے میں آئے تھے وہ اس میدان میں نہیں لیکن ایسی باتیں فوجیوں کا حوصلہ بڑھانے کیلئے کہی جاتی تھیں۔

لڑائیوں میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس نے جو جشن منائے یا جو یادگاریں قائم کیں ان کا مدعا یہ تھا کہ مقتولوں کا اعزاز پورا ہو۔ وہ مقدونیوں کو فاتح کی حیثیت میں سربلند نہ دیکھنا چاہتا تھا۔ ان یادگاروں میں سے وہ ستون مستثنیٰ ہیں جو دریائے بیاس کے کنارے تعمیر ہوئے۔ وہاں کوئی لڑائی نہ ہوئی تھی۔

غیر مشتبہ طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر فوجی معاملات کے متعلق بات چیت پسند نہ کرتا تھا۔ کا[illegible] کی تدبیریں اسے لڑائی میں سوجھتی تھیں۔ کوچ کے دوران میں اس نے قیادت کے [illegible] رکوچ ہی کے دوران میں اس نے بحیرہ پیمائی کے [illegible]

حاصل کیا۔ اکثر تفصیلات وہ اپنے فہم کی تیزی سے موقع پر طے کر لیتا تھا۔ مثلاً ضرورت کے مطابق رسے بنانا، گھوڑوں کا علاج کرنا، سانپوں کے کاٹے کا علاج کرنا، جنگ سے تنگ آئے ہوئے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانا۔ تمام مہمات میں اسے صرف دو مرتبہ رسد کی مشکلات پیش آئیں اول موسم سرما میں ہندکوہ کو عبور کرتے وقت، دوم مکران کے صحرا میں۔ صرف ایک مرتبہ اسے دشمن کی نقل وحرکت کے متعلق آگاہی حاصل نہ ہو سکی۔ یہ واقعہ اسوس میں ساحل پر پیش آیا۔

چنگیز خان کی طرف سکندر بھی دشمن کو مارنے یا اس کی قوت مزاحمت کو توڑنے میں بے پناہ تھا لیکن وہ منگولوں کی طرح فتوحات پر خوشیاں منانے کا عادی نہ تھا۔ فطرتاً اسے فنون جنگ میں مہارت حاصل نہ تھی۔ لیکن جب چاہتا اپنے فوجیوں کے ذریعے سے معجزے دکھا دیتا۔

مقدونوی فوج سے اس نے اکتشاف اور آبادکاری کا کام لیا اس فوج کے ذریعے سے وہ اپنی خیالی دنیا کے متعلق مختلف مقاصد پورے کر سکا۔ اس کے ماتحت فوج نے ایک متحرک قوم کی حیثیت حاصل کر لی۔ اس نے قومیں پیدا کیں جو فصل کاٹنے والی مشین کی طرح مختلف کام انجام دیتی رہیں۔ یقیناً اس نے جنگجوؤں سے وہ کام لیا جو انسانی تحمل سے باہر تھا اور خود بھی اس میں شریک رہا لیکن تعجب اس امر پر ہے کہ اس کے باوجود فوج کی فداکاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ یقیناً قائد کی حیثیت میں اس تک کوئی اس کا ثانی پیدا نہ ہوا اور دوسرے معاملات میں اسے جینس کی حیثیت حاصل تھی۔

سکندر کے جانشین اپنے آقا کے طریقوں سے خوب آگاہ تھے اور ان طریقوں سے انہوں نے کام لیکن جو نتیجے سکندر نے پیدا کئے تھے وہ جانشین پیدا نہ کر سکے۔ ان کے پاس سونے کی افراط تھی لہٰذا تنخواہ دار فوجی ملازم رکھ سکتے تھے اور انہوں نے شتر سواروں اور بکتر بند ہاتھیوں پر بھی بہت بھروسہ کیا۔ مغربی دنیا میں مختلف بادشاہ نئی جنگی مشینوں پر بڑی رقمیں خرچ کرتے تھے۔ سکندر کے سائنسدانوں نے یونانی آگ یا بحری آگ کے تجربات بھی کئے جو گندھک اور رال ملا کر بنائی جاتی تھی اور پانی میں بھی جلتی رہتی تھی۔ سکندریہ میں

Marfat.com

بھاپ کے انجن جیسی ایک چیز بھی بنی تھی اور محاصرے کیلئے بھی نئی منجنیقیں تیار ہوئی۔ ارشمیدس نے ایک پیچ دار پمپ بنالیا جس سے جنگی جہازوں کو اٹھا لیتے اور ایک بہت بڑا محدب شیشہ بنایا جس میں سورج کی کرنوں سے حرارت یکجا کی جاسکتی تھی۔ نیز ارشمیدس نے اپنے آقا بیرو دالی سائیرا کیوز کیلئے ایک ایسی مشین بنائی جو بہت بڑا بوجھ اٹھا لیتی تھی۔ اس نے کہا کہ اگر مجھے پاؤں رکھنے کیلئے جگہ مل جائے تو زمین کو بھی اٹھالوں۔

ایسی تباہ کار جنگی مشینوں کے ذریعہ سے مغرب کے مطلق العنان بادشاہ اپنی رعایا اور اپنے پڑوسیوں پر اقتدار بڑھاتے رہے لیکن ان تدبیروں سے کوئی قابل ذکر نتیجہ نہ نکلا۔ قرطاجنہ مشرقی تجارتوں کا مرکز بن گیا تھا اور اس کیلئے بڑی فوج ملازم رکھ لینا مشکل نہ تھا۔ ہنی بال کی فوج ایسے ہی تنخواہ داروں پر مشتمل تھی جس میں نیومیڈیا کے سوار تیر انداز بھی تھے اور ہاتھیوں کی قطاریں بھی۔ رومی جمہوریت کی فوجیں بڑی مشکل سے ہنی بال کو شکست دے سکیں۔ پھر انھوں نے سائیرا کی جنگی مشینوں اور انیڈیا کس کے ہاتھیوں سے نجات حاصل کی لیکن اس وقت تک فوجوں کی حیثیت بالکل بدل چکی تھی اور رومی نئے یونانی توپ خانے اور جنگی بیڑے کے مالک بن چکے تھے۔ لیکن وہ ایشیا کی روح پر کبھی اس طرح قابو نہ پاسکے جس طرح سکندر نے قابو پالیا تھا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ رومیوں کی تمام تعمیرات ان بنیادوں پر اٹھائی گئی تھیں جو سکندر نے مشرق میں رکھی تھیں لیکن رومی اس کے مقصد کو پورا نہ کر سکے۔

دیوانگی کے مراحل

بلاشبہ سکندر نے آخری چند سال میں اپنے جسم اور روح کو بالکل تھکا دیا تھا۔ پارمینیو کے قتل کے بعد وہ جن دیوانگی آمیز مراحل سے گزرا ان کا سراغ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ کیسنڈر کی شہادت یہ ہے کہ آخری دور میں سکندر کو دیوتاؤں کی حفاظت پر کوئی عقیدہ نہ رہا تھا اور اپنے پرانے دوستوں کے متعلق اس کے دل میں شبہات پیدا ہو چکے تھے۔ گویا اس کی روح گمراہی کی نذر ہو گئی تھی۔ ترکستان میں جلاوطن یونانیوں کا قتل، قیدیوں کا کشت و خون،

Marfat.com

ہندوستان کے آخری دور میں مفروروں کی تباہی، نیز اپنی زندگی کو مسلسل نطرے میں ڈالے رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دماغ پر اثر پڑ چکا تھا۔ اس زمانے میں وہ رات کے وقت زیادہ شراب پینے لگا جو اس کی عادت ثانیہ بن گئی۔ کلائی ٹس اور ہفااسشن کی موت کے بعد اس پر مالیخو لئے کے دورے پڑے۔ اس مرحلے پر معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بے پناہ قوت اسے سفر پر آمادہ کر رہی ہے اور وہ متعارف مناظر یا شہروں میں جانے سے ہراساں ہے اور معمولی کاروبار بھی اسے پسند نہ تھا۔ ممکن ہے اس نے فوج کو مکران میں سے گزارنے پر اس لئے اصرار کیا ہو کہ اسے بغاوت کی سزا دے۔ [21]

رومی بادشاہوں میں سے کیلڈ لا یا نیرو کی ططرح سکندر میں بڑائی کے خبط کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا۔ جو وقائع نگار اس کے ساتھ تھے وہ بتاتے ہیں کہ دجلہ پر پہنچ جانے کے بعد جو غیر معمولی واقعات اور ناساز گار شگون پیش آئے ان سے وہ پریشان ہو گیا تھا لیکن جب اس سے کوئی التجا کی جاتی تو بڑے معقول انداز میں اس پر غور کرتا۔ نیسا میں مقدونیوں کو عشق پیچاں کا پودا ملا جسے وہ بہت مبارک سمجھتے تھے۔ سکندر نے اس شہر کے لوگوں سے مطالبہ کیا کہ اپنے دانشمند اور معزز آدمیوں میں سے ایک سو حوالے کرو جو مقدونیوں کے ساتھ جائیں۔ نیسا کے سردار نے یہ سنتے ہی قہقہہ لگایا۔ سکندر نے پوچھا کہ تمہیں ہنسی کس بات پر آئی؟ جواب ملا: اگر آپ ایک سو بہترین آدمیوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے تو شہر کے انتظام کیلئے ہمارے پاس رہ کون جائے گا۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ دوسو بدترین آدمیوں کو لے جائیں۔ سکندر نے سردار کی رائے سے اتفاق کیا اور ایک سو ممتاز شہریوں کو لے جانے کی بجائے وہ سردار کے خاندان سے دوسو آدمیوں کو بطور یرغمال ساتھ لے گیا۔

اس نے فوج کو کھیلوں یا گھڑ دوڑ یا پیریڈوں کے جو حکم دیئے ان کا مدعا یہ تھا کہ فوجی تکان اتار لیں اور خوش ہو جائیں۔ سکندر نے رومہ کے پیشہ ور تیغ زنوں کی طرح اپنے آدمیوں کو وحشی جانوروں سے لڑانے کا حکم کبھی نہ دیا۔ شوش میں شادیوں کے موقع پر جو جشن منایا گیا اس کا مقصد یہ تھا کہ ایرانیوں کے ساتھ شادیاں زیادہ ہر دلعزیزی اختیار کر لیں۔

Marfat.com

ایرانی مصنف کہتے ہیں کہ وہ شان وشکوہ اور عظمت کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ یہ صحیح نہیں۔ اس نے اپنے سامنے جھکنے کی رسم ترک کرا دی۔ دریائے دجلہ پر باغی فوجیوں سے مصالحت کر لی۔ سٹاسی کریٹیز نے اس کی یادگار میں کوہ ایتھوس پر جو بڑا بت بنانے کی تجویز کی تھی سکندر نے اسے منظور نہ کیا۔ نہ وہ ایسی تجویز پر خوش ہوتا۔ نئے سکے پر بھی اپنی تصویر نہ بننے دی۔ اس کی جگہ زیوس کی تصویر بنوائی۔ (لسی پس استعمال کی) دریائے فرات پر آخری دور میں وہ یہ کوشش کرتا رہتا تھا کہ جہاز رانی میں جو رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں انہیں دور کر دے یا ساحل عرب کے گرد چکر لگانے کیلئے جو نئے جہاز تیار ہوئے تھے ان کی دیکھ بھال میں لگا رہتا تھا۔

آریاں لکھتا ہے کہ وہ کسیوں کے خلاف پہاڑیوں میں جو مہم لے گیا تھا اس کا مدعا یہ تھا کہ ہفااسشن کی یاد میں سوختنی قربانی کرے، لیکن اس موسم بہار کی سکندر ایکبتانہ میں تھا۔ وہاں درختوں میں تازہ پتے موجود تھے اور وہاں خنکی تھی۔ وہ ہمیشہ نئے راستوں کی دریافت میں لگا رہتا تھا اور دریائے دجلہ کے میدانوں کی گرمی سے وہ بہت خوفزدہ تھا اور ان ذمہ داریوں سے بھی گھبرا گیا تھا جو بابل میں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

وہ مردوخ کے پروہتوں کے انتباہ اور اپنی خواہش کے خلاف بابل گیا۔ نیارکس اور اس کے سالار وہاں انتظار کر رہے تھے۔ یہ طبعی امر تھا کہ جس حد تک ممکن ہوتا وہ پہاڑی علاقوں میں رہتا۔ بہانہ یہ بنایا کہ وہ قبائلیوں کو سزا دے رہا ہے۔ اس کی کوشش میں بھی خبط کا کوئی نشان نہیں ملتا بلکہ اس امر کی واضح شہادت ہے کہ جو کچھ ضروری تھا اسے پورا کرنے کیلئے وہ عزم مصمم پر قائم تھا۔ البتہ یہ درست ہے کہ آدمی کی شکستگی اسے مجبور کر کے شاہی محل کی طرف لے گئی۔ بابل پہنچ کر بھی اس نے جہازوں کے ساتھ روانگی کی سرگرم کوشش کی۔ اگر سکندر سے پیشتر ایکبتانہ سے نئی سرزمینوں اور اجنبی لوگوں کے درمیان پہنچ جاتا تو ممکن تھا کہ وہ زندہ رہتا۔

○

Marfat.com

ضروری گزارش

کتاب کا بڑا حصہ ایشیا میں مرتب ہوا تھا جب جنگ جاری تھی۔ ہوا یہ کہ میں دو سال تک سکندر کے نقشِ قدم پر سفر کرتا رہا۔ صرف شمالی ہندوستان میں نہ جا سکا۔ مقدونیہ، یونان اور بحیرۂ ایجہ کے زیادہ تر جزیرے گزشتہ جنگ کے بعد دیکھ لئے تھے۔ بس جس حد تک سفر کا تعلق ہے میں نے تمام سرزمینیں دیکھ لی تھیں جن میں سے مقدونیوں کا گزر ہوا۔

یونانی ناموں یا شخصیتوں یا واقعات کے باب میں اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی تو اس کے لئے میں عذر خواہ ہوں۔ مثلاً ''برسین'' کا تشخص غیر یقینی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقدونوی فوج میں سے دو سے زیادہ بطلیموس تھے نیز کوئنٹس نام کے دو افسر تھے۔ ممکن ہے واقعات کے سلسلے میں یہ نام خلط ملط ہو گئے ہوں۔

آریاں کی مفصل وطویل سرگزشت کا انگریزی ترجمہ میں نے ساتھ لے لیا تھا۔ کوئنٹس کریٹس کا لاطینی نسخہ دورانِ سفر مل گیا تھا۔ سٹریبو کا فرانسیسی ترجمہ اور پلوٹارک کے سوانح تہران کے عجائب خانہ آثار قدیمہ میں مل گئے تھے۔ ارسطو کی تصانیف کے انگریزی اور عربی ترجمے میں نے بغداد سے لے لئے تھے۔ ایک یونانی سفیر نے ڈیماستھنیز کے خطبات کا فرانسیسی ترجمہ مستعار دے دیا۔ امریکہ کے ایک ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر جوزف اپٹن نے، جو اس وقت تہران میں تھا مجھے سر آرلی شائن کی وہ کتاب دیکھنے کیلئے دی جس میں سکندر کے مکرانی راستے پر تبصرہ کیا گیا تھا۔

بیروت میں امریکن یونیورسٹی کا نہایت عمدہ کتب خانہ ہے، مزید امداد اس سے لی گئی

Marfat.com

دوران سفر میں علمائے مشرق نے ایشیائی اقوام اور اس زمانے کے ثقافت کے متعلق بھی معلومات بہم پہنچائیں۔ اور مختلف شہروں کی وہ کیفیت بھی بیان کی جو سکندر کے وقت میں ہو سکتی تھی۔ مقدونویوں نے مشرق میں جو کچھ دیکھا ہوگا اس کا نقشہ میں نے آثار قدیمہ کی تفصیلات کے مختلف ٹکڑے جوڑ جوڑ کر تیار کیا۔ گویا مقدونویوں نے سکندر کی قیادت میں جو سفر کیا تھا اس کتاب میں اس کی ہو بہو تصویر از سر نو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تخلیق تو صرف اس حد تک تخیل کا کرشمہ ہے کہ مختلف ماخذ سے حاصل کی ہوئی تفصیلات کو اصل منظر پر جوڑ دیا گیا ہے۔ اس طرح ایک ''کل'' کی تشکیل کا بندوست کیا گیا ہے۔ سکندر کو اسی طرح دکھانے کی سعی کی گئی ہے جب کہ وہ اپنے وقت میں تھا۔ طویل سفر میں اس نے جو کچھ دیکھا ہوگا جن لوگوں اور جن مسائل سے اسے سابقہ پڑا ہوگا انہیں اصل صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

دو ہزار دو سو سال کی مدت گزر چکی ہے اتنے فصل پر تمام تفصیلات کی تصدیق آسان نہ تھی لیکن ان معلومات کو درجہ یقین پر پہنچانا ممکن ہے جو اس زمانے میں یونانیوں، مصریوں، ایرانیوں اور شامیوں کو حاصل تھیں۔ ان معلومات میں سکندر بھی حصہ دار ہوگا۔ جو نظریات سکندر کے بعد وجود پذیر ہوئے وہ اس کتاب میں جگہ نہیں پا سکے۔

O

Marfat.com

حوالہ جات

پہلا باب

1- (ILIAD) یونان کے شاعر ہومر کی شہرہ آفاق نظم جس میں ایشیائے کوچک کے قدیم شہر ٹرائے کی تسخیر و تباہی کا افسانہ بڑے ہی تاثیر انداز میں سنایا گیا ہے۔

2- (ACHILLES) یونان قدیم کا معروف ہیرو جو بہادری و مردانگی کا پیکر سمجھا جاتا تھا۔ ٹرائے کو اسی نے فتح کیا تھا، لیکن خود اس جنگ میں مارا گیا۔

3- LEONIDAS۔

4- (THEBES) یونان کا ایک قدیم شہر جو ایتھنز کا حریف بنا رہا۔ 371 ق م میں سپارٹا کو شکست دے کر اس شہر نے پورے یونان میں ممتاز ترین درجہ حاصل کر لیا تھا۔ سکندر کا باپ فیلقوس بھی وہاں کچھ مدت تک بطور یرغمال رہا تھا اور وہیں اس نے جنگی فنون میں کمال حاصل کیا تھا۔ مشہور حکمران اپی می نا ندلیس (EPIMANENDES) کی وفات کے بعد تھیبز کی عظمت ماند پڑ گئی اور آہستہ آہستہ یہ مٹ گیا۔ سکندر نے اسے بالکل برباد کر ڈالا۔

5- ZEUS وہ دیوتا جسے رومی جوپیٹر کہتے تھے اور اسے تمام دیوتاؤں کا دیوتا مانتے تھے۔ یونانیوں میں اس کا نام زیوس تھا۔ یہ نام مشتری ستارے کے نام پر رکھا گیا تھا۔

6- APHRODITE جس کا نام رومیوں نے وینس رکھا یعنی زہرہ جسے محبت کی دیوی مانا جاتا تھا۔

Marfat.com

7- یونانی افسانوں کے مطابق PROMETHEUS آسمانوں پر چڑھ گیا اور سورج سے آگ چرا کر لے آیا تا کہ انسانوں کو زندگی کی حرارت سے بہرہ مند کرے۔ زیوس نے اسے سزا کے طور پر پکڑ کر قفقاز کی ایک چٹان سے باندھ دیا۔ گدھ روزانہ اس کا کلیجہ کھا جاتے اور دوسرے دن پھر کلیجہ اصل حالت پر آ جاتا۔

8- LYSIMACHUS۔

9- LEONIDAS۔

10- ANTIPATER۔

11- DEMADUS۔

12- PTOLEMY عربی میں اس نے بطلیموس کی شکل اختیار کی جس طرح فلپ عرب میں فیلقوس بن گیا۔ یہاں بطلیموس کے بجائے ٹالمی ہی لکھنا شاید مناسب ہوتا لیکن چونکہ اس شخص نے آگے چل کر مصر میں ایک مستقل حکومت کی بنیاد رکھی اور اس کا خاندان ہمارے ہاں بطلیموس مشہور ہو گیا۔ اس لئے میں نے عربی نام استعمال کیا۔

13- NEARCHUS۔

14- HARPALUS۔

15- ARSINOE۔

16- میراتھان MARATHON پہاڑوں کے بیچ میں ایک میدان جو ایتھنز سے بائیس میل کے فاصلے پر ہے 490 ق م میں ایک ایرانی فوج نے یونان پر حملہ کیا تھا اور اسی میدان میں ٹھہری تھی۔ یونانیوں نے اسے شکست فاش دی۔ ایک شخص اس میدان سے دوڑ کر ایتھنز پہنچا تا کہ فتح کی خوشخبری پہنچائے۔ اس کی یادگار میں یہ دوڑ رکھی گئی جس میں اول نمبر حاصل کرنے والے کو بڑے اعزازات دیئے جاتے، یہ دوڑ چھبیس میل اور تین سو پچاس گز تھی۔

17- پیتھو PYTHO کوہ پرناسس کے ڈھلان پر ایک مقام تھا جہاں پر چوتھے سال کھیل

Marfat.com

ہوتے تھے۔ بعد میں اس مقام کا نام ڈلفی رکھا گیا اور وہاں ایک مندر بن گیا جس کے دیوتاؤں سے مشورہ لینے کی بڑی شہرت ہوئی۔ جب کسی کو کوئی کام کرنا ہوتا تو ڈلفی کے مندر میں چلا جاتا اور پوچھتا۔ وہاں کے پجاری ایک خاص انداز میں جواب دیتے اور اس جواب سے ہر شخص اپنے مطلب کی بات پالیتا۔

18- PELLA یہ خلیج تھسلی سے ذرا اوپر واقع تھا۔

19- AEGAE یہ شہر پیلا کے شمال میں تھا۔

20- CORINTH۔

21- XERXES وہ ایرانی بادشاہ جس نے یونان پر حملہ کیا اور شکست کھا کر لوٹا۔

22- اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح ایرانی زین اور رکاب اس زمانے میں استعمال کرتے تھے یونانی اس سے بالکل ناآشنا تھے۔

23- سٹیڈیم لمبائی کا ایک یونانی پیمانہ تھا جو دوسو دوگز کا ہوتا تھا یعنی فرلانگ سے اٹھارہ گز کم۔ اس حساب سے پانچ سو سٹیڈیم کا فاصلہ چھپن اور ستاون میل کے درمیان ہوا۔ ساٹھ ہزار قدم ایک لاکھ گز بنتے ہیں (بحساب پانچ فٹ فی قدم) گزوں کے میل بنائے جائیں تو چھپن ستاون ہی بنیں گے۔

24- ارتخشت کو یونانی ARTAXERXES یعنی آرٹازرکسیز کہتے تھے۔ عربی زبان میں یہ نام اردشیر بن گیا۔ یہ اردشیر کیانی تھا۔ ساسانی خاندان میں بھی اردشیر ہوا جسے اردشیر بابکان کہتے ہیں۔

25- DIONYSUS یہ ایک یونانی دیوتا تھا جس کا نام دمیوں نے باکوس (BACCHUS) رکھا اسے بدمستیوں اور رنگ رلیوں کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔

26- EPIRUS جغرافیہ قدیم میں یہ علاقہ یونان خاص کے شمال مغرب میں واقع تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شمالی یونان اور جنوبی البانیا پر مشتمل تھا۔ اب یونان کا شمالی وجنوبی حصہ ہے۔

Marfat.com

27- ARRHIDAEUS۔

28- AMYNTAS فیلقوس کا باپ۔

29- CENTAUR ایک فرضی مخلوق جو نصف آدمی اور نصف گھوڑا ہوتی ہے۔

30- PANGAEUS۔

31- یونان میں دو قسم کے ٹیلنٹ مروّج تھے۔ ایک سنہری دوسرا روپہلی۔ سنہری کی قیمت ساڑھے پانچ سو سے کسی قدر کم اور روپہلی کی تین سو بیالیس۔ یہ میں نے عام معیار کے مطابق عرض کر دیا۔ خود مصنف نے آگے چل کر جو حساب بتایا ہے اس کی دو حیثیتیں ہیں۔ اوّل عام اندازہ، دوم موجودہ زمانے کی قوتِ خرید کے حساب سے اندازہ۔ اس کی تفصیل آگے معلوم ہوگی۔

32- SAMOTHRACE ایک جزیرہ جو درہ دانیال سے ذرا اوپر گیلی پول کے سامنے ہے اسے سیموتھریک بھی کہتے ہیں۔

33- ARISTANDER۔

34- EPHESUS یہ قدیم شہر ایشیائے کوچک میں واقع تھا۔

35- ARTEMIS۔

36- SYRACUSE سسلی کا مشہور مقام۔

37- DEIADES۔

38- HERMES یہ ایک یونانی دیوتا تھا جو آسمانی پیام زمین پر لاتا تھا اور روحیں یہاں سے لے جاتا تھا۔

39- ANTIGONUS۔

40- BUCEPHALUS سکندر کا مشہور گھوڑا۔ یہ یونانی زبان کے دو لفظوں سے مرکب ہے۔ اول BOUS بمعنی گاؤ۔ دوم KEPHALE بمعنی سر یعنی وہ گھوڑا جس کی پیشانی پر گائے بیل کی طرح سفید لکیری تھی۔

Marfat.com

41- HERACLES یونان کا قومی ہیرو جس کے متعلق افسانہ ہے کہ بچپن ہی میں غیر معمولی قوت وطاقت کا مالک تھا۔

42- DEMOSTHENES یونان کا شہرۂ آفاق خطیب 384 ق م میں بمقام ایتھنز پیدا ہوا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ فیلقوس شاہ مقدونیہ کے خلاف اس نے مسلسل خطبے دیئے۔ فیلقوس کی وفات کے بعد وہ سکندر کے خلاف تقریریں کرتا رہا۔ اہلِ ایتھنز نے اسے سنہری تاج پہنایا تھا جو یونان میں خطیب کے لئے عزت کا سب سے بڑا نشان سمجھا جاتا تھا۔

43- بظاہر یہ الفاظ یونانی زبان میں اس لئے بولے گئے کہ معلوم ہوتا ہے ڈیماستھنیز نے اپنے خطبے میں استعمال کئے ہوں گے۔

44- EURIPIDES یونان کا مشہور شاعر جس نے متعدد ڈرامے لکھے۔ 480 ق م میں پیدا ہوا۔ پھر ایتھنز سے نکل گیا اور اپنی عمر شاہِ مقدونیہ کے پاس گزار دی۔ 402 ق م میں فوت ہوا۔

45- ASTYANAX۔

46- بحیرۂ ایجہ کا ایک جزیرہ۔ CHIOS۔

47- STAGYRA ارسطو کا وطن۔

دوسرا باب

1- ANTIPATER۔

2- MEIZA وہ مقام جہاں پریوں کا مندر تھا اور جہاں ارسطو کی دانش گاہ قائم ہوئی تھی۔

3- MEDEA یونانی افسانوں کی ایک شہزادی جس نے اپنے محبوب جیسن کو سنہری اون لانے میں مدد دی تھی۔ یوری پائیڈیز نے اس پر ایک ڈراما لکھا تھا۔

4- ARISTANDER۔

Marfat.com

5- GORDIUS زمانہ قدیم کا ایشیائے کوچک مختلف حکومتوں میں بٹا ہوا تھا۔ جن میں سے ایک علاقے نام فرجیا (PHRYGIA) تھا۔ گارڈیس یہیں کا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنا رتھ جوپیٹر دیوتا (مشرقی ستارہ) کی نذر کر دیا تھا اور اس کا جوا چھال کر رسے کے ساتھ ایسی ہنر مندی سے گرہ دے کر باندھ دیا تھا کہ کوئی اسے کھول نہ سکتا تھا۔ مشہور تھا کہ جو کھول لے گا، وہ مشرق کا بادشاہ بن جائے گا۔ اسے گارڈیس کی گرہ یا GORDIU KNOT کہتے تھے۔ مصنف نے GORDIUS KNOT لکھا ہے۔
سکندر جب فرجیا پہنچا اور اس گرہ کا حال سنا تو تلوار سے اسے کاٹ دیا۔

6- پرانے زمانے میں دستور یہ تھا کہ جنگی اسیروں سے بادبانی جہازوں میں چپو چلانے کی بیگار لی جاتی تھی اور یہ بڑی ہی سخت محنت تھی۔ خرید کردہ غلام بھی اس کام پر لائے جاتے تھے۔

7- سمندر کے دیوتا یا رب النوع بحر کیلئے دو نام تھے۔ ایک پوسیڈون POSEIDON جو مصنف نے متن کتاب میں استعمال کیا اور دوسرا (NEPTUNE)

8- CYCLADES ISLANDS یہ بہت سے جزیروں کا مجموعہ ہے اور یونان کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔

9- EUXINE SEA یہ اس سمندر کا پرانا نام تھا جسے ہم بحیرہ اسود (BLACK SEA) کہتے ہیں۔

10- جیسا کہ بتایا جا چکا یہ یوری پائیڈیز کا ایک ڈرامہ تھا جس میں ہیروئن کا کردار میڈیا نے ادا کیا۔ افسانے کا خلاصہ یہ ہے کہ میڈیا نے جادو کے ذریعے سے اپنے محبوب جیسن JASON کی حفاظت کی اور وہ دونوں جہاز میں بیٹھ کر ہنری اون تھسلی آ گئے۔

11- اس آبنائے سے مراد جبل طارق ہے جو بحیرۂ روم کو اوقیانوس سے ملاتی ہے۔ پرانے زمانے میں اس کا نام PILLARS OF HERCULES (ہرقل کے کھمبے) تھا یعنی پانی کے ایک تنگ خطے کے دونوں طرف ستونوں کی طرح وہ پہاڑی ٹیلے کھڑے تھے

Marfat.com

اور بیچ میں ایک آبی دروازہ بن گیا تھا۔

12- HERODOTUS قدیم زمانے کا مشہور یونانی مؤرخ جو 484 ق م میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی تاریخ کیلئے مواد فراہم کرنے کے سلسلے میں طویل سفر کیے۔

13- نام انگریزی میں DAUGHTER OF THE SUN بتایا گیا ہے۔ یہ یقیناً سِتھی زبان کے کسی لفظ کا ترجمہ ہوگا۔ قدیم زمانے کے ایرانیوں میں اس قسم کے ناموں کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً "یورون دخت" اغلب ہے، اصل نام آفتاب دخت یا خورشید دخت ہو۔ میں نے عام فارسی ترجمہ مناسب سمجھا۔

14- مراد یہ ہے کہ آرسی نوئی مدت تک فیلقوس کی داشتہ رہی۔ اس سے بطلیموس پیدا ہوا۔ پھر فیلقوس نے اولمپیاس سے باقاعدہ شادی کی تو آرسی نوئی کو اپنے ایک سردار لگوس کی بیوی بنا دیا اور وہ لگوس کے گھر کی مالکہ بن گئی۔

15- مصنف نے یہاں مائی لیشیون (MILLESIAN) کا لفظ استعمال کیا۔ یہ قدیم زمانے کے باشندے تھے۔ میں نے ترجمے میں صرف عہدِ قدیم کافی سمجھا۔

16- CIMMERIANS یہ قدیم زمانے میں ایک ملک کا نام تھا جو آج کل روس کہلاتا ہے۔

17- بحیرۂ متوسط MEDITERRANIAN SEA کا لفظی ترجمہ ہے یعنی وہ سمندر جو خطہائے عرض کے درمیان واقع ہے یعنی بحیرۂ روم۔

18- مغربی آبی دروازے سے مراد آبنائے جبل طارق ہے۔

19- بحرِ محیط یعنی وہ سمندر جس نے زمین کا احاطہ کر رکھا ہے بالفاظ دیگر اٹلانٹک، جسے عام لوگ بحیرۂ اوقیانوس کہتے ہیں حالانکہ اوقیانوس یونانی لفظ OKEANOS کی تقریب ہے۔ بمعنی سمندر لہٰذا اس کا صحیح ترجمہ البحر ہوسکتا ہے۔ بحر اوقیانوس غالباً درست نہ ہو۔

20- یہ اوقیانوس یا اٹلانٹک ہی کی طرف اشارہ ہے ممکن ہے اس کی سطح دیکھنے والوں کو تاریک نظر آتی ہو۔ اس لیے عربوں نے اسی کا نام بحرِ ظلمات رکھا۔ "بحرِ ظلمات میں

Marfat.com

دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے" (اقبال) ممکن ہے بحرِ ظلمات نام اس لئے پڑا ہو کہ پرانے زمانے میں سفید تھا اس کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

21- BLESSED ISLES۔

22- RPOMETHEUS۔

23- CASPIAN SEA۔

24- مراد ہے آبنائے جبل طارق۔

25- مصنف نے حقیقت واضح نہیں کی لیکن یونان کی جانب سے مشرقِ بعید کی سرزمینوں تک پہنچنے کا ایک راستہ تو خشکی کا تھا یعنی ایشیائے کوچک میں داخل ہو کر انسان مشرق کی طرف جائے۔ دوسرا راستہ قفقاز کے دروں میں سے بھی تھا جن میں سے دو خاص طور پر مشہور ہیں، ایک درہ دربند جسے عربوں نے باب الابواب قرار دیا دوسرا درہ دانیال۔ یہی آخری درہ تھا جہاں ایران کے شہنشاہ سائرس نے وہ سد بنائی تھی جسے عام طور پر سد سکندری قرار دیا جاتا ہے۔ بحیرۂ اسود میں سے قفقاز پہنچ کر ان دروں میں سے آدمی آذربائیجان پہنچ سکتا تھا لیکن درے دشوار گزار بہت تھے۔ خصوصاً درہ دانیال۔

26- دنیا میں بہت سی بھول بھلیاں موجود تھیں لیکن ادب و تاریخ میں صرف چند ایک کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک بھول بھلیاں جزیرہ کریٹ کی تھی جس میں ایک شخص کو قید کیا گیا تھا۔

27- ایل عبرانی میں اللہ کو کہتے ہیں باب ایل کا مطلب ہوا باب اللہ۔

28- ARADUS یہ مقام غالباً ساحل شام پر حمص کے سامنے تھا۔

29- AECATAEUS۔

30- ANAXAGORAS مشہور یونانی فلسفی جو ایشیائے کوچک میں پیدا ہوا اور ایتھنز میں توطن اختیار کر لیا۔ تاریخ پیدائش 500 ق م اور تاریخ وفات 428 ق م۔

Marfat.com

31- AMYNTAS مقدونیہ کے شاہی خاندان کا بانی۔

32- AEGAE جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے آئی گائی مقدونیہ کا ابتدائی مرکز حکومت تھا۔

33- PELLA پیلا کو فیلقوس نے مرکز بنایا تھا۔

34- EPAMINONDAS تھیبیز کا مشہور جرنیل اور مدبر جو 418 ق م میں پیدا ہوا اور اپنی ریاست کو تھوڑی ہی مدت میں اس نے اوجِ کمال پر پہنچا دیا۔ اس کی وفات کے ساتھ ہی تھیبیز کی عظمت کا ستارہ بھی ڈوب گیا۔

35- ATTALUS۔

36- HEPHASTION۔

37- ZEUS یونانیوں کے دارالاصنام کی مرکزی شخصیت اور سب سے بڑا دیوتا۔ اس کی بیوی کا نام ہیرا (HERA) تھا۔ مشہور ہے کہ وہ زیوس پر سخت نکتہ چینی کرتی رہتی تھی۔

38- NAUSICAA ہومر کی روایت کے مطابق یہ ایک جزیرے کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ کہا جاتا ہے وہ جزیرہ کارفو تھا۔ یولی سس کا جہاز ٹوٹا تھا تو وہ اس جزیرے میں پہنچا تھا اور شہزادی ناسیکا نے اسے اپنے باپ یعنی بادشاہ تک پہنچایا تھا۔

39- MAETI۔

40- EPIRUS۔

41- NEOPTOLEMUS۔

تیسرا باب

1- MARATHON ایرانیوں نے یونان پر حملہ کیا تھا۔ 490 ق م میں یہ لڑائی ہوئی جس میں ساڑھے چھ ہزار ایرانی مارے گئے۔ یونانیوں کا نقصانِ جان صرف ایک سو بانوے تھا۔ اس شاندار کامیابی نے ایرانی حملے کو ناکام بنا دیا۔

2- SALAMUS یہ بحری جنگ تھی جو 480 ق م میں ہوئی۔ یونانی جہاز صرف تین سو ستر

Marfat.com

تھے۔ ایرانیوں کا بیڑا ایک ہزار جہازوں پر مشتمل تھا۔ لیکن انہوں نے خوفناک شکست کھائی۔

3- PLATAEEA یہ جنگ 479 ق م یونانیوں اور ایرانیوں کے درمیان ہوئی تھی۔ یونانی فوج ایک لاکھ تھی اور ایرانی تین لاکھ۔ فتح یونانیوں نے حاصل کی۔

4- PERICLES یونان کا نہایت مشہور بہادر جرنیل 499 ق م میں پیدا ہوا۔ اس کے عہد میں ایتھنز نے سب سے اونچا درجہ حاصل کیا۔ 430 ق م میں اس کے دونوں بیٹے طاعون کی نذر ہو گئے۔ ایک سال بعد اس نے بھی وفات پائی۔

5- HYPASPISTS۔

6- PHILOTAS۔

7- CLEITUS۔

8- یہاں یہ بتا دینا چاہئے کہ عام تاریخی بیان کے مطابق کائی رونیا کے میدان میں فیلقوس کے پاس تین ہزار پیادے اور دو ہزار سوار تھے۔ سواروں کی سالاری سکندر کے سپرد تھی۔ اس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اور وہ پہلی مرتبہ جنگ میں شریک ہوا تھا۔ اسی کے حملے نے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کیا تھا۔ اس میدان میں ایتھنز اور تھیبز کے چھ ہزار آدمی مارے گئے اور مقدونیہ کے دو ہزار۔

9- بالا حصار سے مراد ایکروپولس (ACROPOLIS) ہے جو ایتھنز کا نہایت خوبصورت مقام تھا۔

10- AREOPAGUS ایتھنز کے پاس ایک پہاڑی جس پر بیٹھ کر اکابر باہم مشورے کرتے تھے۔

11- DIONYSOS پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ اسی دیوتا کا یونانی نام تھا جسے رومیوں باخوس BACCHUS کہتے تھے۔

12- سفنکس (SPHINX) دو تھیں۔ ایک تھیبز کی اور دوسری مصر کی۔ ایتھنز سفنکس ایک

Marfat.com

دیوتی تھی جس کا سر شیر کا تھا اور بدن عورت کا۔ مشہور ہے کہ اس نے ایک پہیلی تیار کر رکھی تھی۔ ہر ایک سے پہیلی بجھواتی جو صحیح جواب دے سکتا اسے مار ڈالتی۔ مصر کی سفنکس کا سر آدمی کا تھا اور بدن شیر کا۔ یہ اب تک موجود ہے اور عرب اسے ابوالہول کہتے ہیں۔

-13 LYCEUM ایتھنز سے باہر ایک مندر کے پاس درختوں کا جھنڈ تھا جہاں ارسطو اور دوسرے تلامذۂ افلاطون درس دیا کرتے تھے۔

-14 LYKOS۔

-15 PARTHENON ایتھنز کا مشہور مندر جو بالا حصار میں واقع تھا یونانیوں نے غالباً اس سے زیادہ خوبصورت کوئی عمارت نہ بنائی۔

-16 SOPHOCLES ایتھنز کا مشہور ڈرامہ نگار 496 ق م میں پیدا ہوا۔ 405 ق م میں وفات پائی۔

-17 TROIADES۔

-18 LYSISTRATA۔

-19 THAIS مشہور یونانی طوائف کہا جاتا ہے کہ اس نے سکندر سے تعلق پیدا کر لیا تھا۔ بالآخر بطلیموس سے شادی کر لی اور اسے رشتے کی بدولت مصر کی ملکہ بن گئی۔

-20 ISOCRATES یونانی خطیب اور فلسفی، سقراط کا شاگرد تھا۔ 436 ق م میں پیدا ہوا اور سو سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس نے ایتھنز میں خطابت کی تعلیم کے لئے ایک درس گاہ بھی قائم کی تھی۔

-21 TYRE شام کا مشہور ساحلی مقام جو آج کل بیروت میں شامل ہے۔

-22 CARTHABE فونیقیوں کا مشہور مرکز جس کے کھنڈر اب تک شمالی افریقہ میں ٹیونس کے پاس موجود ہیں۔

Marfat.com

چوتھا باب

1- PAUSANIS۔

2- EURYDICE۔

3- PERDICCAS۔

4- HAEMUS۔

5- PHOCIS۔

6- DIOGENES مشہور یونانی راہب جسے دیو جانس کلبی کہتے ہیں وہ اس فرقے کا بانی ہوا جو زہد و تقشف میں انتہا پسند تھا۔ اور دنیا کی شوکت و حشمت اس کے سامنے ہیچ تھی۔

پانچواں باب

1- PELION۔

2- XENOPHEN۔

3- MILETUS۔

4- EPHESUS مشہور ہے اصحابِ کہف کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا۔ انہیں کو سات سونے والے قرار دیا گیا ہے۔

5- HALICARNASSUS۔

6- میڈیا کا آخری بادشاہ جس نے سائرس سے شکست کھائی۔ CROESUS۔

7- MIDAS یونانی افسانوں کا ایک بادشاہ جس نے دعا کی تھی کہ میں جس چیز کو چھولوں وہ سونا بن جائے۔ دعا منظور ہوئی لیکن اس کی حرصِ زر نے اسے کھانے پینے سے بھی محروم کر دیا۔ غذا کے جس نوالے کو اس کا ہاتھ لگتا وہ سونا بن جاتا اور یہی حالت پانی کی تھی آخر دعا کی اور اس مصیبت سے نجات پائی۔ اس افسانے کے ذریعے سے حرصِ

Marfat.com

زر کی مذمت کی گئی۔

8- یہ امر با آسانی ذہن نشین ہوسکتا ہے کہ اس زمانے میں بحیرۂ روم کی دنیا تمدن کی ابتدائی حالت میں تھی۔ رومی سلطنت کے زمانے میں جو مالی نظام ارتقاء پذیر ہوا وہ اس وقت موجود نہ تھا۔ بینک بھی نہ تھے۔ صرف چند چیزیں سکے دے کر خریدی جاتی تھیں۔ شہری ریاستوں کے تھوڑے تھوڑے بجٹ تھے اور شہریوں سے کم و بیش جبراً پیسے وصول کر کے خرچ چلایا جاتا تھا۔ فوج یا بیڑوں کے ساز و سامان یا کسی تھیٹر میں کھیلوں کی نمائش کیلئے شہری لوگ چندہ کرلیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے زمیندار تو موجود تھے لیکن مالکی کا تصور بالکل شاذ تھا اور لوگوں کے پاس روپیہ جمع بھی نہ ہوا تھا۔ گھوڑے، ہتھیار، غلہ، کپڑا، غلام یہ سب چیزیں اجتماعی ملکیت تھیں۔ قیمتی دھاتیں مبادلے کا عام ذریعہ تھیں۔ سونے چاندی یا تانبے کے کنگن یا زنجیریں یا پیالے وغیرہ وزن کی بنا پر قیمت پاتے تھے۔ یونانی درہم بعد کے زمانے میں انگریزی شلنگ کے برابر سمجھا گیا تھا۔ لیکن جب سکندر ایشیا کی مہم پر روانہ ہوا تو اس شلنگ کی قیمت انگریزی شلنگ کے مقابلے میں تیس گنا تھی۔ اس بنا پر اندازہ کیا گیا ہے کہ ایتھنز میں چار آدمیوں کے کنبے کو اڑھائی سو درہم سالانہ گزارنے کیلئے درکار تھے۔ ٹیلنٹ کی قیمت گیارہ سو ڈالر کے برابر سمجھی جاتی۔ لیکن اس زمانے میں اس سے چالیس ہزار ڈالر کی چیزیں خریدی جاسکتی تھیں۔ لبنان میں سنہری مہر چوبیس روپہلی درہم کے برابر تھی۔ ایشیا میں اس کی قیمت بیس درہم کے برابر سمجھی جاتی تھی۔ سکندر نے معیارِ زر ختم کردیا اور چاندی کو لین دین کا معیار بنایا اور سنہری مہر کی قیمت بیس روپہلی یونانی درہم مقرر کی۔

9- سہ قطاری کا مطلب یہ ہے کہ چپو چلانے والے آدمیوں کی تین قطاریں ان میں بیٹھتی تھیں تا کہ جہاز کو زیادہ تیزی سے چلایا جاسکے۔

Marfat.com

چھٹا باب

1- PRTROCLUS۔

2- GRANICUS۔

3- ENYALIOS۔

4- LYSIPPUS۔

5- ARRIAN۔

ساتواں باب

1- TITAN یونانی افسانوں کے مطابق یہ زمین اور آسمان کے بچے تھے جن میں چھ لڑکے تھے اور چھ لڑکیاں تھیں۔

2- SARDANA یہ لوگ جزیرہ سارڈینیا میں آباد ہوئے جسے عرب سردانیہ کہتے تھے۔

3- DARDANA ظاہر ہے کہ آبنائے دانیال کا نام انہیں کے نام پر مشہور ہوا۔

4- CIMMERIANS یعنی اوسی۔

5- مصنف کے بیان کے مطابق یونانی توسیع آبادی کی روایتی تاریخیں یہ ہیں۔ سواحل پر اور جزیروں میں پہنچا۔ 1400 ق م سے 1100 ق م تک۔ اس دور کے اواخر ٹرائے کا محاصرہ پیش آیا۔ ہومر کی نظمیں غالباً آٹھ سو قبل مسیح میں لکھی گئیں۔ مغربی یونانیوں کی آبادکاری کی تاریخ توسیع 750 ق م سے 580 ق م تک رہی۔ ایرانیوں کے ساتھ پہلی اور دوسری جنگیں 499 ق م سے 489 ق م تک، خانہ جنگی 460 ق م سے 404 ق م۔ بلقان پر قبضہ جمانے مقدونیہ کے ساحل کو آزاد کرانے اور یونانی شہری ریاستوں پر اقتدار حاصل کرنے کیلئے فیلقوس نے جن مہموں کا انتظام کیا ان کا زمانہ 357 ق م سے 336 ق م تک ہے۔ سکندر درہ دانیال کو عبور کر کے 334 ق م میں ایشیا پہنچا۔

6- AEGEAN SEA یعنی بحیرۂ روم کا وہ مشرقی حصہ جو یونان اور ایشیائے کوچک کے

Marfat.com

مابین واقع ہے اور اس میں بہت سے چھوٹے جزیرے ہیں۔

7- LESBOS۔

8- SEMIRAMIS زمانہ قدیم کی مشہور ملکہ جسے نینوئی کی اشوری سلطنت کا بانی قرار دیا جاتا ہے اور اصل وہ بابل کی رہنے والی تھی، بیالیس سال کی حکومت کے بعد اس نے سلطنت اپنے بیٹے کے حوالے کر دی۔

9- GORDIUS۔

10- MAUSOLEUM انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ محض مقبرہ ہے لیکن اس کی اصل یہ ہے کہ مسولس بادشاہ کا جو عالی شان مقبرہ اس کی ملکہ نے ہیلی کارنیس میں بنایا تھا وہ عہد قدیم کا سب سے زیادہ عالی شان مقبرہ تھا۔ اس کا نام مسولیم رکھا گیا یعنی وہ قبر یا عمارت جس میں مسولس دفن ہوا بعد میں اسے مقبرہ مراد لیا جائے گا۔

11- ADA۔

12- COENUS۔

13- PHRYGIA۔

14- PISIDIA زمانہ قدیم میں ایشیائے کوچک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں سے دو یہ تھیں یعنی فریجیا اور پسیڈیا۔

15- GORDIUM ایشیائے کوچک کی متعدد ریاستوں میں سے ایک ریاست تھی جو فریجیا کے مشرق میں واقع تھی۔ گارڈیم اسی ریاست کے شمالی و مغربی گوشے میں تھا۔

آٹھواں باب

1- CILICIAN GATE لفظی معنی شلیشیا کا دروازہ سلیشیا زمانہ قدیم میں ایشیائے کوچک کی اس ریاست کا نام تھا جو جزیرہ قبرص کے قریب سمندر کے کنارے باقی تھی۔ طرسوس اور اسٹرس اسی ریاست کے شہر تھے۔ توضیح کے لئے یہ بتا دینا مناسب

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نے ہیلس پوائنٹ پر سمندر عبور کیا اور وہ ساحلی علاقے کے ساتھ ساتھ لیسا تک آیا۔ پھر شمال کی طرف مڑ گیا اور فریجیا کی ریاست میں سے ہوتا ہوا کپاڈرشیا پہنچا۔ وہاں سے سلیشیا میں داخل ہوا۔ باب سلیشیا دونوں ریاستوں کے درمیانی پہاڑی علاقے میں ہونا چاہیے۔

-2 DAGON یہ فلسطینیوں کا قومی دیوتا تھا۔ اشدود اور غزہ میں اس کی پرستش ہوتی تھی۔

-3 BALL بابل اور شام کا مشہور دیوتا۔ دراصل اسے سورج کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ شام میں ایک اس کی عبادت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہ مقام دمشق اور بیروت کے درمیان اول الذکر سے 35 میل کے فاصلے پر ہے۔

-4 یہ اشارہ بظاہر اس چٹان کی طرف ہے جو الصخرا کے نام سے مشہور ہے۔ اب یہ چٹان یروشلم کے حرم شریف میں آ گئی ہے اور اس پر نہایت خوبصورت قبہ بن گیا ہے۔ یہودیوں کے دورِ عروج میں یہ مقام ہیکل کی قربان گاہ تھا۔ قربانیوں کا خون نیچے بہتا ہوا زمین دوز راستے سے باہر نکل جاتا تھا۔ یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ اس چٹان کا رنگ ہرگز سیاہ نہیں جیسا مصنف نے لکھا ہے اور اسے شہابی پتھر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

-5 زمین بند سمندر سے مراد بحیرۂ لوط ہے جسے بحیرۂ مردار بھی کہتے ہیں۔

-6 SARDANAPALUS یہ نینوی کا بادشاہ تھا۔

-73 CYDNUSUS۔

-8 MEDES۔

-9 مستند تاریخوں کا بیان ہے کہ ایرانیوں نے تین لاکھ سوار بیس ہزار پیادے دریا کے بائیں کنارے پر بھیج دیئے تھے تاکہ یونانیوں کو پیش قدمی سے روکا جائے۔ ساٹھ ہزار منتخب ایرانی اور تیس ہزار تنخواہ دار یونانی دریا کے دائیں کنارے پر کھڑے تھے۔ اسے مرکزی فوج کی حیثیت حاصل تھی۔ گویا فوج کی مجموعی تعداد یونانیوں سے بہت زیادہ تھی۔

Marfat.com

10- جولوگ جنگی امور و معاملات پر لکھتے رہتے ہیں ان میں سے اکثر نے جنگ اسوس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دارا نے اپنی بے شمار فوج کو ایک تنگ محاذ پر جمع کرنے میں مہلک غلطی کی، زمین ناہموار تھی۔ اس لئے رسالہ آسانی سے وہاں نقل و حرکت نہ کرسکتا تھا اور اس کے پاس آتش بازی کی قوت بے پناہ تھی۔ وہ قوت تنگ محاذ کی وجہ سے پوری طرح کارگر نہ ہو سکی۔

یہ درست ہے لیکن دارا کو کبھی امید نہ ہوسکتی تھی کہ اسوس کے اس سمندر کے کنارے اسی تنگ مقام پر بہت بڑی جنگ پیش آئے گی۔ اس کے جرنیل جن عوامل سے متاثر ہوئے ان کے متعلق ہمیں تھوڑی سی معلومات حاصل ہیں۔ جنگ اسوس سے تین دن پیشتر فیصلہ کرلیا گیا تھا کہ شام کے کھلے میدانوں میں دفاعی جنگ نہ کرنی چاہئے بلکہ دشمن پر حملہ آور ہونا چاہئے۔ ایرانی کمانداروں نے یونانیوں کے خطوط رسل و رسائل پر بہت بڑی فوج جمع کر لینے میں ایک شاندار کارنامہ انجام دیا جسے انجام دینا سہل نہ تھا وہ یونانی فوج کو تیزی سے نرغے میں لے رہے تھے۔ سکندر دفعتاً لوٹا اور ان کے مقابلے میں آ گیا۔ ایرانی فوج ابھی کوچ کی حالت میں تھی کہ سکندر نے اپنی ہنرمندی سے تدبیر کی اور شکست کو ایک فیصلہ کن فتح بنا دیا۔

باقی رہی یہ دلیل کہ ایرانی کمانداروں نے کھلے میدان کو چھوڑ کر کامیابی کے بہترین مواقع زائل کر دیئے تھے تو اس بارے میں صرف گاگامیلہ کی جنگ مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے جو بعدازاں ہوئی۔ اس جنگ میں زمین نہ صرف کھلی تھی بلکہ رسالے کے لئے اسے خوب ہموار کرلیا گیا تھا۔ بایں ہمہ یونانیوں نے فتح بنا دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یونانی فوج نے ڈسپلن میں نہایت اعلیٰ درجہ حاصل کرلیا تھا۔ نیز کمانداری کی برتری میں اس کا کوئی مقابلہ نہ ہوسکتا تھا۔ سکندر کی قیادت سے قطع نظر کرتے ہوئے یونانیوں کے کماندارانِ جیش کا درجہ بہت بلند تھا۔ سکندر پہاڑیوں کے بازو میں حد درجہ مشکل نقل و حرکت کبھی پوری نہ کرسکتا اگر پارمینیو نہایت زبردست دباؤ

Marfat.com

کے مقابلے میں استقامت کا ثبوت نہ دیتا۔ پارمینیو بھی اس مشکل کام سے عہدہ برآ نہ ہوسکتا اگر تھسلی کے سوار کھلے ساحل پر کامیاب دفاعی جنگ کا ثبوت نہ دیتے جس کی حیثیت ایک چھوٹے سے معجزے سے کم نہ تھی۔

11- IPHICRATES۔

12- ARADUS کریٹ کے پاس ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔

13- BEROE۔

14- ASTARTE یہ ایک فونیقی دیوی تھی جسے زرخیزی کی دیوی مانا جاتا تھا۔ صیدا اس کا مرکز تھا اور اسے بعل کی زوجہ مانا جاتا تھا۔

نواں باب

1- STATIRA۔

2- LEONNATUS۔

3- NICANOR۔

4- یونان میں لڑکوں کی شادی پندرہ سال کی عمر میں ہو جاتی تھی اور وہ چھوٹی عمر ہی میں فوجی خدمات انجام دینے لگتے تھے۔ پچیس سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے وہ تجربہ کار فوجی بن جاتے تھے۔ دس سال کی فوجی خدمت تجربہ کاری کیلئے بڑی کافی تھی۔ مقدونیہ کے زیادہ تر کماندار جوان تھے اور سب خاصی لمبی مدت سے خدمات انجام دیتے آ رہے تھے۔

5- LYSIMACHUS۔

6- AESCHYLUS مشہور یونانی ڈرامہ نگار۔

7- ARSES۔

8- جب یونانی فوجیں ٹرائے کو فتح نہ کر سکیں تو انہوں نے ایک چال چلی۔ لکڑی کا ایک

Marfat.com

بہت بڑا گھوڑا بنایا۔ اس کے پیٹ میں مسلح آدمی چھپا دیئے اور خود ادھر ادھر چھپ گئے۔ اہلِ ٹرائے نے گھوڑا دیکھا تو اسے ایک عجوبہ سمجھ کر کھینچتے ہوئے شہر لے گئے۔ رات کے وقت گھوڑے کے پیٹ سے یونانی سپاہی نکلے۔ انہوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ شہر کے دروازے کھول دیئے۔ دوسری طرف یونانی فوجیں بھی آ گئیں اور ٹرائے فتح ہو گیا۔ مصنف کا مطلب یہ ہے کہ آخر یونانیوں نے ٹرائے کو بھی دھوکے ہی سے فتح کیا تھا۔

دسواں باب

1- یہ بیان بڑا ہی عجیب ہے۔ شمالی عرب کا بڑا صحرا النفود یا بادیہ شام ہے۔ یہ بحیرۂ احمر کے سامنے واقع نہیں بلکہ بیچ میں آبادی کا ایک خط قائم ہے اور صحرا اندرونِ ملک میں واقع ہے۔

2- MOUNT HERMON اس پہاڑ کا عربی نام جبل الشیخ ہے۔

3- NEBUCHANDNAZZAR (نیوکدنزار) بابل کا مشہور بادشاہ جس نے پہلی مرتبہ یہودیوں کے ہیکل کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور یہودیوں کو قید کرا کے بابل لے آیا۔ عرب اسے بخت نصر کہتے تھے۔

4- اس کا انگریزی نام بحیرۂ گلیلی SEA OF GALILEE ہے۔

5- اس کا نام BYBLUS ہے لیکن آج کل اسے جوبیل کہتے ہیں۔

6- MAEOTIS۔

7- HELIOPLIS جسے آج کل عین الشمس کہتے ہیں۔ یہ قاہرہ کا ایک حصہ ہے۔

گیارھواں باب

1- AMMON-RE مصریوں کے نزدیک یہ سب سے اونچا دیوتا تھا۔ وہ اسے سورج دیوتا قرار دیتے تھے۔

Marfat.com

-2 OBELISK یعنی ایک ہی پتھر کے گاؤدم مینار یا تھیں۔

-3 PSAMMON۔

-4 OSIRIS مصریوں کے نزدیک یہ عالمِ آخرت کا دیوتا تھا۔

-5 نخلستان سیوہ جسے آج کل واحہ سیوہ کہتے ہیں، مصر کی مغربی حد پر لیبیا کے قریب واقع ہے۔ یہاں آمن رع کا مندر تھا اور اس مقام کو یونانی الیونیم کہتے تھے۔

-6 FIUM یہ قاہرہ کے جنوب میں دریائے نیل کے مغربی جانب ایک نہایت زرخیز خطہ ہے۔ دریائے نیل سے ایک نہر یہاں پانی لاتی ہے اور اس کا نام بحرِ یوسف یا نہرِ یوسف ہے۔ پرانے زمانے میں یہاں بہت بڑی جھیل تھی۔ اب پہلے جیسی نہیں رہی یہ فیوم سے شمال مغرب میں چند میل پر واقع ہے۔ اسے برکتہ قارون کہتے ہیں۔ نہرِ یوسف حضرت یوسفؑ نے بنوائی تھی۔

بارھواں باب

-1 CIRCE یونانی افسانوں کی ایک ساحرہ جس نے اڈیسس کے ساتھیوں کو تبدیلِ ہیئت سے سور بنا دیا تھا۔

-2 سمتھ نے تاریخِ یونان میں بتایا ہے کہ ایران کی پیادہ فوج دس لاکھ تھی اور سوار چالیس ہزار۔ اس کے مقابلے پر مقدونوی فوج میں چالیس ہزار پیادے تھے اور سات ہزار سوار (صفحہ 197) اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے مقدونوی فوج کی تعداد 47 ہزار ہی باقی بتائی ہے۔ (چالیس ہزار پیادے سات ہزار سوار) اور ایرانی فوج کی تعداد اس سے کم از کم پانچ گنا قرار دی ہے۔ (جلد 10 صفحہ 72) بہرحال یہ بیان صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ ایرانی فوج میں سواروں کی تعداد پیادوں سے زیادہ تھی۔

-3 GAUGAMELA یہ اربیل یا اربیلہ (بتلفظ قدیم) سے آگے ایک گاؤں ہے جس کے لفظی معنی سمتھ نے "خانہ شتر" بتائے ہیں۔ سمتھ کے نزدیک گاگامیلہ اربیلہ سے بیس میل کے فاصلے پر تھا اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے نزدیک 32 میل۔ خود مصنف

Marfat.com

کتاب نے آگے چل کر فاصلہ ساٹھ میل بتایا ہے۔ میرے نزدیک انسائیکلو پیڈیا کا بیان زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔

-4 بعد میں چار رومی فوجوں نے مختلف اوقات میں شام کے میدانی علاقے میں ایرانی سواروں کے خلاف ناکام جنگ کرنے کی بے سود کوشش کے موقعے پیش کیے۔ مارک اینٹونی (جس کا نام قلوپطرہ کے ساتھ وابستہ ہے) اپنی فوج کے ایک حصے کو بچانے کیلئے پہاڑوں میں چلا گیا۔ ایک رومی فوجی کروئی کے میدان میں تباہ ہوئی جہاں تین رومی حاکموں میں سے ایک یعنی کریس مارا گیا۔ یہ لڑائی گاگامیلہ کے مقابلے میں ساحل سے قریب تر پیش آئی تھی۔ ایک اور رومی فوج ایڈیسہ کے قریب تباہ ہوئی اور رومی شہنشاہ دلیرین دشمن کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ چوتھی رومی فوج کا سالار شہنشاہ جولیس مدائن تک پہنچ گیا۔ پھر دجلہ کے ساتھ ساتھ مراجعت کرتے ہوئے اس نے سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ راستے میں مر گیا اور اس کی فوج کا ایک بازو بالکل غائب ہو گیا۔ زینوفن اس وادی سے سمندر کی طرف واپس ہوا تو اسے کسی مقام پر قابلِ ذکر فوج سے لڑنے کا موقع پیش نہ آیا اور جب تنخواہ دار یونانی تکلیفوں اور مصیبتوں میں سے گزرتے ہوئے سمندر کے سامنے پہنچے تو اتنی خوشی ہوئی کہ ان کے آنسو نکل پڑے۔

-5 جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے نزدیک گاگامیلہ اور اربیڈ کا درمیانی فاصلہ 32 میل سے زیادہ نہیں۔

-6 SUSA ایرانی اسے شوش کہتے ہیں۔

-7 MESOPOTAMIA دوآبے سے وہ سرزمین مراد ہے جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع تھی۔ میسوپوٹامیا کے لفظی معنی ہیں دریاؤں کے بیچ کا علاقہ یعنی دوآبہ۔

-8 PERSEPOLIS اس کے لفظی معنی ہیں شہرِ ایران یا شہرِ ایرانیاں۔ یہ موجودہ شیراز کے شمال مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع تھا۔

-9 ECBATANA یہ ہمدان کا یونانی تلفظ ہے بعض لوگ اکمتانا لکھتے تھے۔ اسی کا موجودہ

Marfat.com

اور مشہور نام ہمدان ہے۔

10- سمتھ نے اپنی تاریخ میں پچاس ہزار ٹیلنٹ کی رقم ایک کروڑ دس لاکھ پونڈ کے برابر بتائی۔

11- HARMODIUS۔

12- ARISTOGEITON۔

تیرھواں باب

1- HUZHA۔

2- CRATERUS۔

3- COENUS۔

4- سائیرس(CYRUS) کا فارسی نام۔اسی نام نے عربی میں خسرو کا لباس پہنا۔

5- سمتھ کا بیان ہے کہ پرسی پولس سے سکندر کو ایک لاکھ بیس ہزار ٹیلنٹ ملے تھے یعنی دو کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ (صفحہ 198)

6- THESSLUS۔

7- کوروش کے بارے میں نوٹ پہلے لکھا جا چکا ہے۔مصنف نے لکھا ہے کہ شخصوں کے نام یونانی الاصل تھے یا لاطینی الاصل مگر وہ زیادہ روشناس شکل میں لکھے گئے ہیں۔ قدیم ایرانی کورش کو سائرس نہیں کوروش ہی کہتے تھے اور سکندر کی دلہن کا نام روشنک تھا نہ کہ روکسانہ۔

8- اسے عام طور پر پسارگڈائی یا پسارگاڑی (PASARGADAE) لکھا جاتا ہے جو ایرانی نام "پارساگرد" کا بگاڑ معلوم ہوتا ہے۔عربوں نے اس کا نام اسطخر رکھا۔

9- CALLISTHENES۔

10- CASPIAN GATE باب کاسپین، میں نے کاسپین کا موجود نام قزوین استعمال کرنا مناسب سمجھا۔

Marfat.com

11- NEREID معلوم نہ ہوسکا یہ کس جزیرے کا ذکر ہے اندازہ یہ ہے کہ یہ جزیرہ خلیج فارس کے دہانے سے قریب ہوگا۔

پندرہواں باب

1- PEUCESTAS۔

2- واضح رہنا چاہئے کہ سکندر نے ایشیا میں یونانی نظامِ حکومت قائم نہ کیا تھا۔ اس نظامِ حکومت کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مقدونوی اور ایرانی نظاموں کو ملا کر اس نے ایک ایسی عالمی سلطنت بنانے کی کوشش کی تھی جس میں مقدونوی قیادت کو ایرانی تصورات کا لباس پہنایا جا سکتا۔ یہ چیز بالکل نئی تھی۔ بعض مورخین نادانستہ یہ اثر چھوڑ گئے کہ سکندر نے یونانی اصول کے مطابق کوئی نظامِ حکومت قائم کیا تھا اور اس کا مدعا یہ تھا کہ یونانی ثقافت کو مشرق میں پھیلائے، یہ صحیح نہیں۔ سکندر میزا میں تعلیم پا رہا تھا تو اس پر یونان کے سیاسی نظام کی خرابیاں بخوبی آشکارا ہو چکی تھیں۔ یہ خرابیاں ایسوکریٹیز کے رسالے اور فیلقوس کی مشورتوں میں بھی نمایاں ہوتی رہیں۔ پھر اس نے خود کارنتھ میں کونسلوں کے دو اجلاس دیکھے۔ آئی رونیا کے ساحل پر یونانی قومیت قائم کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ غرض وہ یونانیت کو ایشیا میں پھیلانے کی امید کھو چکا تھا۔ لسی پس اور دوسرے یونانی فنکار جو اس کے ساتھ آ رہے تھے سکوں پر اسی کی تصویریں بنانے کیلئے معمور تھے۔ ایرسٹانڈر یونانی نہ تھا۔ ایشیائی علاقوں کے نظم و نسق میں اس نے جو یونانی مقرر کئے وہ ایشیائی یونانی تھے۔ مصر میں سکندریہ کی بنیاد رکھی تو اس کا نقشہ کارنتھ سے نہیں بلکہ ممفس اور صیدا سے مشابہ تھا۔ ایکبتانہ میں اس نے متحدہ یونانی فوجوں کے اکثر افراد کو واپس کر دیا تھا۔ سکندریہ میں روشنی کے مینار میں ہیلی کارناسس کے برج کا نمونہ سامنے رکھا گیا تھا جس سے سکندر بہت متاثر ہوا۔ ایرانی فنون کی شان وشکوہ سے بھی اس نے بڑا اثر قبول کیا اور ان فن کے نمونے اس نے میزا، پیلا اور ایتھنز بھیجے۔ غرض سکندر پر ارسطو کے اثرات بہت زیادہ مان

Marfat.com

لئے گئے ہیں لیکن سکندر اور اس کے اکتشافات نے ارسطو اور یونانی دنیا پر جو اثر ڈالے اس کا صحیح اندازہ نہیں کیا گیا۔

3- EURYLOCHUS۔

4- ANTIGONI۔

5- PIDINA۔

6- SEA OF AZOV۔

7- TANAIS دریائے ڈان کا پرانا نام۔

8- روس۔

9- FAITIDS SEA۔

10- ZADRACARTA۔

11- سکندر کبھی دربند نہ گیا۔ اور نہ وہاں کوئی دیوار بنوائی۔ قفقاز کے وسط میں ایک بلند درہ ہے جس کا نام دانیال ہے اس درے میں تاتاری قبیلوں کی یورشوں کو روکنے کیلئے کورش یا سائیرس نے ایک دیوار بنوائی تھی جو حقیقت میں سدِ ذوالقرنین تھی۔

12- اس سے مراد دریائے مرغاسب ہے جو جنوبی سمت سے شمالی سمت میں بہتا ہوا مرو تک جاتا ہے۔

سولہواں باب

1- اس سے مراد دریائے جیحوں ہے جسے یونانیوں نے آکسس قرار دیا۔

2- QUINTUS CURTIS RUFUS۔

3- SPITAMA۔

4- اس سے مراد وہ صحرا ہے جسے قزل قم کہتے ہیں۔

5- یعنی سر دریا یا دریائے سیحوں۔

6- ندی کوہ جسے عام طور پر ہندوکش کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

ستارہواں باب

1- ONESICRITUS۔

2- LANICE۔

3- غالباً خلیج فارس مراد ہے۔

4- STYX یونانی افسانوں میں اسے دریائے نفرت سمجھا جاتا تھا۔

5- HERMOLAUS۔

اٹھارہواں باب

1- STRABO یونانی جغرافیہ دان کو جس کی ولادت ایشیائے کوچک میں 63 ق م میں ہوئی اور 20 ق م میں وفات پائی۔

2- SELEUCUS NICATOR۔

3- جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے سٹیڈیم جس کی جمع سٹیڈیا ہے یونانی پیمانے کے مطابق دو سو گز کا ہوتا تھا یا چھ ہزار سٹیڈیا قریباً سات سو میل ہوا۔

4- NICAEA یونانی زبان میں اس کے معنی فتح کے ہیں۔

5- BUCEPHALA۔

6- پنجاب کا آخری دریا بیاس نہیں ستلج ہے اس لئے کہ سندھ پنجاب کے پانچ دریاؤں میں شامل نہیں۔

انیسواں باب

1- KALYNAS۔

2- PATALA مصنف نے لکھا ہے کہ اسی مقام پر بعد میں حیدر آباد، آباد ہوا، لیکن یہ دعویٰ مترجم کے نزدیک محلِ نظر ہے۔ اس لئے کہ دریائے سندھ بہاؤ بار بار بدلتا رہا ہے اور وہ ابتدائی دور میں موجودہ حیدر آباد سے بہت دور مشرقی سمت میں بہتا تھا۔

Marfat.com

3- PURA یہ مقام جنوبی و مشرقی ایران میں تھا۔

4- GULASKIRD۔

5- NEREIO معلوم نہ ہوسکا یہ کس جزیرے کا ذکر ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ یہ جزیرہ خلیج فارس کے دہانے سے قریب ہوگا۔

بیسواں باب

1- PETRA جس کے لفظی معنی ہیں چٹان۔ یہ یونانی لفظ ہے عربی میں اسے الرقیم کہتے ہیں۔ بائبل ڈکشنری میں اس کا نام سلع بھی بتایا گیا ہے۔ یہ اس وادی میں واقع ہے جو بحیرۂ لوط سے بحیرۂ قلزم کی طرف جاتی ہے۔

2- DELOS۔

3- LESBOS یہ دونوں جزیرے بحیرۂ ایجہ میں واقع ہیں۔

4- CASSANDER۔

5- PALMYRA پامیرا جو شام کے اندرونی علاقے میں ہے۔ ایک زمانے میں یہ مقام مشرق کی تجارتی شاہراہ کا مرکز تھا پھر تجارت کا رخ پلٹا تو یہ مقام بھی اپنی پرانی اہمیت کھو بیٹھا۔

اکیسواں باب

1- MENTOR۔

بائیسواں باب

1- STASICRATES۔

2- ATHOS یونان ایک ایک پہاڑ جو سالونیکا سے کوئی دس میل کے فاصلے پر بحیرۂ ایجہ کے نزدیک واقع ہے اس کی بلندی چھ ہزار فٹ سے کم نہیں۔ ایتھوس اس خطہ زمین کا نام بھی ہے جس میں یہ پہاڑ واقع ہے۔

Marfat.com

3- ICARUS۔

4- HEIRON۔

تیئیسواں باب

1- FAURE۔

2- AGINA کارنتھ کے قریب ایک جزیرہ ہے جہاں ڈیما ستھنیز چلا گیا تھا اور وہیں فوت ہوا۔

3- CHALCIS یونان کے ایک صوبے یوبوئیاں۔(EUBOEA) کا ایک مقام ہے جہاں ارسطو نے وفات پائی۔

4- EPICUREANS فلسفیوں کا ایک گروہ جو اپی کیورس کا معتقد تھا۔

5- STOICS اسٹوئک یہ لوگ اسٹوا(STOA) یعنی رواقوں میں تعلیم دیتے تھے۔اس لئے رواقی کہلائے۔زینو(ZENO) اس طبقہ فلاسفہ کا بانی تھا۔

6- مصنف نے اپنے مذہب کو جو عالمگیری درجہ دینے کی کوشش کی اس میں علم وفضل کے بجائے ذاتی رجحانات کو مقدم رکھا۔

7- ANTIOCH اس شہر کی بنیاد اینٹیپا کس نے رکھی تھی۔یہ شام کا مشہور مقام ہے۔

8- سکندر کے بنائے ہوئے شہروں میں سے جو باقی رہ گئے مؤرخین ان کے نام یہ بتاتے ہیں۔سکندریہ (مصر) ہرات، کابل، قندھار، غزنی (افغانستان)، خجند (ترکستان)، پٹالہ (ہندوستان) یقیناً اور مقامات بھی ہوں گے۔آئی گائی اور پیلا کی بنیادوں کے صرف چند پتھر باقی رہ گئے ہیں حالانکہ وہ قدیم مقدونیہ کے دارالحکومت تھے۔

9- CATHOY پرانے زمانے میں یہ نام چین اور مشرقی تاتار کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ ہمارے ادب میں خطا کہتے ہیں۔

10- ARISTOBILUS۔

11- BAETON۔

Marfat.com

12- DIOCNETES۔

13- POLY BIUS۔

14- سکندریہ کا مشہور جغرافیہ دان اور ہیئت دان جو بطلیموسی خاندان میں سے تھا اور اس نے خاصی مدت سکندریہ میں گزاری۔ اس کی تمام تصانیف تیرہ جلدوں میں مرتب ہوئی تھیں۔ اس مجموعہ علوم کا نام عربوں نے المجسطی رکھا تھا۔ اس کا مرتبہ نظام بڑی مدت تک مختلف قوموں میں رائج رہا۔ یہ کہتا تھا کہ زمین ایک جگہ ٹھہری ہوئی ہے۔ سورج چاند اور ثوابت وسیار اس کے گرد مشرق سے مغرب کی طرف گھومتے ہیں۔

15- NECTANBEUS یہ 379 ق م میں تخت پر بیٹھا تھا۔ ایرانیوں سے اس کی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ یہ آخری فرعون نہ تھا۔ البتہ بڑے فرعونوں میں سے یقیناً آخری تھا۔

16- بلاشبہ فردوسی کے شاہنامے میں سکندر کی داستان خاص تفصیل سے بیان ہوئی ہے لیکن اس کے حالات میں سکندر نامہ زیادہ مفصل کتاب مولانا نظام گنجوی نے لکھی جس نے بڑی شہرت پائی۔

17- PRESTOR GOHN یہ بارہویں صدی کی ایک افسانوی شخصیت ہے جسے مشرق البعید کی ایک مملکت کا حکمران بتایا گیا تھا۔ پریسٹر کے معنی پادری کے ہیں۔ قرونِ وسطیٰ کے سفرناموں میں اس کا ذکر آیا ہے۔

18- DAVID HOGATH۔

19- HELLENISTIC MILITARY & DEVELOPMENT (یونان کی فوجی اور بحری ترقیات)۔

20- یعنی وہ مقام جو روشنک کا وطن تھا۔

21- عجیب بات ہے کہ مصنف ابتداء میں خود معقول وجوہ کی بنا پر اس شبہ کی تردید کر چکا ہے۔

○○○

Marfat.com

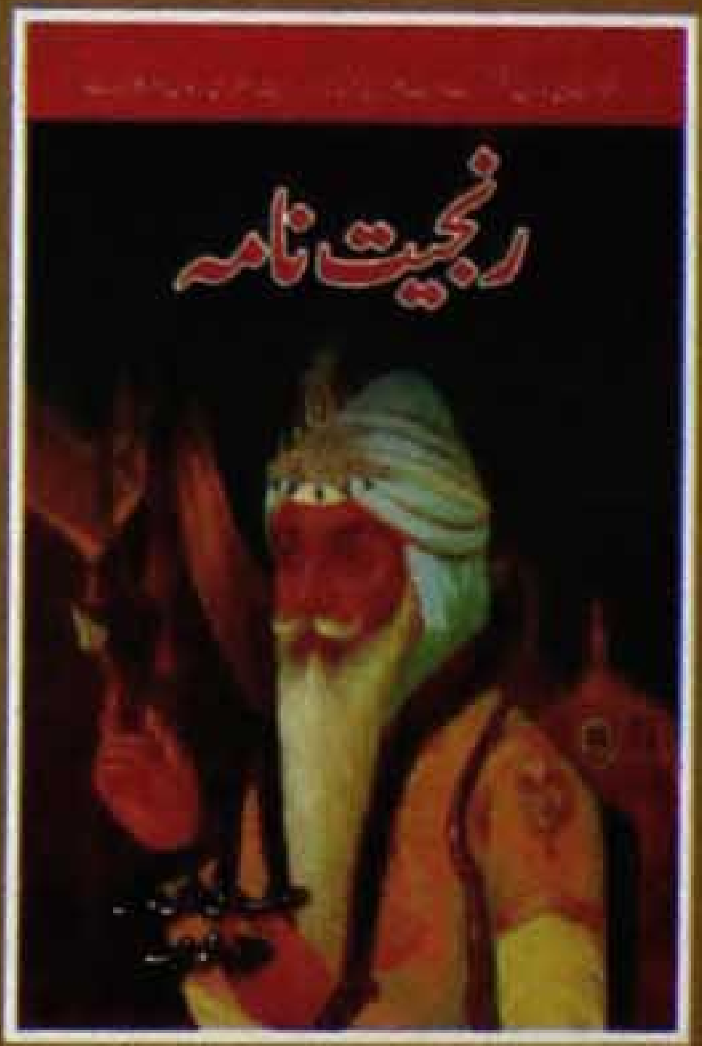

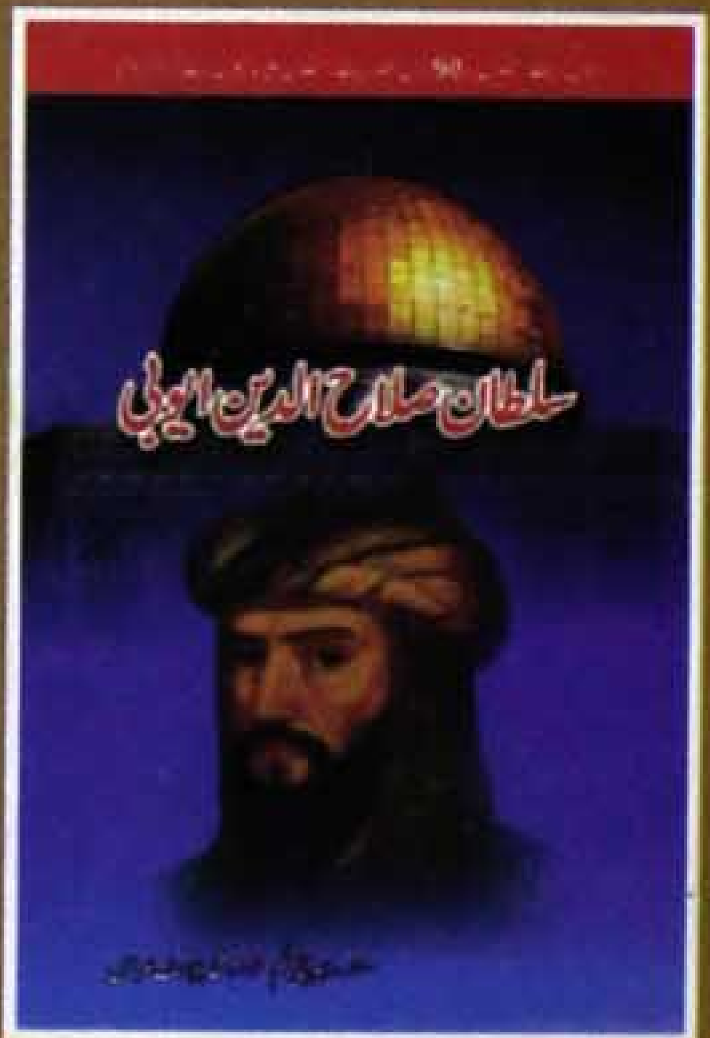

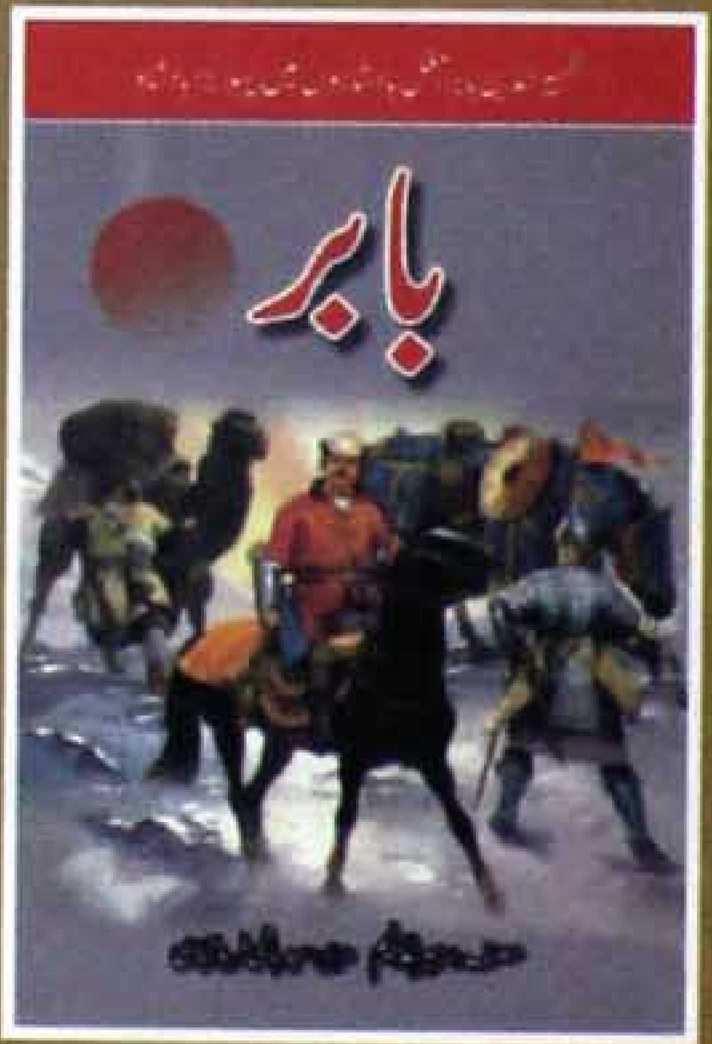

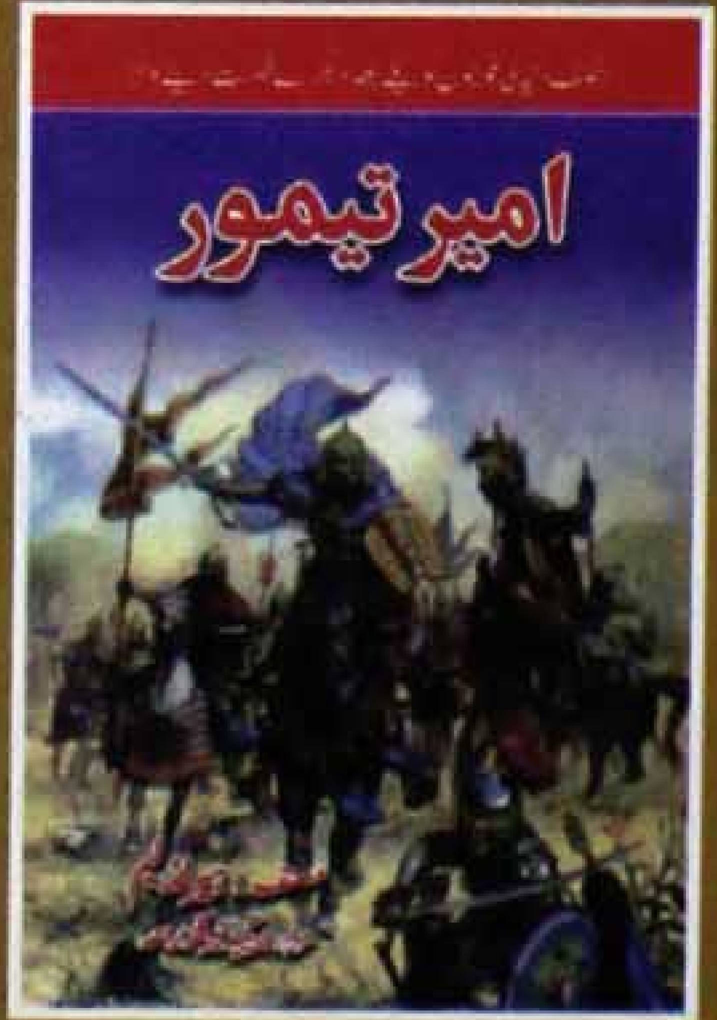

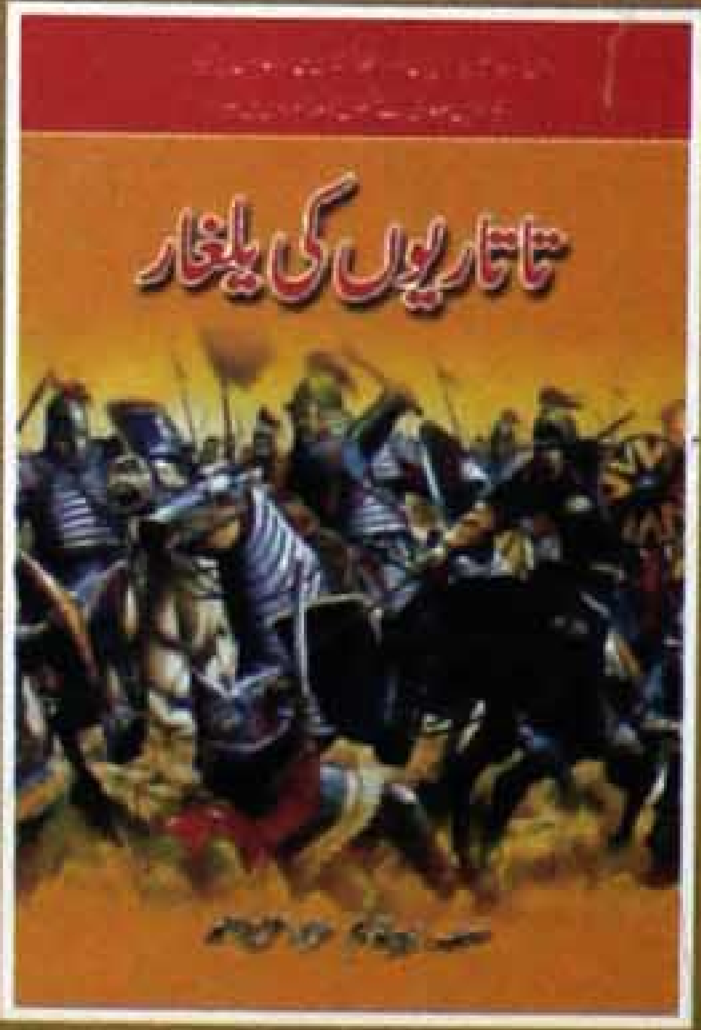

گوہر پبلیکیشنز

سید پلازہ فسٹ فلور A-3، چیٹرجی روڈ، اردو بازار لاہور

فون: 042-37350675 موبائل: 0345-4327063

Design By: MUHAMMAD AHSUN GULL